Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہلی شعاع	رضیہ جمیل	10
حمد	تنویر پھول	11
نعت	سلیم کوثر	11
نبیﷺ کی باتیں	ادارہ	12

انٹرویو

بند مٹھی	احسن خان	23
دستک	شاہین رشید	278
شاعری	نوال افضل گھمن	276

ناول

دیوار شب	عالیہ بخاری	36
ستارۂ شام	آمنہ ریاض	132

مکمل ناول

جنت کے پتے	نمرہ احمد	228
اندھیرا اجالا	جویریہ قاسمی	78

ناولٹ

سنڈریلا	فائزہ افتخار	164
زندگی کی رہ گزر	مریم عزیز	184

افسانے

فیصلہ	بشریٰ احمد	60
میری الجھن	سیمی کرن	70
ممتا	کنیز نبوی	156
بلا عنوان	نعیمہ ناز	224

نظمیں غزلیں

غزل	احمد فراز	268
غزل	محسن اسرار	269
نظم	خالد معین	269
غزل	صغریٰ یوسف	268

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک

پاکستان (سالانہ)	800 روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ	5000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا	6000 روپے

انتباہ: ماہنامہ شعاع ڈائجسٹ کے جملہ حقوق محفوظ ہیں۔ پبلشر کی تحریری اجازت کے بغیر اس رسالے کی کسی بھی کہانی، ناول، یا سلسلے کو کسی بھی انداز سے نہ تو شائع کیا جا سکتا ہے، نہ کسی بھی ٹی وی چینل پر ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے طور پر یا کسی بھی شکل میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ خلاف ورزی کرنے کی صورت میں قانونی کارروائی عمل میں لائی جا سکتی ہے۔

مستقل سلسلے

خط آپ کے	رضیہ جمیل	28
مسکراہٹیں	سائرہ غلام نبی	270
آئینہ خانے میں	تبسم نشاط	282
یادوں سے خوشبو آئے	شگفتہ جاہ	273
تاریخ کے جھروکے	امت الصبور	285
سیر دو جہاں	آمنہ زرین	17
کھلتا کسی پہ	خالدہ جیلانی	281
موسم کے پکوان	خالدہ جیلانی	288
خوبصورت بنیے	ادارہ	290

جولائی 2012

جلد 26 شمارہ 11

قیمت 50 روپے

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ شعاع، 37 - اردو بازار، کراچی۔

رضیہ جمیل نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا - مقام: 20 بی 11، پی ای سی ایچ ایس سوسائٹی کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 0092-21-32766872

Email: shuaa@khawateendigest.com website: www.khawateendigest.com

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شعاع کا جولائی کا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

عہد حاضر کی برق رفتار بھاگتی دوڑتی زندگی کا ساتھ دینے کی کوشش نے ہماری فطرت سے ہم آہنگی ختم کر دی ہے جبکہ انسان جتنا فطرت سے قریب ہوتا ہے۔ روحانی طور پر اتنا ہی مضبوط ہوتا جاتا ہے۔ انسان کی روحانی طاقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے قرب سے ہے۔

اس مہینے ہم پر برکتوں اور رحمتوں کا مہینہ رمضان المبارک سایہ فگن ہو رہا ہے۔ اس مہینے میں ہم عبادات کا خصوصی اہتمام کرتے ہیں۔ گھروں کی صفائی اور پاکیزگی کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ اس ماہ مقدس کی برکتوں سے پوری طرح فیض یاب ہونے کے لیے دل کی صفائی بھی ضروری ہے۔ حسد، کینہ، بغض، نفرت کے جذبوں کو دل سے نکال کر انسان اور انسانیت سے محبت کا جذبہ پیدا کریں تاکہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر سکیں۔

سالگرہ نمبر،

اس شمارے کے ساتھ شعاع نے اپنی عمر عزیز کے 27 سال مکمل کر لیے ہیں۔ اگست کا شمارہ سالگرہ نمبر ہوگا۔ سالگرہ نمبر میں آپ کی پسندیدہ مصنفین کی تحریروں کے ساتھ خصوصی سلسلے بھی شامل ہوں گے۔ مصنفین سے درخواست ہے اپنی تحریریں جلد از جلد بھجوادیں تاکہ شعاع میں شامل ہو سکیں۔

سروے،

حسب روایت سالگرہ نمبر میں قارئین کی شمولیت کے لیے خصوصی سروے شامل ہوگا۔ سوالات یہ ہیں۔

1- آپ سالگرہ کس طرح مناتی ہیں؟ عمر کا ایک سال رخصت ہونے پر آپ کے احساسات کیا ہوتے ہیں۔ سالگرہ پر ملنے والا کوئی تحفہ، یا خوبصورت جملہ یا مبارک باد جو آپ کو بہت پسند آئی؟

2- شعاع میں شائع ہونے والی تحریروں میں کچھ جملے اتنے خوبصورت ہوتے ہیں کہ دل کو چھو لیتے ہیں۔ ایسے دل میں گھر کرنے والے جملے انتخاب کر کے لکھیں۔

3- شعاع کب سے پڑھنا شروع کیا اور وقت کے ساتھ ساتھ اس میں کیا تبدیلی محسوس کی؟

ان سوالات کے جوابات اس طرح بھجوائیں کہ ہمیں 20 جولائی تک موصول ہو جائیں۔

اس شمارے میں،

زندگی کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ ہماری نظر صرف ظاہریت تک ہی محدود رہتی ہے۔ ظاہری خوبصورتی سے محروم لوگ ہماری توجہ حاصل نہیں کر پاتے۔ جویریہ قاضی نے اسی حساس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔

- جویریہ قاضی کا مکمل ناول۔ اندھیرا اُجالا،
- نمرہ احمد کا ناول جنت کے پتے،
- مریم عزیز کا ناول۔ زندگی کی رہگزر روشن تھی،
- فائزہ افتخار کا ناولٹ۔ اک تھی سنڈریلا،
- بشریٰ احمد، کنیز نبوی، نعیمہ ناز اور نیمی کرن کے افسانے،
- عالیہ بخاری اور آمنہ ریاض کے ناول،
- انیس خان اور فاطمہ امین کا ہبند جن،
- معروف شخصیات سے گفتگو کا سلسلہ۔ دستک،
- بیٹھ کر سیر دو جہاں کرتا۔ جسٹس ایم آر کیانی کی کتاب پر تبصرہ،
- پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں،
- خط آپ کے اور دیگر سلسلے شامل ہیں۔

ہماری خواہش ہے کہ سالگرہ نمبر میں ہماری زیادہ سے زیادہ قارئین کے نام شامل ہوں۔ ہمیں خط ضرور لکھیے گا۔

حمد باری تعالیٰ

اے خدا! اے خالقِ کون و مکاں!
تُو ہے بے شک بادشاہِ دو جہاں!

کس نے ہیں تیرے سوا پیدا کیے؟
چاند، سورج اور زمین و آسماں

در پہ آئے ہیں ترے، کہتے ہیں اب
رحم کر ہم پر خدا اے مہرباں!

سیدھے رستے پر چلا ہادی ہے تُو
ہم کو دکھلائے تُو منزل کا نشاں!

بحر و بر کو تُو نے ہی پیدا کیا!
پھول بوٹوں سے سجایا گلستاں!

ہے زباں عاجز تری تعریف سے
پھول کو بھی اب نہیں تابِ بیاں!

تنویر پھول

نعت رسول مقبول ﷺ

سارے حرفوں میں اک لفظ پیارا بہت اور یکتا بہت
سارے ناموں میں اک نام سوہنا بہت اور ہمارا بہت

اس کی شاخوں پہ آ کر زمانوں کے موسم بسیرا کریں
اک شجر جس کے دامن کا سایا بہت اور گھنیرا بہت

ایک آہٹ کی تحویل میں ہیں اس زمیں آسماں کی حدیں
ایک آواز دیتی ہے پہرا بہت اور گہرا بہت

جس دیے کی توانائی ارض و سما کی حرارت بنی
اس دیے کا ہمیں بھی حوالہ بہت اور اُجالا بہت

میری بینائی سے اور مرے ذہن سے محو ہوتا نہیں
میں نے روتے محمد ﷺ کو سوچا بہت اور چاہا بہت

میرے ہاتھوں سے اور میرے ہونٹوں سے خوشبو جاتی نہیں
میں نے اسمِ محمد ﷺ کو لکھا بہت اور چوما بہت

بے یقیں راستوں پر سفر کرنے والے مسافر سنو!
بے سہاروں کا ہے ایک سہارا بہت کملی والا بہت

سلیم کوثر

ادارہ

پیارے نبی ﷺ کی پیاری باتیں

ظلم کے حرام ہونے اور مظالم کے دفع کرنے کے حکم کا بیان

اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ظالموں کا نہ کوئی دوست ہو گا اور نہ سفارشی جس کی بات مانی جائے۔"

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ظالموں کا کوئی مدد گار نہیں ہو گا۔" اور اب احادیث۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ظلم کرنے سے بچو! اس لیے کہ ظلم قیامت والے دن اندھیروں کا باعث ہو گا اور بخل سے بچو! اس لیے کہ بخل ہی نے ان لوگوں کو ہلاک کیا' جو تم سے پہلے تھے۔ اس بخل نے انھیں اپنوں کا خون بہانے پر اور حرام چیزوں کو حلال سمجھنے پر آمادہ کیا۔" (مسلم)

فائدہ : شح مال کی شدید محبت کو کہتے ہیں۔ جب انسان کے دل میں دنیا اور دنیا کے مال و اسباب کی محبت حد سے تجاوز کر کے شدید ہو جائے تو پھر انسان حرام حلال کے درمیان تمیز بھی نہیں کرتا اور دوسرے انسانوں کا خون بہانے سے گریز بھی نہیں کرتا۔ جیسے آج ہمارے معاشرے کا حال ہے اور یہ حالت اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ اس معاشرے کی بقا کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔ یہ دیر یا سویر ہلاکت سے دوچار ہو کر ہی رہے گا۔

حق

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"تمھیں قیامت والے دن حق والوں کے حق ضرور ادا کرنے ہوں گے حتیٰ کہ سینگ والی بکری سے بغیر سینگوں والی بکری کو بدلہ دلوایا جائے گا۔" (مسلم)

فائدہ : اس سے معلوم ہوا کہ قیامت والے دن بے لاگ عدل ہو گا حتیٰ کہ جانوروں نے بھی ایک دوسرے پر ظلم کیا ہو گا تو اللہ تعالیٰ مظلوم جانور کی داد رسی فرمائے گا۔ اس میں انسانوں کے لیے سخت تنبیہہ ہے کہ جب بے شعور جانوروں کو معاف نہیں کیا جائے گا تو عقل و شعور سے بہرہ ور ظالم انسانوں کی کس طرح معافی ہو سکتی ہے' اگر انہوں نے دنیا میں ظلم سے توبہ کر کے اس کی تلافی نہ کی ہو گی۔

زمین پر قبضہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جس نے ایک بالشت کے برابر زمین ہتھیا کر کسی پر ظلم کیا تو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے قیامت والے دن) اُسے سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔" (بخاری و مسلم)

فائدہ : اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں تھوڑا سا ظلم بھی اور کسی کا معمولی سا حق بھی مار لینا قیامت والے دن عذاب شدید کا باعث ہو گا۔

مہلت

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"یقیناً" اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے' لیکن پھر جب اس کی گرفت فرماتا ہے تو اسے نہیں چھوڑتا۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

ترجمہ۔ "اور اسی طرح تیرے رب کی پکڑ ہے جب وہ بستیوں (والوں) کو پکڑتا ہے جب کہ وہ ظالم ہوتی ہیں۔ یقیناً" اس کی پکڑ نہایت دردناک (اور) شدید ہے۔" (بخاری و مسلم)

فائدہ : اللہ تعالیٰ اپنی حسب مشیت و مصلحت' ظالم اور گناہ گار کو مہلت دیتا ہے لیکن جب مواخذہ فرماتا ہے تو پھر اس کی گرفت سے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی' اس لیے ہر شخص کو ظلم و معصیت سے اپنا دامن بچا کر رکھنا چاہیے۔ مہلت سے دھوکے کا شکار نہیں ہونا چاہیے کیونکہ پتا نہیں کب اس کی مدت مہلت ختم اور گرفت کا آغاز ہو جائے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کے علاقے میں بھیجا تو فرمایا:

"تم ایسے لوگوں کے پاس جا رہے ہو جو اہل کتاب سے ہیں۔ چنانچہ تم (سب سے پہلے) انھیں اس بات کی دعوت دینا کہ وہ لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کا اقرار کر لیں۔ اگر وہ یہ بات مان لیں تو پھر انھیں بتلانا کہ اللہ نے ان پر رات اور دن میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اگر وہ اسے مان لیں تو پھر انھیں بتلانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے مال داروں سے لی جائے گی اور ان کے فقراء پر تقسیم کر دی جائے گی۔ اگر وہ اسے مان لیں تو (زکوٰۃ وصول کرتے وقت) ان کے عمدہ مال لینے سے اجتناب کرنا اور مظلوم کی بددعا سے بچنا' اس لیے کہ اس کی بددعا اور اللہ کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔" (بخاری و مسلم)

فائدہ : کفار و مشرکین اور اہل کتاب سے اگر جہاد کی نوبت آئے تو قتال سے پہلے انھیں قبول اسلام کی دعوت دی جائے اور پھر انھیں نماز' زکوٰۃ اور دیگر احکام و فرائض کی تعلیم دی جائے۔

زکوٰۃ' جس علاقے کے اغنیاء سے وصول کی جائے' اسی علاقے کے فقراء پر تقسیم کی جائے۔ اگر بچ جائے تو پھر دوسرے علاقوں میں تقسیم کی جا سکتی ہے۔

عاملین زکوٰۃ کے لیے ضروری ہے کہ وہ زکوٰۃ کی وصولی میں ظلم کرنے سے گریز کریں اور لوگوں کی بددعا کے مستحق بن کر اللہ کے غضب و عتاب کے اہل نہ بنیں۔

سرکاری ملازمین کے تحائف

حضرت ابو حمید عبدالرحمٰن بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ازد قبیلے کے ایک آدمی کو جسے ابن لتبیہ کہا جاتا تھا' زکوٰۃ کی وصولی کے لیے عامل مقرر فرمایا۔

چنانچہ جب وہ (زکوٰۃ وصول کر کے واپس) آیا تو کہنے لگا' یہ تمہارے لیے ہے (یعنی بیت المال کا حق ہے) اور یہ مجھے ہدیے میں ملی ہوئی چیزیں ہیں تو (یہ سن کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے اور اللہ کی حمد و ثنا بیان کی' پھر فرمایا۔

"اما بعد! میں تم میں سے کسی آدمی کو کسی کام کے لیے عامل مقرر کرتا ہوں' جن کا والی و سرپرست اللہ نے مجھے بنایا ہے' تو وہ (واپس) آتا ہے اور کہتا ہے یہ تمہارے لیے ہے اور یہ ہدیہ ہے جو مجھے لوگوں کی طرف سے دیا گیا ہے۔ یہ اپنے باپ یا ماں کے گھر کیوں نہ بیٹھا رہا حتیٰ کہ اس کا ہدیہ اس کے پاس آئے' اگر وہ سچا ہے۔"

(مطلب یہ تھا کہ جس کو یہ ہدیہ کہہ رہا ہے' وہ ہدیہ نہیں' یہ اس سرکاری منصب کا نتیجہ ہے جس پر اسے مقرر کیا گیا تھا۔ اگر یہ ہدیہ ہوتا تو اسے گھر بیٹھے بھی ملتا۔)

"اللہ کی قسم! تم میں سے کوئی شخص کوئی چیز اپنے حق کے بغیر لے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کو اس حال میں ملے گا کہ قیامت والے دن وہ اسے اٹھائے ہوئے ہو گا۔ چنانچہ میں تم میں سے کسی شخص کو نہ دیکھوں کہ وہ اللہ سے ملاقات کے وقت (ناجائز طریقے سے حاصل کردہ) اونٹ کو اٹھائے ہوئے ہو' جو بلبلا رہا ہو' یا گائے کو جس کی آواز ہو' یا بکری کو جو ممیا رہی ہو۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ اٹھائے' یہاں تک کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اے اللہ! کیا میں نے پہنچا دیا؟"
تین مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا۔
(بخاری و مسلم)

فائدہ : اس حدیث میں سرکاری اہل کاروں اور منصب داروں کے لیے بڑی تنبیہہ ہے۔ آج کل سرکاری عہدوں سے بڑا فائدہ اٹھایا جاتا ہے اور لوگ ان عہدوں کی وجہ سے ان اہل کاروں اور عہدے داروں کو کثرت سے ہدیے اور تحفے پیش کرتے ہیں۔ اس حدیث کی رو سے یہ تمام مال جو سرکاری عہدوں کی وجہ سے حاصل ہو یا حاصل کیا جائے' حرام ہے اور رشوت کے زمرے میں آتا ہے' جس کا لینا اور دینا دونوں ناجائز امور ہیں۔

مسلمان کا حق

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"جس آدمی پر بھی اپنے (مسلمان) بھائی کا' اس کی عزت و آبرو سے متعلق یا کسی اور چیز سے متعلق کوئی حق ہو (یعنی اس کی بے عزتی کر کے یا کوئی اور زیادتی کر کے اس پر ظلم کیا ہو) تو اسے چاہیے کہ آج ہی (دنیا میں) اس کا ازالہ کر کے اس حق سے عہدہ برآ ہو جائے' قبل اس کے کہ وہ دن آجائے جس میں (ازالے کے لیے) کسی کے پاس دینار و درہم نہیں ہوں گے۔ (اور وہاں ازالے کی صورت یہ ہو گی کہ) اگر اس کے پاس عمل صالح ہوں گے تو وہ اس کے ظلم کے بہ قدر لے لیے جائیں گے (اور مظلومین میں تقسیم کر دیے جائیں گے) اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہیں ہوں گی تو اس کے ساتھی (صاحب حق) کی برائیاں لے کر اس پر لاد دی جائیں گی۔" (بخاری)

فائدہ : اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں کی گئی دست درازیاں' اگر انہیں دنیا میں معاف نہیں کروا لیا گیا یا ان کی تلافی نہ کی گئی تو آخرت میں اس کا معاملہ نہایت خطرناک ہو گا جیسا کہ اس کی تفصیل اس حدیث میں ہے۔ اس لیے حقوق العباد میں کوتاہی' جس کی انسان پروا نہیں کرتا سخت ہلاکت کا باعث ہے۔

مسلمان کون ہے

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور مہاجر وہ ہے جو اللہ کی منع کردہ چیزیں چھوڑ دے۔" (بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل : اس سے معلوم ہوا کہ کامل مسلمان وہ ہے جو دوسروں کو (ظاہر یا باطن) کسی بھی قسم کی اذیت نہ پہنچائے اور حقیقی مہاجر وہ ہے جو اللہ کی نافرمانیوں سے باز رہے۔
اگر کسی نے ہجرت (ترک وطن) کے باوجود اللہ کی معصیت سے اجتناب نہ کیا تو ایسی ہجرت کا کیا فائدہ؟

ہجرت تو نام ہی اس چیز کا ہے کہ اللہ کی رضا کی خاطر ہر چیز کو چھوڑ دیا جائے۔ اب انسان اپنا وطن مالوف' خویش و اقارب اور جائیداد و کاروبار تو چھوڑ دے لیکن ممنوعات شرعیہ کے ارتکاب سے وہ باز نہ آئے تو عنداللہ اس کی ہجرت ایک مذاق ہی سمجھی جائے گی۔

خیانت

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامان پر ایک آدمی مقرر تھا' جسے کرکرہ کہا جاتا تھا' وہ مر گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
وہ جہنم میں ہے۔"
(یہ سن کر) لوگ اسے دیکھنے لگے (کہ آخر کیا بات ہے) تو صحابہ رضی اللہ عنہ نے اس کے پاس ایک عبا (سیاہ دھاریوں والی چادر) پائی' جسے اس نے (مال غنیمت سے) چرا لیا تھا۔ (بخاری)

فائدہ : اس سے معلوم ہوا کہ خیانت اور چوری کبیرہ گناہ ہے' جس کی وجہ سے انسان مستحق جہنم قرار پا سکتا ہے۔

حرمت

حضرت ابو بکرہ نفیع بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"بے شک زمانہ گھوم گیا ہے اپنی اسی حالت پر جس میں اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا۔ (یعنی روز آفرینش سے جس طرح سال اور مہینے تھے' اب پھر وہی ہیئت قدیمہ لوٹ آئی ہے اور مشرکین عرب اپنی طرف سے جو مہینوں میں تقدیم و تاخیر کر لیا کرتے تھے اور جسے وہ نسیء کہا کرتے تھے' اب اسے ختم کر دیا گیا ہے۔) سال کے بارہ مہینے ہیں۔ ان میں سے چار حرمت والے ہیں۔ تین پے در پے ذوالقعدہ' ذوالحجہ' محرم اور (چوتھا) مضر قبیلے کا رجب جو جمادی (الثانی) اور شعبان کے درمیان ہے۔
پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔ "یہ کون سا مہینہ ہے؟"
ہم نے کہا۔ "اللہ اور اس کا رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں۔"
آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے' یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے نام کے علاوہ اور نام سے اسے پکاریں گے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟" ہم نے کہا۔ "کیوں نہیں۔"
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔ "یہ شہر کون سا ہے؟"
ہم نے کہا "اللہ اور اس کا رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں۔"
آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے حتی کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے نام کے علاوہ کسی اور نام سے اسے پکاریں گے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "کیا یہ شہر مکہ نہیں ہے؟"
ہم نے کہا۔ "کیوں نہیں۔"
آپ صلی اللہ علیہ وسلم (پھر) پوچھا۔ "یہ دن کون سا ہے؟"
ہم نے کہا۔ "اللہ اور اس کا رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں۔"
آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے نام کے علاوہ کسی اور نام سے اسے پکاریں گے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا؟"
"کیا یہ قربانی کا دن (10 ذوالحجہ) نہیں ہے؟"
ہم نے کہا۔ "کیوں نہیں"۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "بے شک تمہارے خون' تمہارے مال اور تمہاری عزتیں (تمہارے درمیان آپس میں) اسی طرح حرام ہیں جس طرح تمہارے اس دن کی حرمت' تمہارے اس شہر میں اور تمہارے اس مہینے میں ہے اور عنقریب تم اپنے رب سے ملو گے۔ وہ تم سے تمہارے اعمال کے متعلق باز پرس کرے گا۔ خبردار! تم میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارو! سن لو! جو یہاں حاضر ہے' وہ غائب کو (یہ باتیں) پہنچا دے' اس لیے کہ شاید وہ شخص جسے یہ باتیں پہنچائی جائیں' ان سے زیادہ یاد رکھنے والا ہو جنہوں نے (براہ راست مجھ سے) سنا ہے۔"
پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "خبردار! (میری بات سنو اور بتاؤ) کیا میں نے پہنچا دیا ہے؟ کیا میں نے پہنچا دیا ہے؟"
ہم نے کہا۔ "ہاں۔"
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اے اللہ! گواہ ہو جا۔" (بخاری و مسلم)

فائدہ : سالوں اور مہینوں کا یہ تعین (کہ مہینہ 30 یا 29 دن کا اور سال بارہ مہینوں کا ہوتا ہے وغیرہ) اس دن سے ہے' جب آسمان و زمین کی تخلیق کی گئی اور اس کی وضاحت سے مقصد اہل جاہلیت کے طریقہ "نسیء" کا بطلان ہے۔
آپس میں ایک دوسرے کی جان' مال' عزت و آبرو کی حفاظت کی تاکید اور ان کی حرمت کا بیان۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قیامت والے دن بارگاہِ الٰہی میں بازپرس کی یاددہانی۔

اس امر کی تاکید کہ اللہ اور اس کے رسول کی جو بات سنی جائے، اسے سننے والا اپنی ذات تک محدود نہ رکھے بلکہ اسے دوسرے لوگوں تک پہنچائے، ممکن ہے وہ اسے زیادہ یاد رکھنے والا اور اس پر زیادہ عمل کرنے والا ہو۔

مشرکین مکہ بھی حرمت والے مہینوں کا پاس کرتے تھے اور مسلمانوں کو بھی ان کی حرمت کا خیال رکھنے کا حکم ہے۔ لیکن افسوس! آج مسلمانوں کو یہ بھی علم نہیں کہ حرمت والے مہینے کون سے ہیں اور نہ علماء اس طرف توجہ دلاتے ہیں حالانکہ ان مہینوں میں کیے گئے گناہوں کی بُرائی اور بڑھ جاتی ہے۔

محرم الحرام کا مہینہ بھی حرمت والے مہینوں میں سے ایک ہے لیکن اس کی یہ حرمت روزِ اول ہی سے ہے۔

چوری

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جب خیبر والا دن ہوا (یعنی جنگ خیبر ہوئی) تو اصحاب رسولؐ میں سے کچھ آدمی آئے اور انہوں نے کہا کہ فلاں شخص شہید ہے اور فلاں شہید ہے۔ حتیٰ کہ ایک آدمی کے پاس سے وہ گزرے تو کہا فلاں (بھی) شہید ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"ہرگز نہیں۔ میں نے ایک چادر کی وجہ سے، جو اس نے چرائی تھی، اسے جہنم میں دیکھا ہے۔" (مسلم)

فائدہ: معلوم ہوا کہ حقوق العباد شہادت سے بھی معاف نہیں ہوں گے۔ نیز مسلمانوں کے مشترکہ مال (قومی خزانے) میں خیانت بہت بڑا جرم ہے۔

حضرت ابو قتادہ حارث بن ربعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں کھڑے ہوئے اور ان کے لیے ذکر فرمایا۔ "اللہ کے راستے میں جہاد کرنا اور اللہ پر ایمان لانا سب عملوں سے افضل ہے۔"

ایک آدمی کھڑا ہوا اور کہا۔ "اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ فرمائیے کہ اگر میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں تو کیا میرے گناہ معاف کر دیے جائیں گے؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا۔

"ہاں، اگر تو اس حال میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جائے کہ تو صبر کرنے والا، ثواب کی نیت رکھنے والا اور دشمن کی طرف رخ کر کے لڑنے والا ہو، نہ کہ پیٹھ دکھا کر بھاگنے والا۔"

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"تو نے کیسے کہا تھا؟"

اس نے کہا۔ "یہ بتلائیے! اگر میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں تو کیا میرے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"ہاں، اگر تو قتل کر دیا جائے، جب کہ تو صبر کرنے والا، اللہ سے ثواب کی امید رکھنے والا اور دشمن کی طرف رخ کر کے لڑنے والا ہو، پیٹھ دکھا کر بھاگنے والا نہ ہو۔ سوائے قرض کے (کہ وہ معاف نہیں ہو گا) اس لیے کہ جبریل نے مجھ سے یہ کہا ہے۔" (مسلم)

فائدہ: اس سے بھی حقوق العباد اور قرض کی اہمیت واضح ہے کہ یہ کسی صورت معاف نہیں ہوں گے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہر مسلمان حقوق العباد میں کوتاہی سے اور قرضوں کی ادائیگی میں تساہل سے گریز کرے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام وحی کا درجہ رکھتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی منشا کے بغیر گفتگو نہیں کرتے تھے۔ اگر کسی معاملے میں اصلاح کی ضرورت ہوتی تو جبریل امین تشریف لا کر اصلاح فرما دیتے۔

بیٹھ کر سیرِ دو جہاں کرنا

افکارِ پریشاں

مصنف: جسٹس ایم آر کیانی
تبصرہ: آمنہ زریں

برجستہ، برمحل اور بہتے پانیوں جیسی رواں گفتگو۔ سننے کی بجائے اگر پڑھنے کو ملے تو اس کا نام "افکارِ پریشاں" ہی ہو سکتا ہے۔

جسٹس ایم آر کیانی، جن کا نام اور مقام عدلیہ کی تاریخ میں آج تک وقار کی علامت ہے، جن کے درد دل نے ذہنوں کو بار اور دلوں کو مایوسی کے بجائے حوصلہ اور ہمت عطا کیا۔

وطن عزیز کا گلستان کھلتے ہی صیاد کے زیرِ عتاب آگیا اور قبضے کی ایسی داغ بیل ڈلی کہ مدتوں سفر طے کرتے رہنے کے بعد بھی ہمیں منزل سے دوری نصیب ہوتی رہی۔

مارشل لاء کا ابتدائی دور امیدوں، امنگوں کو بجھا دینے کا عملی دور تھا۔ ایسے میں جب آواز، اظہار پر پابندی، گھٹن اور مایوسی کا باعث بن رہی تھی جسٹس صاحب کی تقریروں نے لوگوں کی ہمت بندھائی۔ جیسا کہ وہ خود کہتے ہیں۔

"اور آپ دیکھتے ہیں کہ ذہن بشری پر اگر زیادہ دباؤ پڑے تو وہ پست خیالی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور ایک قوم اس طرح نہیں بنتی کہ اس میں دس پندرہ آدمی تو بلند خیال ہوں اور باقی ملک میں کہیں بلند خیالی پیدا ہو تو اس کا گلا گھونٹ دیا جائے۔"

تقریروں پر مشتمل یہ کتاب پڑھ کر آپ ایک ایسی نابغہ روزگار شخصیت سے شناسائی حاصل کرتے ہیں، جو اصول، اخلاص اور صداقت کا پیکر تھی۔ جس کے دل میں ملک و قوم کے واسطے دردمندی اور فکر رچی بسی تھی اور ایسی شخصیات سے محرومی آپ کی محرومی میں اضافہ تو کرتی ہے، مگر جب تک کتاب آپ کے ہاتھ میں رہتی ہے، شگفتگی آپ کے ساتھ رہتی ہے۔

بڑی شخصیت ہونے کا مطلب آج کل وی آئی پی ہے۔ لیکن حقیقی طور پر بڑی شخصیت سے متعارف ہونا ایک دل نواز تجربہ ہے۔ دیکھیں! سادگی سے بیان کیا گیا یہ واقعہ، جو دراصل انہوں نے اردو زبان کے رسم الخط میں تبدیلی کے سوال سے مربوط کیا تھا۔ آج آپ ایسے واقعات کی پرچھائیں بھی ڈھونڈنے نکلیں۔۔۔ تو نڈھال ہو جائیں۔

"ہمارے خاندان میں پشت در پشت بلکہ ایک ہی پشت میں بھی بزرگوں کے کپڑے پہننے کا رواج تبرکاً قائم ہے۔ 1935ء میں میری ایک لڑکی لاہور میں مسیح و مریم کے کانونٹ میں پڑھتی تھی۔ وہاں اس کو پہننے کے لیے شاہی نیل کا یونیفارم ملا تھا۔ جب وہ یونیفارم کے سائز سے بڑھ گئی تو اس کے چھوٹے بھائی نے اسے پہننا شروع کر دیا۔ وہ اس کانونٹ میں تو نہیں تھا۔ مگر کپڑا گرم بھی تھا اور نرم بھی۔ ساری سردیوں میں کام آیا۔ جب وہ بھی بڑھ گیا تو قریباً سات سال کے بعد اس سے چھوٹے بچے نے پہنا۔ میں بچوں کے نام اس لیے نہیں لے رہا کہ اگر اسکولوں اور کالجوں میں انہیں شریر بچے چھیڑیں تو وہ کہہ سکیں گے کہ یہ میرے دوسرے بھائی کے متعلق لکھا ہے۔ اسکولوں اور کالجوں کا یہ حال ہے کہ جب بھی میں اپنے والد کے پرانے بوٹ پہنتا تھا تو جماعت کا خودساختہ لیڈر میری ہنسی اڑاتا تھا کہ اس بے چارے کو نئے بوٹ نہیں ملتے۔ لیکن وہ خود اپنے دادا کے وقت کی مشہدی لنگی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہن کر آتا اور میں صرف مسکراتا تو وہ کہتا تھا کہ اگر ہم بزرگوں کا نام روشن نہ کریں تو اور کون کرے گا۔ القصہ! اب پچھلے سال انیس سو ساٹھ میں چھبیس سال گزرنے کے بعد میں نے دیکھا کہ وہی یونیفارم میرے بڑے بھائی کے بڑے لڑکے کے بڑے لڑکے نے پہنا ہے وہی اسد جس کو بعض باتیں کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔

غالباً "اردو کو رومن بنانے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ اسے مغرب کے لیے دل پذیر بنایا جائے۔ مگر آپ بھول رہے ہیں کہ کسی زبان کی اہمیت اس کی اپنی خوب صورتی سے نہیں بڑھتی، اس کے بولنے والوں کی خوب صورتی سے بڑھتی ہے۔ جب آپ اخلاقی طور پر صحت مند ہو جائیں گے تو آپ کی قومیت کا اعتبار قائم ہو جائے گا اور دنیا آپ کی اردو بھی سیکھے گی اور اس کے رسم الخط کے نخرے بھی اٹھائے گی۔ کاف کابل اور قاف قندھار کے باریک فرق کو دیکھ کر لوگ کہیں گے سبحان اللہ! محض حروف کے امتیاز میں یہ لوگ کتنی دور چلے گئے ہیں۔ یہاں بھی اپنی اصل پر نظر ہے۔ ورنہ کاف کابل کے بجائے کاف کش مکش اور قاف قندھار کی بجائے قاف بد قسمت زیادہ موزوں ہوتا، کیونکہ یہ کش مکش جو ہم بلخ اور باختر کی جانب سے اٹھتی ہوئی دیکھتے ہیں۔ واقعی قسمت کی ستم ظریفی ہے۔ الغرض جب ہم صحت مند ہو جائیں گے تو اردو کی ساکھ اتنی بڑھ جائے گی کہ گندھارا تک بھی تعریفی لہجے میں کہنے لگے گا۔ "اردو دیاں نوجاں آئیاں۔"

دیکھیے! واقعاتی حقیقت کو بیان کی لطافت کیا رنگ عطا کرتی ہے۔

"ایک شام میں اندھیرے میں سڑک پر جا رہا تھا۔ اندھیرے میں سے آواز آئی اور آواز کے پیچھے ایک آدمی کی شکل نظر آئی۔ اچھا خاصا نوجوان تھا۔ کپڑے بھی اچھے پہنے ہوئے تھے۔ اس نے کہا۔ "مجھے شرم آتی ہے، یہ کہتے ہوئے مگر بیوی کو مرض دق ہے اور علاج کے لیے پیسہ نہیں۔" میری جیب میں پانچ روپے تھے۔ مستحق تو زیادہ کا تھا۔ مگر وہی دے دیے۔ یہ پانچ روپے کا اعلان اس لیے کرتا ہوں کہ اگر آپ میں سے کسی نے مجھ پر اندھیرے میں حملہ کیا تو پانچ روپے سے زیادہ نہیں ملیں گے اور پھر بدنامی الگ ہوگی۔ اب تو مجھے پانچ روپے رکھتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ کچھ دنوں بعد مجھے پھر اس سڑک پر قریباً "اسی وقت جانے کا اتفاق ہوا۔ اندھیرے میں سے پھر آواز آئی۔ "مجھے شرم آتی ہے، یہ کہتے ہوئے مگر میرے بچے کو فالج ہے۔ دو سال کا تھا جب اس کی ماں چل بسی تھی۔" میں نے شرمانے کی آواز پہچان لی اور کہا کہ "ان کو تو کچھ دن پہلے دق کی بیماری تھی نا؟" اس نے بھی میری آواز پہچان لی اور کہا "مجھے شرم آتی ہے، یہ کہتے ہوئے مگر مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ وہی ہیں۔ میں معافی چاہتا ہوں۔"

اس کے بعد کئی سال تک یہ آواز نہیں سنی۔ اب کوئی تین ہفتے ہوئے ہوں گے کہ ایک ہشت سالہ بچے سے پھر یہی فقرہ سنا۔ اس کا نام اسد ہے۔ میرے بڑے بھائی کے بڑے لڑکے کا بڑا لڑکا ہے۔ اس نے کچھ جنتر کے بیج زمین میں پھینکے تھے۔ جو مہینہ بھر میں سات آٹھ فٹ اونچے ہو گئے۔ بعض پودے جلد اونچے ہو جاتے ہیں۔ بعض انسان بھی جلدی اونچے ہو جاتے ہیں۔ مگر جنتر کی جڑ استوار نہیں ہوتی۔ کسی بھی ایسی چیز کی جڑ استوار نہیں ہوتی، جو جلدی سے اوپر جانے کی کوشش کرتی ہے۔ آپ کو بھی اپنی جڑیں اپنی بنیادیں استوار کرنی چاہئیں۔ آپ تو ماشاء اللہ اونچے درختوں کی طرح ہیں جن کی اصلاح آسانی سے نہیں ہو سکتی۔ اپنے بچوں کی بنیادیں راستی پر رکھیں۔ ان کی نشوونما میں کوئی ٹیڑھی ٹہنی نظر آئے تو اسے کاٹ دیں۔ درخت سیدھا اٹھے تو خوب صورت معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے سوچا ہے کہ سیدھے کے سارے محاورے نیکی کے ہیں۔ مثلاً "سیدھا گھر خدا کا" سیدھی بات کرنا، سیدھی چال چلنا اور ٹیڑھا پن کے سارے محاورے بدی کے ہیں۔ مثلاً "ٹیڑھی آنکھ سے دیکھنا۔ ٹیڑھی چال اور ٹیڑھی کھیر۔ اور اگر میرے افکار یوں ہی پریشان رہے تو تھوڑے دنوں میں فرنی بھی ٹیڑھی ہو جائے گی۔

بات جنتر کے پودوں کی ہو رہی تھی جو چھوٹے اسد نے کاشت کیے تھے۔ وہ مجھے جیجو (ابا جی) کے نام سے پکارتا ہے۔ اس لفظ کا نہ کوئی ماخذ ہے اور نہ ہی اس کے کوئی معنی ہیں۔ شروع میں ایک بچے نے بولنے کی ابتدا اس طرح کی کہ مجھے **جیجو** کہنا شروع کیا۔ اس کے بعد سارے بچے سنت طفلان کے طور پر یہ نام دہراتے رہے۔ دوسرے لڑکے نے نعم البدل کے طور پر مجھے بپون (ب، پ، و، ن) کہا۔ والد مرحوم نے سنا تو فرمایا کہ "بچہ بپون کہنا چاہتا ہے، جو کسی زبان میں بندر کو کہتے ہیں۔" ساتھ ہی فرمایا کہ "لڑکے ہوشیار ہوتے ہیں، پہچان لیتے ہیں۔" لڑکا سچ مچ ہوشیار تھا۔ آخر کیوں نہ ہو۔ جب ذرا زیادہ ہوشیار ہوا تو۔۔۔ بپون کہنا چھوڑ دیا۔"

اپنی ذات کو اسی سہولت سے ہر نشست میں طنز و مزاح کا نشانہ بناتے رہنا، ان کا خصوصی وصف تھا۔۔۔ آج تو یہ سوچنا بھی محالات سے ہے۔

اقبال کا فہم رکھتے تھے۔۔۔ اور اقبال شناس قرآن فہم نہ ہو۔۔۔ یہ نہیں ہو سکتا۔۔۔ اور قرآن فہمی رکھنے والا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عملی محبت نہ رکھتا ہو۔۔۔ یہ بھی نہیں ہو سکتا۔

"میں نے کہیں پڑھا تھا کہ معاشرت، سیاست اور فکر کی دنیا سے کہیں زیادہ گہرا انقلاب وہ تھا، جو حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے دلوں کی دنیا میں پیدا کر دیا تھا اور اس کا حقیقی ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بلند ترین کردار اور مقدس ترین سیرت تھی۔ جو گہرا اثر انہوں نے اپنی قوم پر ڈالا، اپنے اعلا کردار سے ڈالا۔ آپ نے پڑھا ہو گا کہ بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ یہ کیسا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے، جو خود بازار سے سودا لاتا ہے۔ اعتراض کرنے والوں کا مقصد یہ تھا کہ جب کوئی فرشتہ ان کے پاس آتا ہے تو کیوں اسے سبزی خریدنے کے لیے نہیں بھیج دیتے؟ اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں، جو آپ کے بازار میں جا کر سبزی یا کپڑا خریدنے کو آپ کے تجمل پر محمول کرتے ہیں۔ یہاں ایبٹ آباد میں میرے گھر سے ملحق ایک سڑک گزرتی ہے۔ جس پر آنے جانے والے مجھے مالی کا کام کرتے دیکھتے ہیں۔ ایک شخص نے ایک دفعہ ہمدردی سے پوچھا، "کیا آپ کے پاس مالی نہیں ہے؟" میں نے کہا، ہے تو۔ مگر میں خود بھی کام کرتا ہوں۔" اس نے پوچھا۔ "آپ خود کیوں کام کرتے ہیں؟ آپ کے ہاتھ سخت ہو جائیں گے۔" میں نے کہا۔ "ہاتھ سخت ہو جائیں تو دل نرم ہو جاتا ہے اور پھر کیا معلوم کہ آگے جا کر دنیا کی کیا حالت ہو۔ زمانے نے کوئی انقلابی کروٹ لی تو میں اپنے ہاتھوں کے چھالے دکھا کر یہ کہہ سکوں گا کہ میرے تو ہاتھ بھی مزدوروں کے سے ہیں اور دل بھی مزدوروں کا ہے کیونکہ میں بھی کبھی کبھی کام سے جی چراتا ہوں۔"

جب کسی دیہاتی اور مزدور میں یہ احساس پیدا ہو جائے کہ اپنے ہاتھ سے کام کرنا اچھا نہیں تو اس کام پر اس کو فخر کیا خاک ہو گا۔ یہ باتیں ہیں جو آپ عید میلاد کے علاوہ بھی جہاں بیٹھیں، لوگوں سے کہہ سکتے ہیں تاکہ ان میں وہ ذہنی انقلاب پھر بپا ہو جو کسی اور نے اپنے کردار سے پیدا کیا تھا۔ یہ کہنا کافی نہیں کہ وہ جو کی روٹی کھاتے تھے۔ یہ البتہ آپ بلند آواز سے کہیں کہ وہ دنیا والوں کا کردار اپنی مثال سے بناتے رہے۔ ایک مثال امانت اور دیانت کی تھی جس کی وجہ سے وہ امین کہلائے۔ ایک ان کے پاس ذہنی امانت تھی، جو آپ کے پاس بھی ہے اور آج میں اس امانت پر زور دینا چاہتا ہوں۔ یہ امانت عقل کی تھی، جو سچ بولنے کی تلقین کرتی ہے اور ذہنی خیانت سے منع کرتی ہے۔۔ بس آپ یہ چھوٹی سی بات اپنے ذمے لے لیں تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ ایک بڑی قوم بن جائیں گے۔

مگر اس وعدے سے جو میں آپ سے کر رہا ہوں کہ اگر آپ ذہنی امانتوں میں راست باز ہو جائیں تو ایک بڑی قوم بن جائیں گے، مجھے اس ملا کا وعدہ یاد آیا جو اس نے کسی بے نمازی سے کیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ اگر چالیس دن متواتر نماز پڑھو تو انعام دوں گا۔ جب چالیس دن نماز پڑھنے کے بعد وہ انعام کے لیے آیا تو ملا نے کہا۔ "ابے الو کی دم اور گدھے کے سم! میں نے تو تمہارے فائدے کی بات کی تھی۔ میرا مطلب یہ تھا کہ چالیس دن نماز پڑھ لی تو ایسی عادت پڑ جائے گی کہ پھر نہیں چھوڑو گے۔ نماز کی عادت خود تمہارا بہترین انعام ہے۔" بے نمازی نے کہا۔ "تو گویا آپ نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرے ساتھ دھوکا کیا اور آپ وعدہ خلافی بھی کر رہے ہیں۔ چلو نہ سہی۔ میں نے بھی نمازیں بغیر وضو کے ہی پڑھی تھیں۔"

موضوع سے مربوط برمحل قصے اور لطیفے آپ کو تازگی کا احساس دلاتے ہیں اور توانائی کا وہ تحسین احساس آپ کو اپنے حصار میں لیے رہتا ہے۔

"پاکستان بننے کے فوراً بعد ایک شوریدہ سر شاعر نے جو ریلوے میں ملازم بھی تھا' بڑے درد سے کچھ شعر کہے جن میں ایک یہ بھی تھا۔

دیکھتا کیا ہے میرے منہ کی طرف
قائد اعظم کا پاکستان دیکھ!

میں ان دنوں حکومت کا قانونی مشیر تھا۔ وہ مجموعہ اشعار میرے پاس آیا کہ "بتاؤ! اس پر کون سی دفعہ لگتی ہے؟" میں نے کہا کہ "خدا کے بندے! وہ تو صرف یہی کہتا ہے کہ میرے منہ کی طرف کیا دیکھتے ہو' پاکستان کی طرف دیکھو۔ کیا یہ وہی ملک ہے جو قائد اعظم نے تراشا تھا۔ اگر آپ اس کے منہ کی طرف دیکھنا چاہتے ہیں تو خوشی سے دیکھیں۔"

ایک زمانہ تھا کہ میں خود بھی گھا تھا یعنی حکومت کا قانونی مشیر تھا۔ جب بھی حکومت کسی مشکل میں ہوتی تو مجھ سے مشورہ طلب کیا جاتا تھا۔ مجھے چونکہ قانونی طور پر رائے دینی ہوتی تھی اس لیے اکثر خاموش رہتا۔ ایک تو اس لیے کہ مجھے خود کم علم ہوتا تھا۔ خصوصاً" جب پریس ایکٹ کے بارے میں مجھ سے سوال کیے جاتے "اچھا فرمایئے کیانی صاحب! یہ فلاں اخبار بہت تنگ کر رہا ہے۔ اس کا کیا تدارک کریں؟" میں کہتا "ضمانت ضبط کر لیجیے۔" وہ پوچھتے کہ "اگر اس نے ہائیکورٹ میں درخواست دے دی تو پھر؟" میں کہتا "درخواست تو ضرور منظور ہوگی۔" وہ پوچھتے "پھر کیا کریں؟" میں کہتا پھر ضمانت ضبط نہ کیجیے۔" دیکھا! کیسی اچھی رائے دی۔

"میں مترادف الفاظ کی مثال دے رہا تھا۔ مذکر' مونث اور پٹھانوں و زیروں کے جھگڑے میں خوامخواہ پڑ گیا۔ وکیلوں کو چھوڑ کر عام لوگ تو مترادف الفاظ کو اتنی جلدی سمجھتے ہیں کہ بعض ان میں سے عدالت کو بے انصافی کا مترادف تصور کرتے ہیں۔

ہم تو ابھی تک عدل و انصاف کی پگڈنڈیوں پر چل رہے ہیں۔ شاہراہیں تو ہیں ہی نہیں۔ شاہراہوں تک پہنچنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ اور ہم مل کر کوشش کریں۔ زندگی کے ہر شعبے میں دیانت داری سے کام لیں۔ دفتروں میں باتوں سے زیادہ کام کریں' ہل چلانا ہو تو زمین کو زیادہ کھودیں' لڑکوں کو پڑھانا ہو تو اس طرح پڑھائیں کہ چھٹی کے دن بھی وہ مدرسے کے خواب دیکھا کریں۔"

نصف صدی بیت گئی ـــــ امید اور خواب کی کیفیت سے نکل کر ہم امید و بیم کی حالت میں جا پہنچے ہیں ـــــ تبصرہ کرنے کو بہت کچھ ہے مگر کتاب کی شگفتگی کا مزا کرکرا ہو جائے گا۔

"اس سے پہلے اگر آپ اپنے دل میں استقلال کی گرمی پیدا کریں اور پیر بغداد کی طرح ڈاکوؤں کے سامنے اور میری طرح گھر کے اندر بھی سچ بولنے میں تامل نہ کریں اور خیانت کو کسی شکل میں دیکھ کر خون نہ سہی' آنسو ہی بہائیں تو آپ قومی حیثیت سے آپ وہ کچھ بن جائیں گے کہ خون بہانے کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔"

نصیحت پر کان دھرے ہوتے تو آج ـــــ یہ حال نہ ہوتا!

ان کی بیشتر تقاریر یوم اقبال کے موقع کی ہیں۔ ہر دفعہ نئے خیال اور نئے طرز کی تھم لیے۔

بے ذوق نہیں اگرچہ فطرت
جو اس سے نہ ہو سکا وہ تو کر

مگر جو کچھ کرنا ہو وہ اس طرح کرو کہ اس میں ایک ولولہ نظر آئے' اس میں تڑپ پیدا ہو ـــــ جیسے کسی کھوئی ہوئی چیز کو حاصل کرنے کی بے قراری ہو۔ اس کام کے لیے وہ جسم کو چھوڑ کر روح کو مامور کرتا ہے' کیونکہ جسم روح کے زور سے چلتا ہے اور جسم زوال پذیر ہے۔

روح کو لیکن کسی گم گشتہ شے کی ہے ہوس
ورنہ اس صحرا میں کیوں نالاں ہے یہ مثل جرس

طنزیہ اور لطیف انداز اختیار کرتے ہوئے "مفسرین کے کہنے کے مطابق گم گشتہ سے متروکہ جائیداد مراد ہے' جیسے آموں کا باغ یا رہائشی مکان۔ میں ابھی ایک گائے گورداسپور میں چھوڑ آیا تھا۔ بعد میں وہاں کے ناظر نے لکھا کہ "وہ طغیانی میں بہہ گئی ہے۔" یہاں سے ایک ہندو دوست نے جاتے ہوئے اپنی گائے دی کہ یہ کسی قصائی کے ہاتھ لگ جائے گی۔ اس سے تو آپ بہتر ہیں۔" بعد میں جب میں نے سنا کہ گورداسپور والی گائے طغیانی میں بہہ گئی ہے تو سوچا کہ یہ گر ادھر ہی نکل آئی ہوگی۔ ممکن ہے وہی گائے ہو' زیادہ غسل کرنے سے صرف رنگ بدل گیا ہے اور رفتہ رفتہ یقین ہو گیا کہ یہ وہی گائے ہے' کیونکہ دودھ بھی ویسا ہی سفید تھا ـــــ مکان نہ ملا تو گائے ہی سہی۔"

کاہلی' گداگری اور بے عملی کی بیخ کنی پر زور دیتے ہوئے جسٹس صاحب نے باتوں ہی باتوں میں یہ راز بھی افشا کیا کہ ہر سال سالانہ سرکاری شجرکاری کے باوجود ہمارے درختوں میں آخر اضافہ کیوں نہیں ہوتا؟

کرپشن کے لہلہاتے دور کا آغاز اتنا پرانا ہو چکا تھا۔"

اب آخر میں خاصے کی چیز کے طور پر 21 اپریل 1962ء کو کی گئی دلچسپ' مفصل' جامع اور آسان فہم تقریر میں سے اقتباسات' جو فکر کو جلا بخشتے ہیں' خودی کی وضاحت کرتے ہیں اور سوچ کے نئے امکان پیدا کرتے ہیں۔ اگر آپ بھی چاہیں تو۔

"یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ اقبال کس طرح اس نتیجے پر پہنچے مگر آخری نتیجہ یہی تھا کہ اسلام ایک جادہ حیات ہے۔ اسلام عمل سکھاتا ہے' حقیقت سے منہ نہیں موڑتا۔ حقیقت کی تلاش میں حس قلبی کے ذریعے ان مقامات تک پہنچا ہے' جہاں حواس خمسہ کے ذریعے سے نہیں پہنچ سکتے اور آخری حقیقت کو خدا کہتے ہیں۔ چونکہ حقیقت کی تلاش انسان کا کام ہے' اس لیے مذہب زندگی کا ایک ضروری جزو ہے اور ان سب مشکل باتوں کی تشریح دراصل خودی کی ایک تشریح ہے۔

مجھے بھی شک ہوا کرتا تھا کہ "خدا" کا لفظ خود سے نکلا ہے مگر اب یہ کتاب پڑھ کر تو یقین ہو گیا ہے۔

ان سب کہاں چیزوں میں سب سے پہلے چیز جس پر اقبال کی نظر پڑتی ہے' وہ قرآن ہے۔ اس کے نزدیک قرآن کا بڑا مقصد یہ ہے کہ انسان میں اس بات کا شعور پیدا کرے کہ اس کے تعلقات خدا سے ایک طرف اور کائنات سے دوسری طرف کیا ہیں۔"

"اسلام مادی دنیا سے گریز نہیں کرتا' بلکہ اس کی تسخیر کر کے کوئی ایسی بنیاد تلاش کرتا ہے' جس پر زندگی کی عمارت بادلوں میں نہیں' بلکہ زمین پر کھڑی کی جا سکے۔ آپ سمجھیں گے کہ میں الٹی بات کر رہا ہوں کیونکہ مادی دنیا کی تسخیر مسلمان تو نہیں کر رہے اور لوگ کر رہے ہیں۔

اقبال کہتا ہے اور میں بھی ادب کے ساتھ تائید کرتا ہوں کہ تعلیم قرآن یہ ہے کہ ان چیزوں کی حقیقت فکر کے ذریعے سے معلوم کرو۔

(ترجمہ) "تمہیں کان' آنکھ اور دل دیے۔"

کانوں سے تو سنتے ہیں۔ یہ ایک ذریعہ ہے' تحصیل علم کا دل سے آپ کیا کرتے ہیں' سوچتے ہیں۔ یہ دیکھیے! حواس خمسہ کے علاوہ ایک اور ذریعہ علم کے حاصل کرنے کا پیدا ہوا' بلکہ یوں سمجھیے کہ اس سنگ و خشت سے جن کا علم آنکھ' کان اور دیگر حواس فراہم کرتے ہیں' دل کا معمار کوئی اور عمارت کھڑی کرتا ہے اور خدا اسی لیے کہتا ہے کہ دل بھی دیا ہے۔

اگر سورج اور چاند کو دیکھ کر آپ کو بھی کرنا تھا کہ اللہ کو مبارکباد دیں کہ تو نے بہت اچھا دستور قائم کیا ہے تاکہ وہ خوش ہو کر ایک اور چاند پیدا کر دے جو لاہور کی بجلیوں کے خراب ہونے پر کام آئے تو بحیثیت ایک غیر جانب دار تماشائی کے مجھے یہ نظر آتا ہے کہ اللہ کی خودی نے تو خدائی اختیار کر لی مگر آپ کی خودی گدائی کے جذبے سے آگے نہیں بڑھی اور اگر یہی بات تھی تو پھر خدا نے کیوں کہا کہ یہ مخلوق بے کار کھیل کے طور پر پیدا نہیں کی ہے۔ پھر کیوں کہا کہ زمین و آسمان کو آپ کے لیے مسخر کیا ہے۔ زمین کو مسخر کرنے کے معنی تو یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ آپ اس میں کھیتی باڑی کریں۔ زمین نہایت فرماں برداری سے آپ کو فصل دے گی۔

سورج کی تسخیر آپ کس طرح بیٹھے بیٹھے کریں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گے۔ یہ تو مطلب نہیں ہو سکتا کہ دسمبر کے مہینے میں جب صبح ٹھنڈ ہو تو آپ سورج کی شعاعوں سے اپنے بدن کو گرم کر لیں۔ اگر یہ بات ہوتی تو جس دن بادل ہوتے' سورج یہ کہہ دیتا کہ آج مجھے بادلوں نے تسخیر کر لیا ہے لہٰذا آپ کی تسخیر کو چھٹی ہے اور ایسی تسخیر یعنی دھوپ میں بیٹھنا تو گھوڑے اور گدھے کو بھی میسر ہے۔ مسخر کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ آپ اس کی ساخت پرداخت' اس کے ذرات' اس کی شعاعوں' اس کے شبانہ روز اور سالانہ کرشموں کا جائزہ لے سکتے ہیں اور اسی کو سائنس کہتے ہیں۔ گویا سائنس مذہب کا حصہ ہے۔"

"اقبال کا خیال ہے کہ تقدیر کا ذکر جہاں قرآن میں ہوا ہے اس کا تعلق تمام وقت یا مجموعی وقت سے ہے۔ وقت کے تین حصے ہیں۔ ماضی' حال اور مستقبل۔ کیا آپ ماضی کو کچ پیچھے چھوڑ سکتے ہیں؟ وقت ایک جاری ندی ہے جو ماضی کو حال تک پہنچاتا ہے۔ مستقبل کوئی ایسی چیز نہیں ہے جیسے ایک طے کیا جانے والا فاصلہ' جس کو ابھی طے کرنا ہو' بلکہ وہ ایک کھلا امکان ہے اور جب قرآن کہتا ہے کہ خدا نے یہ سب چیزیں پیدا کیں اور ہر ایک کو اپنی تقدیر دی تو اس کا یہی مطلب ہے' ایک مستقبل اس کے لیے مقرر کیا' جو ایک امکان ہے اور جو اس چیز کی ذاتی قابلیتوں اور ممکنات پر منحصر ہے۔ مستقبل سے مراد واقعات کے وہ سربمہر پارسل نہیں ہیں' جو وقت کے بطن میں خوابیدہ ہیں اور جو مقررہ ساعت پر معرض وجود میں آجاتے ہیں۔ مثلاً" تقسیم ہند کو لیجیے! جس کے نتیجے میں پاکستان بنا۔ پاکستان ایک صندوق میں بند تحفہ نہیں تھا جو چودہ اگست کو کھولا گیا۔"

"ہمارے روز مرہ کے کام بھی مشین کی طرح نہیں ہوتے۔ اغراض و مقاصد کے تانے بانے سے بنے ہوتے ہیں اور یہی مقصد یا ارادے کا عنصر ہمارے حال کو مستقبل کی طرف لے جاتا ہے۔ اور اگر یہ سب چیزیں پہلے طے ہو گئی ہوتیں تو ہمیں فوج رکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ پولیس کی کیا ضرورت تھی؟ جسے قتل ہونا تھا' ہو جاتا' جس کی قسمت میں چوری ہوتی' ہو جاتی۔ اور خدا نے انسان کو قرآن کے مطابق ایک ذمہ دار شخصیت عطا کی ہے' جو اپنے افعال کی مختار ہے۔ وہ کسی اور کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔ صرف اپنے کیے کا بوجھ اٹھاتا ہے۔"

"اس کو پڑھتے بھی نہیں' اس پر ریشم کے غلاف چڑھا دیتے ہیں۔ میں نے اس قسم کے ایک ریشمی غلاف میں ملبوس کتاب دیکھی' لباس ہٹا دیا تو یہی قرآن نکلا جس کو آپ کبھی کبھی پڑھ بھی لیتے ہیں۔ میں نے تعجب سے کہا' یہ تو قرآن ہے۔" مگر اقبال کہتا ہے کہ "یہ تو کتاب تقدیر ہے۔" سنیے!

اسی قرآن میں ہے آپ ترک جہاں کی تعلیم
جس نے مومن کو بنایا مہ و مہوش کا امیر
تن بہ تقدیر ہے آج ان کے عمل کا انداز
تھی نہاں جن کے ارادوں میں خدا کی تقدیر
تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

تو صاحبان! اس طرح تو میں جانتا ہوں کہ قرآن کتاب تقدیر ہے بشرطیکہ آپ یہ کہیں کہ اسی سے ہم نے اپنی تقدیر بنائی ہے اور خدا کی تقدیر کا ہمارے ارادوں میں نہاں ہونا' اس طرح ہے جیسے خون کی جگہ ہماری رگوں میں فولاد گردش کرتا ہو اور تیسری بات ضمیر کی ہے' جو غلامی میں بدل جاتا ہے۔ آپ وقتاً فوقتاً" آئینہ دیکھا کریں کہ جب سے آپ آزاد ہوئے ہیں' ضمیر کا کوئی حصہ واپس آیا ہے یا نہیں۔ اقبال کے مطابق تقدیر ہے تو کسی مکروہ چیز جو نیام میں رہتی ہے کہ اگر آپ کا عمل ذرا کُند ہو جائے تو اپنی دو دھاری تلوار آپ کے سر پر مارے۔

ہر لحظہ ہے قوموں کے عمل پر نظر اس کی
براں صفت تیغ دو پیکر نظر اس کی

فہم و ادراک کو روشنی' روح کو شگفتگی اور ایمان کو تازگی عطا کرنے والی اس کتاب کا مطالعہ آپ کے ذوق لطیف کی داد کا منتظر ہے!

✡

بندھن

احسن خان، بیوی فاطمہ احسن

شاہین رشید

فنکار جب بہت زیادہ مشہور ہو جائیں تو پھر ان کے پاس بات کرنے کے لیے وقت نہیں ہوتا۔ احسن خان بھی آج کے دور کے مصروف ترین فنکار ہیں۔ اس لیے "بندھن" کے لیے ہم نے ان سے زیادہ وقت نہیں لیا۔

"کیسے ہیں۔ بہت مصروف رہتے ہیں؟"

"جی الحمد اللہ! بالکل ٹھیک ٹھاک۔ آپ کی دعا سے کافی مصروفیات ہیں۔ آج کل کافی کام ہو رہا ہے۔"

"شادی شدہ لائف کیسی گزر رہی ہے؟"

"ماشاء اللہ بہت اچھی۔ اللہ تعالیٰ نے ایک عدد پیاری سی بیٹی بھی عطا کی ہے' جس کا نام سکینہ ہے۔ جو اب تقریباً" چار سال کی ہو رہی ہے۔"

"گھر میں تو کم ہی ٹائم دے پاتے ہوں گے۔ فیملی لائف کو مس تو کرتے ہوں گے؟"

"بالکل! مس کرتا ہوں۔ شہر سے باہر اور ملک سے باہر تو مجبوری ہوتی ہے۔ لیکن جب میں لاہور میں ہوتا ہوں تب فیملی لائف ڈسٹرب نہیں ہوتی اور بیٹی کو دیکھ کر تو لگتا ہے ساری محنت وصول ہو گئی ہے۔"

"شادی پسند کی تھی آپ کی؟"

"آپ ہماری شادی کو پسند اور ارینج کہہ سکتی ہیں۔ کیونکہ میری فیملی اور میری مسز فاطمہ کی فیملی کے آپس میں بہت اچھے تعلقات تھے تو آنا جانا لگا رہتا تھا۔ فاطمہ سے بھی ہیلو ہائے ہو جاتی تھی۔ پھر جب گھر والوں نے رائے پوچھی تو میں نے انکار نہیں کیا' کیونکہ مجھے بھی فاطمہ اچھی لگتی تھی۔ بس اس طرح ہماری بات پکی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوگئی۔"

"شادی کیسا تجربہ ہے؟"

"بہت اچھا۔ فیملی بن جاتی ہے۔ لائف سیٹل ہوجاتی ہے۔ گھر میں کوئی منتظر ہوتا ہے۔ کوئی پیار کرنے والا ہوتا ہے۔ پھر بچے ہوجائیں تو زندگی مکمل ہوجاتی ہے۔

میرے اور فاطمہ کے درمیان محبت بھی ہے اور ہم آہنگی بھی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے مسائل سنتے ہیں اور انہیں حل کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔"

"گویا زندگی خوش گوار اور مزے میں گزر رہی ہے؟"

"بہت خوش گوار، بہت مزے کی اور بہت پرسکون۔"

"بیگم آپ کے ڈرامے دیکھتی ہیں اور تنقید کرتی ہیں؟"

"ہاں! کیوں نہیں۔ جب ٹائم مل جائے اور میرا ڈراما آرہا ہے تو ضرور دیکھتی ہیں اور تنقید بھی کرتی ہیں۔"

"ویسے کیا آپ نے بچپن سے ہی یہ ٹھان لیا تھا کہ شوبز میں آنا ہے؟"

"بے شک! مجھے اس فیلڈ میں آنے کا شوق تھا لیکن ایسا نہیں تھا کہ میں نے یہ سوچ لیا ہو کہ بس آنا ہے تو اس فیلڈ میں، ورنہ کچھ کرنا ہی نہیں ہے۔ ہوا یوں کہ میں جب لاہور میں تھا تو اپنے دوستوں کے ساتھ فلم کی شوٹنگ دیکھنے گیا۔ وہاں جاوید فاضل صاحب نے مجھے فلم میں کام کرنے کی پیش کش کردی۔ میں حیران ہوا۔ میرے دوست جو میرے ساتھ تھے انہوں نے اکسایا کہ آفر کو مت ٹھکراؤ۔ میں نے ہامی بھرلی اور یوں اس فیلڈ میں آگیا۔"

"پھر باقاعدہ جاری رکھنے کا فیصلہ کرلیا۔"

"ہاں۔۔۔ جی! کیونکہ مجھے مزا آیا تو میں نے لندن سے اداکاری سے متعلق کچھ کورسز بھی کیے اور فلم سے ہی اپنے کیریر کا آغاز کیا اور میں نے سات فلمیں اور متعدد ڈرامے کیے۔ اب تو صرف ڈرامے ہی کررہا ہوں۔"

"گھر میں بھی ڈرامے کرتے ہیں؟" قہقہہ۔ "نہیں ہرگز نہیں۔۔۔ گھر میں کوئی ڈراما نہیں ہوتا۔ عام لوگوں کی طرح رہتا ہوں۔ بیوی اور بیٹی کے ساتھ وقت گزارتا ہوں اور گھر میں مجھے ڈراما کرنا آتا بھی نہیں ہے۔"

"اپنا فیوچر کس طرح کا دیکھتے ہیں؟"

"دیکھنا تو بہت برائٹ ہوں۔۔۔ مگر ہونا وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے قسمت میں لکھ دیا ہے، لیکن میری خواہش ہے، بحیثیت اداکار تو لوگ مجھے جانتے ہی ہیں۔ بحیثیت ڈائریکٹر اور پروڈیوسر بھی لوگ مجھے جانیں اور میرے کام کو پسند کریں۔"

"تو پھر اصل فیلڈ کیا ہوگی؟"

"میں سب کو ٹائم دینا چاہتا ہوں لیکن فی الحال میری پہلی ترجیح اداکاری ہی ہے۔ ماڈلنگ بھی ساتھ ساتھ کررہا ہوں۔"

"آپ کے خیال میں بیوی کو کمانا چاہیے؟"

"اگر بیوی تعلیم یافتہ ہے اور اس پر گھر کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، مطلب کہ وہ فارغ ہے تو ضرور کمائے۔ ورنہ تو یہ ذمہ داری مرد کی ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کی کفالت کرے۔ ویسے شادی سے پہلے فاطمہ نے جاب کی تھی اور شادی کے بعد بھی۔"

"شادی دھوم دھام سے ہوئی تھی؟ اور ساری رسمیں ہوئی تھیں؟"

"جی بالکل! دھوم دھام سے ہوئی تھی اور تقریباً ساری رسمیں ہوئی تھیں اور سب نے کافی انجوائے کیا تھا۔"

"کچھ اپنے بارے میں بتائیں۔"

"میں 10 اکتوبر 1978ء کو لندن میں پیدا ہوا۔ والدین لندن میں ہی رہتے ہیں۔ ہم تین بھائی اور دو بہن ہیں۔ میں اور میرا ایک بھائی ہم دونوں جڑواں ہیں۔ میں نے گورنمنٹ کالج لاہور سے

انگریزی ادب میں ماسٹرز کیا ہے۔ لندن سے میں نے او لیول کیا اور جیسا کہ میں نے بتایا کہ اداکاری میں بھی شارٹ کورسز کیے۔ میری ہائیٹ چھ فٹ ہے۔"

"اپنی فیملی میں کس کے بہت قریب ہیں؟"

"میں اپنی فیملی میں سب کے بہت قریب ہوں۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کو میری شخصیت میں جتنی اچھائیاں اور خوبیاں نظر آتی ہیں وہ سب میری والدہ کی وجہ سے ہیں اور میری طبیعت میں جو نرمی اور انکساری ہے وہ میرے والد صاحب کی بدولت ہے۔ کیونکہ انہوں نے کبھی ہم بہن، بھائیوں پہ سختی نہیں کی اور نہ ہی کبھی مارا، نہ ہی بلاوجہ ڈانٹا ہے۔ میری شخصیت میں میرے والدین کا عکس نمایاں ہے۔"

"آپ کو غصہ آئے تو کس پر نکالتے ہیں؟"

"جس پہ آتا ہے اسی پہ نکالتا ہوں۔ تیز آواز میں بولتا ہوں اور بات دل میں نہیں رکھتا۔ عموماً مجھے لوگوں کے جھوٹ بولنے پر بہت غصہ آتا ہے۔ کیونکہ کچھ بھی ہو، جھوٹ سامنے آہی جاتا ہے۔ پھر سوچیں کہ جھوٹ بولنے والے کی کیا عزت رہ جاتی ہوگی۔"

"بیٹی مون کے لیے کہاں گئے تھے اور فضول خرچ کون ہے آپ یا فاطمہ؟"

"سری لنکا اور سنگاپور۔۔۔ بہت انجوائے کیا تھا۔ ایک یادگار ٹرپ تھا ہمارا اور فضول خرچ تو میں ہی ہوں۔ اچھی چیزوں کو دیکھ کر میرا ہاتھ نہیں رکتا۔"

"بہت شکریہ احسن خان! اب کچھ باتیں فاطمہ سے کرلیتے ہیں۔"

فاطمہ کے بارے میں آپ کو بتائیں کہ فاطمہ کا تعلق لاہور سے ہے۔ ان کی والدہ کا تعلق ملتان سے ہے اور والد سری لنکا میں جاب کرتے ہیں۔ جبکہ والدہ کافی عرصہ تدریس کے شعبے سے وابستہ رہی ہیں۔ فاطمہ کے دو بڑے بھائی ہیں اور یہ دو بھائیوں کی اکلوتی بہن ہیں اور لاہور میں لمز یونیورسٹی سے بی ایس سی آنرز کیا ہے۔

"جی فاطمہ! لائف کیسی گزر رہی ہے۔ بیٹی کیسی

ہے اور کیا فرق پڑا اس کے آنے سے؟"

"جی الحمدللہ! زندگی بہت اچھی گزر رہی ہے۔ بیٹی ماشاءاللہ بالکل ٹھیک ٹھاک اور بہت پیاری ہے اور اس کے آنے سے کیا فرق پڑا۔۔۔ تو آپ یہ سمجھیں کہ یوں لگتا ہے کہ جیسے زندگی مکمل ہوگئی ہے۔ زندگی میں رونق آگئی ہے۔"

"شادی کو ماشاءاللہ پانچ سال ہوگئے ہیں۔ کیا شادی کے بعد آپ جوائنٹ فیملی میں آئی تھیں؟"

"جب میں بیاہ کر آئی تھی تو گھر میں ہم دو میاں، بیوی اور میری ساس تھیں تو اسے میں جوائنٹ فیملی ہرگز نہیں کہوں گی۔ سسرال اگر مجھے جتنا پیار ملا، اس کو لفظوں میں بیان کرنا بہت مشکل ہے۔"

"آپ کی شادی ایک مشہور آرٹسٹ سے ہوئی، کوئی مشکل نہیں آئی؟ کبھی سوچا کہ ان سے شادی نہ ہوئی ہوتی؟"

"نہیں، نہیں! ایسا کبھی نہیں سوچا اور نہ ہی کبھی سوچوں گی۔۔۔ میں تو اپنے آپ کو بہت خوش قسمت سمجھتی ہوں کہ میری مشہور انسان سے شادی ہوئی ہے۔ کیونکہ ان کی وجہ سے عام لوگوں میں میری بھی بہت عزت ہے۔ لوگ ہمیں بہت عزت کے ساتھ ملتے ہیں۔ ہاں تھوڑی سی پرائیویسی متاثر ہوتی ہے لیکن کوئی بات نہیں۔ یہ کیا کم ہے کہ لوگ انہیں پسند

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرتے ہیں۔"

"عموماً جب لڑکیوں کی شادی ہوتی ہے تو امور خانہ داری سے ناواقف ہوتی ہیں اور اس وجہ سے کبھی کبھی طعنے بھی ملتے ہیں۔ آپ کے ساتھ کیا صورت حال رہی؟"

"آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ لڑکیاں پڑھائی میں اتنی مصروف ہوتی ہیں کہ گھرداری پر توجہ نہیں دے پاتیں۔ میرے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ لیکن مجھے کسی نے کوئی طعنہ نہیں دیا اور نہ ہی کچھ کہا۔ بلکہ جو مجھے نہیں آتا تھا وہ میری ساس نے مجھے سکھا دیا۔ جہاں دو برتن ہوں، ٹکراتے ضرور ہیں۔ آپ لڑتے ہیں تو کون مناتا ہے؟"

"جس کی غلطی ہوتی ہے وہی سوری کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مرد کو طاقت اور رتبہ دیا ہے۔ اس لیے سوری کرنے میں اکثر میں پہل کرتی ہوں۔ مجھے پہل کرنے میں کوئی برائی نظر نہیں آتی۔"

"غصے کے تیز ہیں کیا؟"

"ہرگز نہیں! بہت پیار کرنے والی شخصیت ہیں۔ ہاں مرضی کے خلاف کوئی بات ہو تو پھر ضرور غصہ کرتے ہیں اور یہ قدرتی بات ہے۔ غلط باتوں پر تو سب کو ہی غصہ آتا ہے۔"

"شوبز کے بارے میں بہت سی غلط اور صحیح باتیں مشہور ہیں۔ کبھی کان دھرے آپ نے؟"

"انسان کو بہکنا ہو تو وہ کہیں بھی بہک سکتا ہے۔ ضروری نہیں کہ اس فیلڈ میں بہکے۔ مجھے ان پر مکمل بھروسا ہے۔ ان کی فیملی بہت پڑھی لکھی اور سلجھی ہوئی ہے اور اگر بیوی اچھی بیوی بن کر رہے اور شوہر کو شکایت کا موقع نہ دے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ مرد گھر سے باہر کسی کو دیکھے۔"

"اپنی اور احسن کی کوئی نمایاں خوبی اور خامی بتائیں؟"

"میری خامی تو یہ ہے کہ مجھے بہت جلد غصہ آجاتا ہے۔ مگر ایسے ہی نہیں بلکہ اگر کوئی مجھ سے چالاکی کرے یا دھوکا دینے کی کوشش کرے تب۔ اور احسن میں تو بہت خوبیاں ہیں اور یہ بات شاید بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگی کہ احسن پانچ وقت کے نمازی ہیں بلکہ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں۔"

"چھٹی کا دن کیسے گزارتے ہیں آپ دونوں؟"

"ان کی باقاعدہ چھٹی کب ہوتی ہے۔ ان کی تو کوئی روٹین لائف ہے ہی نہیں۔ آج شہر میں ہیں تو کل شہر سے باہر اور پرسوں ملک سے باہر۔ تو جب کبھی قسمت سے چھٹی کا دن مل جائے تو پھر فیملی کے ساتھ ہی گزارتے ہیں۔ کہیں نہ کہیں گھومنے پھرنے، کھانے پینے کے لیے نکل جاتے ہیں۔"

"آپ کو شادی کی کون سی رسمیں پسند ہیں اور منہ دکھائی میں ملا تھا؟"

"میں شادی کے موقع پر غیر ضروری رسموں کے خلاف ہوں اور آج کے دور میں تو یہ ہونی ہی نہیں چاہیے، کیونکہ بہت زیادہ مہنگائی ہو گئی ہے۔ مجھے مایوں کی رسم پسند نہیں ہے۔ البتہ مہندی کی رسم اچھی لگتی ہے اور منہ دکھائی میں مجھے گولڈ اور ڈائمنڈ کا سیٹ ملا تھا جو کہ بہت خوب صورت تھا۔"

"احسن نے کہا کہ وہ فضول خرچ ہیں۔ آپ بتائیں کہ احسن کن چیزوں پہ زیادہ خرچ کرتے ہیں؟"

"یہ تو ہے کہ احسن فضول خرچ ہیں اور ویسے تو سب پر بہت خرچ کرتے ہیں۔ لیکن اگر اپنے اوپر خرچ کرنا ہو تو پھر کپڑوں پر اور جوتوں پہ خرچ کرتے ہیں۔"

"آپ کے ساتھ گھریلو کاموں میں ہاتھ بٹاتے ہیں؟"

"بہت مشکل سے، کیونکہ بہت زیادہ مصروف رہتے ہیں۔ پھر بھی گھر میں ہوں اور موڈ بھی بہت اچھا ہو تو پھر ضرور ہاتھ بٹا لیتے ہیں۔ انہیں گھر کی صفائی ستھرائی کا بہت شوق ہے۔ گھر میں گندگی برداشت نہیں کر سکتے۔"

"آپ احسن کو کس لباس میں زیادہ اچھی لگتی ہیں؟"

"میں انہیں ہر لباس میں ہی اچھی لگتی ہوں۔ خواہ جینز ہو، شلوار قمیص ہو یا ساڑھی۔ ساڑھی سے میں بہت گھبراتی ہوں کیونکہ اس کے ساتھ چلنا پھرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ مجھے خود تو بس شلوار قمیص ہی اچھی لگتی ہے۔"

"احسن کھانے پینے کے شوقین ہیں یا جو ملتا ہے کھا لیتے ہیں؟"

"احسن کھانے پینے کے بہت شوقین ہیں۔ لیکن کھانے میں اس بات کا خاص خیال رکھتے ہیں کہ کھانا مرغن نہ ہو۔ بس فرائڈ ہو۔ ان کی فیلڈ ایسی ہے کہ انہیں اپنی اسمارٹنس کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔"

"آج کے دور میں جبکہ مہنگائی بے اندازہ ہو گئی ہے، بچت کو اہمیت دیتے ہیں؟"

"انسان کی زندگی میں تو پیسہ ہمیشہ ہی بہت اہم رہا ہے۔ کیونکہ پیسے کے بغیر تو انسان کی زندگی کچھ بھی نہیں ہے۔ تو بچت کی اہمیت تو ہمیشہ سے ہی ہے۔ کب، کیا وقت آجائے سو انسان کو اس کے لیے ہر وقت تیار رہنا چاہیے۔"

"آپ کی شادی تو والدین کی پسند سے ہوئی۔ لو میرج کے بارے میں آپ کیا کہیں گی۔ کامیاب ہوتی ہے؟"

"میں تو سمجھتی ہو کہ نوجوانوں کی یہ سوچ غلط ہے کہ لو میرج ہونی چاہیے۔ یہ سب نوجوانی کے فیصلے ہوتے ہیں۔ اولاد کے لیے بہتر تو یہی ہے کہ والدین کا فیصلہ مانیں، کیونکہ ان کی سوچ ہی اولاد کے لیے بہتر ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ تجربہ کار ہوتے ہیں۔"

"جن لوگوں کی شادی نہیں ہوئی ان کے لیے کیا کہیں گی؟"

"ان کے لیے میں یہی کہوں گی کہ وہ چاہے لڑکا ہو یا لڑکی، پہلے اپنی تعلیم مکمل کریں۔ اپنے پیروں پہ کھڑے ہو جائیں، پھر شادی کا سوچیں، کیونکہ شادی تو ساری عمر رہنی ہوتی ہے۔ جدوجہد کا دور یوں ہی گزر جائے تو پھر زندگی میں کچھ حاصل نہیں ہوتا۔"

"بہت شکریہ! آپ نے ٹائم دیا۔"

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول

☆ ستاروں کا آنگن، نسیم سحر قریشی قیمت: 450 روپے
☆ درد کی منزل، رضیہ جمیل قیمت: 500 روپے
☆ اے وقت گواہی دے، راحت جبیں قیمت: 400 روپے
☆ تیرے نام کی شہرت، شازیہ چودھری قیمت: 250 روپے
☆ امر بیل، عمیرہ احمد قیمت: 550 روپے

خوبصورت سرورق
خوبصورت چھپائی
شائع ہونے والے ہیں
مضبوط جلد
آفسٹ پیپر

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زینب جمیل

خط و کتابت

خط بھجوانے کے لیے پتا
ماہنامہ شعاع۔ 37۔ اردو بازار، کراچی۔
Email: info@khawateendigest.com
shuaamonthly@yahoo.com

آپ کے خط اور ان کے جوابات لیے حاضر ہیں۔

آپ کی عافیت، سلامتی اور خوشیوں کے لیے دعائیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو ہم کو اور ہمارے پیارے ملک کو سلامت رکھے۔ آمین

پہلا خط کراچی سے ملیحہ صدیقی کا ہے، لکھتی ہیں

اپنی پہلی تحریر کو شعاع کی زینت بنا دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ ان تمام قارئین کا شکریہ جنھوں نے تحریر پسند کی اور تعریف و تنقید سے نوازا۔

شعاع کا ٹھنڈا سا ٹائٹل اور دلہن جی کے لباس نے اچھا تاثر پیش کیا۔ نمرہ کے ناول کو بے صبری سے ختم کیا۔ خدیجہ کی موت ایسے تو سوچا بھی نہ تھا نمرہ واقعی ایک بے حد جاندار اور نایاب سا اضافہ ہیں۔

دیوار شب اور ستارہ شام بھی ٹھیک ٹھاک جا رہے ہیں مگر صفحات کی کمی کی شکایت بہرحال ہے۔ مہوش افتخار کے ناول نے مزہ دیا۔ فائزہ افتخار جی نام ہی کافی ہے۔ کہانی تو آگے جا کر واضح ہو گی اور حویلی جیسے ماحول سے کچھ گھٹن بھی ہوئی۔

اور جناب آسیہ جی! اتنے سیدھے لوگ، خاص کر اتنی بھولی ہیروئین کہاں ملتی ہے جی؟

ایلیا یقین کا افسانہ اچھا سا لگا۔ "آگہی" اچھی کوشش ہے "لمحہ فکریہ" نے بھی معاشرتی دلوں کی تنگی واضح کی۔ "ملا کا موتی" بھی مختصراً اچھی کوشش ہے مگر آخر میں مقصد کو مزید واضح کرنا چاہیے تھا۔ آخر میں ایک تجویز کہ ایک ایسا سلسلہ شروع کیا جائے جس میں، عالم دین ہماری ذہنی الجھنوں اور خواتین کے جسمانی و دیگر مسئلے مسائل کے حل بتایا کریں جنہیں وہ جھجک کی وجہ سے دل میں دبا جاتی ہیں۔

پیاری ملیحہ! آپ یہ بتائیں 'ایک افسانہ لکھ کر خاموشی کیوں جبکہ آپ میں صلاحیت ہے اور لکھ سکتی ہیں' آسیہ جی کے ناول میں آپ نے نوٹ نہیں کیا ہیروئن بہت کم عمر تھی۔ عقل بھی آتے آتے آتی ہے؟ شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ قبول کریں۔ عالم دین کی تجویز نوٹ کر لی ہے۔

وثیقہ زمیرو اور کلثوم آصفہ نے فیض سے لکھا ہے

شعاع کے تمام سلسلے ہی بہت اچھے ہیں نمرہ احمد کے ناول جنت کے پتے بہت زبردست ناول ہے اس میں مجھے حیا کا کردار بہت پسند ہے اور اس کے ساتھ ستارہ شام میں ہادی اور تنوی اور شجیہ العباس یہ تینوں میرے پسندیدہ کردار ہیں۔

وثیقہ زمیرو اور کلثوم آصفہ! شعاع کی بزم میں خوش آمدید۔ شعاع کی پسندیدگی کے لیے تہ دل سے شکریہ امید ہے آئندہ بھی خط لکھ کر اپنی رائے کا اظہار کرتی رہیں گی۔

کوٹ مومن سے نیلم شہزادی شریک محفل ہیں لکھا ہے

زیست کی اونچی نیچی پگڈنڈیوں میں کچھ اس طرح سے الجھی کہ سلجھاتے سلجھاتے ہاتھ زخمی ہو گئے ان دگرگوں حالات میں رب لم یزل کی یاد کے بعد جو چیز سب سے پیاری رہی وہ شعاع ہے۔ فروری، مارچ، اپریل اور مئی کا مہینہ کشمکش میں گزرا، ان چار ماہ کے آٹھ رسالے (خواتین بھی تو ہے نا...!) پڑھنے میں اس قدر غرق ہوئی کہ جون سر پہ آپہنچا۔

جس چیز نے مجھے لکھنے پہ مجبور کیا۔ وہ ہے ماہنامہ شعاع اپریل میں صفحہ نمبر 263 سلسلہ "اس ماہ کی مسکراہٹیں" میں "جہنم میں جاؤ" لطیفہ تھا۔ میری سب مسلمان بہنوں سے گزارش ہے کہ مستقبل میں بھی ایسے لطائف سے گریز کریں۔

دیوار شب میں حیا مجھے بہت پسند ہے۔ مجھے تو دوسری قسط سے یقین ہو گیا تھا کہ خیام یوسف کمال کا بیٹا ہے۔ ستارہ شام بہت بہت اچھا ہے۔ گزارش ہے کہ فائزہ افتخار سے بھی کچھ لکھوائیں (ترس گئی ہوں) خط لکھنے کی دوسری وجہ ماہنامہ شعاع اپریل میں مستا افسانہ دل کی گہرائیوں میں اترا۔ برگزیدہ ہستیوں کے نام کے ساتھ احترام کے سابقے لاحقے لگانا مت بھولا کریں۔

پیاری نیلم! اللہ تعالیٰ سے آپ کی بہتری اور خوش گوار زندگی کے لیے دعا گو ہیں۔ جہاں تک زندگی کی دشواریوں اور حالات کے گرداب کا سوال ہے تو بہت کم لوگ ہوتے ہیں۔ جنہیں آسان زندگی ملتی ہے۔ زندگی میں خوشیاں اور غم ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ کامیاب وہی لوگ ہوتے ہیں جو مشکل حالات میں ہمت اور حوصلہ قائم رکھتے ہیں۔

آپ کے پچھلے خط شائع نہ ہو سکے۔ اس کے لیے معذرت۔ جن کوتاہیوں اور سہو کی نشان دہی کی ہے۔ ان کا خیال رکھیں گے۔

زینب رانجھا، عائشہ رانجھا اور اقرا رانجھا نے کنڈن

سیان ڈسکہ سے لکھا ہے

شعاع ایک ایسا استاد ہے جو نہایت عمدگی و شائستگی سے اپنے فرائض انجام دے رہا ہے اور اس کی خوش قسمتی ہے راشٹر بھی ہمیشہ بہترین ملے۔

F.M-101 سیالکوٹ کے آر جے عثمان اکبر کا انٹرویو + تصویر شائع کریں۔

زینب، عائشہ اور اقرا! شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ اس میں شک نہیں کہ ا خواتین میں لکھنے والی تمام مصنفین ہی بہت اچھا لکھتی ہیں آپ کی فرمائش ضرور پوری کریں گے تھوڑا انتظار کریں۔

سونیا غوری اپنے شہر کا نام لکھنا بھول گئی ہیں لکھا ہے

شعاع ہمارے گھر میں تقریباً "دس سال سے آرہا ہے جب سے بھائی نے پڑھنا شروع کیا ہے باقاعدگی سے آتا ہے۔ بھائی کی وجہ سے موجاں ہی موجاں۔ اس دفعہ اکٹھے تین مکمل ناول؟ نمرہ جی آپ کے ناول نے ہمیں گھما کے رکھ دیا۔ چکرا کے رکھ دیا۔ مستقل سلسلے سب ہی پسند ہیں خاص طور پر بیٹھ کر سیر دو جہاں کرنا بہت پسند ہے۔ ہمارے گھر نہ کیبل ہے نہ ہی ٹیلی ویژن ہاں کمپیوٹر ہے۔ جس پر "جنوں کا" "میرا مطلب ہے بھائیوں کا قبضہ ہے۔ اس لیے شعاع، کرن اور خواتین باقاعدگی سے منگواتے ہیں۔

ہاں میری کہانی کا کیا بنا؟

سونیا! شعاع بھائی کی وجہ سے آسانی اور باقاعدگی سے مل جاتا ہے۔ یہ جان کر خوشی ہوئی۔ اس کا کریڈٹ بھی آپ کو جاتا ہے کہ آپ نے شعاع کو ان سے متعارف کرایا۔

آپ کی کہانی وصول نہیں ہوئی۔ کب بھجوائی تھی اور

سانحہ ارتحال

مجسم تہذیب و شائستگی خوش بیاں علم و ادب کا خزینہ، دانش ور، ادیب و محقق عبید اللہ بیگ اس دار فانی سے رخصت ہو گئے۔

اناللہ وانا الیہ راجعون

ان کی وفات بہت بڑا سانحہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیا نام تھا؟

کوٹ مومن سے سعدیہ مرین نے لکھا ہے

جون 2012ء کا خوب صورت ٹائٹل سے آراستہ شمارہ دو تاریخ کو ملا۔ نمو ڈیر میرے پاس الفاظ نہیں ہیں تعریف کے لیے اور نمو کیا آپ ترکی جا چکی ہیں اس قدر ترکی کے متعلق معلومات۔

"میں بہت اکیلی ہوں۔ میرے پاس ابھی کوئی نہیں سوائے آپ کے 'میرے پاس بجانے کے لیے کوئی گھنٹی نہیں ہے۔ کھٹکھٹانے کے لیے کوئی دروازہ نہیں 'ہلانے کے لیے کوئی زنجیر نہیں ہے۔ پہلی امید بھی آپ ہیں آخری بھی آپ ہیں۔ اگر آپ نے میری مدد نہ کی تو کوئی مدد نہیں کرے گا۔ اگر آپ نے چھین لیا تو کوئی دے نہ سکے گا اور اگر آپ دے دیں تو کوئی روک نہ سکے گا۔ آپ ہمیں ڈی جے کی زندگی دے دیں آپ ڈی جے کو ٹھیک کر دیں۔"

یہ وہ الفاظ تھے جنھوں نے مجھ پر نجانے کیا اثر کیا کہ میں نے خود میں حیا سلمان کو دیکھا 'رشتوں سے دور 'اللہ کی مدد کے لیے اٹھنے والے ہاتھ 'میری آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

آمنہ ریاض جی آپ بھی بہت اچھا لکھ رہی ہیں 'باقی رائٹرز موسٹ افتخار کا ناول "گلے ملتا ہے" بہت اچھا تھا' رباب سحر نے بھی بہت خوب صورت لکھا سنڈریلا بھی فائزہ جی نے بہت خوب لکھا۔ آسیہ صاحبہ نے بھی خوب صورت انداز اپنایا۔

سعدیہ! آپ کا خط پڑھ کر بہت خوشی ہوئی اس لیے کہ آپ ایک حساس دل اور پرکھنے والی نظر رکھتی ہیں۔ آپ نے نمو کے جن جملوں کی تعریف کی ہے 'وہ بلاشبہ بہت خوب صورت ہیں۔

شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ امید ہے آئندہ بھی خط لکھ کر اپنی رائے کا اظہار کرتی رہیں گی۔

جڑانوالہ فیصل آباد سے کوثر خالد نے لکھا ہے

بچپن میں میری تحریریں کبھی ضائع نہیں ہوئی تھیں۔ حیران ہوں مگر سوچتی ہوں کہ شاید رش بہت ہے باری نہیں آئی۔ رسالوں کی عاشق میں اپنا تعارف لکھ کر بھیجا تھا۔ اگر آپ پڑھتے تو پتا چلتا کہ میں تو تبصرہ بھی نہیں بھیج سکتی کیونکہ میں تحریروں سے خامی نکالنے کے لیے نہیں پڑھتی بلکہ ہر کہانی سے کوئی نہ کوئی سبق حاصل کرتی ہوں اور علم میں اضافہ۔

ج پیاری کوثر! شعاع کے لیے آپ کے جذبات کی دل سے قدر کرتے ہیں۔ شعاع کی سالگرہ پر مبارک باد کے لیے آپ نے جو نظم لکھی ہے۔ معذرت خواہ ہیں شعاع کی سالگرہ پر یہ منظوم مبارک باد شائع کرنا ہمارے لیے ممکن نہیں۔ نہ ہی یہ ہماری پالیسی ہے۔ آپ شعاع کی باقاعدہ قاری ہیں۔ کیا آپ نے اس طرح کی تحریریں کبھی ہمارے پرچوں میں پڑھی ہیں؟ آپ کا افسانہ بھی پڑھا۔ آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے لیکن کچھ اور لکھیں۔

کراچی سے مسرت الطاف احمد نے لکھا ہے

برائٹ سی دلہن دیکھ کر دل خوش ہو گیا۔ اس ماہ کا ٹائٹل بہت ہی شاندار تھا۔

میں نے 30 مارچ کو ایک افسانہ "کچھ ارمان 'کچھ خواہشات" کے نام سے بھیجا تھا میرے لاکھ پوچھنے پر بھی کوئی خاطر خواہ جواب نہ مل سکا۔ میری برتھ ڈے پر بھی آپ نے مجھے وش نہیں کیا 'کیا آپ مجھ سے ناراض ہیں"

جہاں تک بات ہے جون کے شمارے کی تو میں یہی کہوں گی کہ اس ماہ کا شمارہ "اے ون" تھا مکمل ناول 'ناولٹ اور ہر سلسلہ قابل تعریف تھا دیوار شب کی یہ قسط بھی پرفیکٹ تھی۔ پڑھ کر بیچ میں مزہ آ گیا جب کہ ستارہ شام کی یہ قسط بس سو سو تھی۔ نمو آپی نے جس طرح حیا کی بے بسی 'اس کا اللہ پر بھروسا امید اور خدیجہ کے لیے اس کی تڑپ دکھایا کب میری آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے یہ تو مجھے بھی پتا نہیں چلا "یو آر تو گڈ" آسیہ رزاقی نے اپنے اسٹائل سے ہٹ کر ہلکی پھلکی سوفٹ سی اسٹوری لکھ کر میرا جی اندر تک خوش کر دیا۔ آپ کا ناولٹ پڑھ کر اتنی خوشی ہوئی دل چاہا دھمال ڈالوں۔ خوشی کا کردار 'اس کے بات کرنے کا انداز سب کچھ بہت ہی زبردست تھا۔ طرز تحریر بہت ہی خوب صورت 'موضوع انٹرسٹنگ اور دل کو چھو لینے والا تھی۔

رباب سحر کے مکمل ناول نے بیچ میں دل جیت لیا تحریر نے شروع سے آخر تک اپنے سحر میں گرفتار کیا۔ آخری سطر تک پڑھنے میں دلچسپی رہی موسٹ افتخار کا مکمل ناول پڑھ کر مزا آیا۔ فائزہ افتخار کا ناولٹ "اک نئی سنڈریلا" نام کی طرح یہ قسط بھی بہت خوب صورت تھی۔ پہلی قسط پڑھ کر آپ کے لیے واہ واہ نکلا۔

ج پیاری مسرت! آپ کا خط پڑھ کر بہت افسوس ہوا' بلاشبہ آپ کے ساتھ زیادتی ہوئی کہ آپ کی تحریریں کسی اور نام سے شائع ہوئیں اور کسی ماہ نام ہی غائب تھا۔ آپ یقین کریں۔ یہ "سہوا" ہوا ہے۔

افسانے کے لیے معذرت۔ آپ محنت کر کے کچھ اور لکھیں۔

کیماڑی کراچی سے حوالی بی نے لکھا ہے

سرورق پر نظر دوڑائی۔ آہا ایسے جھوٹے سے کہاں سے اٹھتے ہیں۔ ہر چند کہ خط دیرے بھجوا رہے ہیں۔ چھپنے نہ چھپنے کا تقاضا ہم نہیں پاتے کہ بقول شاعر۔

نہ ہوان پہ جو میرا بس نہیں کہ یہ عاشقی ہے ہوس نہیں
میں ان ہی کا تھا میں ان ہی کا ہوں وہ میرے نہیں تو نہیں سہی

سائرہ کو بھائی کی شادی کی کامیابی کے لیے دعائیں۔ یہ کیسا المیہ ہے ہمارا کہ مغرب کی اندھی تقلید میں ہم بھی اس طرح کے حیلے اپنانے والوں پر انتہا پسندی کا لیبل لگا کر روشن خیالی کا ثبوت دے رہے ہیں۔ آزاد خیالی کی دوڑ میں سبق لے جانے کی سعی میں ہم نے یہ بھی فراموش کر دیا ہے کہ یہ انداز و حلیہ 'یہ وضع و قطع تو اس بے مثال اور عظیم الشان انسان اور تاریخ ساز۔ شخصیت سے منسوب ہے جو محسن انسانیت تھے۔

آمنہ بہت خوب تبصرہ کرتی ہیں۔ کرماں والی کا تبصرہ اور پھر برابر ہر ماہ ایک نئی کتاب کا تحفہ دیتی آمنہ سے گزارش کہ از راہ کرم یہ منفرد سلسلہ تعطل کا شکار مت کیجیے گا۔

شاعری اور شعاع کے ساتھ ساتھ کا سلسلہ ندارد تھا۔ شکوہ کرنا عبث ہے کہ صفحات کے سکڑنے کے عمل نے ایسے کئی دلچسپ سلسلوں کو تعطل کا شکار کر دیا ہے۔

اب آتے ہیں تحریروں کی جانب 'عالیہ بخاری زبردست ___ اسلام صاحب کی محبت اور خلوص بھری خواہش 'خیام کے دل میں ابھرتی نیکی کی ترغیب اور معاذ کی زری کے حوالے سے فکر تینوں باتوں کی تان آ کر ٹوٹتی ہے یہاں ___ جی ہاں یقیناً" آپ بھی جان گئے ہوں گے خیام اور زری زری اور خیام۔

معذرت کے ساتھ ایک منظر میں زری کی کیفیت بیان کرتے ہوئے اس نے معاذ کے لیے پوجا کا لفظ استعمال کیا تھا۔ براہ کرم ایسے لفظ ایڈٹ کر دیا کریں۔ محبت کی بھی کچھ حدود ہوتی ہیں۔

سانحہ ارتحال

معروف افسانہ نگار مس اختر یگانہ اس دار فانی کو الوداع کہہ گئیں۔

اناللہ وانا الیہ راجعون

اختر یگانہ بے حد محبت کرنے والی 'مشفق اور پر خلوص خاتون تھیں۔ ادارہ خواتین ڈائجسٹ سے دیرینہ وابستگی تھی۔

وہ مصنفین جنھوں نے خواتین ڈائجسٹ کی ابتدا سے ہی لکھا ان میں اختر یگانہ کا نام بھی شامل ہے۔ ان کی کہانیوں کے دو مجموعے "زندگی کی راہ میں" اور "ہر کہانی" شائع ہو چکے ہیں۔ شاعری کا مجموعہ زیر طبع ہے۔

اختر یگانہ کی وفات ایک بڑا سانحہ ہے۔ ادارہ خواتین ڈائجسٹ ان کے متعلقین کے غم میں برابر کا شریک ہے اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جنت الفردوس میں اعلا مقام سے نوازے اور متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سوری ٹو سے۔ آمنہ ریاض کی تحریر میں اس بار بھی قابل تبصرہ کچھ نہ تھا۔ نمرہ احمد اسرار جوں کا توں برقرار میجر احمد ' ڈولی ' عبدالرحمٰن پاشا؟؟؟ پورا ایک ماہ مزید انتظار۔

۔اسکیچز بھی خوب ہوتے ہیں۔ خاص طور پر کہانی کی تھیم سے مطابقت رکھتے خاکے بہت اچھے لگتے ہیں۔ انٹرویوز میں فواد خان اور ماہرہ کا تفصیلی انٹرویو لائیں شاہین اور ہاں ادبی شخصیات کا بھی انٹرویو کیا کریں۔

پیاری حوا! تاخیر سے موصول ہونے کے باوجود خط شامل اشاعت ہے۔ ہمیں احساس ہے شعاع لیٹ ہوتا ہے تو ہماری قارئین کو کتنی تکلیف اٹھانا پڑتی ہے۔ پچھلی کہانی کے لیے معذرت۔ عید کے شمارے کے کچھ لکھیں ضروری شامل کریں گے۔

انٹرویو کی فرمائش نوٹ کرلی ہے۔ ان شاء اللہ جلدی پوری کریں گے۔

ماریہ عابد بھتی عابد اور مریم عابد نے صادق آباد سے شرکت کی ہے لکھتی ہیں

"دیوار شب" بہت سلو چل رہی ہے۔ پلیز تھوڑا تیز کریں اور حویا کو اب بغاوت کردینی چاہیے۔

آمنہ ریاض کا ناول "ستارہ شام" اس کا نام مجھے پسند ہے۔ یہ صحیح جارہی ہے مطلب نہ سلو نہ بہت تیز۔

سب سے آخر میں رسالہ کی جان۔ وہ ہے نمرہ احمد کا ناول "جنت کے پتے" نمرہ احمد کی تعریف کس طرح کروں ان کے ہی ناول ہوتے ہیں جن میں میں پہلے سے کوئی اندازہ نہیں لگا سکتی۔ کردار نگاری زبردست ہوتی ہے۔

کچھ فرمائش کرنا تھی۔ پلیز پلیز علی ظفر کا انٹرویو کریں اور کسی بڑے رائٹر کا بھی۔ ایک کہانی پڑھی تھی شاید نایاب جیلانی کی تھی اس میں ہیروئن کا نام عنوہ تھا تو پلیز نایاب آپ یا کسی نے وہ کہانی پڑھی ہو اور اسے مطلب پتہ ہو تو بتا دے۔

ج۔ ماریہ بھتی اور مریم نایاب جیلانی کی کہانی تھی جس میں ہیروئین کا نام عنوہ تھا۔ عنوہ کے معنی ہیں۔ دوستی ' رفاقت۔ خالہ بننے پر ہماری جانب سے مبارک باد۔ شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

عصیرہ غفور نے صدیق آباد (موڑ کھنڈا) تحصیل و ضلع ننکانہ صاحب سے لکھا ہے

شعاع مجھے بے حد عزیز ہے۔ شعاع سے میں نے بہت کچھ سیکھا معاف کرنے کا وصف صبر کرنے کی ہمت ' تکلیف سہنے کا حوصلہ سب کچھ بھلا کر آگے بڑھنے کا جذبہ اور زندگی کو ہر زاویے سے دیکھنے کا فن۔

میں پنجاب کے ایک چھوٹے سے گاؤں صدیق آباد کی رہنے والی ہوں۔ جہاں زندگی کی بنیادی سہولتیں بھی میسر نہیں۔ حتیٰ کہ پینے کے لیے صاف پانی بھی میسا نہیں ہے۔ لڑکیوں کا اسکول مڈل تک اور لڑکوں کا پرائمری تک۔ اتنی کم سہولتوں کے باوجود یہاں کے لوگوں میں خلوص ' مروت ' بھائی چارہ اور مہمان نوازی بہت ہے۔

سب سے پہلے ٹائٹل گرل آف اتنی گری وٹنی ڈریس اتنی جیولری اور میک اپ۔ دیوار شب آپ کو کیا بتاؤں کتنی خوشی ہوئی اپنے اندازوں کی تصدیق پر اور "ستارہ شام" میں ہادی کا انداز بہت اچھا لگا اور جنت کے پتے بہت سی الجھنیں دور ہوئیں اور بہت افسوس ہوا ڈی جے کی موت کا۔ واقعی موت ہمارے تعاقب میں ہے کب زندگی ختم ہو جائے پتہ ہی نہیں۔ ناولٹ روشنی کے جگنو آسیہ رزاقی کا بہت اچھا تھا۔

"اک نئی سنڈریلا" فائزہ افتخار کا نام پڑھ کر ہی بہت خوشی ہوئی تھی۔

افسانے سب ٹھیک تھے۔ عظمیٰ محمود کا "لمحہ فکریہ" بہت اچھا تھا۔ مستقل سلسلے سیر دو جہاں میں رحیم گل کی جنت کی تلاش پڑھ کر مجھی اپنی کتاب یاد آئی رحیم گل کی ہی جنت کی تلاش میری ایک دوست نے ہتھیائی ہے جو کہ واپس کرنے کا نام ہی نہیں لے رہی ہے ' ہو سکتا ہے اب نام دیکھ کر ہی واپس کردے۔

ج۔ پیاری عصیرہ! شعاع کی بزم میں خوش آمدید اور دعائیں ' آپ ہمارا شکریہ اپنی چھوٹی بہن تک پہنچادیں کہ ان کے کہنے پر آپ نے ہمیں خط لکھا۔ انسان کو کسی بھی کام کو یہ سوچ کر نہیں چھوڑنا چاہیے کہ اس میں ناکامی ہو گی۔ کسی کام کو کرکے ناکام ہو جانا بہتر ہے بجائے اس کے کہ سرے سے کام کیا ہی نہ جائے۔ اب ہمیں باقاعدگی سے خط لکھتی رہیے گا۔ اگر آپ کا خط شائع نہ ہو سکا تب بھی ہم آپ کی رائے سے تو آگاہ رہیں گے۔

شعاع کی پسندیدگی کے لیے تہ دل سے شکریہ۔

کائنات عابد فیصل آباد سے لکھتی ہیں

سرورق پر موجود ماڈل کا انداز اچھا لگا۔ جس چیز نے مجھے خط لکھنے پر مجبور کیا وہ نمرہ احمد کا "جنت کے پتے" تھا اس دفعہ کی قسط بہت اچھی تھی حیا ' دعا مانگتا ہی تھا جس نے مجھے رونے پر مجبور کردیا اس وقت جب وہ ڈی جے کی زندگی کی دعا کر رہی تھی۔ اس کا دعا مانگنے کا انداز بہت اچھا لگا۔ اس کے علاوہ "ستارہ شام" بھی اچھا تھا افسانوں میں مجھے "اجالا ہونے کو ہے" بہت پسند آیا۔ ناولٹ دونوں اچھے تھے۔ فائزہ افتخار کے ناولٹ کا بے چینی سے انتظار رہے گا۔ مگر انہیں تو مجھے ہمیشہ سے اچھی لگتی ہیں۔

"بادلوں سے خوشبو آئے" میرا فیورٹ سلسلہ ہے۔

مہوش افتخار اور رباب سحر کے ناول کے بارے میں تو میں بھول ہی گئی۔ رباب سحر کا ناول بہت اچھا تھا۔

پیاری کائنات! شعاع کی بزم میں خوش آمدید ' متعلقہ مصنفین تک آپ کی تعریف ان سطور کے ذریعے پہنچائی جا رہی ہے۔

نوال افضل گھمن گجرات سے شریک محفل ہیں

پہلی مرتبہ شعاع 2000ء میں خریدا تھا..... شعاع کی جائے پیدائش سے یعنی کراچی سے ہی تب رخسانہ جی کی "خوشبو کا گھر" کی پہلی قسط تھی..... پھر کسی نشئی کی طرح ایسا چسکا لگا کہ بس آج تک جان پھنسی ہوئی ہے پھر رفتہ رفتہ خواتین اور کرن بھی خریدنا شروع کردیا۔ گھر میں کوئی پابندی نہیں..... ڈائجسٹ یقیناً "ایک اچھے رہبر کی طرح فرائض سر انجام دے رہے ہیں۔ بس اتنی سی گزارش ہے کہ ہماری رائٹرز اپنے ناولوں۔ افسانوں اور اسٹوریز میں انگلش ورڈز کی بھرمار اور استعمال ذرا کم کیا کریں ہماری قومی زبان کوئی گونگی زبان نہیں کہ ہم سمجھ نہ سکیں۔ میری بات اگر بری لگی تو معذرت خواہ ہوں حالانکہ میں خود بھی انگریزی ادب میں ماسٹرز کر رہی ہوں۔ جامعہ پنجاب نیو کیمپس لاہور سے۔

ج۔ نوال جی! کسی بھی کردار کی صحیح عکاسی کرنے اور اسے پورے طور پر واضح کرنے کے لیے ضروری ہے کہ کردار وہی زبان بولے جس طبقے اور ماحول سے اس کا تعلق ہے انگلش الفاظ کا استعمال ضروری ہو تب ہی کیا جاتا ہے ورنہ بلا ضرورت انگلش الفاظ کی بھرمار ہمیں بھی پسند نہیں۔ شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ امید ہے آئندہ بھی خط لکھ کر اپنی رائے کا اظہار کرتی رہیں گی۔

شائستہ کرن راجپوت نے چنیوٹ سے شرکت کی ہے ' لکھتی ہیں

شعاع خواتین اور کرن کے ٹائٹل بہت خوب صورت ہوتے ہیں۔ میں شعاع اور خواتین ہر ماہ خرید کر پڑھتی ہوں۔ ہر ماہ کرن نہیں خرید سکتی اس لیے پرانے شمارے خرید کر پڑھ لیتی ہوں ان تینوں شماروں کا ہر سلسلہ زبردست ہے کسی چیز کی کمی نہیں ہے میری آپی صرف انٹرویوز پڑھتی ہیں میں نے FM-94 کے عتیق الرحمان بھٹی کے انٹرویو کی فرمائش کی تھی پلیز پوری کردیں۔ پلیز تصویر کے۔

پیاری شائستہ! ہمارے ادارے سے شائع ہونے والے تینوں پرچے آپ کو پسند ہیں ' یہ جان کر بہت خوشی ہوئی۔ آپ کی فرمائش نوٹ کرلی ہے جلد پوری کرنے کی کوشش کریں گے۔

افرا اعوان جی خان سے شریک محفل ہیں لکھا ہے

میں پہلی مرتبہ کسی ادارے کو خط لکھ رہی ہوں۔ سو تھوڑی گھبرائی ہوئی ہوں۔ بابا جان شعاع و خواتین نہیں پڑھنے دیتے حالانکہ انہوں نے خود کہا تھا کہ 9th کلاس کے بعد پڑھنا۔ لیکن انہیں کون سمجھائے جی؟ شعاع اور

دعائے صحت

صوفیہ امجد کی ہمشیرہ شدید علالت کا شکار ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے ان کے مرض کو رفع کرے اور انہیں شفائے کلی عطا فرمائے۔ (آمین)

قارئین سے دعائے صحت کی درخواست ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خواتین میرے فیورٹ رسالے ہیں۔ پہلی مکمل تحریر میں نے نمرہ احمد کی "مصحف" پڑھی۔ تب سے باقاعدگی سے پڑھتی ہوں پر گھر والوں سے چھپ کر (ابھی اجازت جو نہیں پڑھنے کی) پلیز "ستارہ شام" کے صفحات بڑھا دیں۔ بہت کم صفحات ہوتے ہیں پڑھنے میں مزا نہیں آتا حالانکہ اچھی تحریر ہے۔

نیلم منیر' احسن خان اور نیوز کاسٹر شاہ میر زا ان میں سے کسی کا انٹرویو ضرور شائع کریں۔

افزا گھبرانے کی تو بات ہی نہیں ہے۔ ہم آپ کے اپنے ہی تو ہیں۔ شعاع اور خواتین آپ اپنے گھر والوں کو پڑھنے کو دیں یا انہیں اس کے سلسلوں کی تحریریں پڑھ کر سنائیں پھر وہ آپ منع نہیں کریں گے۔ انٹرویو کی فرمائش ضرور پوری کریں گے۔ تھوڑا انتظار کر لیں۔

مسز کوثر منیر' مریم منیر احمد اور سائرہ منیر احمد نے لاہور سے شرکت کی ہے' لکھتی ہیں

ڈائجسٹ ملتے ہی فوراً "نمرہ جی کا ناول نکالا اور بیٹھ گئے کو سنبھال کر۔ حیا پر بہت غصہ آیا' کچھ بھی ہو' جہان کے بھلے کے لیے سہی چاہے لیکن اسے عبدالرحمن پاشا سے رابطہ نہیں کرنا چاہیے تھا اور یہ کیا کیا نمرہ جی آپ نے۔ ڈی جے کی ڈیتھ۔ لگا تو تھا کہ سر درد کے پیچھے بھی کچھ بات ہے مگر اس اچانک موت نے ہمیں ہلا کر رکھ دیا۔ "دیوار شب" بہت زبردست جا رہا ہے۔ عالیہ جی کا زری کے لیے راجو کا فیصلہ دل کو چھو گیا (مزا آگیا) شاکرہ کا اس دعوت سے اٹھ کر جانا اس بات کا ثبوت ہے کہ اب جویا کے بھی دن پھریں گے "ستارہ شام" بورنگ ہو گیا ہے اور دوسری شکایت یہ کہ کہانی شروع ہوتے ہی ختم ہو جاتی ہے تو پلیز صفحات میں اضافہ کیجئے۔ "نئی سنڈریلا" کی دوسری قسط کا انتظار ہے۔ "کھلے ملتا ہے خواب کوئی" "اف مہوش افتخار نے کن موتیوں کو لفظوں میں پرویا ہے" "زندگی موسم اور خوشبو" اچھی کاوش تھی۔ "روشنی کے جگنو" آسیہ جی نے اچھا لکھا۔ آمنہ زریں سے کوئی ناول بھی لکھوائیں۔ اور در

آل جون کا پورا شمارہ بہت زبردست رہا۔ آپی کنیز نبوی کیوں اشتہاری ہو گئی ہیں؟ انہیں کہیے کہ اب لوٹ آئیں' سندھ دھرتی کو اندر تک محسوس کرنے کو دل بے قرار ہے کہ اب انتظار بھی نہیں ہوتا۔ پلیز کنیز نبوی جی پلیز قلم اٹھائیے اور اک نئی عشق کی داستان "شاہ بھٹائی" کے بیت اور جیجی کی نصیحتیں لکھ ڈالیے۔ پلیز۔۔۔

ج: کوثر' مریم اور سائرہ! آپ کی فرمائش پر کنیز نبوی کی تحریر شامل اشاعت ہے۔ شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ کتابوں کے لیے آپ مکتبہ عمران ڈائجسٹ کو فون کریں۔ نمبر یہ ہے 021-32216361

شمائلہ کرن' نوشین کنول' فائزہ جبیں اور ندا شکیل بوہڑی والا موہڑہ نگل سے شریک محفل ہیں۔ لکھا ہے

سب سے پہلے حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول کریم پڑھی دیوار شب کی 52 قسط پڑھی۔ ناول خوب سے خوب تر ہوتا جا رہا ہے۔ اجالا ہونے کو ہے اور آگہی بھی اچھی تحریریں تھیں۔ لوح تقدیر اور اک نئی سنڈریلا بھی اچھی کہانیاں تھیں مالا کا موتی بھی خوب تر تھی۔ ناول زندگی موسم اور خوشبو بھی اپنی خوشبو کی طرح پھول بکھیرتا ہوا ملا۔ آسیہ رزاقی کا ناول روشنی کے جگنو بھی اپنی مثال آپ تھا۔ ماہ جون کا شعاع اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ خوب سے خوب تر تھا۔

ج: شمائلہ' نوشین' فائزہ اور ندا! آپ لوگوں نے خط لکھا' بہت خوشی ہوئی۔ مستقین تک آپ کی تعریف ان سطور کے ذریعے پہنچائی جا رہی ہے۔

ماہنامہ خواتین ڈائجسٹ اور ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے تحت شائع ہونے والے پرچوں ماہنامہ شعاع اور ماہنامہ کرن میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل پہ ڈرامہ' ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عالیہ بخاری

خیام کا تعلق اس دُنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ ستارہ نانی، نگینہ خالہ اور طلعت نانی نے اس کی پرورش بے حد ناز و نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتلائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کا ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے جس سے اس کی شناسائی ہے جو ریڈیو پر کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملہ فی الفور سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ نانی کے زیورات بھی اٹھا لاتا ہے جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار لاری اڈے تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سالار کا رویہ حیران کن ہے۔ شہر آکر اسے کئی روز تک بے روزگار رہنا پڑتا ہے۔ وہ بابو شوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے۔ زیورات کے ساتھ گھٹی آنکھ چڑیل دیکھ کر خیام کو شدید جھٹکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اسے پیچھے رہ جانے والی کا بھرم سا ٹوٹ جانے کا دکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایمان دار ہیڈ کلرک ہیں جبکہ بھائی معاذ بالکل اُن کا برعکس ہے اور وہ ہر چیز بھولے رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم معاذ اور ربیعہ کے لیے دعا گو ہیں۔

دوسرا گھرانہ ابرار چچا کا ہے جو ظاہری نمود و نمائش اور پیسے کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ سرکاری محکمے میں کلرک ہونے کے باوجود وہ اوپر کی کمائی سے اچھا خاصا کما لیتے ہیں۔ خاندان بھر میں ان کی امارات کی دھوم ہے۔ بچپن میں بڑے بیٹے سلمان کی نسبت ربیعہ جبکہ جویا کی بات معاذ سے طے ہوئی تھی لیکن بدلے حالات نے اس فیصلے پر خاک ڈال دی ہے۔ چچا نے سلمان کی منگنی شہر کے مقبول بزنس مین یوسف کمال کی بیٹی وردہ کمال سے کر دی جس پر سب کو صدمہ ہوتا ہے۔ ربیعہ اس اقدام پر نسبتاً مطمئن ہے۔ جویا اور معاذ دل ہی دل میں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن حالات موافق نہیں ہیں۔

قسط نمبر ۵۳

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خود پر جمی نبیل کی مذاق اڑاتی نگاہ گلناز کو کانٹے کی طرح چبھی تھی۔

"برا مت ماننا گلناز بیگم! عزت دار' خاندانی۔۔۔ ایسا پھپھولا ہوا شخص' جب پہلی بار بیوی کا انتخاب کرتا ہے تو اس کی ترجیح کچھ اور ہوتی ہے۔۔۔ یہاں تک تو وہ بعد میں آتا ہے' منہ کا مزہ بدلنے کے لیے۔ گھر میں بیٹھی تنگ دل' بدشکل' بدمزاج عورت سے نفرت ہونے کے بعد۔"

اس کی زبان لڑکھڑا رہی تھی۔

وہ اپنی برداشت سے زیادہ پی چکا تھا۔ مگر ابھی تک ہوش میں تھا اور ٹھیک اپنی اوقات کے مطابق ہی باتیں کر رہا تھا۔

"یہاں آکر کسی کے بھی عشق میں مبتلا ہو جانا انوکھی بات نہیں ہے' بلکہ اگر کوئی تمہیں دیکھ کر بھی تمہارا دیوانہ نہ ہو' وہ حیرت کی بھی بات ہے اور بے عزتی کی بھی۔ کیوں؟ ٹھیک کہا نا!"

وہ گلناز کی طرف اتنا جھکا کہ اسے سرک کر بیٹھنا پڑا۔

"بدذات کمینہ!" ابھی تازہ دیے گئے لاکھوں کے تحائف کا ذرا سا لحاظ تھا ورنہ وہ اسے باہر کا راستہ دکھانے میں دیر کرنے والی نہیں تھی۔

"نصیب کی بات ہے سب' اپنی جگہ آپ بھی ٹھیک ہیں لیکن جو میں نے کہا' وہ بھی غلط نہیں' میری بھانجی گیتی آرا پورے عزت اور وقار کے ساتھ رخصت ہوئی ہے اور وہ اپنے میاں کی دوسری' تیسری' چوتھی' بیوی نہیں' پہلی محبت ہے۔ نکاح کی تصدیق آپ مسجد کے امام صاحب سے کر سکتے ہیں۔ گیتی آرا کا نکاح انہوں نے پڑھایا تھا۔"

"گیتی آرا!" وہ زیر لب نام لیتے ہوئے مسکرا دیا۔ "بہت خوب صورت نام ہے۔"

"وہ خود بھی بہت خوب صورت ہے!" گل ناز نے پہلی بار اپنی کسی بھانجی کے حسن کی تعریف اپنے ہاں آئے ہوئے مہمان سے کی۔

"ضرور ہوگی۔۔۔ اس نام کی لڑکیاں خوب صورت ہی ہوتی ہیں۔" نبیل کے لہجے میں حسرت سی اتری' گل ناز نے کچھ حیرت سے اس کی کم ہوتی مسکراہٹ کو محسوس کیا۔

"اور یقیناً" اس کا شوہر بہت ہی معمولی شکل کا ہوگا' نہ گوری رنگت' نہ قد آور' نہ مردانہ وجاہت۔ ہا!" اپنی دانست میں اس نے اپنی خوبیاں گنوائی تھیں۔ مگر گلناز اب مزید متاثر ہونے کے موڈ میں نہیں تھی۔ نبیل کے انداز' الفاظ' رویہ سب ہی کچھ ایک قرض سا چڑھاتے جا رہے تھے' جسے بروقت نہ چکاتی تو دونوں بہنوں کی بے سکونی مول لینی پڑتی۔

"خوب صورتی تو عورتوں کا وصف ہے نبیل صاحب! مرد کی شان تو اس کی بہادری' وقار اور قول کا پکا ہونے میں ہوتی ہے' خالی خولی باتیں بنانے والے مرد تو مرد کہلانے کے لائق ہی نہیں ہوتے' نرے ڈھول کا پول۔" اپنی بات ادھوری چھوڑ کر وہ جس حقارت سے ہنسی تھی' نبیل کو اپنی پیشانی بھیگتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

محلے کے سب سے اونچے چوبارے پر بیٹھی سونے کے زیورات سے لدی ہوئی گلناز کے پاس اظہار فخر کے لیے ابھی کچھ اور بھی باقی تھا۔

"اور سالار جیسا باوصف تو ہزاروں لاکھوں میں ایک ہی ہوتا ہے' بڑا پیسے والا اور سخی کراچی کا ہی ہے" آپ تو جانتے ہی ہوں گے ضرور!"

اور وہ یقیناً "جانتا تھا۔

گیتی' سالار۔

سالار' گیتی۔

ان دونوں ناموں کا ساتھ ساتھ ہونا اب حیرت کی بات کہاں رہ گئی تھی پھر بھی وہ چند لمحے کچھ بولنے کے قابل نہ رہا۔

گلناز نے اس کے چہرے کے اترے ہوئے رنگ کو اپنی فتح جان کر دل ہی دل میں خود کو شاباش دی۔ "یقیناً" سالار کی پوزیشن سے واقف ہے' تب ہی چہرے کا رنگ اڑا ہے۔

"میں نے کہا تھا نا کہ آپ ضرور جانتے ہوں گے۔" وہ کھلکھلا کر ہنسی۔

"نہیں' میں نہیں جانتا!" نبیل کا لہجہ کھردرا تھا اور آواز قدرے اونچی۔ گلناز نے حیرت سے اسے اٹھ کر کھڑا ہوتے دیکھا۔

"مجھے کچھ ضروری کام ہے۔ پھر کسی وقت آؤں گا۔" وہ اتنی جلدی میں تھا کہ اس نے الماس سے الوداع لینے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔

"شکر جو بلا ٹلی!" بظاہر بڑے تپاک سے اسے رخصت کرتے ہوئے گلناز نے سکون کی گہری سانس لی اور واپس پلٹ آئی۔

ایمن آباد والی سرکار پر اس کرم فرما تھی۔

"لاکھوں لٹا دیا' مگر کبھی منہ پر نہ لائے اور یہ نو دولتیا اس جیسے کتنے آئے اور گئے۔" اس نے بیزاری سے سر جھٹکا اور بڑے ہال سے گزرتی ہوئی اندر چلی گئی۔

سیڑھیوں پر سے تیزی سے اترتا ہوا نبیل ابھی تک شاک میں تھا۔

اس کے ڈرائیور نے اسے خلاف توقع جلدی آتے دیکھ کر کچھ عجیب سا تو محسوس کیا تھا' مگر سہارا دے کر اسے گاڑی کی پچھلی سیٹ پر لا کر ڈالنے میں اس نے دیر بھی نہیں کی تھی۔

گاڑی کہیں سے تنگ اور کہیں سے کشادہ ہوتی اس گلی سے نکلتی چلی گئی۔

"سو اس حسن بے مثال کا سرا یہاں سے جڑا تھا۔" پچھلی سیٹ پر نیم دراز نبیل کا ذہن پوری طرح بیدار ہو رہا تھا۔

"اور میں کتنا بڑا احمق جو یہ بھی نہ سمجھ سکا کہ اس آوارہ گرد' معمولی شکل والے سالار کو' جسے کوئی لڑکی شاید ہی توجہ کے قابل سمجھتی' یہ سبز پری اور کہاں سے ملنی تھی ہا!" اس نے پہلے اپنی کم عقلی پر افسوس کیا اور پھر اس معمہ کے حل ہو جانے کی خوشی میں مبتلا ہوا۔

"سو ثابت ہوا کہ وہ چوبارسائی کے بڑے دعوے دار ہیں' وہ بھی اسی گلی کے مہمان ہیں اور مہمان بھی کیا خریدار' منہ مانگی ادائیگی پر بیش قیمت ہیرے کا مالک بن بیٹھا۔"

اس نے بیک وقت سالار پر رشک اور حسد محسوس کیا تھا۔

ایک بار پھر اس کا موبائل بج رہا تھا۔ زرتاج یوں ہی منٹ منٹ پر پریشان کرتی تھی۔

"ہیلو!"

"نبیل! اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟"

"بہتر ہوں پہلے سے۔" وہ اس کے موت نبھانے پر ابھی حیران ہی ہوا تھا کہ' دوسرا لمحہ واپس حقیقت کی دنیا میں لے آیا۔

"ایسا کرو' کسی ڈاکٹر سے میڈیکل سرٹیفکیٹ بنوالو' کسی ایسی بیماری کا' جس میں تم فی الحال چلنے پھرنے کے قابل نہ ہو [illegible] کا عذر عدالت میں پیش ہو جائے گا تو تمہاری غیر حاضری کی وجہ مل جائے گی۔ کوئی فالج کا اٹیک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وغیرہ۔" بے تاثر سے لہجے میں وہ جس طرح تیز تیز بول رہی تھی' اس میں کسی بھی طرح کی ہلکی سی بھی اپنائیت کا شائبہ نہیں تھا۔

"جسمانی بیماری' ذہنی عارضہ' میں نے بھی کسی سے کہا ہے کہ وہ تمہارے لیے ذہنی بیماری کے کچھ ثبوت پرانی تاریخوں کے بنادے۔ ایک نیم پاگل شخص کو خاصی رعایت مل جاتی ہے ہماری عدالتوں سے۔"

اگر آج وہ اس کے سامنے ہوتی تو شاید پہلی بار وہ اس کے منہ پر زور سے تھپڑ مارنے کی آرزو کو پورا کر ہی لیتا۔ غصہ کی ایک تند لہر نے نبیل کو اپنی لپیٹ میں لیا۔

"ہیلو۔۔۔ ہیلو!" دوسری طرف سے زرتاج اس کی مستقل خاموشی سے گھبرا کر پکار رہی تھی۔ وہ بمشکل ہی خود پر قابو پا سکا تھا۔

"تمہیں بھاگ دوڑ کی ضرورت نہیں ہے زرتاج! میں آرہا ہوں اور میں دیکھ لوں گا کہ کیا کرنا ہے' کیا نہیں۔ ذہنی معذوری کے سرٹیفکیٹ تم ضرور لو مگر۔۔۔ کم از کم میرے لیے نہیں۔"

اپنی بات ختم کر کے اس نے فون منقطع کیا اور ساتھ ہی آف بھی۔

وہ پوری تسلی کے ساتھ کچھ سوچنا چاہتا تھا جس میں کسی کی شراکت گوارا نہیں تھی۔ یہ ٹرمپ کارڈ جو آج اتفاقاً ہی ہاتھ لگا تھا' کام کی چیز تھا اگر عقل سے استعمال کیا جاتا اس کا شاطر دماغ بہت تیزی کے ساتھ چل رہا تھا۔ اور اس بار پھر وہ زرتاج کو بھنک بھی دینے والا نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

کئی دن کی بولا دینے والی گرمی کے بعد رات کے پچھلے پہر کھل کر بارش برسی تھی۔

صبح ہر شے گیلی گیلی اور ہوا مٹی اور سبزے کی مہک سے بوجھل۔

معاذ نے گیٹ کے اندر قدم رکھتے ہی اسے دیکھ لیا تھا۔ وہ برآمدے کے آگے نکلے سرخ کھپریل کے شیڈ کے نیچے بیٹھا رک رک کر قطرہ قطرہ گرتے بارش کے پانی کو بہت انہماک سے دیکھ رہا تھا۔

اسکول کی نئی عمارت میں منتقل ہونے کے درمیان کے ان چند دنوں میں کچھ اور کام توجہ طلب تھے۔ سو آج کل پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ وقتی طور پر رکا ہوا تھا۔

معاذ نے خیام کی افسردگی اور تنہائی پسندی کو ان دنوں میں ہی بار بار نوٹ کیا تھا۔ اس وقت بھی وہ پتا نہیں کہاں تھا؟

معاذ بے آواز قدموں سے چلتا ہوا اس کے پیچھے جا کھڑا ہوا۔۔۔ تب ہی کچھ احساس ہونے پر اس نے پلٹ کر دیکھا تھا۔

"آپ!" وہ اٹھ کر کھڑا ہونے لگا تھا' مگر وہ منع کرتے ہوئے خود بھی قریب پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"کیا ہو رہا تھا؟"

"کچھ نہیں' بس ایسے ہی۔۔۔" جھینپی ہوئی سی مسکراہٹ خیام کے چہرے پر آئی۔

معاذ نے ایک خاموش سی نگاہ اس پر ڈالی۔

پرانی سی جینز کے ساتھ سفید ٹی شرٹ پہنے' اس سرخ کھپریل کے نیچے بیٹھا ہوا' وہ اتنا خاص لگ رہا تھا' جیسے کوئی بہت پسندیدہ رومانٹک ہیرو۔

"خیام! تم نے شوبز کیوں نہیں جوائن کیا' مذاق نہیں سیریسلی کہہ رہا ہوں' اتنے خوب صورت لڑکے' ایسی پرسنالٹی کہاں دیکھنے کو ملتی ہے ہماری فلموں میں۔ یہاں تو سنا ہے ابھی بھی۔"

"مجھے نہیں پسند یہ فلموں ولموں کا چکر' یہ بھی کوئی کام ہے بھلا۔" بڑی تیزی سے اس نے معاذ کی بات کاٹی تھی۔

"کیوں' برائی کی کیا بات ہے' باقاعدہ پروفیشن بن گیا اب تو' اچھے گھروں کے لڑکے لڑکیاں' ٹی وی میں آرہے ہیں' اکیڈمیاں کھل رہی ہیں۔ کم سہی اچھی فلمیں بھی بننا شروع تو ہوئی ہیں۔۔۔ میرے ایک دو اچھے جاننے والے ہیں۔ کہو تو بات کروں کسی ٹی وی سیریل کے لیے۔"

اس بار خیام نے باقاعدہ ہاتھ جوڑے تھے اس کے آگے۔

"پلیز معاذ بھائی!" اس کے چہرے پر اتنی بے چارگی تھی کہ معاذ مسکرا بھی نہ سکا۔

"پتا نہیں کیا ہے' جو اس پیارے سے لڑکے کو کھل کر جینے نہیں دیتا۔" معاذ نے اضطراب سے پہلو بدلا۔

"مصیبت یہ تھی کہ کچھ بھی نہ پوچھنے کا وعدہ ابتدا میں ہی ہو چکا تھا' بصورت دیگر وہ یہاں سے فوراً جا سکتا تھا۔ گو اب اس کے یہاں سے جانے کا خطرہ نہ ہونے کے برابر ہی تھا' مگر معاذ کو اپنے وعدے کا احترام تھا۔

"چند دن رہ گئے ہیں اسکول کی اوپننگ میں' ایک دم ہی مصروفیت بڑھ جائے گی تمہاری' پھر اس طرح خالی بیٹھنے کی مہلت بھی نہیں ملے گی تمہیں۔"

"اچھا ہے' بلکہ بہت ہی اچھا ہے!" خیام اس بار مسکرایا تھا۔

"اچھا وہ تم ساجد کی امی کو کہہ آئے تھے کہ وہ زری کے نکاح میں ضرور آجائیں۔۔۔ ان کا آنا بہت ضروری ہے۔ وہ ان لوگوں کی بہت قریبی محلے دار رہی ہیں۔" معاذ کو یاد آیا۔

"وہ ضرور آئیں گی معاذ بھائی! میں انہیں کہہ آیا تھا اور سعیدہ بھابھی نے بھی انہیں فون کر دیا تھا سکھر سے۔"

"اللہ کرے' یہ کام بھی خیریت سے ہو جائے۔۔۔ مجھے زری کی طرف سے بڑی فکر ہے خیام! بے سوچے سمجھے بہت سے کام کر لیتا ہوں' لیکن زری کی ذمہ داری نے مجھے ہلا کر رکھ دیا۔ اب سوچتا ہوں تو امی کی مخالفت کی وجہ سمجھ میں آتی ہے۔"

"لڑکیاں تو ہوتی ہی مصیبت ہیں معاذ بھائی! آزمائش' شرمندگی' خوف' سب میں ان ہی کی وجہ سے مبتلا ہونا پڑتا ہے انسان کو۔" وہ جیسے لہجے میں بے ساختہ کہہ اٹھا۔

معاذ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا' وہ سامنے ہاتھ پھیلائے کھپریل سے گرتے پانی کے قطروں کو اپنی ہتھیلی پر جمع کر رہا تھا۔۔۔ اور ذاتی زندگی کے بارے میں یہ پہلا خیال تھا جس کا اس نے اظہار کیا تھا۔

"ایسا نہیں ہے خیام! عورت کا رتبہ تو بہت بلند ہے' دنیا میں محبت کی سب سے مضبوط علامت' قربانی دینے کا وصف اللہ نے ان ہی میں رکھا ہے۔ زندگی کو گزارنے کے سلیقہ وہ ہی دیتی ہیں مرد کو ورنہ۔۔۔"

"مجھے نہیں لگتا۔" اس نے تیزی سے معاذ کی بات کاٹی اور ہاتھ میں جمع شدہ پانی کو جھٹک کر نیچے گرایا۔

"جس چیز کو آپ محبت کہتے ہیں' وہ صرف ان کی مجبوری ہوتی ہے' انہیں پتا ہوتا ہے کہ وہ سوسائٹی میں اکیلی نہیں رہ سکتیں' اسی لیے وہ مرد چاہے کوئی بھی ہو باپ' بھائی' شوہر' بیٹا یا پھر کوئی اور۔ کسی کو بھی پکڑے رکھتی ہیں' جب تک ویسا ہی دوسرا سہارا انہیں ڈھونڈ لیتیں۔ اب آپ اس خود غرضی کو محبت کا نام دیتے ہیں تو آپ کی مرضی۔" ایک تلخ سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے اپنی بات کو ادھورا چھوڑا۔

"میں آپ کے لیے چائے بنا کر لاتا ہوں۔" وہ اٹھ کر کھڑا ہوا۔ "کچھ کھائیں تو میں سامنے سے جا کر لے آتا ہوں۔"

نفی میں سر ہلاتے ہوئے معاذ نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔

خیام کے چہرے پر سرخی سی پھیلی تھی اور اس کی آنکھوں میں ہمہ وقت ٹھہری اداسی اور بھی گہری۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ ضبط کی آخری حد کے آس پاس ہی کھڑا تھا۔
"ہماری مائیں بھی تو عورت ہی ہیں ناخیام' ہمیں اس دنیا میں لانے والی' ہماری جنت ان کے قدموں کے نیچے ہے۔"
معاذ نے جو بات اس کی کڑواہٹ کو کم کرنے کے لیے کہنا چاہی تھی' درد کے ایک سب سے پرانے سلسلے کو تازہ کرنے کا سبب بنی۔
"ہرماں اولاد کو پیدا کر کے احسان نہیں کرتی ہے معاذ بھائی! بہت سی اولادیں' زندگی بھر یہ تمنا کرتی ہیں کہ کاش وہ اس دنیا میں نہ آئی ہوتیں اور نہ ہی ہرماں کے قدموں تلے جنت ہوتی ہے۔۔۔ اور یہ بات وہ مائیں خود ثابت کرتی ہیں۔"
وہ بات ختم کر کے تیزی سے کچن کی طرف چلا گیا۔ معاذ کو لگا تھا جیسے وہ اب بس رونے ہی والا ہے اور کیا پتا' کچن میں اپنے آنسو ہی صاف کر رہا ہو معاذ نے تاسف سے پہلو بدلا۔
ہر بار جب وہ کسی نہ کسی کو نادانستہ طور پر کسی دکھ میں مبتلا کرنے کا سبب بنا' ایسا ہی بھاری بوجھ دل پر آ کر گرتا تھا۔ اس وقت خیام کے اندر چھپی انتہا درجے کی کڑواہٹ کا ایک اور رخ سامنے آیا تھا۔
"حقیقت کتنی بھی تلخ ہو' لیکن اسی تلخ ترین گہرائی' سے خیر کا چشمہ بھی پھوٹنے کا منتظر ہوتا ہے' بالکل ویسے ہی جیسے گہری سیاہ رات کے قریب تر سحری کی پہلی کرن۔"
اسے ابا کی کبھی کی کہی بات یاد آئی۔
"سو خدا کرے کہ خیام کی زندگی کی صبح بھی قریب تر ہو!" اس نے دل کی گہرائی سے دعا کی۔
فی الوقت زری اور راجو کا نکاح ساری توجہ لے رہا تھا۔ ایک بار وہ رخصت ہو کر اس گھر سے چلی جاتی تو وہ ایک بڑی فکر سے آزاد ہونے والا تھا۔
زری کی شدت پسندی نے اسے پہلی بار کسی عورت سے خوف زدہ کیا تھا اور ہر بار کی طرح وہ اس خوف کو ابا کے ساتھ شیئر کرنے کی ہمت بھی نہیں پا سکا تھا' مگر وہی تھے جو اس الجھن کو دور کرنے کا سبب بنے تھے۔
ورنہ اس کے پاس تو لے دے کر بس یہی ایک خیام تھا' جس پر نظر تو جاتی تھی مگر ساتھ ہی ایک بڑی بے انصافی کا احساس بھی دل میں جگہ بناتا تھا۔
وہ اتنا پیارا' معصوم اور افسردہ سا لڑکا' کچھ اور ڈیزرو کرتا تھا!
"شکر ہے جو ابا نے اسے اس غلطی سے بچا لیا' ورنہ خیام یقیناً "یہاں سے چلا جاتا!"
آج کی اس گفتگو سے اس کے یہ تو سمجھ میں آ گیا تھا وہ اس کے کہنے پر زری سے شادی کرنے پر رضامند ہو جاتا۔ ناممکن!
سامنے کچن میں خیام نے اپنی جلتی ہوئی آنکھوں کو ہتھیلی سے سختی سے رگڑا۔
"کاش وہ معاذ بھائی کو ان عورتوں کے چہرے دکھا سکتا جو اس کی کہی ہر بات کی تصدیق کرتی ہیں' فیروزہ' ثمینہ' صندل اور اب۔۔۔ گیتی آرا!"
سب کسی نہ کسی قیمت پر بکتی رہیں' یہاں تک کہ گیتی بھی جس کے بارے میں اسے پورا یقین تھا کہ وہ چاہے اب زندگی بھر بھی واپس پلٹ کر نہ دیکھے' تب بھی وہیں نانی ستارہ کے چوبارے پر زندگی گزارنے والی ہے۔
برآمدے کے بالکل آخری سرے پر بنے کمرے میں دنیا کی رنگینیوں سے منہ چھپا کر محض اس کی یاد میں۔۔۔
مگر وہ بھی!
اس کی نظروں میں گیتی کا پرسکون چہرہ' قیمتی لباس' بڑی سی گاڑی اور گاڑی کا دروازہ کھولتا ہوا ڈرائیور سب ہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کچھ کتنے دن سے انکے تھے اندر کہیں انا پر ضرب تو پڑی ہی تھی۔
اور عجیب تو یہ کہ سب کچھ چھوڑ کر آنے پر بھی کھو دینے کا جو احساس کبھی نہیں جاگا تھا' وہ گیتی کی ایک جھلک کا ہی منتظر تھا۔
"خیام! تمہاری چائے میں اور کتنی دیر ہے؟"
باہر سے معاذ آواز دے رہا تھا اور اس کی آواز میں وہی تسلی دلاتا ہوا انداز تھا' جو بار بار سنبھلنے کا موقع فراہم کرتا تھا۔
"آرہا ہوں معاذ بھائی۔" اس نے ٹرے اٹھا کر باہر کا رخ کیا۔

☼ ☼ ☼

زرتاج بیگم نے انیکسی کی طرف ہوتی چہل پہل کو حیرت سے دیکھا۔
وہاں کچھ سامان اتارا جا رہا تھا۔ فرنیچر وغیرہ اور کچھ اور بھی۔ فاصلہ زیادہ تھا' وہ بہت درست اندازہ لگانے میں کامیاب نہ ہو سکی۔
"اے!" اس نے قریب سے گزرتی ہوئی ملازمہ کو آواز دی۔ "یہ سب کیا ہے؟ کہاں سے آرہا ہے یہ سامان؟ کس نے منگایا ہے؟"
"مجھے نہیں پتا۔ میں تو یہاں اندر گھر کا کام کرتی ہوں بیگم صاحب!" وہ اطمینان سے جواب دے کر آگے بڑھ گئی۔
زرتاج کی الجھن اب بھی برقرار تھی۔
ایک کے بعد دوسرے اور پھر تیسرے ملازم کی لاعلمی کے بعد اس پر اچانک ہی ایک اور تکلیف دہ انکشاف یہ ہوا کہ سارے ملازم اس کے دائرہ کار سے تقریباً نکل چکے ہیں۔ ان کے دو ٹوک جواب اور انداز میں آئی بے نیازی یوں ہی نہیں تھی' ورنہ کسی کی مجال جو اس کے پوچھے گئے سوال کا یوں ٹکا سا جواب دے سکے۔
"کسی ایک کو نہیں رکھوں گی' نکال دوں گی تم سب حرام خوروں کو تو کروں کی کمی نہیں پڑ رہی' ایک اشارے پر سینکڑوں میری جوتیاں چاٹنے کو تیار ہیں' تم لوگوں نے سمجھ کیا رکھا ہے۔ یہ میرا گھر ہے' یہاں کا پتا بھی میری مرضی کے بغیر کبھی نہیں ہلا ہے' سیاہ و سفید کی مالک ہوں یہاں کی میں۔"
لاؤنج میں کھڑے ہو کر وہ حلق کے بل چلا رہی تھی۔ گئے دنوں کی وہ مطلق العنانی' اب بھولا بسرا قصہ ہوئی جا رہی تھی' مگر وہ یہ ماننے کے لیے تیار نہیں تھی۔
"اپنا اپنا حساب کرلو اور دفع ہو جاؤ بے غیرتو۔"
مگر وہ سارے بے غیرت کھڑے کھڑے نکالے جانے کا حکم سن کر بھی وہیں کھڑے ایک دوسرے کی شکلیں دیکھ رہے تھے۔
"سنا نہیں تم لوگوں نے۔ کیا کہہ رہی ہوں میں۔۔۔ منظور!" وہ اپنے نسبتاً پرانے وفادار کی طرف مڑی۔ "ان سب کا حساب کر کے نکالو باہر' میں اپنے گھر میں کسی کی شکل نہیں دیکھنا چاہتی ہوں۔" انیکسی میں آئے سامان کی انکوائری شروع ہونے والا قصہ چند منٹوں میں کہیں سے کہیں پہنچنے لگا تھا۔
منظور نے آنکھ کے اشارے سے ان سب کو وہاں سے ہٹنے کے لیے کہا' تب ہی انہیں وہاں سے ہٹتا دیکھ کر وہ پھر سے چلائی تھی۔
"جا کہاں رہے ہو' اپنا حساب کرو اور دفع ہو۔"
"آپ انہیں نہیں نکال سکتیں بیگم صاحب! یہ اس طرح نہیں ہٹائے جا سکتے۔" منظور کو مجبور ہو کر وہ اطلاع

دینی پڑی جو ابھی تک زرتاج کی چند خوش فہمیوں کو برقرار رکھے ہوئے تھی "سالار صاحب کا حکم ہے' کسی بھی ملازم کو ان کی مرضی کے بغیر نکالا اور رکھا نہیں جا سکتا' یہ فیصلہ صرف وہ ہی کر سکتے ہیں یا پھر ان کی بیگم۔"
زرتاج نے بہت بے یقینی سے ان سب کی طرف دیکھا۔
ان کے انداز کی بے نیازی اور چہرے کا سکون منظور کی کہی باتوں کی تصدیق کر رہے تھے۔
وہ چند لمحے یوں ہی گم صم سی کھڑی رہی اور پھر تیز قدموں سے اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔
ادھر انیکسی میں راجو کی گھر گرہستی کا سامان پورا ہوا تھا۔
"لیجیے راجو بھائی! اب صرف آپ کی دلہن کی کمی رہ گئی ہے' وہ آجائیں گی تو گھر مکمل ہو گا۔"
گیتی نے ہاتھ میں تھامے بچے کھچے پھول بھی ایک گل دان میں ڈال کر سائیڈ ٹیبل پر رکھے اور مڑ کر راجو کی طرف دیکھا۔ تو وہ افسردگی سے مسکرا دیا۔
"سب آپ کی اور سالار صاحب کی مہربانی ہے بھابھی! پتا نہیں کیا' کیا کیے جا رہے ہیں میرے لیے' ورنہ میں تو اب تک کسی مینٹل اسپتال میں جمع کرایا جا چکا ہوتا یا پھر۔۔۔"
"پھر شروع کر دیں آپ نے وہ بے کار کی باتیں۔" گیتی نے بڑی اپنائیت سے اسے ٹوکا۔ "ایک نئی زندگی کا آغاز کرنے جا رہے ہیں آپ' ساری تکلیف دہ باتوں کو پیچھے چھوڑ دیجیے پلیز!"
"ساری کہاں چھوڑی جا سکتی ہیں بھابھی!"
رام کا لہجہ دھیما ہوا اور چہرے سے وہ افسردہ سی مسکراہٹ بھی گم!
"مجھے پتا ہے کہ آپ کے لیے روزی کا غم بہت بڑا ہے راجو بھائی! آپ ساری زندگی اسے نہیں بھول سکتے۔ مگر آپ دیکھیے گا کہ ظالم اپنے انجام تک ضرور پہنچیں گے اور ان کو ملنے والی سزا ہی آپ کے دکھ کا مداوا کرے گی۔"
وہ اپنی بات کہتے ہوئے ذرا رکی' راجو نے شاید گیتی کی تسلی کے لیے ہلکے سے اثبات میں سر ہلایا تھا۔
"مداوا ہو گا یا نہیں' لیکن اتنے پیارے لوگوں کو پریشان رکھنا بھی تو اچھا نہیں لگتا۔" اس نے اپنے دل میں کچھ ایسا ہی سوچا تھا۔
باہر سے سالار کے بولنے کی آواز آرہی تھی۔ تیز تیز بولتا ہوا وہ اسی طرف آرہا تھا۔ گیتی اور راجو دونوں ہی دروازے کی طرف دیکھنے لگے۔
"سب کچھ مکمل ہو گیا ہے یا ابھی کچھ کمی ہے؟ اچھی طرح دیکھ لو گیتی! اور تم بھی راجو!" وہ بولتا ہوا اندر آیا تھا۔
راجو کے لیے انیکسی کا فرنیچر' کراکری اور دیگر سامان کی مکمل تبدیلی کا آئیڈیا سراسر اس کا تھا۔ راجو منع ہی کرتا رہ گیا تھا۔ اس کے خیال میں انیکسی میں پہلے ہی ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔ سو اس فضول خرچی کی قطعی ضرورت نہیں تھی۔ مگر اس نے ایک نہیں سنی تھی۔
"زری اور راجو دونوں ہی نے بہت سی محرومیوں کے ساتھ زندگی گزاری ہے۔ پیسے' وسائل' رشتے' محبتیں کچھ بھی نہیں رہا ان کے پاس۔ الگ الگ بھی کہانی دیکھو تو دل بیٹھتا ہے گیتی! اور میں جانتا ہوں کہ محرومیاں کس طرح روح کے اندر بچے گاڑ کر جینے کا حوصلہ ختم کرتی ہیں۔ یہ چھوٹی چھوٹی خوشیاں' تبدیلیاں انہیں پھر سے جینے کی امنگ عطا کریں گی' تم دیکھ لینا۔"
اس نے تنہائی میں گیتی سے کہا تھا اور وہ اس کی باتوں' فیصلوں پر حیران ہونا اب بالکل چھوڑ چکی تھی۔
زری اور راجو کی شادی پر اس کی ابا کے ساتھ واحد شرط بھی زری کے ساتھ کوئی ایک پیسے کی بھی چیز ساتھ نہ آنا تھی۔
"گیتی! ذرا کچن پر ایک نگاہ اور ڈال لو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ اس کا حکم سنتے ہی باہر نکل گئی تھی۔ راجو غریب روکتا ہی رہ گیا۔

"آپ بھابھی پر بہت کام ڈال رہے ہیں۔ بے چاری ہر وقت لگی رہتی ہیں، مجھے تو سخت شرمندگی ہو رہی ہے۔"

وہ واقعی شرمندہ تھا۔

سالار ہلکے سے ہنس پڑا۔ "تمہیں نہیں پتا، وہ ایسی ذمہ داریوں سے بہت خوش رہتی ہے اور میں ویسے بھی نہیں چاہتا کہ وہ زیادہ وقت زرتاج بیگم کے زیر اثر رہے، سمجھ رہے ہو نا۔"

راجو نے ہلکے سے سر ہلایا تھا۔

"اور سب سے اہم بات یہ کہ تمہیں تمہاری ذاتی زندگی میں خوش و خرم دیکھنا میری اور گیتی دونوں ہی کی دلی آرزو ہے، جو وہ کر رہی ہے اسے کرنے دو، یہ سمجھ کر کہ یہ اس کی خوشی ہے۔"

راجو اس بار ہلکے سے مسکرایا تھا۔

زندگی میں کبھی کبھی سب کچھ ایسا ہونے لگتا ہے سالار بھائی! جس کے بارے میں وہم و گمان بھی نہیں ہوتا ہے، اب یہی دیکھ لیں میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ روزی کے بعد زندگی میں ایسی کسی بات کی گنجائش پائی ہے۔ مگر۔" اس کی آواز کہیں گم ہوئی۔

سالار نے محبت سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"میں تمہارا دل سے شکر گزار ہوں راجو! کہ تم نے میرا مان رکھا، مجھے اچھی طرح احساس ہے کہ تم نے یہ فیصلہ اپنی خوشی کے لیے نہیں بلکہ میری خوشی کے لیے کیا ہے۔ احسان ہے یہ تمہارا مجھ پر۔"

"ایسا نہ کہیں، آپ کے لیے تو میری جان حاضر ہے۔ یہ تو کچھ بھی نہیں۔" راجو کی آواز دھیمی مگر لہجے میں بڑی پر اثر سچائی تھی۔

"میں روزی کو بھولنے کے لیے نہیں کہہ رہا، کیونکہ کسی کو بھولنا اتنا آسان نہیں ہوتا، لیکن کوشش کرنا کہ زری کے ساتھ زندگی کا آغاز محبت کے ساتھ کرو، دیکھنا جو ابا" وہ تمہاری زندگی کو بدل کر رکھ دے گی۔"

"مجھے صرف نبیل کی فکر ہے۔ وہ اس رشتے پر بہت شدید غصے میں آئے گا۔ بہرحال زری اس کی بہن تو ہے نا۔"

"بہن!" سالار تلخی سے مسکرایا۔ "سالوں سے منہ موڑ کر خود زندگی کے مزے لوٹ رہا ہے۔ اس کی بلا سے بہن بھائی، ماں، باپ کا جو حشر ہو۔ مجھے تو یقین ہے کہ وہ اگر زری کو دیکھے گا بھی تو پہچاننے کی غلطی نہیں کرے گا اور اگر پہچانتا ہے تو بھی یہ ان دونوں کا معاملہ ہے۔ زری کو شدید نفرت ہے اس سے۔ تم چھوڑو۔ یہ ان لوگوں کو خود نپٹانے دو۔ اگر ایسا موقع آیا۔"

سالار نے نرمی سے اس کا کندھا تھپتھپایا۔

"شادی کے چند دن بعد تم زری کو لے کر ویسے بھی اپنے گھر جاؤ گے، وہاں ایک بہت اچھی سی ولیمہ کی دعوت کرنی ہے تمہیں۔ میں چاہتا ہوں تمہاری امی اور بہنوں کی ہر خوشی دوبالا ہو اور پھر جب تک تم واپس آؤ گے تو تب تک خدا نے چاہا تو نبیل یہاں سے جا چکا ہو گا۔"

"اور روزی کا کیس؟"

وہ بے ساختہ کہہ تو گیا۔ مگر دل میں شرمندہ بھی ہوا۔ اتنا کچھ جو سالار اس کے لیے کر رہا تھا۔ اس کے بعد بھی؟

"وہ تو یہاں سے پہلے وہاں درج ہو چکا ہے راجو!" سالار نے اوپر کی طرف اشارہ کیا۔ "بہت جلد فیصلہ آئے گا، بے فکر رہو، زرتاج بیگم کے اختیارات اور تعلقات کا اندازہ مجھے ان ہی دنوں میں ہوا ہے، لیکن کب تک۔ عدالت نے نبیل کو حاضر ہونے کا حکم دے دیا ہے۔ اب دیکھتے ہیں کیا گھناؤنا حربہ استعمال کرتا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ پرعزم بھی تھا اور پریقین بھی۔
اور اس کی کہی ہر بات پر راجو کو مکمل بھروسا بھی تھا۔ روزی کا انصاف ہونا ہی تھا۔ کسی بھی صورت سہی۔
"تم بہت سکون سے خوشی خوشی اپنی نئی زندگی کا آغاز کرو اور بس اللہ پر بھروسا رکھو' وہ اپنے کسی بندے کو مایوس نہیں کرتا۔ صرف دو دن رہ گئے ہیں تمہاری شادی میں۔"
وہ اس کو ساتھ لیے باہر چلا آیا۔ انیکسی کی دیواروں کے پینٹ کے ساتھ جو سارے اضافے کیے گئے تھے ایک بہت خوش گوار سے احساس کو جنم دے رہے تھے۔ سامنے موسمی پھولوں سے لدے ہوئے گملے اور پیچھے نظر آتا وسیع سبزہ زار۔
سالار نے ایک گہری سانس لی۔
دوسری طرف کچن سے گیتی آرہی تھی۔ اس کے چہرے پر پھیلا اطمینان بتا رہا تھا کہ سب کام مکمل ہوا۔
"تم اب آرام کرو راجو! صبح سے لگے ہوئے ہو۔" انیکسی کی سیڑھیوں پر سے گیتی کے ساتھ اترتے ہوئے سالار نے پلٹ کر اسے ہدایت کی تھی۔
وہ پھر بھی کچھ دیر وہیں کھڑا انہیں بڑی عقیدت سے دیکھے گیا اور پھر اندر چلا گیا۔
"شکر ہے۔ جو راجو شادی پر راضی ہوا میں اس سے بنا پوچھے اماں سے وعدہ کر آیا تھا۔ مگر اس نے میری بات کو رکھا' یہ کیا کم بات ہے۔" گھر کے رہائشی حصے کی طرف جاتے ہوئے سالار نے گیتی سے کہا۔ وہ مسکرا دی۔
"آپ کی بات تو ہر ایک ہی مان جاتا ہے۔ اس میں نئی بات کون سی ہے۔"
"مثلاً"۔" اس نے اپنا بازو گیتی کے کندھے پر پھیلایا۔
"بہت سی مثالیں ہیں اور سب سے بڑی تو میں خود آپ کی ایک آواز پر کیسے چل پڑی آپ کے ساتھ۔ نانی تک کو خفا کر دیا تھا۔"
"خیر' تمہاری تو بات ہی دوسری ہے۔ پرانی سیٹنگ تھی تم سے' کیسے نہ سنتیں میری بات۔" وہ شرارت سے ہنسا۔
"توبہ کریں! میں نے کیا سیٹنگ کی تھی آپ سے... بے کار میں ہی۔"
سالار نے دلچسپی سے اس کے گلابی چہرے کو دیکھا۔
"اور یہ اس طرح فری ہونے کی بھی ضرورت نہیں۔ سب ملازم آتے جاتے رہتے ہیں۔" اس نے کندھے پر پھیلا سالار کا ہاتھ بھی فی الفور ہٹایا تو وہ ہنستا چلا گیا۔
"تمہارا ابھی جواب نہیں گیتی آرا۔" اس کی آنکھوں میں ہنستے ہوئے پانی سا آگیا تھا۔
گیتی نے کئی بار سنا تھا کہ جن لوگوں کی آنکھوں میں ہنستے ہوئے پانی آتا ہے' وہ بہت سادہ دل اور مخلص ہوتے ہیں۔ سو وہ ایسا ہی تھا۔ اور ایسے مخلص' سچے' دیانت دار شخص سے کوئی ایک چھوٹی سی چوری بھی کہاں جائز تھی۔
پچھلے چند دنوں سے دل میں چھپا احساس ندامت ایک بار پھر سر اٹھانے لگا۔
"شاید مجھے بتا ہی دینا چاہیے تھا اسی دن' مگر مہلت ہی کہاں ملی۔ رات کو معاذ بھائی کے ہاں دعوت تھی اور پھر... مصروفیت کا ایسا سلسلہ دراز تھا کہ جیسے دوڑتے بھاگتے دن رات ختم ہو رہے تھے۔"
"کیا سوچ رہی ہو؟" سالار نے پھر سے محبت سے اس کے بالوں کو چھوا۔
وہ گھر کی داخلی سیڑھیوں کے بالکل قریب آتے جا رہے تھے۔ تب ہی وہ چلتے چلتے رکی تھی۔
"سنیے!"
وہ اس کے ایک دم رکنے پر کچھ حیران سا ہو کر اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"چند دن پہلے مجھے خیام ملا تھا ایک اسٹور پر۔"
بنا کسی تمہید کے اس نے سالار کو وہ اطلاع دی جو واجب ہو رہی تھی۔
جواباً" چند لمحے وہ کچھ بھی نہیں کہہ سکا تھا۔ لیکن گیتی نے اس کی آنکھوں میں الجھن سی محسوس کی تھی۔
"میری اس سے کچھ بات تو نہیں ہوئی' لیکن ہمارا سامنا ہوا تھا۔ وہ میڈیکل اسٹور پر دوائیں خرید رہا تھا۔ جب میں وہاں..." نگاہیں جھکائے اس نے وہ مختصر سا واقعہ من و عن بیان کیا اور بیچ میں ایک بار بھی سالار کی طرف نہیں دیکھا۔
"پتا نہیں وہ کیا سوچ رہا ہے۔" خیام سے اس کی گئے دنوں کی دلچسپی کا واقف حال تھا۔ ٹھیک ان دنوں میں اس کا نانی ستارہ کے ہاں آنا شروع ہوا تھا۔ جب وہ تازہ تازہ سوگ منا رہی تھی۔
دونوں کے بیچ آئی چند لمحوں کی خاموشی میں وہ ہر برے امکان میں گھری۔
"مردوں کو ہر بات بتانا کیا ضروری ہے بھلا؟ اب آگے کیا اعتبار کریں گے۔" اپنا بیک گراؤنڈ اس پر اب بھی سہم سا طاری کرتا تھا۔ ورنہ افیئر' پسندیدگیاں' مرضی کی شادیاں اور بہت کچھ... اور کچھ بھی نیا نہیں۔
سالار نے اس کے پھیکے پڑتے رنگ اور جھکی ہوئی پلکوں کی طرف دیکھا اور دھیرے سے اس کا ہاتھ تھاما۔
"تو اس میں خاص بات کیا ہے' جو تم نے مجھے بتانا ضروری سمجھی۔" سالار کے انداز میں بڑی فطری سی لاپروائی تھی۔
"جی!" اس نے چونک کر سالار کی طرف دیکھا۔
"ہاں نا' لوگ ملتے ہی رہتے ہیں آتے جاتے۔ خیام بھی کہیں نہ کہیں تو ملنا ہی تھا اور آگے بھی ملے گا۔ اس میں کون سی پریشانی والی بات ہے۔ تمہیں تو چاہیے تھا کہ بڑھ کر اس سے بات کرتیں' بنا پوچھتیں' کیا خبر وہ نانی سے ملنے کے لیے تیار ہو جاتا۔"
تبصرہ' مشورہ' سب ہی کچھ بے حد نارمل۔
گیتی نے ایک اطمینان بھری سانس لی۔ "مجھے کیا ضرورت تھی کہ میں اس کا حال چال پوچھتی۔ وہ ہم لوگوں سے تعلق نہیں رکھنا چاہتا۔ یہ بات سب کو پتا ہے' وہاں لاہور میں بھی اور نانی مدت ہوئی صبر کر چکی ہیں۔"
خیام سے اس کی بے زاری اس کے لہجے سے ظاہر ہو رہی تھی۔ "مجھے آپ کو بتانا تھا' سو بتا دیا۔ اس سے آگے میرے لیے اس موضوع کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔"
وہ پورے وقار سے سالار کے سامنے کھڑی کہہ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

آج تیسرا دن تھا۔ جو بخار ٹوٹنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔
جویا نے ٹھنڈے پانی کی پٹیاں کرتے ہوئے بڑی فکر مند نگاہوں سے شاکر امی کی طرف دیکھا۔
ان کا رنگ سفید پڑ رہا تھا اور آنکھیں اب بھی بند۔ پچھلے تین' چار دنوں سے وہ اسی حالت میں تھیں۔ محلے کے جو ڈاکٹر انہیں دیکھ کر گئے تھے۔ ان کی دوا سے ذرا بھی افاقہ نہیں تھا۔ مگر آپا گل اور سلمان دونوں ہی کسی اور کو دکھانے کے حق میں نہیں تھے۔
"بار بار ڈاکٹر بدلنے سے مرض اور بھی بگڑ جاتا ہے۔ یہ بے چارے قریب ہیں۔ سستے بھی ہیں اور اچھے بھی۔"
آپا گل کی بتائی ہوئی خوبیوں کے بعد کسی بحث کی گنجائش نہیں رہ گئی تھی۔
وہ اور سلمان دونوں بے حد مطمئن تھے۔ مگر جویا بے حد مضطرب تھی کہ اس روز فرید الدین کے ہاں کی دعوت کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بعد جب وہ گھر لائی گئی تھیں' بالکل خاموش تھیں اور ان کے بخار کی ابتدا اسی رات ہوئی تھی۔

"امی۔ امی!" محبت سے ان کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے جویا نے انہیں بے قراری سے دھیمی آواز میں پکارا۔ مگر وہ آنکھیں بند کیے اسی طرح خاموش لیٹی تھیں۔

جویا کے دل کو برے برے وہم گھیر رہے تھے۔ خدانہ کرے' انہیں کچھ ہو گیا تو۔

بری طرح گھبرا کر اس نے شاکرہ امی کے ہاتھوں کو کئی بار چوما تھا۔ ان کے ہاتھ برف کی طرح سرد تھے۔ وہ کسی خوف زدہ بچے کی طرح ان کے سینے میں منہ چھپا کر سسکتی رہی۔

"امی پلیز۔ ٹھیک ہو جائیں' امی! میں بہت پیار کرتی ہوں آپ سے۔ امی۔ امی۔"

اسے ان دنوں میں اور بھی شدت سے یہ احساس ہوا تھا کہ سارے گلے شکووں' محرومیوں کے باوجود ماں کا وجود اس کے لیے آج بھی سایۂ رحمت تھا۔

کوئی کچھ کہے' کچھ سمجھے۔

باہر سے آپا گل کے زور زور سے بولنے کی آواز آرہی تھی۔ جویا نے جلدی سے علیحدہ ہو کر اپنے آنسو خشک کیے اور اٹھ کر دروازے سے نکل گئی۔

خاموش ساکت لیٹی شاکرہ امی کی بند پلکوں میں ہلکی سی جنبش ہوئی اور آنکھوں سے آنسو پانی کی باریک لکیر بناتے ہوئے چہرے پر پھیلتے چلے گئے۔

باہر آپا گل کا ہدف آج بھی جویا ہی تھی۔

"کیا تماشا بنا رکھا ہے تم نے جویا! ہر وقت امی کی پٹی سے لگی بیٹھی رہتی ہو۔ لوگ بیمار پڑتے ہی ہیں' معمولی سا بخار ہی تو ہے۔"

"امی اس طرح پہلے کبھی بیمار نہیں ہوئیں آپا! اب تو بالکل بستر پر چلی گئی ہیں۔ بات بھی نہیں کرتیں۔ مجھے سخت گھبراہٹ ہو رہی ہے۔ آپ انہیں کسی دوسرے اچھے ڈاکٹر کو کیوں نہیں دکھاتیں' کسی اسپیشلسٹ کو جو۔۔۔"

آپا گل نے بے زاری سے ماتھے کو چھوا۔

"اتنی بڑی ہو گئی ہو' مگر عقل ابھی بھی ٹخنوں میں ہی ہے تمہاری۔ ایک ذرا سے بخار کو ہوا بنا لیا ہے۔ اتنا بھی نہیں سمجھ رہی ہو کہ امی کی بیماری جسمانی نہیں' ذہنی ہے۔ اتنی پریشانیوں میں گھری ہیں' نروس بریک ڈاؤن قسم کی ہی بیماری ہے یہ' فکریں کم ہوں گی تو خود بخود اچھی ہو جائیں گی' بلکہ پہلے سے کہیں زیادہ اچھی ہو جائیں گی۔ دیکھ لینا' بس تھوڑے دنوں کی بات ہے۔"

ان کی آنکھوں میں آئی چمک اور چہرے کی مسکراہٹ اتنی گہری اور معنی خیز ہونے لگتی تھی کہ جویا کو آنکھ ملانا مشکل ہو جاتا تھا۔ گھر میں جو یہ کھچڑی آپا گل اور سلمان مل کر پکا رہے تھے۔ وہ اب کوئی اسرار بھی نہیں تھی۔

فرید الدین ایڈووکیٹ کا رشتہ' رشتہ نہیں سارے مسائل کا شافی حل تھا۔ یہ بات کہی' سنی اور مانی جا چکی تھی۔ کسی نے اس سے رسمی سی "ہاں" کروانے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔

صرف زویا تھی جو پریشان ہو کر بار بار اس کی توجہ اس معاملے کی طرف دلانے کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر یہاں اس کے لیے فرید الدین سے بڑی پریشانی شاکرہ امی کی بیماری تھی۔

"تم اتنی فکر مت کرو' ویسے ہی ساری پریشانیاں اپنے سر لے کر کیا سے کیا حال بنا لیا ہے تم نے۔ رنگ' روپ کچھ بھی تو نہیں رہا میں تو شکر کرتی ہوں کہ فرید الدین نے تمہیں پسند کر لیا۔ ورنہ آج کل تو مرد ایسی ویسی لڑکی پر ہاتھ بھی نہیں رکھتے۔ ہر ایک اچھے سے اچھے کا طلب گار ہے۔"

جویا نے بے بس سی نگاہوں سے آپا گل کی طرف دیکھا تو وہ نہ جانے کیا سمجھیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"چھوڑو ان لوگوں کی پروا کرنا' انہوں نے کون سا تمہارا ذرا بھی خیال کیا ہے۔ اب امی کو ہی دیکھ لو۔"
ادھر ادھر دیکھ کر انہوں نے کسی کے نہ ہونے کا یقین کیا۔
"ہیں تو ماں' کچھ کہنا اچھا تو نہیں لگتا مگر انہوں نے کب انصاف سے کام لیا۔ سارا بوجھ تم پر ہی ڈالا نا' سلمان پر کوئی ایک فکر' ایک ذمہ داری ڈالی ہو تو بتاؤ۔ تمہاری خون پسینے کی کمائی کو اس کی زبان کے چٹخاروں میں اڑایا ہے انہوں نے اور لکھ کر رکھ لو میری بات' تم اگر اسی گھر میں بیٹھی رہیں تو وہ اور سلمان ساری زندگی تمہیں استعمال کریں گے۔ تم یوں ہی کما' کما کر اس نکھٹو نا کارہ سلمان کو پالتی رہو گی۔ اور وہ نہ آج کچھ کرے گا اور نہ کل۔"
صحن کے کونے پر کھڑی وہ بڑی اپنائیت بھری رازداری جویا سے برت رہی تھیں۔ تب ہی سلمان اپنے کمرے سے نکل کر وہاں چلا آیا۔
"کیا باتیں ہو رہی ہیں چپکے چپکے۔ کہیں میری تو برائیاں نہیں ہو رہی ہیں۔"
"نہیں! ہم کیوں کریں گے تمہاری برائی۔ ایک اکلوتے تو بھائی ہو ہمارے۔ اللہ سے ہر وقت تمہاری سلامتی کی دعا مانگتی ہوں صبح شام۔" اسے ٹھیک اپنے سر پر کھڑا دیکھ کر وہ ذرا بھی گھبرائے بغیر اپنا بیان بدل چکی تھیں۔
سلمان نے یوں ہی بے فکری سے اپنا سر ہلایا۔
"دعاؤں کا شکریہ۔ لیکن صاف بات ہے کہ تمہارا کچھ بھی بھروسا نہیں ہے آپا! ویسے کیا بات ہو رہی تھی' بتاؤ تو سہی۔" گھر میں ہمہ وقت فارغ رہتے رہتے جاہل عورتوں کی طرح ارد گرد کی سن گن لینے کی بری عادت پڑ چکی تھی۔
آپا گل نے برا سا منہ بنایا۔ "کچھ نہیں' ایسے ہی جویا کو سمجھا رہی تھی کہ امی کی بہت زیادہ ٹینشن مت لو' اب ظاہر ہے عمر ہے' فکریں ہیں' طبیعت تو خراب چلتی ہی ہے' ہر وقت ان کی پریشانی میں مت گھلا کرے۔"
جویا نے اپنی نم ہوتی آنکھوں کو ہتھیلی سے رگڑا۔
"صرف بخار ہے' وہ بھی کمزوری کا' میں بتا رہا ہوں دو' چار دن اچھا سا کھانا کھائیں گی تو خود بخود ہی اٹھ کر کھڑی ہو جائیں گی۔ تم آج یخنی والا پلاؤ بنا لو' رائتے کے ساتھ۔ آپا! مزا آجائے گا۔ امی نہ اٹھ کر بیٹھی ہوں تو میرا نام بدل دینا۔"
وہ جویا سے مخاطب تھا اور اپنے بتائے ہوئے حل کا مزا اسے ابھی سے آنے لگا تھا۔ آپا گل جیسی عقل مند نے بھی تردید کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔
"میں اسکول ہو کر ابھی گھنٹے بھر تک آتی ہوں آپا اور امی کے لیے میں نے۔ کھچڑی بنا کر رکھ دی ہے۔ اگر وہ کھائیں تو آپ کھلا دیجیے گا۔"
سلمان کی بات کو ان سنا سا کرتے ہوئے اس نے آپا گل کی طرف دیکھا اور اپنے کمرے کی طرف جانے لگی۔
سلمان اور آپا گل دونوں ہی کی آنکھوں میں معنی خیزی سی اتری۔ "اسکول تو بند ہیں' وہاں کیا کرنے جا رہی ہو؟"
"آفس کھلا ہوتا ہے' میرے پیسے باقی ہیں ان پر۔ اس کا پتا کرنے جا رہی ہوں۔"
"ٹھیک ہے جاؤ' مگر دیر مت کرنا۔" آپا گل کو پیسوں کا سن کر فی الفور اطمینان حاصل ہوا تھا۔ خود وہ سلمان کو لے کر دوسرے کمرے میں جا بیٹھیں۔
سارے اختلافات کے باوجود وہی ایک مضبوط اتحادی تھا گھر میں اور فرید الدین جیسے سنجیدہ معاملے میں اس کا ساتھ ہونا بہت بڑی سپورٹ تھی۔
"میں نے تو صاف کہہ دیا ہے کہ ہم شادی گھر پر ہی کریں گے۔ چار آدمی لا کر نکاح کریں۔ بعد میں کریں ولیمہ کہیں بھی' فائیو اسٹار والے ہوٹل میں۔"

سلمان کے چہرے پر طنزیہ سی مسکراہٹ آئی۔
"تم بھی نا آپا گل! جب کسی کو چڑھانے پر آتی ہو تو بالکل ہی آنکھیں بند کر لیتی ہو' فائیو اور فور اسٹار والی شکل نہیں ہے فرید الدین کی' کسی تھکے ہوئے شادی ہال یا پھر گلی میں ٹینٹ لگا کر ولیمہ ہو گا جویا کا۔ دیکھ لینا۔"
"اچھا اور مہر کتنا؟"
"مہر۔" وہ سوچ میں پڑا۔ "ایک نہیں' دو۔ پانچ لاکھ رکھوا لو!"
"پانچ بہت زیادہ ہے' لاکھ سے زیادہ نہیں رکھنے والا وہ آدمی۔" انہوں نے قطعیت سے سر ہلایا۔ مگر وہ پھر بھی اصرار کیے گیا۔
"کوشش تو کرنا' دیکھو وقت کا کچھ پتا نہیں۔ میری مثال تمہارے سامنے ہے۔ کیا شان و شوکت کی زندگی تھی میری' یہ تمہارا فرید الدین تو تیل بیچتا ہے زوبیہ کے آگے۔"
اپنی بات کہہ کر اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔
حسرتوں کا کچھ شمار نہیں تھا۔
کیا شان تھی محلے میں' جب زوبیہ اور سلمان کی منگنی کا سامان اتر رہا تھا۔ وہ درجنوں پھلوں' مٹھائیوں اور ڈرائی فروٹ کے ٹوکرے' تحفے میں آئے سونے کے زیورات۔
زمین پر پیر رکھنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔
ایک چھوٹے سے پل میں آپا گل فرش سے عرش پر اور پھر واپس بڑے زور سے فرش پر پٹخی گئیں۔
انہوں نے بے چین سا ہو کر پہلو بدلا۔ جویا اتنی دیر میں ان لوگوں کے سامنے سے گزر کر جا چکی تھی۔
"کچھ پتا نہیں ہوتا فرید الدین جیسے لوگوں کا' کل کو کوئی بیوی یا جوان اولاد اٹھ کر سامنے آگئی تو فیصلہ کروانے میں آسانی ہو گی۔"
"وہاں دعوت میں تو تم بہت فرید الدین کی تعریفیں کر رہے تھے۔ بھائی بنا لیا تھا اسے' اب سارے شکوک شبہات یاد آرہے ہیں۔" آپا گل چڑ سی گئیں۔
"اس وقت تعریف ضروری تھی مگر اس وقت تحفظات اہم ہیں۔ اس بار غلطی نہیں کرنی اور دیر بھی نہیں۔"
آپا گل نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔
"امی نے بے وقت بستر پکڑ لیا ہے۔ دیر تو ہماری طرف سے ہی ہو رہی ہے۔ کیا سوچتا ہو گا فرید الدین کہ دعوت کھا کر گئے تو خود ایک بار بھی جھوٹے منہ نہیں پوچھا۔ وہ تو میں ہی امی کی بیماری کو بڑھا چڑھا کر سنائے جا رہی ہوں۔ ایک دن تو اسپتال تک میں داخل کروا دیا تھا۔"
"اچھا کیا' اسی لیے کہہ رہا ہوں کہ آج کل میں ہی بلا لیں۔ گھر میں پریشانی کا بہانہ ہے۔ کوئی خاطر مدارات بھی نہیں کرنی پڑے گی۔" سلمان کے لہجے میں دبا دبا سا جوش تھا۔
آپا گل نے پر سوچ نگاہوں سے سلمان کی طرف دیکھا۔
"امی نے تو جب ان کی مرضی ہو گی تب ہی ٹھیک ہونا ہے۔ والد صاحب وہاں جیل میں جا کر ایسے بیٹھے ہیں کہ اللہ ہی ہے جو وہاں سے واپسی ہو' سارے مسائل ہم لوگوں کے لیے ہی رہ گئے ہیں۔ پتا نہیں کون سی خوش قسمت اولادیں ہوتی ہوں گی جن کے ماں' باپ انہیں سیٹ کرتے ہوں گے۔ یہاں تو ماں' باپ خود مسئلہ بنے ہوئے ہیں۔"
یہاں آکر آپا گل اس سے سو فیصد متفق تھیں۔
"اب دیکھ لو' اس روز کیا باؤلے پن کا مظاہرہ کیا امی نے فرید الدین کے ہاں' کیا تک تھی نیچے جا کر بیٹھنے کی' اگر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دل گھبرایا تھا۔"

جویا واپس آئی تب تک وہ دونوں اسی طرح محو گفتگو تھے۔

"نیچے کا دروازہ پورا کھلا ہوا تھا سلمان بھائی! وہ دروازے میں کھڑی کہہ رہی تھی تب ان دونوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں مجھے پتا تھا کہ تم جلدی آجاؤ گی اس لیے نہیں بند کیا تھا۔ پیسے مل گئے تمہیں، کتنے ہیں؟"

"آپ نے امی کو۔۔۔ کھچڑی کھلادی تھی۔" ان دونوں کے کہے کو ان سنا کر کے وہ پریشانی سے پوچھ رہی تھی۔

آپا گل کا جواب ان کے چہرے کے تاثرات سے مل رہا تھا۔ بنا کوئی دوسرا سوال کیے وہ تیزی سے شاکرہ امی کے کمرے کی طرف دوڑتی ہوئی گئی تھی۔

دروازہ نیم وا تھا۔

اور شاکرہ امی کچھ آڑے ترچھے سے انداز میں بیڈ پر ہی تھیں۔

عجیب غیر معمولی سا احساس۔

ایک لمحے کے لیے تو جویا کو پیروں پر کھڑا رہنا بھی محال ہوا تھا۔

"امی!" آواز اس کے لبوں سے بھی نہیں نکل سکی۔ اپنی ساری ہمت جمع کر کے اس نے انہیں سیدھا کیا۔

وہ ہوش میں تھیں۔ لیکن کچھ کہہ نہیں پا رہی تھیں۔

شاید انہیں پیاس لگی تھی اور کسی کو نہ پا کر انہوں نے خود سائیڈ ٹیبل سے پانی کا گلاس اٹھانا چاہا تھا۔ جویا نے سہارا لے کر انہیں کچھ اوپر کیا اور پانی کا گلاس ان کے منہ سے لگایا۔ بہت ذرا سا وہ پی پائیں اور باقی یوں ہی بہنے لگا۔ جویا نے انہیں لٹا کر ان کا چہرہ صاف کیا۔

تب ہی اسے دروازے میں زویا نظر آئی۔ وہ ابھی کالج سے واپس آئی تھی۔ جویا کے بری طرح دھڑکتے ہوئے دل کو سہارا سا ملا۔

"زویا! ایمبولینس بلواؤ، ہم امی کو اسپتال لے چلتے ہیں۔ وہاں ایک بہتر دیکھ بھال تو ہو جائے گی ان کی۔ یہاں تو اتنے دن سے بس یوں ہی۔۔۔"

زویا نے اس کی بات کے دوران ہی ایمبولینس کے لیے نمبر ملا لیا تھا۔

جویا نے بڑی تیزی سے ضروری چیزیں اکٹھی کرنی شروع کی تھیں۔

☼ ☼ ☼

عصر کی نماز ابھی کچھ دیر پہلے پڑھ لی گئی تھی اور روشن، کھلے کھلے بڑے ہال میں ایک سعد ساعت اتری تھی۔

"زرینہ بیگم، بنت وزیر علی، آپ کا نکاح ہمراہ راجہ ولد۔۔۔"

آسمانوں پر ہوا فیصلہ آج وقوع پذیر تھا۔

زری نے جھکی جھکی نگاہوں سے اطراف میں دیکھا۔ سب ہی جمع تھے۔ سکھر سے آئے اس کے رشتے دار خالہ بتول، راجو کے ساتھ آئے چند قریب ترین لوگ اور یہاں گھر والے۔

اس کی نگاہ ایک چھوٹے سے پل میں جائزہ مکمل کر کے معاذ پر ہی رکی تھی۔

وہ قریب بیٹھا نکاح نامے کے کاغذات کو دیکھ رہا تھا اور چہرے پر بڑا نمایاں سا اطمینان پھیلا تھا۔

زری نے ایک گہری سانس اندر ہی اتاری۔

وہ یہی سکون دیکھنے کی متمنی تھی، جس کی درخواست خود معاذ نے اس سے کی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میری خاطر زری! تم شادی کر لوگی تو مجھے سکون مل جائے گا۔ بہت بڑا بوجھ ہے۔"

سو آج وہ بوجھ ہمیشہ کے لیے اترا۔

تقدیر کا فیصلہ اپنی جگہ۔ مگر اس نے تو صرف اس ایک حکم کی تعمیل ہی کی۔

تب ہی معاذ نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا تو زری نے جلدی سے نظریں جھکا لیں۔ معاذ نے شاید کچھ بھی محسوس نہیں کیا تھا۔ وہ اس سے نکاح کے پیپر سائن کروانے کے لیے قریب آگیا تھا۔

"یہاں سائن کرو زری!" وہ اس سے کہہ رہا تھا۔

سامنے کھلے کاغذ پر سائن کی جگہ پر انگلی رکھے اس آخری مرحلے پر بھی وہی مددگار تھا۔

زری نے دل حلق میں آتا ہوا محسوس کیا۔

"بس یہ چند آخری پل' پھر تو شاید تنہائی میں بھی اس کے بارے میں سوچنا اپنے آپ سے شرمندہ کرے گا۔"

"سائن کرو زری!" اس کے برابر میں ایک طرف ابا اور دوسری طرف سعید بھابھی کے گھر سے آئے چچا بیٹھے تھے۔

کون گواہ تھا' کون وکیل۔

اس کی نگاہ صرف معاذ کی انگلی پر جمی تھی۔

خالی جگہ۔ جو اس ایک نام کی منتظر تھی' بھری گئی۔

یہاں' اور یہاں' اور۔۔۔

وہ صفحے پلٹ کر جہاں کہتا گیا' وہ اپنا نام لکھتی گئی۔

کارروائی تمام ہوئی۔

معاذ نے اس کے قریب سے اٹھتے ہوئے چند لمحوں کے لیے اس کے سر کو چھوا تو اس کے ضبط کی ہر حد ختم ہوئی تھی۔

مرد حضرات کا یہ چھوٹا سا مجمع چھٹ کر اب سامنے ہال کے دوسرے حصے میں بیٹھے دولہا کی طرف منتقل ہوا تھا۔ نکاح کی کارروائی وہاں مکمل ہوئی تھی۔ یہاں دادی تھیں' جو روتی بلکتی زری کو تسلی دیتے ہوئے خود کتنے ہی آنسو بہا چکی تھیں اور دادی کو سنبھالتی ہوئی ربیعہ۔

دل کی گہرائی کو چھوتی ہوئی یہ گھڑیاں ہر آنکھ کو پرنم کر رہی تھیں۔ زری سے ہمہ وقت خائف رہنے والی شائستہ۔

ایک ناگوار بوجھ کی طرح چیخ کر جانے والی سعیدہ تک بار بار اپنے آنسو صاف کر رہی تھیں۔

نکاح کے بعد کی دعا ختم ہوئی تو مبارک باد کا سلسلہ۔۔۔ دادی نے قریب ہی بیٹھی کیتی کو گلے لگا کر مبارک باد دی۔

"ہم تو خیر بیٹی والے ہیں' مگر بیٹا! تم تو دولہا کی خاص بہن ہو۔ تم کس خوشی میں آنسو بہا رہی ہو۔"

کیتی شرمیلے سے انداز میں ہنس پڑی تھی۔

معاذ نکل کر برآمدے میں آیا تھا۔

سامنے کے احاطے میں کھانے کی میزیں بڑے سلیقے سے لگی تھیں۔ لیکن کھانے میں ابھی دیر تھی۔ فی الحال ڈرنکس اور اسنیکس وغیرہ کی سروِنگ تھی۔ یہ سارا انتظام ابا نے خاص طور پر خود کیا تھا۔ سو بڑی بے فکری سی تھی۔

فضا میں اڑتی مزے دار سی خوشبو نمایاں ہو رہی تھی۔ وہ آج واقعی بہت خوش تھا۔

ایک فرض جو بخوبی ادا ہوا اور ایک خوف جو دل و دماغ پر بوجھ سا طاری کرتا تھا' رفع ہوا۔ اوپر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے معاذ نے تہِ دل سے رب کا شکر ادا کیا۔

آس پاس چند لڑکے نظر آرہے تھے جو مدد کی غرض سے آئے ہوئے تھے۔ لیکن خیام کہیں نہیں تھا۔

بہت دیر سے وہ اس کا منتظر تھا۔ ابا بھی پوچھ چکے تھے۔ معلوم نہیں کیوں وہ اب تک غائب تھا۔ اس نے وہیں کھڑے کھڑے خیام کا نمبر ملایا تھا۔ وہ تین بار کی کوشش کے بعد وہ مل ہی گیا۔

"اس طرف اچانک ہی فائرنگ ہو گئی ہے۔ معاذ بھائی! میں تو نکل چکا تھا' مگر بھگدڑ اتنی تھی کہ واپس آنا پڑا۔ سب کچھ بند ہے اس طرف۔۔۔"

کراچی کے حالات کی برسوں سے ایک سی غیر یقینی صورت حال۔

"ٹھیک ہے تم بس اپنا خیال رکھو۔ خواہ مخواہ نکلنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ فون بند کر کے پلٹا تو اندر سے سالار آرہا تھا۔

معاذ ہلکے سے مسکرا دیا۔

"شکر ہے' سب کچھ خیریت سے ہو گیا۔ آپ نے ایک بڑی ذمہ داری میرے اوپر سے ختم کی ہے سالار! اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔"

"تمہاری نیت اچھی تھی معاذ! اب خدا کرے کہ یہ دونوں اپنے اپنے دکھ بھول کر بہت محبت بھری زندگی گزاریں۔" سالار اس کے قریب آکھڑا ہوا تھا۔

"میں بہت خوش ہوں معاذ! مجھے لگنے لگا ہے کہ اللہ مجھ پر بہت مہربان ہے۔ ورنہ وہ مجھے تم لوگوں جیسے پیارے انسانوں سے کیوں ملواتا۔ کیتی جیسی بیوی کیوں عطا کرتا' یہ سب اس کی مہربانی ہی ہے نا۔"

سالار کی آواز بوجھل سی ہوئی۔ معاذ اس کی دلی کیفیت کو سمجھ رہا تھا۔ وہ بیک وقت کئی محاذوں پر لڑ رہا تھا اور زندگی کا ایک لمبا عرصہ سخت تنہائی کے عالم میں کاٹ چکا تھا۔

"مجھے اب لگتا ہے جیسے میرا بھی ایک خاندان ہے' میرے بزرگ ہیں اور تم جیسا بھائی۔۔۔" اپنی جذباتیت پر قابو پاتے ہوئے اس نے بے تکلفی سے معاذ کے کندھے پر ہلکے سے ہاتھ مارا۔ "اور تم جیسا بھائی جو اب تک کنوارہ پھر رہا ہے۔ ربیعہ کے ساتھ تمہاری شادی بھی ہو جانی چاہیے۔ بات کروں گا کسی وقت فرصت سے۔"

معاذ صرف اس کا دل رکھنے کے لیے مسکرایا تھا۔ زندگی کو لگے جویا نام کے دکھ سے سالار ابھی تک ناواقف تھا۔ تو یہ بھی اچھا ہی تھا۔

"چلیں آئیں اندر چلتے ہیں۔ میں اور آپ دونوں ہی ایک ساتھ وہاں سے غائب رہے تو اور کوئی نہ سہی ابا ضرور ہمیں ڈھونڈتے ہوئے ادھر آجائیں گے۔"

اس نے کہتے ہوئے سالار کے ساتھ واپس ہال کا رخ کیا۔

زری بالکل سامنے بیٹھی تھی اور اب نکاح کے بعد راجو کو بھی ساتھ لا کر بٹھا دیا گیا تھا اور وہ دونوں ایک ساتھ کتنے اچھے لگ رہے تھے۔ اس میں کوئی دو رائے نہیں ہو سکتی تھیں۔

سالار کو اندر داخل ہوتے ہی ابا نے آواز دے لی تھی' مگر وہ چند لمحے دروازے میں کھڑا زری اور راجو کو ہی دیکھے گیا۔ زری اب بالکل بھی نگاہ نہیں اٹھا رہی تھی۔ خاموش' معصوم' بے ضرر۔

اور وہ جتنی بار بھی اس کی طرف دیکھتا' دل کا اطمینان پہلے سے بھی بڑھتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔

سو شکر ہے جو وہ اس مشکل مقام سے سرخرو ہو کر گزرا۔

ربیعہ فوٹو سیشن کے لیے آواز دے رہی تھی۔ معاذ کو متوجہ ہونا پڑا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسپتال کی پرہجوم ایمرجنسی کے باہر گزرا وقت صبر آزما تھا۔ مگر اس کے اختتام پر شاکرہ امی کی طبیعت سنبھلنے کی اچھی خبر تھی۔

زویا اور جویا نے اطمینان کی سانس لی تھی۔

"دو دن اسپتال میں انڈر آبزرویشن رکھ کر چھٹی دے دیں گے ان شاء اللہ۔" مہربان لہجے والی ڈاکٹر بیماری کی تفصیل کے ساتھ آگے کا پروگرام بتا کر جا چکی تھی۔

تب ہی آپا گل کا فون ایک بار پھر آیا تھا۔

"جب طبیعت سنبھل گئی ہے تو گھر ہی لے آؤ۔ یہ اسپتال والے تو اپنا بل بنانے کے چکر میں یوں ہی مریض کو داخل کر لیتے ہیں۔ چاہے ضرورت ہو یا نہ ہو۔ مگر تم تو عقل پکڑو۔"

وہ سرے سے اسپتال لانے کی ہی مخالف تھیں کہ اب ایڈمٹ ہونا۔

جویا نے فون خاموشی سے زویا کو پکڑا دیا۔ وہ ان سے نپٹنے کی بہتر صلاحیت رکھتی تھی۔

"دو ہی دن کی تو بات ہے۔ امی کا بی پی بے حد بڑھ رہا تھا۔ اب کہیں جا کر نارمل ہوا ہے۔ پھر کتنا تیز بخار تھا۔ میں نے آپا گل سے کہہ دیا ہے کہ ہم انہیں دو دن اسپتال میں ہی رکھیں گے۔"

زویا نے پاس آ کر اسے بتایا تو وہ صرف سر ہلا کر رہ گئی۔

شاکرہ امی اب ٹھیک تھیں۔ کمرے میں شفٹ ہونے کے بعد انہوں نے زویا اور جویا سے وہ چار باتیں بھی کیں۔ تھوڑا سا دلیہ کھایا اور پھر گہری نیند سو گئیں۔

"دواؤں کی وجہ سے آج رات غفلت بھی رہے گی اور جتنا سوئیں گی اتنا ہی اچھا ہے ان کے لیے۔ بہت اچھا ہوا جویا! جو ہم امی کو یہاں لے آئے۔"

"ہاں!" اس نے تھکے تھکے سے انداز میں زویا کو دیکھا۔ "میں بہت ڈر گئی ہوں زویا! امی اس طرح کبھی ہمت نہیں ہارتیں۔ مگر یہ پورا ہفتہ ایسا گزرا جس میں وہ ایک بار بھی اٹھ کر کھڑی نہیں ہوئیں۔ بخار تو انہیں پہلے بھی کئی بار آیا ہے۔"

زویا کی آنکھوں میں کچھ الجھن سی تھی۔ "اس روز فرید الدین کے ہاں کچھ ہوا تھا کیا؟ وہیں سے بہت اپ سیٹ آئی تھیں۔ آپا گل اور سلمان بھائی نے تو ماضی دورہ تک قرار دے دیا تھا۔ تمہیں کیا لگتا ہے؟"

"پتا نہیں۔ مجھے نہیں اندازہ زویا!" اس کی آواز بہت دھیمی تھی۔

زویا بہت غور سے اس کا چہرہ دیکھے گئی۔

اس کی رنگت بالکل پھیکی پڑ چکی تھی اور شاید وہ اتنا صبر کر چکی تھی کہ اب اس کے احساسات کا اندازہ لگانا بھی آسان نہیں رہا تھا۔

"تمہیں فرید الدین کے رشتے پر کوئی اعتراض نہیں ہے کیا؟" پچھلے موضوع کو ادھورا چھوڑ کر زویا نے بے ساختہ ہی اس سے پوچھا تھا۔

وہ یوں ہی خاموشی سے فرش کو تکے گئی۔

"کچھ پوچھ رہی ہوں تم سے۔" کسی کسی وقت زویا کو اس پر بڑے زور کا غصہ آتا تھا۔

"اس وقت' اس بات کی کوئی تک نہیں ہے زویا! ابھی یہ فرید الدین کہاں سے آ گیا؟" اس بار جویا کو اس کی طرف دیکھنا پڑا۔

"وہ آیا نہیں' آ چکا ہے اور اگر تم یوں ہی خاموش بیٹھی رہیں تو ان لوگوں کو جو کچھ کرنا ہے' کر گزریں گے۔" آپا گل کا پھر فون آ رہا تھا۔

اس بار جویا نے خود ہی ریسیو کر لیا۔ زویا کے سوالوں کے جواب ڈھونڈنے سے فرار ہی سہی۔

دوسری طرف آپا گل جھنجلائی ہوئی تھیں۔

"تم سب تو آرام سے اسپتال میں جا کر بیٹھ گئے ہو' کسی ایک کو تو گھر پر بھی رہنا چاہیے تھا۔ سلمان کا کھانا ہی بنا جاتیں' وہ اتنا پریشان بیٹھا ہے' میں نے تو کہہ دیا کہ ایک انڈا بنا لے اور ڈبل روٹی سے کھا لے' مگر اس کے تو نخرے ہی اتنے ہیں کہ۔۔۔" وہ اپنے گھر یہ تھیں اور یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ جب بھی انہیں کوئی ذمہ داری یا نپٹنے کا خدشہ ہوتا وہ اسی طرح راہ فرار اختیار کر لیتی تھیں۔

جویا نے خاموشی سے سیل فون آف کیا۔

"تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا جویا۔" زویا بات کا سرا تھامے منتظر تھی اور وہ آپا گل نہیں تھی جو آسانی سے پیچھا بھاگ نکلنے کا رستہ ڈھونڈ سکتی۔

"میرے پاس کسی کے سوال کا جواب نہیں ہے زویا! مت پوچھو کچھ بھی پلیز۔" اس کے انداز میں عجیب سی بے بسی تھی۔

"تو تم انہیں کچھ نہیں کہو گی۔ ٹھیک!"

اس بار اس نے زویا کی بات کی تردید یا تصدیق کی بھی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔

اسپتال کے اس خاموش سنسان کمرے میں بڑا بوجھل سا احساس پھیلا تھا۔

"ٹھیک ہے' پھر اس بار یہ لڑائی میں اکیلی لڑوں گی۔ دیکھوں گی کون کرتا ہے من مانی اور اگر وہ سب زبردستی کریں گے تو میں اور تم کہیں اور شفٹ ہو جائیں گے۔ چاہے اسلام چچا کے گھر میں۔"

"دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا زویا۔" بہت تیزی سے جویا نے اس کی بات کاٹی تھی۔ "اور ذلیل کروانا ہے کیا اپنے گھرانے کو' سوچ سمجھ کر بولا کرو۔"

بہت دن بعد وہ اس طرح غصے میں آئی تھی۔ "اور میرے بارے میں اتنی فکرمند ہو تم' ہزاروں لاکھوں لڑکیاں یوں ہی جی لیتی ہیں۔ اپنی زندگی کے مطلب' معنی کھو کر۔ مجھ سے بھی کہیں زیادہ تکلیف دہ حالات میں تو میں کوئی زمانے سے علیحدہ تو نہیں گئی۔ کچھ انوکھا تو نہیں ہو رہا میرے ساتھ جو پہلے کسی کے ساتھ نہ ہوا ہو۔"

زویا نے بہت حیرت سے اسے دیکھا۔ "مجھے یقین نہیں آتا جویا! کہ تمہیں وہ سب قبول ہو گا۔"

"مجھے وہ سب قبول ہے زویا! جو امی کہیں گی۔ میں ان کے کسی حکم سے باہر نہیں ہوں گی۔ میرا بس یہی فیصلہ ہے۔" وہ اٹھ کر شاکرہ امی کے قدموں کے پاس جا کر بیٹھی تھی۔

(باقی ان شاء اللہ آئندہ ماہ)

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول

شائع ہو گئے ہیں

☆ تتلیاں، پھول اور خوشبو — راحت جبیں — قیمت: 225 روپے
☆ بھول بھلیاں تیری گلیاں — فائزہ افتخار — قیمت: 500 روپے
☆ محبت بیاں نہیں — لبنیٰ جدون — قیمت: 250 روپے

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بشریٰ احمد

فیصلہ

تینوں آپائیں آج پھر مجھے سمجھانے کے لیے اکٹھی ہوئی تھیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اکٹھی کی گئی تھیں۔ امی مجھ سے عاجز آئی ہوئی تھیں۔ کل بوا جی میرے لیے جو رشتہ لے کر آئی تھیں وہ امی کے حساب سے بہت مناسب تھا لیکن میں نے اس پر کئی اعتراض لگا کر رد کردیا۔ امی تو میری مرضی اور رائے کو درخور اعتنا ہی نہ جانتی تھیں لیکن بابا نے کہہ رکھا تھا کہ میری رضامندی کے بغیر کوئی رشتہ فائنل نہیں کرنا۔

امی کا خیال تھا کہ بابا نے مجھے بگاڑ رکھا ہے۔ میں بابا کی واقعی بہت لاڈلی تھی۔ حالانکہ بظاہر اس کی کوئی وجہ سمجھ نہیں آتی۔ عموماً "بڑا بچہ لاڈلا ہوتا ہے یا سب سے چھوٹا یا پھر اکلوتا۔ میرا کیس ان میں سے کوئی بھی نہ تھا۔ میں چھ بہن بھائیوں میں چوتھے نمبر پر تھی۔ مجھ سے بڑی تین بہنیں تھیں پھر میں اور اس کے بعد دو بھائی۔

امی تو برملا اعتراف کرتی ہیں کہ مسلسل چوتھی بیٹی کی پیدائش پر انہیں دھچکا لگا تھا۔ دادی بھی منہ سے کچھ نہ کہتی تھیں مگر مجھے دیکھ دیکھ کر ٹھنڈی آہیں بھرتی تھیں۔ ایسے میں بابا نے مجھے اللہ کی رحمت قرار دیتے ہوئے مجھ پر بے تحاشا پیار نچھاور کیا۔ وہ کہتے تھے کہ میں نے تو ان کا جنت میں داخلہ بالکل ہی کنفرم کروایا ہے' خیر! بات کہاں سے کہاں نکل گئی۔ میں بتا رہی تھی کہ امی تین بہنوں کے فرض سے نمٹنے کے بعد سنجیدگی سے مجھے بھی ٹھکانے لگانے کا سوچ رہی تھیں' لیکن میں فی الحال اس معاملے میں غیر سنجیدہ تھی۔ پچھلے ہی دنوں میں نے اپنی بائیسویں سالگرہ منائی تھی۔ ابھی تو میرے زندگی انجوائے کرنے کے دن تھے لیکن امی کو یہ بات کون سمجھاتا۔ وہ میری آزادی سلب کرنے کے درپے تھیں۔

بڑی تینوں بہنوں کے حالات میرے سامنے تھے۔ مانا کہ تینوں اپنے گھروں میں سیٹ ہیں اور خوش گوار ازدواجی زندگی بسر کررہی ہیں' پھر بھی ذمہ داریوں کے بوجھ تلے تو دبی ہیں نا۔ ماشاء اللہ تینوں ہی بھرے پرے کنبوں میں بیاہی گئی ہیں اور تینوں کی ساس محترمائیں تھوڑی بہت نہیں' اچھی خاصی خرانٹ ہیں اور ان کی ازدواجی زندگیوں کے سکون کو درہم برہم کرنے کی اپنی سی کوششوں میں لگی رہتی ہیں۔ شکر ہے کہ ان کو میاں اچھے ملے ہیں' سو شوہروں کی خاطر ساسوں کے چبھتے جملے طعنے اور طنز ہنسی خوشی سہنے پر مجبور ہیں۔ ہاں میکے آنے کے بعد سسرال والوں کی دل کھول کر برائیاں ضرور کرتی ہیں اور جی ہلکا پھلکا کرکے پھر سے سسرال سدھار جاتی ہیں' لیکن میں اپنی بہنوں سے ذرا مختلف ہوں۔

مجھ میں ضبط اور برداشت کی نہ صرف کمی ہے' بلکہ اگر کوئی مجھ سے ناروا رویہ اپناتا ہے تو میں اس سے ہنس ہنس کر بات کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔

چھوٹی آپا کہتی ہیں کہ "ثریا! سسرال میں زندگی گزارنے کے لیے مفاہمت اور مصلحت سے کام لینا پڑتا ہے۔" لیکن میں ایسی مصلحت کو منافقت شمار کرتی ہوں۔ اسی لیے تو میں نے امی کے سامنے شادی کی صرف ایک ہی شرط رکھ دی کہ میرے لیے ایسا لڑکا ڈھونڈیے جس کا گھرانہ مختصر ہو اور ساس کا تو ہرگز نہ ہو۔ یعنی میں جس کو پیاری ہوں' اس کی والدہ محترمہ اللہ کو پیاری ہوچکی ہوں۔

امی نے میری اس فرمائش کو احمقانہ گردانتے ہوئے ذرہ برابر اہمیت نہ دی اور بوا جی کو میرے لیے رشتہ ڈھونڈنے کا ٹاسک سونپ دیا۔

بوا جی بہت بھروسے کی خاتون ہیں۔ میری بہنوں کی شادیاں بھی ان ہی کے توسط سے انجام پائی ہیں اور آج کل بوا جی میرے لیے دھڑا دھڑ رشتے لا رہی ہیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیکن ان سب رشتوں میں قدر مشترک بڑی فیملی ہوتی تھی۔

میں جانتے بوجھتے اندھے کنویں میں چھلانگ کیسے لگاتی' سو سہولت سے انکار کر دیتی اور اسی لیے تنگ آکر امی نے مجھے سمجھانے کے لیے آپاؤں کو بلوا بھیجا تھا اور اب تینوں آپائیں مجھے گھیرے بیٹھی تھیں۔

"تصویر تو دیکھو ذرا لڑکے کی' کتنا ہینڈسم ہے' پھر ویل کوالیفائیڈ۔۔۔ لڑکیاں خواب دیکھتی ہیں ایسے رشتوں کا۔" منجھلی آپا نے لڑکے کی تصویر میرے سامنے رکھتے ہوئے سمجھایا۔

"مجھ میں اور دوسری لڑکیوں میں یہ ہی تو فرق ہے آپا! کہ میں خواب نہیں دیکھتی' بلکہ حقیقت کی دنیا میں رہتی ہوں۔" میں نے رسانیت سے کہتے ہوئے تصویر پیچھے ہٹادی۔

"بتا تو چلے برائی کیا ہے اس رشتے میں۔" بڑی آپا نے زچ ہوتے ہوئے پوچھا۔

"برائی کا تو مجھے پتا نہیں' لیکن بوا جی کے ساتھ موصوف کی والدہ محترمہ بھی تشریف لائی تھیں۔ مجھے تو انہوں نے دیکھتے کے ساتھ ہی اوکے کر دیا مگر میں انہیں اوکے نہ کر سکی' اتنی ینگ سی لگ رہی تھیں وہ خود۔ اگر خرانٹ قسم کی ساس ثابت ہوئیں تو ان کے مرنے کے انتظار میں میں تو خود بوڑھی ہو جاؤں گی۔"

"دیکھ رہے ہو نا تم لوگ' کیسی ناعاقبت اندیش لڑکی ہے' اب میں بغیر ساس کا سسرال کہاں سے ڈھونڈوں اس کے لیے۔" امی نے مجھے غضب ناک نگاہوں سے گھورا۔

"ضروری نہیں چندا! کہ ہر ساس خراب ہی نکلے۔" بڑی آپا نے مجھے پچکارا۔

"تو انسان رسک لے ہی کیوں؟" میں اپنی بات سے پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھی۔

"اچھا تو پھر شہناز خالہ کے فواد میں کیا برائی ہے' بے چاری شہناز خالہ تو تقریباً بستر مرگ پر ہی ہیں۔" منجھلی آپا کو ایک اور رشتہ یاد آیا۔ شہناز خالہ امی کی دور پرے کی کزن تھیں۔ وہ بھی اپنے بیٹے کے لیے میری طلب گار تھیں۔

"آپا! آپ کو یاد ہے' آپ کی ساس بھی شادی سے قبل بستر مرگ پر دکھائی دیتی تھیں' لیکن انہوں نے شادی کے بعد آپ سے اتنی خدمتیں کروائیں کہ پھر سے بھلی چنگی ہو گئیں اور شہناز خالہ تو توبہ۔ کتنی ہٹلر ٹائپ خاتون ہیں۔ بڑی دو بہوؤں کا کیسے ناک میں دم کر رکھا ہے۔"

"اچھا تو شنو پھوپھو کے دیور کا بیٹا۔ اس کی والدہ تو بے چاری شکل سے ہی بہت مسکین اور سیدھی سی لگتی ہیں۔ وہ اتنی خرانٹ ساس ثابت نہیں ہوں گی۔" چھوٹی آپا نے رشتوں کی پٹاری میں سے ایک اور رشتہ باہر نکالا۔ مجھے ہنسی آگئی تھی۔

"پلیز آپا! آپ لوگوں کو میری شادی کی ایسی بھی کیا جلدی ہے۔ آپ لوگوں کی شادیوں کے بعد میں نے پڑھائی کے ساتھ ساتھ گھر کی ذمہ داری بھی سنبھال رکھی ہے۔ آصف' واصف ابھی چھوٹے ہیں۔ آصف کی شادی میں ابھی کم از کم چار' پانچ سال ہیں' میری بھی شادی ہو گئی تو گھر کا انتظام کیسے چلے گا۔ کچھ عرصہ تو مجھے امی' بابا کی خدمت کر لینے دیں۔"

میں نے امی کے شانے پر لاڈ سے سر ٹکایا تھا۔

"اللہ میرے ہاتھ پاؤں سلامت رکھے۔ چار بندوں کا کھانا پکانا میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے اوپر سے جو گھر چکاتی رہتی ہو تو وہ چار سو روپے دے کر کوئی ماسی رکھ لوں گی۔ غضب خدا کا گھر کے کاموں کے لیے تمہاری عمر نکال دوں؟ ہم باز آئے تمہاری ایسی خدمتوں سے۔" امی کو آج مجھ پر زیادہ ہی غصہ آ رہا تھا۔

"اچھا اب چھوڑیں بھی امی! صبیح ٹھیک کہہ رہی ہے' ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے۔ اپنے گھر میں جتنے عیش کرنے ہیں کر لے۔ شادی کے بعد تو گھر داری کے جھنجھٹ میں پھنسنا ہی پڑتا ہے۔"

منجھلی آپا نے اپنے بیٹے کو تھپکتے ہوئے میری حمایت لی۔ بڑی اور چھوٹی آپا نے بھی ان کی ہاں میں ہاں ملا دی' یوں میٹنگ بغیر کسی نتیجے کے برخواست ہو گئی'

لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

چار دن بعد بوا جی خراماں خراماں پھر تشریف لا رہی تھیں۔

"اب تو ایسا رشتہ لائی ہوں بیٹا! کہ تمہیں ہاں کرتے ہی بنے گی۔"

کسی حد تک وہ میری ڈیمانڈز سے واقف تھیں' جب ہی ہنستے ہوئے مجھے مخاطب کیا۔

"جلدی بتائیں بوا جی! ایسا رشتہ لائی ہیں آپ۔" میں نے مزے لے کر پوچھا۔ بوا سے ہم بہن' بھائیوں کا تکلف کا رشتہ تو تھا نہیں وہ ہمارے مزاجوں سے آشنا شفیق مزاج خاتون تھیں۔ میرے انداز پر ہنس پڑیں۔ البتہ امی کو اس بے تکلفی پر غصہ آیا تھا' جب ہی مجھے کڑے تیوروں سے گھورا تھا۔

"جاؤ چائے بناؤ بوا جی کے لیے۔" اس سے پہلے میں بوا جی سے کچھ سن گن لے پاتی' انہوں نے مجھے منظر نامے سے غائب کرنا چاہا۔

"اف وہ امی! رشتے کے متعلق تو جان لینے دیں۔" میں ٹھنکی۔

"سامعہ! پٹو گی مجھ سے۔ کم عمر لڑکیاں اپنی شادی کے متعلق یوں منہ پھاڑ کر باتیں کرتی اچھی نہیں لگتیں۔" امی نے اس بار مجھے ڈانٹ ہی دیا۔

"تو جی! کم عمر لڑکیاں شادی کر سکتی ہیں مگر شادی کے متعلق بات نہیں کر سکتیں۔" میں منہ پھلا کر کمرے سے نکل گئی۔ بوا جی کے جانے کے بعد امی مسکراتے ہوئے میرے پاس آن پہنچیں۔

"سات بہن' بھائیوں میں آخری نمبر ہے لڑکے کا۔" انہوں نے تمہید باندھی۔

"آخری پیس انوکھا لاڈلا ہوتا ہے۔ میری طرف سے انکار۔" میں جھٹ بول اٹھی۔ امی نے ذرا سا گھورا مگر بات جاری رکھی۔

"الیکٹریکل انجینئر ہے۔ تنخواہ بھی ٹھیک ٹھاک ہے اور فیملی بھی خاصی ویل آف ہے۔"

"اتنی بڑی جوائنٹ فیملی' ہرگز نہیں۔"

"سارے بہن' بھائی شادی شدہ ہیں۔" امی نے جیسے میرا اعتراض سنا ہی نہیں۔

"پھر تو اور بھی مسئلہ ہے۔ شادی شدہ نندوں کے ساتھ' جیٹھانیوں کا رعب بھی سہنا پڑے گا۔" میں اب بھی انکاری تھی۔

"والدین کا ایک عرصہ ہوا انتقال ہو چکا ہے۔ سب بہن' بھائیوں کی الگ الگ رہائش ہے۔ احمر فی الحال تو اپنے بڑے بھائی کے ساتھ رہتا ہے' لیکن شادی کے بعد وہ بھی الگ رہائش رکھے گا۔"

امی نے سب سے اہم بات آخر میں بتائی۔

"اوہ گریٹ!" میں اچھل ہی تو پڑی۔

"منظور ہے امی! سو فیصد منظور۔" میں خوشی سے چہکتے ہوئے بولی۔ ساس فری سسرال تو میرا دیرینہ خواب تھا اور یہاں ساس تو کیا کسی بھی سسرالی رشتے دار کے ساتھ رہنے کا ٹنٹا ہی نہیں۔

"تمہارے منظور کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ دعا کرو وہ بھی تمہیں پسند کر جائیں۔" امی نے جتلایا تھا۔ میں ہنس پڑی۔

"آپ کی بیٹی ماشاء اللہ بہت پیاری ہے امی! یہ پلانٹ رشتے ایسے ہی تو نہیں آرہے۔" میں نے شوخی سے کہا۔

"اچھا اب اتراؤ مت۔ اللہ نے اچھی صورت دی ہے تو شکر کرو اس کا اور دعا کرو کہ اللہ نصیب بھی اچھے کرے۔"

امی نے ناصحانہ انداز اختیار کیا۔ میں نے فرماں برداری سے گردن ہلا دی تھی اور دو دن بعد لڑکے کی دو بڑی بہنیں اور دو بھاوجیں بوا جی کے ساتھ مجھے دیکھنے آن پہنچیں۔

آج سے پہلے میں نے کبھی لڑکے والوں کی خاطر تیار ہونے کا تردد نہیں کیا تھا' بس منہ پر پانی کے چھپکے اور بالوں میں برش مار کر لڑکے والوں کے سامنے چلی جاتی' لیکن آج میں نے اپنی تیاری پر خصوصی توجہ دی تھی۔ کچن سنبھالنے کے لیے منجھلی آپا موجود تھیں۔ میں نے صرف ٹرالی اندر گھسیٹ کر لے جانے کا فریضہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انجام دیا۔

منجھلی آپا نے فراخدلی سے اپنے سارے دن کی محنت کو میرا نام دے کر مہمانوں کو چیزیں سرو کیں۔ میں نے اس جھوٹ کو نظریہ ضرورت قرار دے دیا۔ یہ تھوڑا ہی تھا کہ مجھے یہ چیزیں بنانی نہیں آتی تھیں بس آج اپنی تیاری پر خصوصی توجہ دینے کی وجہ سے مجھے کچن میں جانے کی فرصت نہیں ملی تھی اور اس تیاری کا فوری نتیجہ لڑکے والوں کی آنکھوں میں ستائش سے ظاہر ہو گیا تھا۔

خاصی مہذب اور پڑھی لکھی فیملی تھی۔ رکھ رکھاؤ میں تو خیر ہم لوگ بھی کم نہ تھے۔ خاطر تواضع کے بعد لڑکے کی بڑی بہن نے شائستگی سے امی کو مخاطب کیا۔

"دیکھیے آنٹی! بچی ہمیں پسند آئی ہے۔ ہم رسمی باتوں میں وقت ضائع کرنے کے قائل نہیں ہیں اور سچی بات تو یہ ہے کہ ہمارے پاس ضائع کرنے کے لیے وقت ہے ہی نہیں۔ بوا جی نے آپ سے ذکر کیا ہو گا کہ میرے دوسرے نمبر کے بھائی آج کل اپنی فیملی کے ساتھ امریکہ سے چھٹیاں گزارنے پاکستان آئے ہوئے ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ احمر کی شادی ان کی موجودگی میں ہی ہو جائے۔ ڈیڑھ مہینے بعد ان کی واپسی ہے۔ دراصل احمر ہم سب کا لاڈلا چھوٹا بھائی ہے' اس کی خوشیاں دیکھنے کا سب کو ہی ارمان ہے۔" انہوں نے متانت سے بات مکمل کی۔

"وہ تو ٹھیک ہے پر اتنی جلدی۔" امی تو بوکھلا ہی گئیں۔

"مجبوری ہے آنٹی! جینرو غیرہ کی ہماری طرف سے کوئی ڈیمانڈ نہیں۔ یہ بات ہم محاورتاً" نہیں' بلکہ حقیقتاً" کہہ رہے ہیں کہ آپ شادی کی تیاریوں کی وجہ سے وقت مختصر جان کر پریشان نہ ہوں۔ ہم صرف آپ کی بیٹی کے طلب گار بن کر آئے ہیں۔ جتنی جلدی ہو سکے آپ احمر کو آکر دیکھ لیں اور اگر اس رشتے پر دل مطمئن ہوتا ہے تو ہمیں آگاہ کر دیجیے' پھر ہم باہمی مشورے سے شادی کی تاریخ طے کر لیں گے۔"

ان کے لہجے کا یقین ظاہر کر رہا تھا کہ امی ان کے بھائی کو ناپسند کر ہی نہ پائیں گی اور ہوا بھی یہی۔ دو' تین دن بعد امی' بابا' بڑی آپا اور بھائی جان (منوئی) جا کر احمر کو سند قبولیت بخش آئے۔

میرے تو حواس ہی کام نہ کر رہے تھے۔ من پسند رشتہ ملنا الگ بات تھی مگر یوں اتنے شارٹ نوٹس پر اپنا گھر بار' والدین' چھوٹے لاڈلے بھائیوں کو چھوڑ جانا دوسری بات ہے۔ میں اتنی جلدی ذہنی طور پر شادی کے لیے تیار نہ تھی۔ لیکن اس بار امی' بابا نے بھی میری ایک نہ سنی اور مجھے احمر کے سنگ رخصت کر کے ہی دم لیا۔

☆ ☆ ☆

احمر کی رفاقت میں چند روز گزارنے کے بعد مجھے اندازہ ہو گیا کہ امی' بابا کا انتخاب میرے لیے ہر لحاظ سے بہترین تھا۔ میں اللہ کا شکر ادا کرتے نہ تھکتی' جس نے مجھے احمر جیسے شخص کا ساتھ دیا۔ احمر بہت محبت کرنے والے' خیال رکھنے والے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ شریک حیات کی عزت کرنے والے انسان تھے۔ میں اپنی زندگی سے بے حد مطمئن تھی اور امی' بابا مجھے مطمئن دیکھ کر مجھ سے بڑھ کر مطمئن ہو گئے تھے۔

شادی کے ابتدائی چند دن میں نے اپنے جیٹھ کے گھر گزارے' جہاں پہلے احمر کی بھی رہائش تھی' لیکن کچھ دنوں بعد احمر نے ان کے قرب و جوار میں ایک چھوٹا سا خوب صورت تعمیر کیا گیا گھر کرائے پر لے لیا۔ ویسے تو میرے سسرالی ملنسار اور خوش اخلاق ثابت ہوئے تھے۔ لیکن میں جانتی تھی کہ یہ دوریوں کا اعجاز ہے۔ بڑی آپا و غیرہ جب بھی میرے گھر آتے تو ہنس کر مجھے چھیڑتے۔

"واقعی سامعہ! تمہارے فلسفے پر ہمیں یقین آ گیا۔ ساس اور سسرالی رشتہ داروں کے بغیر گھر میں کتنا سکون ہوتا ہے۔"

"اللہ نظر بد سے بچائے اور یہ سکون ہمیشہ قائم و دائم

رکھے' لیکن بنو! چند ماہ بعد جب تمہاری گود میں خیر سے ننھا مہمان آئے گا تب تمہیں سسرالی رشتہ داروں کی قدر و قیمت کا کسی حد تک اندازہ بھی ہو گا۔ اکیلی جان کو سو طرح کے مسئلے ہوتے ہیں۔ کوئی تجربہ کار بندہ پاس ہو تو یہ مرحلے آسانی سے نپٹ جاتے ہیں۔ اب میری ساس ذبان کی لاکھ تیز سہی مگر زچگی سے پہلے اور بعد کے مرحلوں میں ان کا بہت تعاون رہا میرے ساتھ۔"

چھوٹی آپا مجھے کسی قدر ڈرا دیتیں' لیکن اللہ کا مجھ پر خاص کرم تھا۔ یہ سب مرحلے بھی بخیر و خوبی نپٹ گئے۔ مائرہ کے ہونے سے پندرہ' بیس دن پہلے میری بڑی نند فرخندہ آپا اپنی دونوں بیٹیوں کے ساتھ میرے پاس رہنے آ پہنچیں۔

وہ مزاج کی بہت اچھی خاتون تھیں۔ ان کی دونوں بیٹیوں کی بھی مجھ سے اچھی خاصی دوستی ہو چکی تھی۔ فلزہ انیس سال کی اور عشرہ سترہ سال کی تھی۔ دونوں ہی بہت پیاری بچیاں تھیں۔ فلزہ کی پڑھائی میں دلچسپی ذرا کم تھی۔ فرخندہ آپا کی ڈانٹ ڈپٹ سن کر کتابیں اٹھا لیتی تھی۔ ہاں گھر کے سارے کام جھٹ پٹ نپٹا لیتی' کچن سے تو اسے خصوصی شغف تھا۔ آج کل تو دونوں بچیاں اپنے پیپرز بھگتا کر فارغ تھیں۔ انہوں نے مجھے گھر کے کاموں سے بالکل ہی بے دخل کر دیا۔ فرخندہ آپا بھی سلائی مشین سنبھالے تھے مہمان کا ساز و سامان تیار کرتی رہتیں۔

ایک چمکیلی صبح میری گود میں ننھی مائرہ نے آنکھیں کھولیں تو گویا میری اور احمر کی زندگی مکمل ہو گئی۔ مائرہ دو سال کی تھی تو اللہ نے ریان کی صورت میں اس کا پیارا سا بھائی بھی دے دیا۔ زندگی بہت بھرپور' مکمل اور خوب صورت ہو گئی تھی۔ ہاں اگر تھوڑی بہت پریشانی تھی تو امی و غیرہ کی طرف سے تھی۔ امی کی طبیعت خراب رہنے لگی تھی۔ شوگر اور بلڈ پریشر کے عارضوں نے میری ہر دم متحرک رہنے والی امی کو بہت کمزور اور نڈھال سا کر دیا تھا۔ بابا کے اپنے جوڑوں میں درد رہنے لگا تھا۔ آصف و اصف اپنی پڑھائیوں میں مگن' کبھی کالج' کبھی اکیڈمی تو کبھی یار دوستوں کے ساتھ باہر' گھر میں تنہائی اور سناٹے کا راج رہنے لگا تھا۔

میں ہر ویک اینڈ وہاں گزارتی یا جب بھی امی کا تنہائی سے دل گھبراتا تو مجھے فون کھڑکا دیتیں۔ باقی بہنیں تو سسرال والی تھیں۔ گھرداری کے جھنجھٹ میں ایسی الجھی پڑی رہتیں کہ مہینوں بعد آنے کی فرصت ملتی۔ میرے ساتھ ایسا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ کبھی تو احمر کے ساتھ چلی جاتی۔ ورنہ آصف' واصف میں سے کوئی لینے آ جاتا۔ میں جاتی تو امی کے منع کرنے کے باوجود کتنے کام نپٹا ڈالتی۔ کبھی گھر کی تفصیلی صفائی پر کمر باندھ لیتی۔ کچن میں گھستی تو تین' چار طرح کے کھانے بنا کر فریز کر دیتی۔ دونوں بچے تو نانا' نانی اور ماموؤں سے لاڈ اٹھوانے میں مصروف رہتے میں گھر کے کام نپٹاتی رہتی۔ امی خفا بھی ہوتیں۔

"لڑکیاں میکے آ کر آرام کرتی ہیں اور تم پھرکی کی طرح گھومتی رہتی ہو۔ میرے بچے! دو گھڑی سکون سے ماں کے پاس بیٹھ جایا کرو۔ گھر کے کاموں کا کیا ہے' یہ کبھی ختم ہوتے ہیں بھلا۔"

"گھر کے کاموں میں تو ہر وقت آپ الجھی رہتی ہیں۔ صحت دیکھی ہے اپنی' کتنی کمزور ہو گئی ہیں۔ ذرا جو اپنا خیال رکھتی ہوں۔" میں جواباً" ان سے زیادہ خفا ہوتی۔

"خیر سے آصف کی پڑھائی ختم ہو جائے' پھر بہو لے آؤں گی۔" امی مسکراتے ہوئے مجھے تسلی دیتیں۔ سچ تو یہ تھا کہ امی سمیت ہم سب بہنوں کو آصف کی شادی کا بہت ارمان اور انتظار تھا۔

اللہ اللہ کر کے آصف کی پڑھائی پایۂ تکمیل کو پہنچی اور فوراً" ہی ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں زبردست سی جاب بھی مل گئی۔ ماشاء اللہ قابلیت میں میرے دونوں بھائی کسی سے کم نہ تھے۔ اب ہم ساری بہنوں نے بھابھی ڈھونڈنے کی مہم شروع کر دی۔ بلکہ سب سے پہلے تو آصف صاحب کو ہی پکڑ کر پوچھا تھا۔

"دیکھو! تمہارے لیے لڑکی ڈھونڈنا شروع کر رہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں۔ تم بتادو اگر پہلے ہی کوئی لڑکی پسند کر رکھی ہے پھر نہ کہنا کہ پوچھا نہیں۔"

"میں شریف سا بندہ بھلا اپنے لیے لڑکی کیسے ڈھونڈ سکتا تھا۔ یونیورسٹی میں قدم رکھنے سے پہلے آپ سب لوگوں نے وارننگ دے دی تھی کہ خبردار! کسی لڑکی کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا تو تمہاری خیر نہیں۔" آصف جل کر بولا تھا۔

"تو ظاہر ہے یونیورسٹی تمہیں پڑھنے بھیجا تھا یا لڑکیاں تاڑنے۔ خاندان برادری کی کوئی لڑکی پسند ہے تو بتاؤ۔" بڑی آپا نے اسے مخاطب کیا۔

"اچھا خاندان برادری کی لڑکیاں تاڑنے کی اجازت دے رکھی تھی آپ نے۔ سوری! مجھے پہلے سے علم نہ تھا۔ ورنہ کوئی ڈھونڈ کر رکھتا۔" آصف کے انداز پر ہم سب کو ہی ہنسی آگئی۔

"چلو اب اجازت ہے اپنے آس پاس کی سب لڑکیوں پر نگاہ دوڑاؤ اور کوئی پسند ہے تو بتادو۔"

میں نے دوستانہ انداز میں اسے مخاطب کیا اور آصف صاحب نے اس آفر سے بہت جلدی فائدہ اٹھالیا۔ میرے جیٹھ کی بڑی بیٹی کی شادی تھی۔ میرے میکے والے بھی مدعو تھے اور وہیں آصف صاحب کو فرخندہ آپا کی فلزہ پسند آگئی۔ جھجکتے ہوئے اس نے ہم بہنوں کے سامنے اپنی پسند کا اظہار بھی کردیا۔

"ارے واہ اس سے اچھی بات کیا ہو سکتی ہے۔ وہ تو سمجھو گھر کی بچی ہے۔"

ہم بہنوں نے اس کی پسند کو فوراً "اوکے" کردیا تھا اور فلزہ واقعی ایسی لڑکی تھی، جس پر کسی قسم کے اعتراض کا جواز ہی نہ تھا۔ میں تو اسے قریب سے جانتی تھی۔ ہنس مکھ، خوش اخلاق، ملنسار اور سگھڑ، ہمارے گھر کو ایسی ہی لڑکی کی ضرورت تھی۔

فرخندہ آپا کی سختی اور ڈانٹ ڈپٹ نے اسے ماسٹرز کے مرحلے تک پہنچادیا تھا۔ آج کل ایم اے انگلش کررہی تھی وہ۔ مجھے حیرت تھی کہ یہ خیال مجھے خود سے کیوں نہ آیا۔ پہلے مرحلے میں، میں نے احمر سے بات کی۔ ظاہر ہے انہیں بھی کوئی اعتراض نہ ہوا۔ لاڈلی بھانجی کے لیے آصف کا رشتہ انہیں ہر لحاظ سے بہترین لگا تھا۔

اب فرخندہ آپا کا عندیہ لینا باقی تھا۔ امید تو یہی تھی کہ وہ یہ رشتہ بلا تامل قبول کرلیں گی۔ ہماری شادی کو اتنے برس گزرنے کے باوجود، ہم نند بھاوج کے مثالی تعلقات تھے۔ پھر آصف پڑھا لکھا، خوب صورت، برسرروزگار تھا۔ کوئی بھی بات ایسی نہ تھی جس کو بنیاد بنا کر انکار کیا جاتا۔ پھر بھی امی نے مجھے ہی ذمہ داری سونپی کہ پہلے میں فرخندہ آپا سے بات کروں۔ اگر وہاں سے مثبت عندیہ ملے تو امی اور باقی بہنیں جاکر باقاعدہ رشتہ ڈالیں۔

میں اور احمر فرخندہ آپا کے ہاں جاکر بات کرنے کے لیے کوئی مناسب دن سوچ رہے تھے کہ وہاں سے خود بلاوا آگیا۔ فرخندہ باجی اور آفاق بھائی کے بچے ان کی شادی کی پچیسویں سالگرہ منارہے تھے۔ سلور جوبلی کے موقع پر ہمیں بھی انوائٹ کیا گیا۔ سارے خاندان والے بھی خوشی خوشی تقریب میں شرکت کے لیے اکٹھے ہوگئے۔ فرخندہ آپا تو بچوں پر خفا ہورہی تھیں۔ لیکن ہم سب نے تقریب کو خوب انجوائے کیا۔

یہ غیر رسمی یادگار تقریب رات گئے اختتام پذیر ہوئی۔ باقی سب مہمان تو رخصت ہوگئے۔ لیکن فرخندہ آپا نے ہمیں رات کے لیے روک لیا۔ ویسے بھی اگلے دن احمر کا آف تھا۔ پہلے بھی دو، چار مہینوں میں، میں ایک، دو دن فرخندہ آپا کے ہاں گزارنے جاتی تھی۔ اس بار تو ان سے ضروری بات بھی کرنی تھی، جو تسلی اور سکون سے بیٹھ کر ہی کی جاسکتی تھی سو میں بخوشی رکنے پر راضی ہوگئی۔

مہمانوں کے رخصت ہونے کے بعد میں فرخندہ آپا کے ساتھ مل کر کچن سمیٹ رہی تھی جب ہی مناسب موقع جان کر میں نے آصف اور فلزہ کے رشتے کی بات چھیڑ ڈالی۔

کچن سلیب صاف کرتے ہوئے فرخندہ آپا کے ہاتھ

رک گئے۔ ان کے لیے یہ بات یقیناً "غیر متوقع" تھی، لیکن ذرا دیر بعد ان کے چہرے پر جو مسکراہٹ پھیلی وہ بڑی حوصلہ افزا تھی۔

"آصف تو میرا دیکھا بھالا بچہ ہے، مجھے پسند بھی بہت ہے، لیکن میں تمہارے بھائی جان اور بچوں سے مشورے کے بعد ہی کوئی جواب دے سکوں گی۔"

"ظاہر ہے آفاق بھائی سے پوچھنا سب سے اہم ہے آپ ان سے بات کرلیجیے اور فلزہ کی رضامندی بھی ضرور لیجیے گا۔ یہ نیا دور ہے، ہمارے بچے بے حد سمجھ دار ہیں۔ ان کے مستقبل کا فیصلہ ان کی رضامندی سے ہونا چاہیے۔"

میں نے مسکراتے ہوئے ان کی بات سے اتفاق کیا تھا اور اگلی صبح کی بات تھی۔ میں نماز اور تلاوت سے فارغ ہوکر اپنے لیے چائے بنانے کچن کی طرف جارہی تھی کہ عفرہ، فلزہ کے کمرے کے پاس سے گزرتے ہوئے رک گئی۔ کمرے سے باتوں کی آواز آرہی تھی۔

فرخندہ آپا کی فیملی بھی سحرخیز تھی۔ سب باقاعدگی سے نماز فجر ادا کرتے تھے۔ یقیناً "فلزہ اور عفرہ بھی نماز سے فارغ ہوکر حسب معمول بستر میں گھسی گپیں لڑا رہی ہوں گی۔ دونوں بہنوں میں بلا کی دوستی تھی۔ میں بھی مسکراتے ہوئے کمرے میں جھانک کر انہیں چائے کی آفر کرنا چاہ رہی تھی کہ عفرہ کی آواز نے مجھے اپنے ارادے پر عملی جامہ نہ پہنانے دیا۔

"کیا ہینڈسم اور اسمارٹ شخص ہیں آصف بھائی۔ میں تمہاری جگہ ہوتی تو فوراً "ہاں" کردیتی۔" عفرہ نے کہا تھا۔ مسکراہٹ میرے ہونٹوں پر رینگ گئی۔ گویا فرخندہ آپا نے رات کو ہی بچیوں سے معاملہ ڈسکس بھی کرلیا۔ فطری تجسس نے مجھے چھپ کر بات سننے کی غیر اخلاقی حرکت پر مجبور کردیا۔ میں فلزہ کا جواب جاننا چاہ رہی تھی۔

"تم میری جگہ ہوتیں تو تم بھی فوراً "ہاں" نہ کرتیں۔ جب اپنی زندگی کا معاملہ ہوتا ہے تو ہر شخص سوچنے کا وقت چاہتا ہے۔" فلزہ کچھ چڑ کر بولی تھی۔ مجھے دھچکا سا لگا۔ میں تو اس کی کھنکتی ہنسی کے ساتھ کچھ اور سننے کی منتظر تھی۔

"بی بی! یہ میں تمہیں پہلے بتادوں کہ وقت تمہیں ہرگز نہ ملے گا۔ جہاں تک میرا خیال ہے، امی ابو جلد از جلد اپنے بھائی کی شادی نپٹانا چاہ رہے ہیں۔ ان کی امی کی طبیعت آج کل کچھ ٹھیک نہیں رہتی۔ دیکھ لینا وہ لوگ تو جھٹ منگنی اور پٹ بیاہ کرنا چاہیں گے۔" عفرہ نے اسے شوخی سے چھیڑا۔

"اس بات کا تو مجھے بھی اندازہ ہے۔ پروپوزل بے شک اچھا ہے اور مجھے تو ڈر ہے کہ مما فوراً "اقرار" بھی کردیں گی، لیکن میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی۔" فلزہ روہانسی ہوکر بولی تھی۔

"کیا وجہ بتاؤ گی مما کو۔ دیکھا نہیں مما کتنی خوش خوش ہمیں یہ خبر دینے آئی تھیں۔" عفرہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"کیا یہ وجہ کافی نہیں ہے کہ ابھی میری عمر کم ہے۔ شادی بہت بڑی ذمہ داری ہے اور میں فی الحال خود کو یہ ذمہ داری اٹھانے کے قابل نہیں سمجھتی۔ پہلے مما نے زور زبردستی کرکے مجھے ماسٹرز میں ایڈمیشن دلادیا اور جب مجھے واقعی پڑھائی میں مزا آنے لگا ہے تو ایک انوکھی بات سامنے لے آئی ہیں۔ میں سنجیدگی سے اپنا ماسٹرز کمپلیٹ کرنا چاہتی ہوں۔ پھر پڑھائی سے فارغ ہوکر اپنے گھر میں کچھ ٹینشن فری وقت گزارنا چاہتی ہوں۔ میں اتنی جلدی شادی کے لیے ذہنی طور پر تیار نہیں ہوں۔" فلزہ صاف گوئی سے بولی تھی۔

"یہ باتیں تم مما سے کہہ کر دیکھو مما کہیں گی بے وقوفی کی باتیں مت کرو فلزہ! اچھا رشتہ ٹھکرانا کفران نعمت ہوتا ہے۔" عفرہ نے فرخندہ آپا کے سے انداز میں کہا تھا۔

"پتا ہے مجھے بھی۔" فلزہ نے یقیناً "منہ بسورا تھا۔

"ویسے فلزہ تم سوچو تو سہی، کتنی اچھی فیملی ہے ای

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وغیرہ کی۔ مختصر ترین سسرال سے پالا پڑے گا تمہیں۔ لڑکیوں کی تو سسرالی رشتہ داروں سے ویسے بھی جان جاتی ہے۔ تمہیں کوئی لمبا چوڑا سسرال بھگتانا نہیں پڑے گا۔ بے شک چار بہنیں ہیں ماہی وغیرہ، مگر پہلی بات تو یہ کہ سب کی سب بیاہی گئیں، بہت اچھی ہیں اور پھر سب اپنے اپنے گھر بار کی۔ ایک چھوٹا دیور وہ بھی سال، دو سال میں اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جائے گا اور ماہی کے والدین وہ بے چارے بھی کتنا عرصہ جئیں گے۔ ان کی امی تو ویسے بھی بیماریوں میں گھری پڑی ہیں۔ چند سالوں میں سسرال کے جھنجھٹ سے بالکل آزاد ہو گی تم۔" عفرہ جانے اور بھی اسے کیا کچھ سمجھا رہی تھی۔ مگر میں اپنی جگہ کھڑی سن کی سن رہ گئی۔

"اللہ میرے ماں، باپ کو درازیٔ عمر دے، انہیں صحت و تندرستی سے نوازے۔ ان کا سایہ ہمیشہ ہمارے سروں پر قائم رہے۔" میرا رواں رواں دعا گو تھا۔

عفرہ پر مجھے شدید ترین غصہ آیا۔ کس بے رحمی سے اس نے اس رشتے کے پلس پوائنٹ گنوائے تھے۔

"اسٹاپ اٹ عفرہ!" قلزہ نے اسے ناگواری سے ٹوکا تھا۔

"سچ تو کہہ رہی ہوں قلزہ! آنٹی بے چاری تو بمشکل چند سالوں کی خدمت لیں گی۔ اپنی دوست صبوحی کا حال دیکھا ہے تم نے۔ کس ہٹی کٹی ساس سے پالا پڑا ہے۔ اتنی تیز طرار کہ خدا کی پناہ! مجھے تو اسٹار پلس کے ڈرامے دیکھ کر ساسوں سے ویسے بھی بہت ڈر لگنے لگا ہے۔ آنٹی بے چاری تو...."

عفرہ اپنی ہی رو میں بولے جا رہی تھی۔

"پلیز عفرہ! خاموش ہو جاؤ اور برائے مہربانی اسٹار پلس کے ڈرامے دیکھنا بند کرو۔ کسی کی ماں کے متعلق ہم اتنی بے رحمی سے تذکرہ کیسے کر سکتے ہیں۔ اللہ ہر کسی پر اس کی ماں کا سایہ سلامت رکھے۔ بزرگ تو اللہ کی رحمت ہوتے ہیں۔ اگر کچھ تیز مزاج کے ہوتے ہیں تو یہ لڑکی کے ضبط اور تربیت کا امتحان ہوتا ہے اور اللہ کا شکر ہے کہ مجھے اپنی تعلیم اور تربیت دونوں پر بھروسا ہے۔ لہٰذا جو اٹریکشن تمہیں اس رشتے میں نظر آ رہی ہے مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ میں اپنا ماسٹرز کمپلیٹ ہونے سے پہلے شادی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی۔ تم امی کو کہہ دینا کہ اگر ماہی وغیرہ اتنا انتظار کر سکتے ہیں تو ٹھیک ورنہ انہیں شائستہ طریقے سے انکار کر دیجیے۔"

قلزہ کا انداز سادہ اور دو ٹوک تھا اور بس ایک لمحے کی بات تھی، میں شرمندگی اور ندامت کے سمندر میں غرق ہو گئی۔ اس چھوٹی سی لڑکی نے گویا مجھے آئینہ دکھا دیا تھا۔ جس میں میرے ماضی کا بہت بھیانک عکس مجھے منہ چڑا رہا تھا۔ مجھے اپنا آپ دیکھ کر نگاہ چرانی پڑ گئی تھی۔ کتنے تعجب کی بات تھی کہ آج تک مجھے احساس ہی نہ ہوا تھا کہ میرا ماضی کا طرز عمل کتنا نامناسب اور غلط تھا۔ میں خوش باش اپنی زندگی جیے جا رہی تھی۔ اگر آج بھی میں عفرہ اور قلزہ کی باتیں نہ سنتی تو مجھے احساس ہی نہ ہوتا کہ میں ماضی میں کتنی کٹھور، بے رحم اور سنگ دل تھی۔

آج جب میری اپنی ماں کو کسی نے ساس کی کٹہگری میں کھڑا کر کے ویسے ہی کمنٹس دیے، جیسے کبھی میرا معمول ہوتا تھا تو میں لرز کر رہ گئی۔ میں پشیمان تو تھی، لیکن شاید خوش بھی۔ آصف نے اچھا انتخاب کیا تھا۔ ظاہر اور باطن دونوں کا حسن رکھنے والی لڑکی۔ ہم لوگ واقعی آصف کی شادی جلد از جلد کرنے کے خواہش مند تھے لیکن قلزہ جیسی لڑکی کو کھونا بھی تو نری حماقت ہی ہو گی نا۔ ہمیں اس کی پڑھائی مکمل ہونے کا انتظار کرنا ہی پڑے گا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

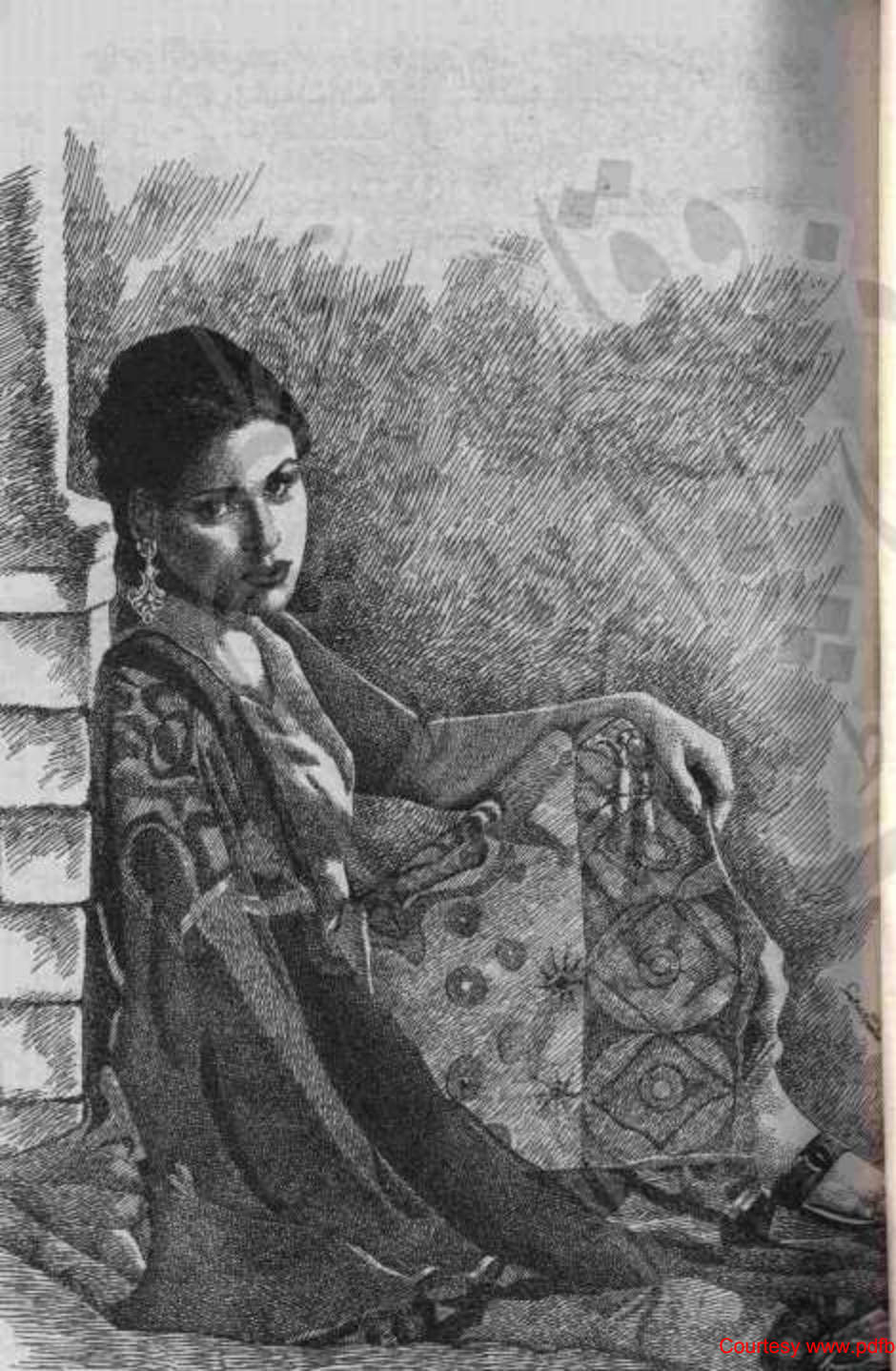

سیمی کرن

میری الجھن

لیڈی ڈاکٹر نے پین ایک طرف رکھا اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے مجھے گھورا۔

"جی جناب! یہ سب کیا ہے۔"

میرے پاس اس کے سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔ اس ڈاکٹر سے میری اچھی خاصی بے تکلفی بلکہ کافی حد تک دوستی ہی تھی۔ میرے خاندانی پس منظر، تعلیم، مشاغل ہر بات سے وہ آگاہ تھی۔ کوئی پردہ نہیں تھا۔ پہلے یہ مثل مشہور تھی کہ "خاوند اور دائی سے کیا پیٹ چھپانا۔" اب یہ مثل لیڈی ڈاکٹر پہ اسی طرح صادق آتی ہے۔

اس نے دوبارہ مجھے گھورتے ہوئے بڑی بے تکلفی سے کہا۔

"شائستہ! دراصل تم ایک ڈپریسڈ پرسن ہو اور کوئی بات نہیں۔ تمہارے سب ٹیسٹ اور رپورٹس بالکل صحیح ہیں۔ تمہارا یہ مسئلہ صرف ہارمونل نظام میں گڑبڑ کی وجہ سے ہے اور ہارمونز میں گڑبڑ کی ایک بہت بڑی وجہ ذہنی تناؤ اور ڈپریشن ہے۔ نکالو خود کو اس خودساختہ ذہنی تناؤ سے۔ بھلا کیا مسئلہ ہے، تمہیں ہاں! عیش کرتی ہو۔ ہر آسائش اور شوہر کی محبت حاصل ہے تمہیں، پھر یہ سب کیا ہے۔ مجھے تو تمہاری یہ خودساختہ بیماری صرف ذہنی فرار لگتا ہے اور کچھ نہیں۔"

اس کی صاف گوئی کا میں نے بالکل برا نہیں مانا۔ میں جانتی تھی حقیقت بھی یہی ہے۔ پھر وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"ایک مشورہ دوں؟ پارلر جایا کرو بلکہ اکثر جایا کرو، دیکھنا! حیرت انگیز طور پر اس تناؤ سے نکل آؤ گی۔"

پھر وہ گویا فلسفیانہ انداز میں بولی۔

"پارلر دراصل عورتوں کا بازار ہے۔ ہر عورت کے ساتھ اک نئی کہانی منسلک ہے۔ یہ نت نئی کہانیاں، یہ عجائب خانہ اور اپنی ہم جنس کا ساتھ تمہیں اس تناؤ سے نکال لائے گا۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اور جو پارلر کے بلوں سے میاں کا موڈ خراب ہوا اور ان کو ڈپریشن ہو گیا تو؟"

وہ اپنے سابقہ موڈ کے تحت بولی۔

"نہیں بلکہ حسین بیوی جب مزید نکھر جائے گی تو میاں کا موڈ مزید خوش گوار ہو جائے گا۔"

☆ ☆ ☆

پارلر واقعی عورتوں کا مینا بازار تھا۔ ہر عورت کے ساتھ کوئی کہانی لگی تھی۔ نرگس کی ایک اور بات سے مجھے اتفاق ہوا۔ یہاں تو ہر طرف نئی نئی کہانیوں اور دکھوں کا ڈھیر لگا تھا۔ حتیٰ کہ فوزیہ جو پارلر کی مالک تھی، اس کے بارے میں بہت کچھ عجیب و غریب سننے کو ملا۔ یہ سب ایسی باتیں تھیں جنہوں نے میرے فطری تجسس کو ابھار دیا اور میں نے فوزیہ کی کہانی میں دلچسپی لینی شروع کر دی۔

فوزیہ کی کہانی کوئی ایسی غیر متوقع اور غیر روایتی تو نہیں تھی۔ وہی عام سی لو اسٹوری جو ہر طرف آپ کو بکھری نظر آتی ہے لیکن۔

ٹھہریے! پہلے مجھے آپ کو فوزیہ سے ملوانا ہے۔ سانولی سلونی، تیکھی دبلی، بے حد تیکھے نقوش کی مالک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سرو قد فوزیہ اچھی خاصی خوب صورت اور باوقار سی خاتون ہے۔ پانچ بچوں کی ماں ہوتے ہوئے بھی کوئی یقین نہیں کر سکتا کہ یہ شادی شدہ ہے۔ بے داغ تنی ہوئی جلد متناسب اور پتلا دبلا بدن 'وہ یقیناً' ایسی ہے کہ دوسروں کو متاثر کر سکے۔ پھر چرب زبان 'یعنی اپنے کام میں ماہر' آنے والی خواتین کو اتنے عقل مندانہ اور ہنر مندانہ مشورے دیتی کہ اس کے گاہک اس کے گرویدہ ہیں۔

یہ تو مجھے شروع سے معلوم تھا کہ فوزیہ نے شادی اپنی پسند سے اور گھر والوں سے مکمل طور پر بغاوت کر کے کی تھی۔ خیر یہ قطعی اس کا ذاتی مسئلہ و فیصلہ تھا۔ مجھے اس سے کیا سروکار! میری ذاتی رائے اس معاملے میں جو بھی تھی سو تھی مگر میں نے کبھی اسے کریدنے کی کوشش نہیں کی۔ لیکن اس معاملے نے شروع شروع میں اس کی ساکھ کو کافی متاثر کیا۔ حتیٰ کہ جب میری کالونی میں بیوٹی پارلر نیا نیا کھلا تھا تو میرے میاں نے مجھے بڑی سختی سے یہ کہتے ہوئے منع کیا تھا۔

"ادھر کا رخ بھی مت کرنا۔ اس عورت کی شہرت کچھ اچھی نہیں۔ سنا ہے غلط قسم کی عورتوں کا آنا جانا ہے۔"

میں نے خاموشی سے سر ہلا دیا تھا۔ پھر کالونی میں ہی ایک 'دو اجتماعات پر میری اس سے ملاقات ہوئی اور جہاں خواتین بیٹھی ہوں اس قسم کی باتیں تو ایک چٹخارے کے ساتھ دہرائی جاتی ہیں اور ایسے ہی اجتماعات میں فوزیہ کی غالباً" کسی ہمدرد خاتون نے مجھے جتایا۔

"ارے نہیں مسز احمد! ایسی کوئی بات نہیں۔ اچھی خاصی شریف فیملی کی لڑکی ہے۔ وہ یزدانی صاحب کو تو آپ جانتی ہی ہوں گی' ان کی بیٹی ہے۔ بس خانہ خراب ہو اس محبت کا' جو اچھے خاصے انسان کو کیا سے کیا بنا دیتی ہے۔ اسی محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر خاندان سے بغاوت کی۔ مگر لوگوں کو تو باتیں کرنے کا موقع چاہیے۔ اچھی خاصی شریف لڑکی کے لیے جانے کیسی کیسی باتیں کرتے ہیں۔ لوگوں کو تو خدا کا خوف ہی نہیں۔ ٹھیک ہے اس کا طریقہ غلط تھا۔ ہمارے ہاں اس بات کو اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ مگر۔۔۔"

وہ خاتون سانس لینے کو رکیں تو میں نے کچھ پوچھنا چاہا۔

"مگر میں نے تو سنا ہے کہ۔۔۔۔"

وہ مجھے کاٹتے ہوئے بولیں۔

"ہاں ہاں بی بی تو میں آپ کو بتا رہی ہوں کہ آپ نے بہت کچھ سنا ہو گا مگر سب سچ نہیں۔ میں کوئی اس کی حمایت نہیں کر رہی۔ ظاہر ہے محبت کے جوش میں اس نے بہت سی غلطیاں کیں مگر کسی کی کردار کشی کرنا تو بہت ہی گھٹیا حرکت ہے۔"

اور پھر یوں ہوا کہ ہم دونوں کے درمیان اس موضوع پر بحث چل پڑی کہ جو لڑکیاں گھر سے بغاوت کر کے شادی کرتی ہیں' معاشرہ ان کو کس نظر سے دیکھتا ہے اور وہ بات ادھوری ہی رہ گئی۔ جو میں پوچھنا رہی تھی۔

لیکن اس ملاقات کا یہ فائدہ ہوا کہ میرے اور میرے میاں کے ذہن پر چھائی گرد چھٹ گئی۔ خاص طور پر جب انہیں یہ پتا چلا کہ فوزیہ یزدانی صاحب کی بیٹی ہے تو وہ بولے۔

"ہاں یار! یزدانی صاحب کو کون نہیں جانتا۔ ان کی شرافت کی تو سارا محلہ مثال دیتا تھا۔ کچھ سنا تو تھا میں نے کہ ان کی ایک بیٹی نے اپنی مرضی سے خود سے شادی کر لی تھی مگر یہ نہیں جانتا تھا کہ فوزیہ ہی ان کی بیٹی ہے۔ خیر! ہمیں کیا کسی کے داخلی معاملات سے۔" وہ اخبار سے سر اٹھا کر بولے۔

"ٹھیک ہے' تم اپنا کام کروانے چلی جایا کرو گھر کے قریب ہے۔ بجائے اس کے کہ کہیں دور جاؤ۔ مگر بہت زیادہ دوستی بڑھانے کی ضرورت نہیں۔"

اور یوں آہستہ آہستہ وہ جھجک اور تکلف کی دیوار گرنی شروع ہو گئی۔ میں ضرورتاً اپنے کام کے سلسلے میں اس کے پاس چلی جاتی تھی اور یہ تو ماننے والی بات تھی کہ اس کا کام بہت اچھا تھا۔ بڑی مہارت تھی اس کے ہاتھ میں اور پوری دیانت سے وہ اپنا کام کرتی تھی۔

اور اب جبکہ میں نے اپنی ڈاکٹر کے مشورے کو کچھ زیادہ ہی سیریس لے لیا اور بطور بہت قریبی نہ سہی دور ہی کی سہی پڑوسن کی حیثیت سے بھی میرا ایک آدھ چکر لگ جاتا۔ ایک دوسرے کے گھروں میں پکوان وغیرہ کا تبادلہ بھی ہونے لگا تو ظاہری بات ہے ایک دوسرے کی ذات میں دلچسپی بھی بڑھی۔

فوزیہ جب کبھی پارلر میں نہ ہوتی' پارلر سے ملحقہ اپنے پورشن میں کسی گھریلو مصروفیت میں مصروف ہوتی تو وہاں بیٹھی خواتین میں بعض اوقات ہی وہ زیر بحث آجاتی۔ لے دے کر موضوع وہی اس کی پسند کی شادی ہوتا' میں تو بعض اوقات چڑ کر برملا کہہ دیتی۔

"لوگ کبھی انسان کو معاف نہیں کرتے۔ بس وہ رب ہی ہے جو بندے کی غلطیاں بھلا دیتا ہے اور اس طرح کے معاملات میں تو لوگوں کی یادداشت بہت اچھی ہوتی ہے۔ ایسی باتیں کرنے میں لطف جو ملتا ہے۔"

میرا لہجہ کچھ زیادہ ہی طنزیہ ہو گیا تھا کہ وہاں بیٹھی ایک خاتون بڑے غصے سے بولیں۔

"ہاں تو ایسی باتیں بھلا بھولتی ہیں۔ اب وہ کتنی ہی اچھی کیوں نہ بنے' آپ کی دوست ہو' پڑوسن ہو مگر حقیقت تو حقیقت ہی رہے گی ناں کہ آخر اس نے اتنے چاہنے والے ماں' باپ کو چھوڑ کر گھر سے بھاگ کر شادی کی اور وہ بھی ایک ایسے مرد سے جو نہ صرف پہلے سے شادی شدہ تھا بلکہ دو بچوں کا باپ بھی تھا۔ ارے ایسی عورتیں تو۔۔۔"

وہ خاتون تو ابھی جانے کیا کیا بولتیں مگر میرا دماغ گویا سن ہو گیا۔ یہ ایک نیا انکشاف تھا میرے لیے' بلکہ نیا کیا اک لرزا دینے والی حقیقت! میں اپنے آپ کو جانے کیسے سنبھال کر واپس آئی اور تمام دن خاموشی سے سر لپیٹ کر لیٹی رہی۔ ایک عجیب سی کشمکش اور بے کلی میری ذات میں جاری تھی۔ مجھے سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ آخر مجھے کیا ہوا ہے۔ میرے میاں نے مجھ سے بار بار پوچھا اور جب میں نے انہیں حقیقت بتائی تو وہ بڑے آرام سے بولے۔

"سیدھی سی بات ہے تم اس کی ذات میں کافی حد تک انوالو ہو چکی ہو اور جب انسان کسی ایسے شخص کے بارے میں کچھ ایسا ویسا سنتا ہے' جس کے لیے دل میں ہمدردی یا چاہت ہو تو فطری طور پر دکھ ہوتا ہے۔"

میں نے حیرت سے دیکھا' وہ کتنے آرام سے میری تکلیف کو سمجھ گئے تھے۔ میں نے محبت اور ممنونیت سے ان کے کندھے سے سر ٹکا دیا۔

اور پھر واقعی میں نے خود اپنا تجزیہ کیا۔ مجھے محسوس ہوا کہ اک طرف دل کو یہ خبر سن کر شدید دھچکا لگا ہے۔ فوزیہ سے شدید نفرت محسوس ہو رہی ہے اور دوسری طرف دل چاہ رہا ہے کہ اسے اس کی کم عمری' نادانی اور حماقت کی رعایت دے دوں۔ مگر عورت ہو کر اتنی سنگ دلی کہ اپنی ہی ہم صنف کا گھر اجاڑ کر خود اپنا گھر بسا لیا۔ بس یہی کشمکش جاری تھی۔ ایک' دو دن تو میرے اسی پریشانی میں گزرے۔ مگر پھر میں نے خود کو اس پرائی آگ سے یہ سمجھا کر نکالا کہ "اپنی نبیڑ تو۔"

☼ ☼ ☼

آہستہ آہستہ حالات پھر نارمل ہونے لگے۔ کچھ دن اور ہفتے تو میں واقعی اس سے کھنچی اور بدظن رہی۔ مگر اس کی محبت اور خوش اخلاقی۔ باوجود مصروف ہونے کے وہ کبھی کچھ پکا کر بھیج دیتی۔ کبھی فون پر میری خیریت دریافت کرنے لگتی۔ ایک دن اس نے فون کر کے کہا۔

"بھابی! آپ کے لیے نیا فیشل لائی ہوں' بڑا اچھا رزلٹ ہے' دیکھیے گا کیسے چہرہ چمک اٹھے گا۔ احمد بھائی تو فدا ہی ہو جائیں گے۔"

میرا دل چاہا کہ اسے کہوں۔

"مرد کا کیا ہے وہ تو ہر دم فدا ہونے کو تیار رہتا ہے۔ یہ تو عورت ہی کو سنبھلنا پڑتا ہے۔" مگر میں خود پر ضبط پا کر بات ختم کر گئی۔ لیکن ہوا یہ کہ بہت عرصے تک میں خود کو اس سے روک نہیں پائی اور دوبارہ میرا میل جول کافی بڑھ گیا اور چونکہ اب دل کو کرید لگ چکی تھی تو پتا چلا کہ فوزیہ اور اس کے شوہر کی ملاقات بھی تب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوگئی، جب فوزیہ اپنے ووکیشنل سینٹر کے ہاسٹل میں تھی اور اس کا شوہر حبیب پروڈکٹ مینجر یہ ملاقات کب دل کی واردات میں بدل گئی، پتا ہی نہ چلا اور جب احساس ہوا تو دونوں نے اپنے خاندان سے بغاوت کرکے شادی کرلی!

میں نے یہ سوچ کر اپنے دل کو بہلالیا کہ کم عمر لڑکیاں اسی طرح شکاریوں کے ہتھے چڑھ جاتی ہیں۔ جو ہوا برا ہوا مگر جو بھی ہے اب تو شرافت سے دونوں اس شادی کو نبھارہے ہیں اور اس کا ثبوت ان کے پانچ بچے ہیں۔ مگر کبھی کبھار یہ پھانس ضرور دل کو تنگ کرتی کہ اس کے شوہر سے پوچھوں کہ کبھی اس کو اپنے پہلے دو بچے یاد نہیں آئے۔ مگر اتفاق کی بات ہے کہ میری کبھی حبیب سے ملاقات نہ ہوئی تھی، اور نہ ہی میں نے اسے کبھی دیکھا تھا اس کی ایک وجہ تو پارلر اس کے گھر سے بالکل علیحدہ تھا اور دوسرا وہ کوئی میری بہت قریبی پڑوسن نہ تھی۔

☼ ☼ ☼

فوزیہ کے گھر سے کھیر آئی تھی۔ خالی برتن کافی دن کے آئے رکھے تھے۔ اس دن میں نے کڑھی بنائی تو سوچا کہ اس بہانے چکر بھی لگ جائے گا اور برتن بھی دے آؤں گی۔ جب میں گئی تو فوزیہ پارلر میں نہیں تھی۔ پارلر سامنے والے پورشن میں تھا اور رہائشی حصہ پیچھے! میں نے پارلر میں ملازم لڑکی کو ڈونگہ تھمایا اور فوزیہ کی بابت دریافت کیا۔ وہ یہ کہتے ہوئے اندر چلی گئی کہ باجی بس ابھی آرہی ہیں۔ میں اطمینان سے صوفے پر بیٹھ گئی۔ کافی رش تھا۔ سب ایک دوسرے سے باتوں میں مصروف تھیں۔ زیادہ تر خواتین اپنی کالونی کی ہی تھیں۔ اسی لیے کوئی اجنبیت اور گھبراہٹ نہیں محسوس ہوئی تھی۔ میں جس صوفے پر بیٹھی تھی وہاں سے پورچ نظر آتا تھا۔ میں نے اس دن حبیب کو پہلی بار دیکھا اور میرا دل تاسف سے بھر گیا۔

لمبا تڑنگا، پہلوانوں جیسے جثے کا مالک موٹے موٹے نقوش، سیاہ رنگت، سر صاف لگ رہا تھا کہ وگ جمائی ہوئی ہے۔ مطلب یہ کہ وہ گنجا تھا۔ گدلی اور سرخ آنکھیں جیسے کسی عادی شرابی کی ہوتی ہیں۔ وہ مجھے پہلی نظر ہی میں اچھا نہ لگا۔

اسے دیکھ کر خواتین میں تمسخرانہ چہ مگوئیاں شروع ہوگئیں۔ میرے دل کو ایک اور شدید دھچکا لگا تھا کہ اچھی خاصی خوب صورت لڑکی نے کیا سوچ کر اس آدمی کے لیے اپنے گھر والوں سے مخالفت مول لی۔ ایک عورت کا گھر اجاڑا۔ بچوں سے ان کا باپ چھین لیا۔ اتنے میں فوزیہ آتی دکھائی دی تو سب جیسے موضوع بدل گئیں۔ میں نے دل میں سوچا کہ یہ بھی دراصل اک سزا ہی تو ہے کہ لوگ اس کا جرم معاف کرنے پر تیار نہیں!

سچ تو یہ ہے کہ حبیب کو دیکھ کر اس کے جرم کی نوعیت کچھ اور بھی شدید محسوس ہوتی تھی۔ میں اس دن زیادہ دیر فوزیہ کے پاس نہیں بیٹھ سکی۔ گھر آکر بھی مجھے اک ملال نے گھیرے رکھا۔ کبھی فوزیہ پر ترس آتا کہ کیسے وہ اس شکاری مرد کے ہتھے چڑھ گئی اور کبھی نفرت اور بدگمانی جنم لے لیتی۔ میں نے احمد سے بھی بڑی افسردگی سے تذکرہ کیا تو وہ ہنستے ہوئے بولے۔

"دل بے عیب گدھی بلکہ گدھے پر آجائے تو کیا کیا جائے۔ خواتین کو یوں ہی تو احمق نہیں کہا جاتا۔"

ان کے اس جواب پر میں بھنا گئی اور ہماری اپنی بحث چھڑ گئی۔

گو کہ حبیب کو دیکھ کر مجھے شاک لگا تھا۔ دل اک بار پھر بدگمان ہوا تھا۔ مگر میں ان لوگوں میں سے ہوں جو تعلقات کو آخری حد تک جاکر موقع دیتے ہیں۔ میں نے خود کو ملامت کی کہ کسی کی ظاہری صورت سے اس کی سیرت کا کیا اندازہ کیا جاسکتا ہے؟ ہوسکتا ہے کہ وہ شخص اتنی خوبیوں کا مالک ہو کہ فوزیہ جیسی اچھی خاصی خوب صورت اور بظاہر مضبوط عورت اس کی گرویدہ ہوگئی۔ مگر اس کی ان دیکھی خوبیوں پر اس کی پہلی بیوی اور بچے اک پھانس کی طرح چبھنے لگتے ہیں پھر یوں ہوا کہ مجھے اک مزید کرید سی لگ گئی۔

☼ ☼ ☼

اس دن فوزیہ کا فون آیا۔ وہ مجھے کہہ رہی تھی کہ اپنی صفائی والی کو کچھ دن کے لیے اس کی صفائی کا بھی کہہ دوں کہ اس کی کام والی چھٹی پر تھی۔ کالونی میں وہ میرے ساتھ کافی مروت اور اعتماد و خلوص سے پیش آتی تھی کہ میرا رویہ شاید اس کو معقول لگتا تھا۔ گو کہ دوسری خواتین بھی بظاہر تو کام کی خاطر بہت خوشامدانہ انداز اختیار کرتیں مگر جو گفتگو پیٹھ پیچھے ہوتی اس کی کچھ نہ کچھ خبر تو اسے بھی ہو ہی جاتی ہوگی جبکہ میں کوشش کرتی تھی کہ اس "چغلی پروگرام" سے بچنے کی کوشش کروں۔ کالونی میں میرا کوئی بہت زیادہ دوستانہ بھی نہ تھا۔ خوشی غم کے موقعوں پر اکٹھے ہوجاتے یا پھر جب سے فوزیہ کی طرف چکر لگتا تو وہاں کبھی کبھار کسی سے ملاقات ہوجاتی۔ شاید اسی وجہ سے اس نے مجھے کہا تھا کہ میں اسے کچھ بے ضرر لگی تھی۔ مگر کیا کیا جائے وہ بے خبر تھی کہ اس کے بارے میں میں بھی بری طرح تجسس میں مبتلا تھی۔

اس دن جب میری ماسی اس کے گھر سے صفائی کرکے آئی تو میں نے سرسری سا ذکر اس کے سامنے چھیڑ دیا اور وہ تو شروع ہی ہوگئی۔

"باجی! آپ کو کیا بتاؤں۔ توبہ توبہ! یہ فوزیہ باجی اوپر سے کتنی اخلاق والی بنتی ہے۔ مگر ماں کو کیسے گھر سے دکھی کرکے نکلا اور فون پر بھی کتنی لڑائی ہوئی۔" میں نے اپنے لہجے کو نارمل رکھتے ہوئے پوچھا۔

"مگر میں نے تو سنا ہے کہ اس کے ماں باپ نہیں ملتے اس سے، چھوڑ دیا ہے انہوں نے اسے۔" وہ گویا جھکتے ہوئے رازداری سے بولی۔

"وہ باجی جی! جب فوزیہ کا بیٹا ہوا تھا نا تو ماں باپ آخر ماں باپ ہوتے ہیں معاف کردیا تھا انہوں نے۔ مگر اب وہ اسے سمجھاتے ہیں کہ تم اپنے میاں کو گھر بٹھا کر کھلانے کی عادت نہ ڈالو۔ اسے کہو کہ کام کرے۔ کب تک تم اسے مفت کی روٹیاں تڑواؤ گی۔

برطانیہ میں مقیم سات شعری مجموعوں کے خالق گیتوں کے خوش نوا شاعر

سوہن راہی

سوہن راہی گیت نگاری میں ایک بڑا نام ہیں، انہوں نے گیت کے کینوس کو بڑی وسعت اور کشادگی عطا کی ہے، انہوں نے سُر سنگیت کے سوتوں سے گیت کی نئی دنیائیں تخلیق کی ہیں۔

افتخار عارف

گیتوں کی قدیمی روایت میں پیش نظر گیتوں کے دل کی دھڑکن اور معاشرتی شعور کا نرم و نازک اسلوب سوہن راہی کا افسانہ معلوم ہوتا ہے۔

ڈاکٹر فاخر حسین

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لیے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

Idara-e-Adab London

63 - Hamilton Avenue Surbiton,
Surry, KT67PW. U.K.
Phone: 0044-0208-397-0974

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بچوں کا ساتھ ہے۔ اس کو اتنا نہ بگاڑو کل کو تمہیں بھی دھکا مار کر چلا گیا تو بھگتو۔ توبہ توبہ۔ افوزیہ باجی نے جو اپنی ماں کی بے عزتی کی ناں کس دکھی دل سے گھر سے گئی۔ بس وہ تو کہتی ہے کہ جس کو میرا میاں نہیں اچھا لگتا وہ میرا بچہ نہیں' ہمارے معاملے میں کوئی نہ بولے۔ فون پر بھی یہی بات چل رہی تھی۔ اللہ معاف کرے ایسی اولاد سے۔"

وہ تو اور بھی جانے کیا بولتی رہی مگر مجھے جو اس کے متعلق جاننے کا تجسس تھا اب لگا کہ میں کچھ اور الجھ گئی ہوں۔ فوزیہ کی شخصیت اک الجھی ریشمی گتھی کی مانند تھی جس کا کوئی سرا میرے ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔

کبھی وہ اک رنگین و نادان تتلی کی مانند لگتی۔ معاشرے و روایات کی باغی جو ہر خطرے سے بے خبر' ڈال پر اپنے پھول کے ہمراہ مست و مگن ہو کر اڑتی پھرتی تھی۔

کبھی یہ رنگین تتلی اک خون آشام چمگادڑ کا روپ دھار لیتی جو کہ مظلوم عورت کے ارمانوں کا خون کر گئی تھی۔

کبھی وہ مظلوم لگنے لگتی۔ اک ایسی روح جس نے اپنے تمام دکھ' رنج اور تکلیف کو اپنے اندر اتار کر خوشنما پردہ لٹکا رکھا تھا' ایسا قیدی جو اپنے شکاری کی محبت میں مبتلا تھا۔

اور کبھی وہ اک ایسی آن بان والی عورت کے روپ میں نظر آئی جو اپنے شوہر' گھر' بچوں کی حفاظت کے لیے پوری طرح سینہ سپر تھی۔ جو حالات کا ہر جبر سہہ کر اپنے گھر کی حفاظت کرنا جانتی تھی اور اس کی خاطر اپنے ماں' باپ کی مداخلت بھی برداشت نہیں کرتی۔

کبھی مجھے وہ ایسی خود سر اور باغی نافرمان اولاد لگنے لگتی جسے اس کے ماں' باپ کی ناراضی نے مجھدار میں لے لیا تھا مگر ہنوز وہ اپنی شکست اور غلطی تسلیم کرنے پر تیار نہیں تھی۔

مگر جو بھی تھا' حبیب کے بارے میں مجھے کوئی شک شبہ نہ رہا۔ اس کے کردار میں کوئی ابہام نہ تھا۔ اسے میں نے جیسا سمجھا' ویسا ہی پایا۔ اس نے بلاشبہ ایک سونے کی چڑیا پھانسی تھی اور اس کے نبھانے کی وجہ بھی یہی تھی کہ فوزیہ اسے پال رہی تھی۔

مجھے الجھن یہ نہیں تھی کہ فوزیہ اس کے ساتھ کیوں اور کیسے نباہ کر رہی تھی۔ وہ اپنی تمام تر غلطیوں' حماقتوں اور خود غرضیوں کے باوجود ایک شریف عورت تھی۔ پانچ بچوں کی ماں تھی۔ اسے اس شادی کو ہر حال میں نبھانا ہی تھا۔

مجھے الجھایا اس بات نے تھا کہ آخر وہ کیا شے تھی۔ وہ کون سا ایسا جذبہ تھا جو فوزیہ کو اس نہج تک لے گیا۔ اس کی شادی کوئی اتنی زیادہ عمر میں نہ ہوئی تھی کہ بھوک اور نفسانی جذبے صحیح اور غلط کی تمیز مٹا دیں۔

میری الجھن یہ تھی کہ میں فوزیہ کی شخصیت کو بالکل دو مخالف اور متوازی خانوں میں کیسے رکھوں؟ اک خانہ کہ جس میں وہ ایک نادان' جذباتی' کم عقل اور مظلوم و مجبور عورت نظر آتی تھی' جو اپنی غلطی کا خمیازہ بڑی خوشی سے بھگت رہی تھی۔ وہ اپنے شکاری کی محبت میں مبتلا تھی یا سب کو باور کرواتی تھی۔

دوسرا خانہ بالکل الگ' تملیا رنگوں سے اٹا ہوا' عفونت بھرے جذبات کی کثافت لیے ایک ایسے خود غرض انسان کا جو گردو پیش سے بے خبر صرف اپنی ذات کو اہم جانتا ہے اور اپنے منہ زور جذبوں کے آگے معاشرے کی ہر ریت و روایت کو روند ڈالتا ہے۔

میں الجھن میں ہوں کہ فوزیہ کو میں ان دونوں خانوں میں بیک وقت کیسے رکھوں۔ مگر وہ بھول بھلیوں میں بھٹکتے مسافر کی طرح کبھی ایک خانے سے دوسرے خانے میں سرائیت کر جاتی ہے اور میں سمجھ ہی نہیں پاتی کہ وہ کہاں ہے۔ کیا ہے۔

آپ سمجھ جائیں تو مجھے ضرور اس الجھن سے نکالیے گا!

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جویریہ قاضی

اندھیرا اجالا

"ساجدہ! او ساجدہ!"

وہ تنور پر روٹیاں پکا کر پسینے سے شرابور کپڑے سکھانے کے لیے ابھی چارپائی پر بیٹھی ہی تھی کہ اماں کی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔

"جی اماں۔" اس کے منہ سے کمزور سی آواز نکلی۔

"سہراب کے کپڑے دھو لیے؟" سہراب اس کے بڑے بھائی کا نام تھا۔

"نہیں اماں! وہ دراصل صبح سے کام ہی اتنے تھے کہ مہلت ہی نہیں ملی۔ رات کو آندھی آنے کی وجہ سے سارا گھر مٹی دھول اور گرد و غبار سے بھرا ہوا تھا۔ پہلے اس کی صفائی کی تھی۔ پھر برتن دھونے کے بعد دوپہر کا کھانا پکایا تھا اور اب اتنی گرمی میں تنور پر روٹیاں لگانے کے بعد اپنا پسینہ سکھانے کے لیے دو منٹ بیٹھی تھی۔"

مکمل ناول

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ایک سوٹ ہی دھونا تھا نا۔ اس میں وقت ہی کتنا لگتا ہے۔" اماں اس کے لیے تمام کاموں کو نظر انداز کر کے آرام سے کہہ رہی تھیں۔

"چل اب جلدی سے دھو دے۔"

"وہ اماں۔" اس نے ایک نظر انتہائی دلچسپی سے ٹی وی دیکھتی سونیا پر ڈالی اور ہچکچاتے ہوئے بولی۔

"اماں! آپ سونیا سے کہہ دیں۔ وہ دھو دے گی۔ میں تھک گئی ہوں۔"

اس کی اس بات پر سونیا نے خاصی ٹیڑھی نگاہ سے اسے دیکھا۔ سونیا اس سے دو سال چھوٹی تھی اور یہ بھی قدرت کی ستم ظریفی ہی تھی کہ وہ جتنی بدصورت تھی۔ سونیا اتنی ہی خوب صورت واقع ہوئی تھی۔ لانبا قد، سرخ و سفید رنگت، انتہائی متناسب سراپا، گہری جھیل جیسی آنکھیں اور اس پر گھنے سیاہ بال اس سب کے ساتھ اسے اپنے حسن کا احساس بھی بہت تھا۔ ساجدہ کو تو وہ کسی خاطر میں ہی نہیں لاتی تھی ذرا ذرا سی بات پر بے نقط سنا دیتی تھی اور ساجدہ سر جھکا کر سب سن لیتی تھی۔ شاید اس کی وجہ اس کا گھر بھر کا چہیتا ہونا بھی تھا۔ ابا تو تھے ہی حسن پرست لیکن اماں بھی اس کا بہت خیال کرتی تھیں۔

"پتا تو ہے، وہ کسی کام کو ہاتھ نہیں لگاتی اور ویسے بھی ابھی تو وہ کالج سے تھکی ہاری آئی ہے۔" اماں کی بات پر وہ بالکل چپ ہو گئی البتہ سونیا کے ساتھ بیٹھ کر ٹی وی دیکھتا نومی چپ نہیں رہ سکا۔

"اماں! سونیا کو آئے ہوئے ایک گھنٹے سے اوپر ہو چکا ہے اور تھکے ہونے کی بھی خوب کہی، پتا بھی تو تھکی ہوئی ہیں۔ ابھی اتنی گرمی میں تنور پر روٹیاں لگا کر آرہی ہیں۔"

"تم چپ کرو۔" سونیا نے اسے ڈانٹا۔ "تم سے کس نے کہا ہے بولنے کو۔"

"کیوں کیا میں نے کچھ غلط کہا ہے۔ گھر کا سارا کام آپا کرتی ہیں۔ تمہیں بھی تو کچھ ان کی مدد کروانی چاہیے۔"

"تمہیں اگر ان کا اتنا ہی خیال ہے تو کروا دیا کرو نا اس کے ساتھ گھر کا کام۔ چلو مستقبل کی بھی پریکٹس ہو جائے گی۔" سونیا نے لاپروائی سے کہا۔

"میرے نہیں اپنے مستقبل کی فکر کرو۔ تم کیا کرو گی مستقبل میں۔" نومی تپ کر بولا۔

ان دونوں کی لڑائی طول پکڑتی جا رہی تھی۔ ساجدہ ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کپڑے دھونے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسے پتا تھا کہ کپڑے آخر کار اسے ہی دھونے پڑیں گے۔ سونیا گھر کے کسی کام کو ہاتھ لگانا کسر شان سمجھتی تھی۔

وہ کپڑے دھو رہی تھی جب ابا گھر میں داخل ہوئے ان کے ہاتھوں میں خوبانی اور آلو بخاروں کی تھیلیاں تھیں۔

"السلام علیکم ابا!" اس نے بہت جذب سے ابا کو سلام کیا جس کا جواب انہوں نے سر ہلا کر دیا۔ وہ ابا سے بہت پیار کرتی تھی، یہ بات وہ اچھی طرح جانتی تھی لیکن ابا اس سے کتنا پیار کرتے تھے اور جانے کرتے بھی تھے کہ نہیں یہ بات وہ کوشش کے باوجود کبھی بھی نہیں جان سکی تھی۔

سونیا ابا کو دیکھ کر فوراً ٹی وی دیکھنا چھوڑ کر باہر آئی اور ٹھنڈے پانی کا گلاس لے کر ابا کے پاس آگئی۔

"السلام علیکم ابا!" اس نے پانی کا گلاس ابا کی طرف بڑھایا۔ ایسے موقعوں پر وہ بہت فرماں بردار بن جاتی تھی۔

"وعلیکم السلام۔ جیتی رہو، خوش رہو بیٹا۔" ابا نے خوش ہو کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا پھر گھونٹ گھونٹ پانی پینے لگے۔ نجانے کیوں ساجدہ کے اندر ڈھیر ساری تشنگی اتر آئی۔

"دیکھا، خوبانیوں اور آلو بخاروں کو دیکھ کر کیسے باہر آئی ہے۔" نعمان نے فوراً سونیا پر چوٹ کی۔

"تم چپ کرو۔ میں تو لے کر رہی اپنی بیٹی کے لیے لایا ہوں۔" ابا نے پیار سے سونیا کی طرف دیکھا۔

سونیا کی گردن فخر سے مزید تن گئی۔ اس نے جتاتی ہوئی نظروں سے نعمان کو دیکھا۔ نعمان ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔

ساجدہ نے ایک نظر سب کو دیکھا۔ نعمان اور سونیا خوبانیاں اور آلو بخارے کھا رہے تھے اور ابا ان دونوں کو کھاتے دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔ نجانے کیوں ساجدہ کا دل چاہنے لگا کہ ابا اسے آواز دے کر کہیں "ساجدہ! چل بس کر کپڑے دھونا۔ تو بھی آکر کھالے۔" لیکن۔۔۔

"اب بس بھی کر سونیا! ساجدہ کب سے کام میں لگی ہے۔ اسے بھی دینے ہیں تھوڑے سے سہراب کے لیے بھی رکھوں گی۔" وہ کپڑے تار پر پھیلانے کے بعد واش بیسن پر ہاتھ دھو رہی تھی جب اس نے اماں کو سونیا سے کہتے سنا۔

"لیں۔ نہیں کھاتی میں۔" سونیا غصے سے اٹھ کھڑی ہوئی "دے دیں سارے آپ اپنی چہیتی کو۔"

وہ زور زور سے پاؤں پٹختی اندر جانے لگی اور ابا فوراً بے چین ہو گئے۔

"کھانے دیتیں تم سونیا کو۔ ساجدہ کے لیے میں اور لے آتا۔" وہ اماں سے مخاطب ہو کر بولے پھر سونیا کو آوازیں دینے لگے۔

ساجدہ چپ چاپ اندر پلٹ گئی۔ اسے کسی نے رکنے کے لیے کہا بھی نہیں تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ دوپٹے پر کروشیے کی بیل بنا رہی تھی جب اسے بیرونی دروازہ کھلنے اور زور زور سے باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ اس نے کھڑکی سے دیکھا۔ سونیا کے ساتھ دو لڑکیاں تھیں۔ وہ تھرڈ ایئر کی اسٹوڈنٹس تھی غالباً۔ یہ لڑکیاں اس کے ساتھ کالج سے گھر آئی تھیں کیونکہ انہوں نے کالج یونیفارم پہن رکھے تھے۔ سونیا انہیں لے کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ جس میں وہ لوگ عام طور پر مہمانوں کو بٹھاتے تھے۔

"کون ہیں یہ؟" تھوڑی دیر بعد سونیا اس کے کمرے میں آئی تو ساجدہ نے دھیرے سے پوچھا۔

"یہ۔۔۔ یہ میرے ساتھ کالج میں پڑھتی ہیں۔ کب سے کہہ رہی تھیں، سونیا تمہارے گھر چلتے ہیں۔ میں ہی انہیں ٹال رہی تھی لیکن آج تو انہوں نے اتنا اصرار کیا کہ لے کر آنا ہی پڑا۔" سونیا نے کمر پر ہاتھ رکھے جلدی جلدی تفصیلات بتائیں۔

"تم انہیں ٹال کیوں رہی تھیں؟" اس کا موڈ اچھا دیکھ کر ساجدہ نے ایک اور سوال بھی کر لیا۔

"بس گھر کی کنڈیشن کی وجہ سے ہی ٹال رہی تھی۔ اب دیکھو نا ہمارا گھر اس قابل ہے کہ ہم اس میں کسی اچھے اور بڑے گھر کے افراد کو بلا سکیں۔"

"کیوں، گھر میں کیا خرابی ہے؟ اتنا اچھا تو ہے۔" ساجدہ کے بغیر نہیں رہ سکی۔

"بس رہنے دو۔ تمہیں کیا پتا، اچھا اور بڑا گھر کسے کہتے ہیں۔ تمہاری تو ساری زندگی کنویں کے مینڈک کی طرح اسی گھر میں گزری ہے نا۔" سونیا نے استہزائیہ انداز میں کہا اور ساجدہ نے شرمندہ ہو کر سر جھکا لیا۔

سونیا ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھی۔ وہ بھلا کب کسی کے گھر جاتی تھی۔ وہ تو محلے میں بھی بہت کم جاتی تھی۔

"خیر میں یہ کہنے آئی تھی۔ اچھی سی چائے تو بنا دو اور ساتھ میں کچھ کھانے کے لیے بھی ہو۔ یہ نومی کہاں

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے
فائزہ افتخار کے 4 خوبصورت ناول

آئینوں کا شہر	قیمت -/500 روپے
بھول بھلیاں تیری گلیاں	قیمت -/500 روپے
یہ گلیاں یہ چوبارے	قیمت -/300 روپے
پھلاں دے رنگ ہزار	قیمت -/250 روپے

ناول منگوانے کے لئے فی کتاب ڈاک خرچ -/45 روپے
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37 - اردو بازار، کراچی۔ فون نمبر: 32735021

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔اسی سے کچھ کھانے کے لیے منگوالیتی ہوں۔" اس نے کہنے کے ساتھ ہی ادھر ادھر دیکھا۔

"نومی گھر پہ نہیں ہے۔" ساجدہ نے بتایا۔

"اوہ۔ تو پھر اب بازار کون جائے گا؟"

"تم فکر مت کرو۔ میں چائے کے ساتھ کباب تل لیتی ہوں اور بسکٹ اور نمکو ہیں گھر میں۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ میں اپنی دوستوں کے ساتھ جاکر بیٹھتی ہوں۔ تھوڑی دیر بعد خود ہی آکر سب کچھ لے جاؤں گی۔" وہ سر ہلا کر اندر چلی گئی۔

اس نے کچن میں جاکر کباب تلے چائے بنائی پھر ٹرے میں ساری چیزیں سیٹ کرکے سونیا کا انتظار کرنے لگی لیکن جب سونیا نہیں آئی تو وہ چائے اور کباب ٹھنڈے ہونے کے خیال سے ان کے کمرے کی طرف گئی۔ کمرے کے دروازے کا ایک پٹ بند تھا اور ایک کھلا ہوا تھا۔ اندر سے سونیا کی اور اس کی دوستوں کی باتیں کرنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ اس نے دروازے پر دستک دی۔ "سونیا!"

"یہ کون ہیں؟" شاید اس کی کسی دوست نے متجسس انداز میں پوچھا تھا۔

"ساجدہ ہوگی۔" سونیا کی آواز آئی۔

"ساجدہ۔ تمہاری بڑی بہن۔ تو انہیں اندر بلالو نا۔" اس کی دوست نے کچھ حیرت سے کہا۔

"آجائیں نا پلیز۔ آپ باہر کیوں کھڑی ہیں؟" سونیا کی ایک اور سہیلی نے اسے آواز دی۔

"ساجدہ! آجاؤ نا۔" سونیا کو بادل نخواستہ کہنا پڑا۔

وہ جھجکتے ہوئے اندر داخل ہوئی اور ٹرے ٹیبل پر جاکر رکھ دی۔ پھر دھیرے سے کانپتے ہوئے لہجے میں انہیں سلام کیا۔ "السلام علیکم!"

وہ دونوں ہی بہت ماڈرن قسم کی لڑکیاں تھیں لیکن اس وقت دونوں ہی حیرت کے سمندر میں غوطہ زن نظر آرہی تھیں۔

"یہ۔ یہ تمہاری بہن ہے۔ میرا مطلب ہے ساجدہ؟" سونیا کی ایک دوست نے اٹکتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں!" سونیا شرمندہ نظر آرہی تھی۔ "ساجدہ تم کیوں لے کر آئیں۔ میں نے کہا تھا میں خود آکر لے جاؤں گی۔" سونیا منفر سے بولی۔

"آپ بیٹھیں نا۔" سونیا کی دوسری دوست نے بڑے "اخلاق" سے کہا۔

"نہیں۔ نہ۔ میں چلتی ہوں۔" وہ لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے باہر نکل آئی۔

اپنی دوستوں کو رخصت کرنے کے بعد سونیا سیدھی اس کے پاس آئی تھی۔ "بہت شوق ہے لوگوں کو خود کو دکھانے کا۔"

"سونیا!" اس نے دکھ سے کہا۔ "میں صرف چائے اور دوسری چیزیں ٹھنڈی ہونے کے خیال سے لے کر گئی تھی۔"

"اگر چائے ٹھنڈی ہو رہی تھی تو یہ میرا مسئلہ تھا لیکن تمہیں وہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔ تم ان لڑکیوں کو نہیں جانتی ہو اب یہ بات پورے کالج میں پھیلا دیں گی۔"

"تو۔۔۔ تو کیا ہوجائے گا۔" ساجدہ کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ "کیا میری بدصورتی اتنا بڑا گناہ ہے کہ جس کا لوگوں کو پتا چل جانے سے تم بدنام ہوجاؤ گی۔ لوگ تم پر باتیں کرنا شروع ہوجائیں گے۔"

"آخر میں نے ایسا کیا کہہ دیا ہے کہ تم رونا شروع ہوگئی ہو۔" سونیا نے بے حد الجھن سے اس کو دیکھا' روتے ہوئے تو وہ اور بری لگ رہی تھی۔

"کہو کچھ' سمجھتی کچھ ہو تم۔ تم سے تو بات کرنا ہی فضول ہے۔" وہ پیر پٹختے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

چھٹی کا دن تھا مگر اس کے لیے ہفتے کا کوئی دن چھٹی کا نہیں ہوتا تھا۔ اور چھٹی کے دن تو اس کے کاموں میں کہیں زیادہ اضافہ ہوجاتا تھا۔ اس دن گھر کے سارے افراد اپنی اپنی مرضی کا ناشتا اور ایک پر تکلف لنچ کرنا چاہتے تھے۔ اس دن اسے تمام گھر والوں کے کپڑے بھی دھونا ہوتے تھے۔ جس میں شاید سب سے زیادہ کپڑے سونیا کے ہی ہوتے تھے لیکن وہ گھر

کے تمام کاموں سے مکمل طور پر بے نیاز تھی۔

آج دوپہر کے کھانے میں وہ کریلے گوشت اور پلاؤ بنا رہی تھی۔ پلاؤ بنانے کی فرمائش صبح سہراب کرکے گیا تھا۔ وہ اپنے کسی دوست کی فیکٹری میں سپر وائزر تھا اور معقول تنخواہ پاتا تھا لیکن آدھی تنخواہ وہ اپنے اوپر خرچ کرتا تھا اور باقی آدھی اماں کو دیتا تھا۔ البتہ سونیا کو اپنا حصہ وصول کرنا خوب آتا تھا۔ وہ مختلف حیلوں بہانوں سے اس سے رقم اینٹھتی رہتی تھی اور ساجدہ سوچتی تھی کہ یہ دنیا صرف خوب صورت اور چالاک لوگوں کے لیے ہے۔ اس جیسے بدصورت کم اعتماد اور بزدل لوگوں کی شاید اس دنیا میں کوئی جگہ نہیں۔

"السلام علیکم خالہ!" وہ واشنگ مشین سے کپڑے نکال کر بالٹی میں ڈال رہی تھی جب خالہ صغریٰ اندر داخل ہوئیں۔ اسے خالہ اچھی لگتی تھیں کیونکہ وہ اس سے ہمیشہ پیار سے بات کرتی تھیں۔ دوسروں کے برعکس ان کی آنکھوں میں اس کے لیے حقارت یا ترحم کے نہیں بلکہ خلوص کے جذبات موجزن ہوتے تھے۔

"وعلیکم السلام۔" انہوں نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور ادھر ادھر نظریں دوڑائیں۔ سامنے ہی سونیا برآمدے میں کولر لگا کر تخت پر نیم دراز کوئی ڈائجسٹ پڑھنے میں مصروف تھی۔ نعمان واک مین چڑھائے شاید گانے سن رہا تھا جبکہ سہراب موبائل پر کسی سے کیس ہانکنے میں مصروف تھا۔

"اماں کہاں ہے تمہاری؟" اماں کے نظر نہ آنے پر انہوں نے پوچھا۔

"اماں اندر کمرے میں ہیں۔ بلاؤں انہیں؟" ساجدہ نے مستعدی سے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔ نہیں۔ میں اندر چلی جاتی ہوں' وہیں بات کرلوں گی۔" خالہ صغریٰ نے اپنا شٹل کاک برقع اتار کر ہاتھ میں پکڑا اور اندر چلی گئیں۔ ساجدہ نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر انہیں اندر جاتے ہوئے دیکھا۔ وہ جانتی تھی کہ وہ اماں سے کیا بات کریں گی۔ خالہ صغریٰ رشتے کرانے کا کام کرتی تھیں اور اماں نے ان کے ذمہ ساجدہ کے رشتے کی تلاش کا کام لگایا تھا اس سے پہلے ثریا آپا جو ساجدہ اور سہراب سے بھی بڑی تھیں کا رشتہ بھی انہوں نے ہی کروایا تھا اور آج وہ اپنے گھر میں اپنے دو بچوں کے ساتھ خوش تھیں۔

وہ اپنے کام سے پوری طرح مخلص تھیں لیکن ساجدہ کی بدصورتی یہاں بھی آڑے آرہی تھی جو لوگ ساجدہ کو دیکھنے آتے تھے وہ سونیا کو پسند کرکے چلے جاتے تھے اور ساجدہ کو ان لوگوں سے کوئی شکایت بھی نہیں تھی۔ بھلا اندھیرے اور اجالے میں سے کس کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے اجالے کا اور سونیا روشنیاں بکھیرنے والا اجالا ہی تو تھی اور وہ سرتاپا اندھیرا۔

"سارا دن کولہو کے بیل کی طرح کام میں جتی رہتی ہے۔" وہ کسی کام سے اس کمرے کے پاس سے گزری تو اسے خالہ صغریٰ کی آواز آئی۔ "کچھ تو احساس کرو اس کا۔ کیا تمہاری کچھ نہیں لگتی وہ۔"

"ارے تو گھر کے کام بچیاں ہی کرتی ہیں۔ مجھ سے تو اب کام نہیں ہوتا۔ ساری زندگی کام کیا ہے۔" اماں برا مان گئی تھیں شاید۔

"اس گھر میں صرف ساجدہ ہی لڑکی نہیں ہے۔ میں سونیا کی بات کررہی ہوں۔ اس بھی گھر کے کاموں میں کچھ دلچسپی لینی چاہیے۔"

"وہ کالج میں پڑھتی ہے نا۔ پڑھائی کی وجہ سے ٹائم ہی نہیں ملتا اسے کہ وہ گھر کے کاموں میں حصہ لے۔ پھر باپ کی بھی بہت لاڈلی ہے وہ۔ وہ ذرا سختی نہیں کرنے دیتے مجھے اس پر۔"

"معاف کرنا صرف باپ کی ہی نہیں مجھے تو وہ تمہاری بھی بہت لاڈلی لگتی ہے اور پڑھائی کی بھی خوب کہی میں تو جب بھی آؤں وہ یا تو رسالہ پڑھ رہی ہوتی ہے یا پھر وہ دیکھ رہی ہوتی ہے اور آج تک اسے کبھی اتنی توفیق تو نہیں ہوئی کہ مجھے سلام ہی کرلے۔" خالہ صغریٰ کو سونیا سے بہت سی شکایتیں تھیں۔

"ابھی بچی ہے نا۔ سمجھ جائے گی آہستہ آہستہ۔" اماں نے جیسے کان پر سے مکھی اڑائی۔ "تم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بتاؤ وہ جو کام میں نے تمہارے ذمے لگایا تھا اس کا کیا بنا؟" ساجدہ جانتی تھی کہ اماں کون سے کام کے بارے میں استفسار کر رہی ہیں۔ اس کا جی ایک دم اچاٹ ہو گیا وہ مڑ کر جانے لگی لیکن اسی وقت خالہ کی آواز آئی۔

"ساجدہ! ایک گلاس پانی لانا۔"

"اچھا خالہ لاتی ہوں۔" اس نے فریج میں سے پانی کی بوتل نکالی اور اسے گلاس میں انڈیلنے لگی پھر کچھ سوچ کر اس نے روح افزا کی بوتل نکال کر شربت بنا لیا۔

"کیسے لوگ ہیں؟ لڑکا کیا کرتا ہے؟" وہ کمرے میں گئی تو اماں خالہ سے پوچھ رہی تھیں۔ اس نے شربت کا گلاس خالہ کی طرف بڑھایا۔

"ایسے ہی متوسط طبقے کے لوگ ہیں۔ لڑکا کسی فیکٹری میں کام کرتا ہے شاید۔" خالہ نے کچھ چونک کر شربت کو دیکھا پھر گھونٹ گھونٹ پینے لگیں۔

اس نے دوسرا گلاس اماں کی طرف بڑھایا جو انہوں نے فوراً لے لیا اور اسے باہر جانے کا اشارہ کیا۔ صاف ظاہر تھا اماں اس موقع پر اس کی غیر حاضری چاہتی تھیں۔

وہ کمرے سے تو باہر آ گئی۔ لیکن آگے جانے کے بجائے وہیں دروازے کے ساتھ ٹھہری رہی۔

"وہ لوگ ساجدہ کو پسند کر لیں گے؟" اماں کی آواز سنائی دی۔

"کہہ تو رہے تھے کہ ہمیں خوب صورت نہیں خوب سیرت لڑکی کی تلاش ہے جو خاندان والوں کے ساتھ مل جل کر رہے اور گھر کا کام کاج کرنا بھی اچھی طرح جانتی ہو۔"

"کہنے کو سب ہی کہہ دیتے ہیں۔" اماں کی آواز تلخ ہو گئی۔ "لیکن یہاں آ کر اور ساجدہ کو دیکھ کر ان کے تیور ہی بدل جاتے ہیں۔"

"بس بہن! آج کل لوگوں کے دیدوں کا پانی ہی مر گیا ہے۔" خالہ صغریٰ کچھ آبدیدہ ہو گئیں۔ "خود ان کے بیٹے چاہے جتنی خوفناک شکلوں کے ہوں لیکن بہوئیں ان کو حوریاں ہی چاہئیں۔"

"میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ ساجدہ کی شادی کیسے ہو گی۔" اماں نے ٹھنڈی آہ بھری "کیا ساری زندگی وہ ایک بھاری پتھر کی طرح ہمارے سینے پر دھری رہے گی۔"

ساجدہ نے قدم آگے بڑھانے کی کوشش کی لیکن وہ تو بالکل سن ہو چکے تھے۔ اس نے بڑی مشکل سے خود کو گھسیٹا اور واشنگ مشین کے قریب جا کر اس میں سے کپڑے نکالنے لگی۔ اس کے ذہن میں اماں کے الفاظ کسی ہتھوڑے کی طرح برس رہے تھے۔

"بھاری پتھر... بھاری پتھر۔"

"اچھا بٹی! ابھی جا رہی ہوں۔" وہ مڑ نکال رہی تھی جب خالہ واپسی کے لیے جاتے ہوئے اس کے پاس سے گزریں۔

"خالہ... لو..." اس نے خالہ کو پکارا۔ خالہ جاتے جاتے رک گئیں اور اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگیں۔

"خالہ... وہ... وہ دراصل۔" وہ خالہ سے کہنا چاہتی تھی کہ وہ رشتہ دیکھنے کے لیے آنے والوں کو منع کر دیں اس میں اب مزید مسترد ہونے کی ہمت نہیں رہ گئی تھی۔

"خالہ! وہ آپ پلیز کھانا کھا کر جائیے گا۔ بس تیار ہونے والا ہے۔" آخر اس نے فقرہ مکمل کر ہی لیا لیکن ان الفاظ سے نہیں جن سے وہ مکمل کرنا چاہتی تھی۔

"نہیں بٹی! دیر ہو رہی ہے پھر کبھی کھاؤں گی۔ جیتی رہ خوش رہ بیٹا۔" انہوں نے جاتے جاتے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دی تو اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔ اسے لگا خالہ نے اسے دعا نہیں بلکہ بددعا دی ہو۔

✲ ✲ ✲

جس دن رشتہ دیکھنے والوں نے آنا تھا اس دن اماں نے ثریا آپا کو بلا بھیجا تھا۔ اپنے ساتھ وہ ساجدہ کے لیے اپنے جہیز کا ایک گھسا پٹا اور آؤٹ آف فیشن قسم کا سوٹ لائی تھیں جو اماں نے ان سے لانے کے لیے کہا تھا۔ کیونکہ ساجدہ کے پاس ایک بھی ایسا ڈھنگ کا سوٹ نہیں تھا جسے وہ رشتہ دیکھنے کے لیے آنے والے والوں کے سامنے پہن سکتی۔ پہلے اماں نے سونیا سے اس سلسلے میں مدد چاہی تھی لیکن اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا کہ اس کے اتنے "اسمارٹ اسمارٹ" سے کپڑے بھلا ساجدہ جیسی "اچھی خاصی" لڑکی کو کہاں پورے آئیں گے۔ نتیجتاً ثریا آپا سے اس سلسلے میں مدد چاہی گئی تھی اور وہ اپنے ساتھ بقول ان کے اپنے جہیز کا سب سے اچھا سوٹ لائی تھیں۔ یہ بلیک کلر کا ریشمی سوٹ تھا جو کڑھائی سے لبالب بھرا ہوا تھا۔ اسے پہن کر ساجدہ اچھی تو کیا لگتی مضحکہ خیز لگنے لگی۔

اور جب اماں نے مہمانوں کے آنے سے کچھ دیر پہلے سونیا سے کہا کہ وہ پڑوس میں چلی جائے تو وہ تمسخرانہ نظروں سے ساجدہ کی طرف دیکھنے لگی۔

"کیا میرے یہاں سے چلے جانے سے وہ لوگ ساجدہ کو پسند کر لیں گے؟"

"یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے سونیا! تم یہاں سے جاؤ۔" اماں نے رکھائی سے کہا۔

"اچھا بابا! جاتی ہوں۔ ناراض کیوں ہوتی ہیں۔" اماں کے تیور خطرناک دیکھ کر اس نے مصالحانہ انداز اختیار کیا پھر ذرا جھک کر آہستہ سے بولی۔ "اگر تھوڑے سے پیسے دے دیں تو اچھا ہو گا۔ اب ساتھ والوں کے گھر کیا میں خالی ہاتھ بیٹھی رہوں گی۔"

اماں نے اسے گھور کر دیکھا "ابھی دو دن پہلے ہی تم نے اپنے باپ سے اچھے خاصے پیسے اینٹھے ہیں۔ وہ کہاں گئے ہیں۔"

"وہ... وہ تو خرچ ہو گئے ہیں۔" سونیا نے شاہانہ انداز سے کہا۔

"تمہارا باپ کون سا وزیراعظم ہے کہ جتنے پیسے آئیں خرچ کر ڈالتی ہو۔ کان کھول کر سن لو میرے پاس کوئی پیسے نہیں ہیں۔ تمہارے ابا تمہیں تو جھٹ سے پیسے پکڑا دیتے ہیں اور مجھے وہ ہزار منتوں اور ترلوں کے بعد کہیں جا کر دیتے ہیں۔" اماں کو صبح والا واقعہ یاد آ گیا کہ جب انہوں نے صبح ساجدہ کو دیکھنے کے لیے آنے والے مہمانوں کی خاطر تواضع کے لیے ان سے پیسے مانگے تو وہ کتنا غصے میں آ گئے تھے۔

"کیا میں کسی خزانے پر بیٹھا ہوا ہوں جب دیکھو پیسے مانگنے آ جاتی ہو۔"

"آپ کو بتایا تو تھا کہ ساجدہ کو دیکھنے کچھ لوگ آ رہے ہیں۔" اماں نے بتایا۔

"پتا ہے مجھے۔ ہر دو تین ہفتے کے بعد یہی ڈراما ہوتا ہے۔ لیکن کیا کبھی اس کا کوئی نتیجہ بھی نکلا ہے؟ تمہیں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ایسے لوگ صرف کھانے پینے کے لیے آتے ہیں اور بس۔"

"تو آپ ہی بتائیں مجھے کہ میں کیا کروں۔ رشتہ کرنے کا یہی طریقہ رائج ہے۔ دعا کریں کہ آج آنے والے ساجدہ کو پسند کر لیں۔"

"میں تو کروں گا دعا۔ لیکن مجھے نہیں لگتا کہ ایسا ہو گا۔ بہرحال یہ پیسے لو اور میری جان چھوڑو۔ پیسے لیے بغیر کہاں ٹلو گی تم۔" ابا نے کہا گویا احسان کیا اور اماں خون کے گھونٹ پی کر رہ گئیں۔

اماں سے تھوڑی بحث کے بعد سونیا برا منہ بناتے ہوئے وہاں سے رخصت ہو گئی۔ اماں نے ساجدہ سے کہا کہ وہ تیار ہو جائے۔ صبح سے کام کر کر کے وہ خاصی تھک چکی تھی۔ ویسے تو ثریا آپا اس کی مدد کے خیال سے صبح جلدی آ گئی تھیں لیکن یہاں آ کر انہوں نے سوائے اپنی ساس نندوں کی برائیوں کے اور کچھ نہیں کیا تھا۔

اور اسے کون سا کوئی آج کل کی لڑکیوں کی طرح تیار ہونا آتا تھا۔ منہ صابن سے دھو کر ثریا آپا کے لائے کپڑے پہنے۔ بالوں کی لمبی سی چوٹی بنائی اور اس کی تیاری مکمل ہو گئی۔ کس کے چوٹی کیے اور بے حد لمبا اور کھلا بلیک کلر کا لباب کڑھائی سے بھرا سوٹ پہنے وہ بے حد مضحکہ خیز لگ رہی تھی اور اسی مضحکہ خیز حلیے میں وہ مہمانوں کے سامنے آ گئی۔ مہمانوں میں ایک بڑی بی اور ان کی دو بیٹیاں شامل تھیں لڑکیوں نے جی بھر کر منہ پر میک اپ تھوپا ہوا تھا اور کڑھائیوں والے کرتے پہن رکھے تھے اور وہ خود کو ملکہ حسن سے کم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سمجھنے پر تیار نہیں تھیں۔

اماں مہمانوں کے سامنے بچھی جارہی تھیں۔ موضوع گفتگو ساجدہ کی تعریفیں تھیں۔ تینوں خواتین اماں کی باتیں سننے سے زیادہ کھانا کھانے میں مصروف تھیں۔

"تو یہ ہے آپ کی بیٹی۔" ساجدہ کے سامنے آنے اور سلام کرنے پر بڑی بی نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔

"ہاں یہی ہے ساجدہ۔ گھر کا سارا کام یہی کرتی ہے اور یہ سارا کچھ بھی اسی نے بنایا ہے۔"

خالہ صغریٰ نے ان کو بتایا تھا کہ لڑکی خوب صورت نہیں ہے بلکہ قبول صورت ہے یعنی عام سی۔ لیکن وہ تو عام درجے سے بھی خاصی کمتر تھی۔ اور جس قسم کے کپڑے اس نے پہنے ہوئے تھے اس قسم کے کپڑے تو آج کل ماسیاں بھی پہننا پسند نہیں کرتیں۔ انہیں ایک دم ماسی صغریٰ پر طیش آنے لگا جنہوں نے ایسی فضول اور بدصورت لڑکی ان کے "ہیرا" جیسے بیٹے کے لیے پسند کی تھی۔

ساجدہ ان کے ساتھ والے صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس کے ہاتھ لرز رہے تھے اور سر بالکل جھکا ہوا تھا۔ ایسے موقعوں پر اس کا تھوڑا بہت اعتماد بھی رخصت ہو جاتا تھا اور وہ شکل سے ہی حواس باختہ لگنے لگتی تھی۔

"یہ۔ یہ فروٹ چاٹ لیں نا آپ۔ بہت اچھی بنائی ہے ساجدہ نے۔" اماں کو ان کے چہرے کے تاثرات خوف زدہ کر رہے تھے۔ اسی لیے وہ گڑبڑا کر بولیں۔

"ہاں۔ ہاں کیوں نہیں۔" بھلا کھانے سے کیا دشمنی تینوں نے ہی اپنی پلیٹیں فروٹ چاٹ سے بھر لیں واقعی بہت مزے کی بنی ہوئی تھی۔ باقی ساری چیزیں بھی بہت اچھی بنی ہوئی تھیں۔ انہوں نے پوری طرح انصاف کیا۔ اماں درمیان میں ساجدہ کی تعریفیں کرتی رہیں لیکن بھلا ایسی احمق اور بدصورت لڑکی کا انہوں نے اچار ڈالنا تھا۔ سنی ان سنی کر کے بیٹھی رہیں۔

"آپ کی تیسری بیٹی بھی تو ہے وہ کہاں ہے؟" "خوب جی بھر کر کھانے کے بعد فیشن کی ستائی ہوئی فربہی مائل لڑکی نے اماں سے پوچھا" اس کا رنگ گہرا سانولا تھا لیکن میک اپ اور ہلکی ہلکی جیولری کی وجہ سے کچھ بہتر لگ رہی تھی۔

"ہاں ہے تو۔" اماں انکار نہیں کر سکتی تھیں۔ "لیکن وہ اپنی دوست کے گھر گئی ہوئی ہے۔"

"اسے پتا نہیں تھا کہ گھر میں مہمان آنے والے ہیں۔" دوسری لڑکی نے اعتراض کیا۔ وہ فیشن کے معاملے میں اپنی بہن سے بھی چار ہاتھ آگے تھی۔ اس کا ٹراؤزر گھٹنوں سے خاصا اونچا تھا۔ اور اوپر انتہائی چھوٹی اور تنگ سی شرٹ پہنی ہوئی تھی۔

"پتا تو تھا اسے لیکن کام بہت ضروری تھا۔ نوٹس لینے تھے اس نے۔" اب کی بار ثریا آپا نے کہا۔

"اچھا کون سی جماعت میں پڑھتی ہے وہ؟"

"تھرڈ ایر میں۔" ثریا آپا نے بتایا۔

"اچھا۔ اچھا۔" لڑکی کی سمجھ میں آیا یا نہیں لیکن اس نے سر ضرور ہلایا۔

"اور۔ آپ۔ آپ پڑھتی ہیں؟" اب کی بار روئے سخن ساجدہ کی طرف تھا۔

"مم۔ میں۔ نہیں۔ میں تو نہیں پڑھتی۔" ساجدہ نے ہکلا کر کہا۔

اماں کا جی چاہا کہ وہ اپنا سر پیٹ لیں۔ اس کے انداز اور اس کی بات پر۔ اس نے نویں کلاس میں پڑھائی چھوڑ دی تھی لیکن وہ خود کو میٹرک بھی تو ظاہر کر سکتی تھی۔ وہ کون سا جا کر تحقیق کرتے۔

"توبہ ہے، یہ تو ہکلی بھی ہے۔" بڑی بی نے کوفت سے سوچا۔

"اچھا تو آپ پڑھی ہوئی بھی نہیں ہیں۔" لڑکی نے اس طرح تخوت بھرے انداز میں کہا جیسے وہ خود پی ایچ ڈی ہو۔

"نہیں، اس نے میٹرک کیا ہوا ہے۔ لیکن پھر اس نے پڑھائی چھوڑ دی تھی۔ اس لیے کہہ رہی ہے۔" ثریا آپا نے اس کا بھرم رکھنے کی کوشش کی۔

"اچھا!" اس نے جواب میں کندھے اچکائے۔ اس کے چہرے پر اس کا شک صاف پڑھا جا سکتا تھا۔

"اچھا جی! ہم چلتے ہیں۔" بڑی بی اور اس کی بیٹیاں

اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"بس جا رہی ہیں آپ؟ کچھ دیر اور رک جاتیں۔" اماں نے انہیں روکنے کی کوشش کی۔

"نہیں۔ بس چلتے ہیں، دیر ہو رہی ہے۔" ان کی بے زاری ان کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہی تھی۔

"اچھا پھر کب آئیں گی آپ؟" اماں نے ایک امید سے پوچھا۔

"ہم صغریٰ کو جواب دے دیں گے۔" بڑی بی نے ایک ادائے بے نیازی سے کہا۔ اور کچھ کہے سنے بغیر باہر نکل گئیں ان کی دونوں فیشن زدہ بیٹیاں بھی ان کے پیچھے غائب ہو گئیں۔

اماں دل تھام کر رہ گئیں۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ انہیں ساجدہ پسند نہیں آئی ان کی ناپسندیدگی ان کے روکھے انداز سے صاف ظاہر ہو رہی تھی اور اگلے دن اس بات کی تصدیق خالہ صغریٰ نے آ کر کر دی۔

"بڑی باتیں سنائیں جی انہوں نے مجھے۔" خالہ صغریٰ کا چہرہ بجھا ہوا تھا۔ "کہہ رہی تھیں کہ ہمارے بیٹے کے لیے کیا یہ کالی بدصورت ہی رہ گئی تھی۔"

"اچھا تو وہ ایسا کہہ رہی تھیں۔" اماں غصے سے بولیں۔ "خود وہ کیا کوہ قاف کی پریاں تھیں۔"

"بس جی۔ کیا بتاؤں اور بھی بہت کچھ کہہ رہی تھیں۔" خالہ صغریٰ کے چہرے سے لگ رہا تھا کہ خود ان کی بھی بڑی بے عزتی ہوئی ہے۔ ساجدہ کا شرمندگی سے برا حال ہو گیا، یہ سب کچھ اسی کی وجہ سے تو ہوا تھا۔

"تمہیں ایسے فضول لوگوں کو لانا ہی نہیں چاہیے تھا۔"

"لو جی مجھے کیا پتا تھا۔" خالہ صغریٰ کچھ برا مان گئیں۔ "ابا کو پتا چلا تو انہوں نے فوراً" اماں کو جتایا۔

"کہا تھا نا میں نے کہ نہ کرو فضول خرچیاں۔ نہ اڑاؤ پیسے۔ ایسے لوگ صرف کھانے پینے کے لیے آتے ہیں لیکن نہیں تم تو اپنی بات منوانی ہو۔ اب آئندہ مجھ سے اس مقصد کے لیے ہرگز پیسے نہ مانگنا۔ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔"

اماں جواب میں چپ رہیں۔ البتہ ان کی باتوں کا غصہ بعد میں انہوں نے ساجدہ پر نکالا کہ اللہ نے ایسی بدصورت اور احمق بیٹی ان کے ہی نصیب میں لکھی تھی۔ ساجدہ جواب میں صرف آنسو ہی بہاتی رہی وہ اور کر بھی کیا سکتی تھی۔

☆ ☆ ☆

مہندی لگا کے رکھنا
ڈولی سجا کے رکھنا

ساتھ والی روبینہ خالہ کے بیٹے سمیر کی شادی تھی۔ اس لیے شادی والے گھر سے بہت زور زور سے ڈیک سے گانوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ سمیر، روبینہ خالہ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ وہ کسی بزنس فرم میں ایک اچھی پوسٹ پر ملازمت کرتا تھا۔ دوران ملازمت ہی اس کا اپنے باس کی بیٹی سے کوئی چکر چلا تھا جس کے نتیجے میں اس کی شادی اب اپنے باس کی بیٹی سے ہو رہی تھی۔

روبینہ خالہ نے بڑے فخر سے پورے محلے کو بتایا تھا کہ ان کے بیٹے کی شادی کتنے اونچے گھرانے میں ہو رہی ہے۔ شادی کسی بڑے میرج ہال میں ہو رہی تھی۔

اماں سے ان کی خاصی بنتی تھی۔ اس لیے وہ ان لوگوں کو بطور خاص انوائٹ کر کے گئی تھیں۔

سونیا اس شادی میں شرکت کرنے کے لیے خاصی پرجوش تھی کہ ویسے بھی ایسی تقریبات میں شرکت کرنے کا بہت شوق تھا۔

ساجدہ کا شادی میں جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا لیکن وہ اس وقت حیران رہ گئی جب اماں نے اس سے بھی شادی میں چلنے کے لیے کہا۔

"کیا میرا جانا ضروری ہے؟ میں نہیں جاؤں گی۔" ساجدہ نے صاف انکار کر دیا۔

"تو کیا گھر میں اکیلی بیٹھی رہو گی۔ تمہارے ابا اور سراب بھی آج کہیں والی بال میچ دیکھنے جا رہے ہیں۔"

"اماں! میں ساتھ والوں کے گھر چلی جاؤں گی۔" ساجدہ نے راہ فرار ڈھونڈنے کی کوشش کی۔

"وہ لوگ بھی شادی پر جا رہے ہیں۔" اماں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسے بتایا پھر کچھ افسوس کا اظہار کرتے ہوئے بولیں۔ "نجانے تم کیوں لوگوں سے چھپتی پھرتی ہو۔ کہیں دو چار لوگ اکٹھے دیکھ لو۔ فوراً" ہونق بن جاتی ہو۔"

"اماں..... وہ....." ساجدہ نے اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہا لیکن کہہ نہیں سکی۔

"بس رہنے دو۔" اماں نے بیزاری سے اس کی بات کاٹی۔ "جاؤ جا کر تیاری کرو۔"

اسے شادیوں کے لیے تیاری کرنا کہاں آتا تھا۔ تیاری کرنا تو سونیا کو آتا تھا۔ وہ ایسے تیار ہوتی تھی کہ اس کے حسن کو چار چاند لگ جاتے تھے اب بھی وہ پوری دل جمعی سے اپنے آپ کو سنوارنے میں لگی ہوئی تھی۔

وہ لوگ شادی والے گھر پہنچے تو وہ لوگ بارات لے جانے ہی والے تھے اماں روبینہ خالہ کو مبارک باد دینے کے لیے آگے بڑھ گئیں۔ جبکہ وہ اور سونیا سمیرا کی بہن صوفیہ کے پاس آگئیں۔

"ہائے سونیا! آج تو تم بہت پیاری لگ رہی ہو۔" صوفیہ نے سونیا کو دیکھتے ہی چہکتے ہوئے کہا۔

"صرف آج؟" سونیا نے ادائے خاص سے پوچھا۔

"نہیں..... نہیں، وہ تو تم ہمیشہ سے ہی ہو۔ لیکن آج تو کچھ زیادہ ہی لگ رہی ہو۔ کہیں نظر نہ لگ جائے۔"

"نہیں لگتی۔" سونیا نے کندھے جھٹکے۔

"وہ کیوں بھئی۔ کیا نظر کا تعویذ باندھ کر لے جا رہی ہو۔" اس نے شوخی سے پوچھا۔

"نہیں بھئی بس یہ ساجدہ جو میرے ساتھ ہے، اس کے ہوتے ہوئے نظر لگ سکتی ہے مجھے۔"

اس کی بات پر صوفیہ نے قہقہہ لگایا اور ..... سونیا ہنسنے لگی۔

ساجدہ کو اچانک وحشت ہونے لگی۔

وہاں پر موجود خوب صورت اور بنے سنورے لڑکے لڑکیوں سے۔

اسٹیج پر موجود دولہا دلہن سے

وہاں پر چلنے والے گانوں اور ان کے بولوں سے

اس کے لیے وہاں کھڑے رہنا دشوار ہو گیا۔ اس نے چپکے سے سونیا کو بتایا کہ وہ تھوڑی دیر کے لیے باہر جا رہی ہے ابھی آجائے گی۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی اعتراض کرتی وہ وہاں سے چلی آئی۔ شادی کا سارا انتظام ایک بڑے ہال میں تھا۔ ہال سے باہر ایک کھلا احاطہ تھا۔ وہاں پر اکا دکا لوگ موجود تھے۔ اس کا خیال تھا کہ وہ باہر چپ چاپ کسی کونے میں بیٹھی رہے گی سو وہ تیزی سے چل رہی تھی جب کسی سے ٹکرا گئی۔ وہ کوئی لڑکا تھا۔ وہ تھوڑا سا لڑکھڑائی پھر سنبھل گئی۔

"یا اللہ خیر۔" لڑکے نے اسے دیکھ کر کہا۔ "یہ شادی کی تقریب میں چڑیلیں کہاں سے آگئیں۔" اگرچہ اس نے یہ بات سرگوشی کے سے انداز میں کہی تھی لیکن اس کی سرگوشی اتنی بلند ضرور تھی کہ پاس کھڑے کچھ لوگوں نے سن لی۔ ان میں سے کچھ لوگوں کے دانت نکل آئے اور کچھ نے فہمائشی نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

ساجدہ کا مارے خفت اور شرمندگی کے برا حال ہو گیا۔ اس کی آنکھیں پانیوں سے لبالب بھر گئیں اور قریب تھا کہ وہ چھلک جاتیں کہ اس نے ایک آواز سنی۔

"آپ کو لڑکیوں سے بات کرنے کے مینرز نہیں ہیں؟" ساجدہ نے دیکھا وہ ایک نازک سی لڑکی تھی جو اس لڑکے سے سخت لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"آپ کی تعریف؟" لڑکے نے خاصی دلچسپی سے اس کے خوب صورت سراپے کو جانچا تھا۔

"میری تعریف کو آپ چھوڑیں۔ ابھی جو آپ کی تعریف میں کروں گی وہ آپ ہمیشہ یاد رکھیں گے۔"

"جی؟" لڑکے نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا۔

"پہلے آپ خود کو تو آئینے میں دیکھ لیں پھر دوسروں کو بدروحیں کہتے پھریے گا۔"

"آخر آپ ہیں کون۔ اور خواہ مخواہ میرے گلے کیوں پڑ رہی ہیں؟" لڑکے نے جھنجلا کر کہا۔

"او شٹ اپ، مجھے کیا ضرورت ہے آپ کے گلے پڑنے کی۔" اس کی صبیح پیشانی پر غصے کے مارے بل

پڑ گئے۔

اس سے پہلے کہ بات مزید بڑھتی۔ اس لڑکے کو اس کا کوئی دوست اندر لے کر چلا گیا اور وہ غصے سے بڑبڑاتا ہوا وہاں سے رخصت ہو گیا۔ ارد گرد کے لوگ بھی وہاں سے نو دو گیارہ ہو گئے۔

"ایسے لوگوں سے نمٹنا مجھے خوب آتا ہے۔" لڑکے کے وہاں سے رخصت ہونے اور لوگوں کے وہاں سے نو دو گیارہ ہونے کے بعد اس لڑکی نے ساجدہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ ساجدہ ابھی تک حیرت کے سمندر میں غوطہ زن تھی۔ اسے احساس ہوا کہ اسے بھی کچھ نہ کچھ ضرور کہنا چاہیے۔

"آپ..... آپ نے خواہ مخواہ میری وجہ سے تکلیف کی۔" اس نے اٹک اٹک کر کہا۔

"ارے نہیں تکلیف کیسی۔ وہ تو اندر چلا گیا ورنہ میں نے اسے اور بھی سنانی تھیں..... ویسے....." وہ تیز بولتے بولتے اچانک رک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"یہ تکلیف اگر آپ خود کرتیں تو زیادہ اچھا ہوتا۔"

"آپ کا مطلب ہے کہ میں..... اس سے یہ سب کہتی؟"

"ہاں۔" اس نے کندھے اچکائے۔ وہ اتنی خوب صورت نہیں تھی لیکن بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ شاید یہ اس کا اعتماد تھا جو اسے خوب صورت بنا رہا تھا۔

"مجھ میں اتنی ہمت کہاں؟" وہ بے چارگی سے بولی "اور پھر میں کس کس کی زبان روکوں گی۔ لوگ یہ سچ اکثر بولتے ہی رہتے ہیں۔ جب مجھے اللہ نے بنایا ہی ایسا ہے تو اب کیا ہو سکتا ہے۔"

"لوگوں کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی کی انسلٹ کریں اور مذاق اڑائیں۔" اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ "اور معاف کیجیے گا۔ اللہ نے آپ کو ایسا نہیں بنایا۔ آپ خود ایسی بن گئی ہیں۔ آپ احساس کمتری کا شکار ہیں۔"

"تو ایسی شکل پہ میں احساس کمتری کا شکار نہیں ہوں گی تو کیا احساس برتری کا شکار ہوں گی۔" ساجدہ نے تلخی سے کہا۔

"خیر چھوڑیں آپ اس موضوع پر پھر کبھی بات کر لیں گے۔ مجھے فائزہ کہتے ہیں۔ اور آپ کو؟" اس کا انداز خاصا دوستانہ تھا۔ ساجدہ تھوڑی دیر تک اسے دیکھتی رہی پھر دھیرے سے بولی۔

"ساجدہ!"

یہ فائزہ سے اس کی پہلی ملاقات تھی۔ فائزہ تھوڑی ہی دیر میں اس سے بے تکلف ہو گئی اور آپ سے تم پر آگئی۔ ساجدہ کو وہ بہت اچھی لگی۔ سادہ اور پر خلوص۔

اس نے جاتے ہوئے ساجدہ سے اس کے گھر کا ایڈریس لیا اور کہا کہ وہ اس کے گھر آئے گی۔ لیکن ساجدہ کو یقین تھا کہ وہ اس کے گھر کبھی نہیں آئے گی۔ شاید شادی کی تقریب سے واپسی کے بعد اسے یاد بھی نہ رہے کہ وہ بھی ساجدہ نام کی کسی لڑکی سے ملی بھی تھی۔ لیکن ساجدہ کے دل نے فائزہ سے ایک مرتبہ پھر ملنے کی تمنا ضرور کی تھی۔ اور اس بات کی بھی کہ کاش وہ بھی فائزہ جیسی بن سکتی!

☆ ☆ ☆

لیکن پہلی بار ساجدہ کا اندازہ غلط ثابت ہوا تھا۔ شادی کے صرف دو دن بعد فائزہ ان کے گھر آدھمکی تھی۔ کال بیل بجنے کی آواز پر دروازہ ساجدہ نے کھولا تھا اور فائزہ کو سامنے پا کر وہ تھوڑی دیر کے لیے ہونق بن گئی۔

"ساجدہ!" فائزہ نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ ہلایا۔ "کیا بت بن گئی ہو۔ اندر آنے کو نہیں کہو گی؟"

"نہیں نہیں..... اندر..... اندر آؤ نا۔" وہ مرتعش آواز میں بولی اور اس کو اندر آنے کے لیے راستہ دے دیا۔

"وہ دراصل مجھے یقین نہیں آرہا تھا۔" فائزہ کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے اس نے وضاحت کی۔

"کس بات کا یقین؟ میرا تمہارے گھر آنے کا یقین؟" فائزہ نے پوچھا۔

"ہاں۔" اس نے سر جھکا کر کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیوں؟ میں تمہارے گھر نہیں آسکتی کیا؟ تمہارے گھر آنے سے پہلے اپائمنٹ لینا پڑتا ہے؟" وہ مسکرائی تو اس کے سفید دانت جھلمل کرنے لگے۔

"نہیں نہیں۔ ایسی تو کوئی بات نہیں۔" وہ گھبرا کر وضاحت کرنے لگی۔ "اس دن آپ نے میرے گھر کا ایڈریس لیا تو میں سمجھی کہ آپ ایسے ہی لے رہی ہیں۔ گھر نہیں آئیں گی۔"

"کم آن۔ ساجدہ ڈارلنگ! میں ایسے ہی کوئی کام نہیں کرتی۔" اس نے دوستانہ انداز میں اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ "اور یہ تم مجھے آپ آپ کہنا چھوڑو۔ اتنی بڑی نہیں ہوں میں تم سے۔"

ساجدہ نے جواب میں مسکرانے کی کوشش کی۔ سچ تو یہ تھا کہ اس کے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے۔ وہ ایک دبو اور کم اعتماد لڑکی تھی۔ بچپن سے لے کر آج تک کوئی لڑکی اس کی دوست تو کیا شناسا بھی نہیں بن سکی تھی اور کبھی اس کے گھر صرف اسی سے ملنے تو کوئی بھی لڑکی نہیں آئی تھی۔ اس کے ہاتھ پاؤں پھولنے تو لازمی تھے۔

"آنٹی! میرا مطلب ہے تمہاری امی کہاں ہیں؟" فائزہ نے پوچھا۔

"اماں؟ وہ اندر کمرے میں بیٹھی ہیں۔" ساجدہ نے اس کمرے کی طرف اشارہ کیا جہاں اماں بیٹھی ہوئی تھیں۔

"اچھا چلو پہلے انہیں ہی سلام کرتی ہوں۔" فائزہ اس کمرے کی طرف مڑی تو ساجدہ جلدی سے کچن میں آکر اس کے لیے شربت بنانے لگی جلدی جلدی الٹا سیدھا شربت بنا کر وہ اس کمرے میں آئی تو فائزہ اماں کے ساتھ بیٹھی ادھر ادھر کی باتیں کر رہی تھی اماں کے چہرے پر حیرانی صاف نظر آرہی تھی۔ ساجدہ سے ملنے کے لیے پہلی بار کوئی لڑکی آئی تھی۔

"اف ساجدہ! تم نے شربت میں اتنی چینی ڈال دی۔" فائزہ نے شربت کا ایک گھونٹ لے کر منہ بنایا۔

"وہ در... دراصل جلدی میں بنایا ہے نا تو اس لیے شاید۔" ساجدہ حسب عادت گھبرا گئی۔

"اس کے کام ایسے ہی ہوتے ہیں۔ مجال ہے جو کبھی کوئی کام دیکھ بھال کر کیا ہو۔" اماں بولے بغیر نہیں رہ سکیں۔

"اوہ، اس لو کے آنٹی! میرے ساتھ بھی اکثر ایسا ہو جاتا ہے، میں بھی زیادہ تر کام الٹے سیدھے ہی کرتی ہوں۔" فائزہ نے بات سنبھالی۔

فائزہ کو شرمندگی ہونے لگی تھی۔

"سوری ساجدہ! میں نے تو ایسے ہی کہہ دیا تھا۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ تمہاری امی ایسے ری ایکٹ کریں گی۔" وہ دوسرے کمرے میں آکر بیٹھی تھیں۔ جب فائزہ نے کچھ شرمندہ سے انداز میں کہا۔

"کوئی بات نہیں۔" وہ پھیکی سی مسکراہٹ سے بولی۔

"آپ کا اس میں کوئی قصور نہیں۔ اماں تو بس ایسے ہی ہے۔"

"پھر وہی آپ؟" فائزہ نے اس کی بات کاٹی۔

"ارے بابا! میں تمہاری دوست ہوں۔ جب میں تمہیں... تم کہتی ہوں تو تم بھی تم کہا کرونا۔"

"یہ تو آپ کی مہربانی ہے کہ آپ مجھے اپنا دوست سمجھتی ہیں۔"

"بھئی۔ اس میں مہربانی کی کیا بات ہے۔"

ساجدہ خاموشی سے بیٹھی رہی۔

"اچھا چھوڑو ان باتوں کو۔ یہ بتاؤ کیا کرتی رہتی ہو سارا دن؟" فائزہ نے اس کے موڈ کو محسوس کرتے ہوئے ٹاپک تبدیل کر دیا۔

"بس گھر کے کام کرتی ہوں۔ صفائی ستھرائی کرنا، کھانا پکانا، کپڑے دھونا وغیرہ۔"

"اچھا بس۔ سارا دن یہی کرتی رہتی ہو۔" وہ دونوں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ جب تھوڑی دیر بعد سونیا کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ اس نے ایک نظر ان دونوں کو دیکھا۔ فائزہ کو دیکھ کر وہ کچھ حیرت زدہ سی ہو گئی۔ پھر کندھے اچکا کر بولی۔ "ہیلو۔" ایک ہیلو فائزہ کی طرف پھینک کر وہ ساجدہ کی طرف متوجہ

ہوئی۔

"ساجدہ! اماں کہہ رہی ہیں جلدی سے کھانا بنالو۔ سب لوگوں کو بہت بھوک لگی ہوئی ہے۔"

ساجدہ نے شرمندگی سے فائزہ کو دیکھا۔ وہ حیرت سے سونیا کو دیکھ رہی تھی۔

"سونیا!" ساجدہ نے آہستگی سے کہا۔ "تم جاؤ میں ابھی کھانا بنا لیتی ہوں۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ لیکن ذرا جلدی کرو۔ پہلے ہی اتنی دیر ہو گئی ہے۔ تمہاری تو باتیں ہی ختم ہونے میں نہیں آرہی ہیں۔"

مہمان کا لحاظ کیے بغیر وہ بولتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

"تمہاری بہن تم سے بہت مختلف ہے۔" سونیا کے جانے کے بعد فائزہ نے کہا۔

"ہاں۔ وہ بہت خوب صورت ہے اور میں بہت بدصورت۔"

"نہیں ساجدہ! میرا مطلب یہ نہیں تھا، تمہارے مقابلے میں وہ اخلاق، تمیز، تہذیب سے کوسوں دور ہے۔ انسان کی قدر و قیمت اس کے اخلاق و کردار سے ہوتی ہے۔"

"آپ پڑھاتی ہیں نا۔ اس لیے ایسی باتیں کر رہی ہیں۔" فائزہ نے اسے بتایا تھا کہ وہ کسی اسکول میں پڑھاتی ہے۔ "ورنہ حقیقت اس سے بہت مختلف ہے۔ لوگ صرف شکل و صورت کو دیکھتے ہیں۔ کردار اور اخلاق کو کوئی نہیں دیکھتا۔" اس کی آواز میں تلخی آگئی۔ "اور میں دوسروں کی شکایت کیا کروں۔ میرے اپنے گھر والے بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔"

ساجدہ کو واقعی دکھ ہوا تھا آج سونیا اور اماں کے رویے سے۔ صرف آج اگر وہ خود کھانا بنا لیتیں یا بازار سے منگوا لیتیں تو کیا فرق پڑ جاتا۔

"جو لوگ تمہاری طرح اپنے حقوق سے دست بردار ہو کر بیٹھ جائیں اور تمام خرابیوں کا ذمہ دار قسمت کو سمجھنے لگیں، ان کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔"

ساجدہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ "کیا مطلب؟"

"مطلب یہ ساجدہ ڈیئر کہ اپنا حق دنیا سے لینا پڑتا ہے۔ کوئی پلیٹ میں سجا کر پیش نہیں کرتا۔"

"مجھے ایسا کہاں کرنا آتا ہے۔" وہ آزردگی سے بولی۔

"اچھا چلو فی الحال تم اٹھو اور کھانا بناؤ۔ ایسا نہ ہو کہ تمہاری ملکہ حسن بہن سونیا دوبارہ انٹری دے دے۔" فائزہ نے شگفتہ لہجے میں کہا۔

ساجدہ نے شرمندگی سے اسے دیکھا۔ "اور... آپ۔" وہ اس سے پوچھنا چاہتی تھی کہ اس تمام عرصے وہ کیا کرے گی۔

"میں؟ میں تمہارے ساتھ چلوں گی اور ہم لوگ مل کر کھانا بنائیں گے۔"

"نہیں فائزہ جی۔ میں پہلے ہی آپ سے شرمندہ ہوں۔ مجھے مزید شرمندہ مت کریں۔"

"کوئی بات نہیں تھوڑی سی شرمندگی اور سہ لو۔" وہ ہنس کر بولی۔ پھر وہ اس کے روکنے کے باوجود فائزہ اس کے ساتھ کچن میں آکر کھانا بنانے میں اس کی مدد کرنے لگی اور پھر ان دونوں نے مل کر بہت اچھا کھانا بنایا۔ کھانے میں آلو گوشت تھا اور ساتھ میں سلاد اور چاول۔

فائزہ نے ساجدہ کے منع کرنے کے باوجود اس کے ساتھ دسترخوان پر کھانا لگانے میں بھی اس کی مدد کی اور جب وہ کھانا سرو کر رہی تھی تو اس نے سونیا اور اماں کے چہرے پر واضح شرمندگی محسوس کی۔

اماں نے کچھ شرمندہ سے انداز میں کہا۔ "بیٹا! تمہیں کیا ضرورت تھی یہ سب کرنے کی۔"

"کوئی بات نہیں آنٹی! ساجدہ کاموں میں لگ گئی تھی تو میں وہاں اکیلی بیٹھ کر کیا مکھیاں مارتی اور ویسے بھی۔" فائزہ نے کن انکھیوں سے سونیا کی طرف دیکھا۔ "گھر کا کام کرنے سے کون سا انسان کی شان میں کمی آجاتی ہے۔"

فائزہ نے بظاہر ٹھنڈے میٹھے انداز میں کہا تھا۔ لیکن جس پر اس نے طنز کیا تھا وہ اچھی طرح سمجھ گئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی۔ تب ہی سونیا کی پیشانی پر بل پڑ گئے تھے۔
فائزہ کے سامنے تو وہ کچھ نہیں بولی۔ لیکن اس کے جانے کے بعد اس نے اماں اور ساجدہ کے سامنے اس کی جی بھر کر برائیاں کیں اور اپنے دل کی بھڑاس نکالی تھی۔

☆ ☆ ☆

"ارے اس لڑکی کی فکر تو مجھے کھائے جا رہی ہے۔ نہ جانے کیا ہوگا اس کا۔ ابھی تو ہم اس کے سر پر ہیں۔ کل کو ہم نہ ہوں گے تو کس کے سہارے زندگی گزارے گی۔"
ثریا آپا آج چھٹی کے دن ان کے گھر آئی ہوئی تھیں اور اماں ہمیشہ کی طرح ان کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کر رہی تھیں۔ موضوع گفتگو ساجدہ تھی۔
ساجدہ نے دوپہر کا کھانا تیار کرنا تھا۔ وہ کچن میں آکر سالن پکانے لگی۔ وہ کوئی نئی باتیں نہیں کر رہی تھیں کہ جن کو سن کر وہ اپنا جلا ہوا دل مزید جلا کر اپنا وقت ضائع کرتی۔ ابھی تھوڑی دیر بعد ان ہی لوگوں نے شور کرنا تھا کہ اتنی بھوک لگی ہوئی ہے اور کھانا ابھی تک تیار نہیں ہوا۔ کیونکہ کھانا تیار کرنا تو صرف اسی کی ذمہ داری تھی۔
"بڑی خوشبوئیں آ رہی ہیں بھئی۔ کیا پک رہا ہے آج؟"
وہ فریج سے آٹا نکال کر اس کے پیڑے بنا رہی تھی، جب نومی اندر داخل ہوا، پھر اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر اس نے دیگچی کا ڈھکن ہٹا کر پکا ہوا خود ملاحظہ کرنا چاہا۔ لیکن ڈھکن سے نکلتی بھاپ نے اس کا ہاتھ جلا دیا اور اس نے "سی" کر کے ڈھکن چھوڑ دیا جو زوردار آواز کے ساتھ عازم فرش ہو گیا۔
ساجدہ ہنسنے لگی۔ "بے وقوف! کیا ضرورت تھی تمہیں گرم گرم ڈھکن کو ہاتھ لگانے کی۔ اب جل گیا ہاتھ تمہارا۔"
"چلیں آپ اس بہانے ہنسیں تو سہی۔ قسم سے مدت ہو گئی ہے آپ کو اس طرح کھلکھلا کر ہنستے ہوئے دیکھے۔" وہ اپنا جلا ہوا ہاتھ سنک کے نیچے لے کر کھڑا ہو گیا۔
"نومی!" وہ ڈھکن اٹھا کر دوبارہ سے دیگچی پر دینے لگی۔ "تم۔ تم مجھے آج فائزہ کے گھر لے جاؤ گے؟"
"فائزہ؟" نومی نے پرخیال نظروں سے اسے دیکھا۔ "اچھا وہ آپ کی نئی دوست۔"
"ہاں وہی، بتایا تو تھا میں نے تمہیں اس کے بارے میں۔"
"چلیں ٹھیک ہے، کھانا کھانے کے بعد چلیں گے ہم ان کے گھر۔"
"نومی! تم بہت اچھے ہو، سب سے اچھے۔" ساجدہ نے تشکر سے اسے دیکھا۔
"وہ تو خیر میں ہوں۔" اس نے کالر اکڑائے۔ "بس کچھ لوگ ہیں جو اس بات کو نہیں مانتے۔ اچھا میں ابھی ٹی وی پر میچ دیکھنے جا رہا ہوں۔ جب کھانا پک جائے تو مجھے بلا لیجیے گا۔"
ساجدہ نے اثبات میں سر ہلایا اور جلدی جلدی کھانا بنانے لگی۔ پھر سب کے کھانا کھا لینے کے بعد اس نے اماں سے جانے کی اجازت مانگی۔
"واہ بھئی، اب تو ساجدہ کی بھی دوستیں بننے لگی ہیں۔ خدا خیر ہی کرے۔" سونیا کا انداز تمسخرانہ تھا۔
"کیوں جب ہر فضول لڑکی تمہاری دوست بن سکتی ہے تو ایک معقول لڑکی ساجدہ آپا کی دوست کیوں نہیں بن سکتی۔" نومی نے تیکھے انداز میں کہا۔
"میری سمجھ میں نہیں آتا، تم ہر بات میں میری مخالفت کرنے کے لیے کیوں پہنچ جاتے ہو۔" سونیا نے بدمزگی سے کہا۔
"تم بات ہی ایسی کرتی ہو۔"
"ایسی کیا بات کر دی ہے میں نے۔ تھوڑا سا مذاق ہی تو کیا تھا میں نے۔"
"مذاق کرنے کے لیے تمہیں ساجدہ آپا ہی ملی ہیں اور کسی کے ساتھ مذاق کرو تو تمہیں پتا چلے۔"
"تم سونیا کے ساتھ خوامخواہ مت الجھا کرو۔" ساجدہ نے راستے میں نومی سے کہا۔

"جب وہ آپ کے ساتھ بدتمیزی سے پیش آتی ہے تو مجھے بہت غصہ آتا ہے۔"
"جانتے ہو اگر وہ ابا سے شکایت کرے گی۔"
"تو کون سا پہلی بار کرے گی، اس کی تو عادت ہی ایسی ہے۔ اور۔ ابا وہ بھی ہمیشہ اسی کی ہی سائیڈ لیتے ہیں۔"
"ہاں۔ ابا کو سونیا سے بہت پیار ہے۔" ساجدہ کے انداز میں تشنگی سی اتر آئی تھی۔
نعمان اسے ایڈریس کے مطابق فائزہ کے گھر چھوڑ کر یہ کہہ کر اپنے کسی دوست کے پاس چلا گیا کہ وہ ڈیڑھ دو گھنٹے بعد اسے لینے کے لیے آئے گا۔

☆ ☆ ☆

"کیا بات ہے بھئی۔ آج تو بڑے بڑے لوگ ہمارے گھر آئے ہیں۔" فائزہ نے اسے دیکھتے ہی شوخی سے فقرہ اچھالا۔
"کیسی ہو؟" اس سے گرم جوشی سے گلے ملتے ہوئے فائزہ نے پوچھا۔
"میں ٹھیک ہوں۔ آپ۔ میرا مطلب ہے تم کیسی ہو؟" فائزہ کے گھورنے پر جلدی سے اس نے آپ کو تم میں بدلا۔
وہ اسے لے کر اندر آ گئی۔ وہ پانچ مرلے کا چھوٹا سا گھر تھا۔ لیکن بہت خوب صورتی سے سجا ہوا تھا۔ برآمدے میں پھولوں سے سجے گملے رکھے ہوئے تھے۔ کمروں میں دیواروں پر خوب صورت پینٹنگز سجی ہوئی تھیں۔ ہر ایک چیز سے اس گھر کے مکینوں کی نفاست اور ذوق حسن کا اندازہ ہو رہا تھا۔
"تمہارا گھر بہت خوب صورت ہے۔" ساجدہ نے کمرے کی تزئین و آرائش کا بغور جائزہ لیا۔
"آخر گھر کس کا ہے۔" فائزہ نے فخریہ کالر اکڑائے۔
"ہوں واقعی۔ یہ بات تو سچ ہے۔" ساجدہ نے زور و شور سے سر ہلایا۔
"گھر میں اور کون کون ہوتا ہے۔" ساجدہ نے پوچھا۔
"بس میں اور میری امی۔"
"اور تمہارے ابو، تمہارے بہن، بھائی، وہ سب۔"
"میرے ابو کی بہت پہلے میرے بچپن میں ہی ڈیتھ ہو گئی تھی۔ بہن، بھائی کوئی تھا ہی نہیں۔ میرے ابو کی ڈیتھ کے بعد امی نے دوسری شادی نہیں کی۔ بس میں اور امی اکیلے رہتے ہیں۔"
"اوہ۔ یہ تو بہت افسوس ناک بات ہے۔" ساجدہ افسردہ ہو گئی۔
"ہاں ہے تو۔ لیکن یہ زندگی ہے۔ اس میں بہت کچھ سہنا اور برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اپنی محرومیوں اور دکھوں کو بھلا کر زندگی کی دوڑ میں شامل ہونا ہی پڑتا ہے۔ ورنہ انسان وقت اور زندگی کی دوڑ میں بہت پیچھے رہ جاتا ہے۔"
"تمہیں اور تمہاری امی کو اکیلے رہتے ہوئے ڈر نہیں لگتا؟"
"نہیں۔ بالکل بھی نہیں۔ جب اوپر والا ہماری حفاظت کے لیے موجود ہے تو ہمیں ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔"
"لیکن پھر بھی۔ میرا مطلب ہے کہ۔" ساجدہ بات ادھوری چھوڑ کر فائزہ کو دیکھنے لگی جو اس کی طرف دیکھ کر ہنسنا شروع ہو گئی تھی۔
"او یار! تمہیں کیسے یقین دلاؤں کہ مجھے یا میری امی کو بالکل بھی ڈر نہیں لگتا، بلکہ سچ بتاؤں۔" وہ اپنی ہنسی روک کر اپنی آنکھوں میں آئے ہوئے آنسوؤں کو پونچھنے لگی۔ "الٹا لوگ مجھ سے ڈرتے ہیں۔ پتا ہے جب میں باہر جاؤں تو مجھے دیکھ کر لڑکے پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور آپس میں کہتے ہیں۔ اوئے ہٹ جاؤ، فائزہ آ رہی ہے۔ میں بلیک بیلٹ ہولڈر ہوں۔ جوڈو کراٹے کی باہر۔"
تب ہی کمرے میں ایک گریس فل سی خاتون داخل ہوئیں۔
"ارے فائزہ! تم۔ باہر گیٹ کھلا چھوڑ کر اندر آ کر بیٹھ گئی ہو۔ بڑی لاپروا ہوتی جا رہی ہو۔" بات کرتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرتے ان کی نظر ساجدہ پر پڑی۔ انہوں نے استفہامیہ نظروں سے فائزہ کی طرف دیکھا۔

"امی! یہ ساجدہ ہے، میری دوست۔ میں نے آپ کو بتایا تھا نا اس کے بارے میں اور ساجدہ! یہ میری امی ہیں۔"

"السلام علیکم!" ساجدہ نے اٹھ کر انہیں سلام کیا۔

"وعلیکم السلام! جیتی رہو۔ خوش رہو بیٹا۔" انہوں نے پیار سے اس کی پیشانی چومی۔ ساجدہ نے حیرت سے دیکھا۔ اس کی پیشانی تو کبھی اس کی اماں نے نہیں چومی تھی۔ تو پھر۔

"تم لوگ باتیں کرو۔ میں تم لوگوں کے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں۔" رسمی حال احوال پوچھنے کے بعد فائزہ کی امی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"اور امی! چائے کے ساتھ بسکٹ، سموسے اور چکن رول بھی ہوں۔" فائزہ نے ہانک لگائی۔

"ارے بابا! سب کچھ لاؤں گی۔ کیا مجھے نہیں پتا؟ آخر تو ساجدہ ہمارے گھر پہلی بار آئی ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے وہاں سے چلی گئیں۔

"تمہاری امی بہت اچھی ہیں فائزہ! سچ تم بہت خوش قسمت ہو۔" ساجدہ نے رشک سے کہا۔

"ہاں۔ وہ تو میں ہوں۔" فائزہ کھل کر مسکرائی۔

"تم سناؤ، تمہارے گھر والے کیسے ہیں اور وہ تمہاری مغرور بہن سونیا، ویسے بائی دا وے اس دن میرے جانے کے بعد اس نے میرے بارے میں کیا، کیا تبصرہ فرمایا تھا؟"

"وہ ایسے ہی فضول باتیں کرتی ہے۔ دراصل ابا کی بہت لاڈلی ہے وہ۔ اس لیے شاید۔" ساجدہ نے بات بنانے کی کوشش کی۔

"خیر اب ایسا بھی کیا لاڈ پیار کہ انسان دوسروں کو اپنے سامنے بالکل ہی حقیر سمجھنے لگے۔ تمہاری جگہ اگر میں ہوتی تو اب تک وہ سیدھی ہو چکی ہوتی۔"

"ہاں۔ وہ تو میں جان چکی ہوں۔" ساجدہ مسکرائی۔

"ویسے ساجدہ! تم نے ابھی تک اپنی کوالی فکیشن کے بارے میں نہیں بتایا؟" فائزہ کے سوال پر ساجدہ نے الجھے ہوئے انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

"میرا مطلب ہے تعلیم، تمہاری تعلیم کتنی ہے؟" فائزہ نے وضاحت کی۔

"میں نے نویں کلاس میں پڑھائی چھوڑ دی تھی۔"

"مگر کیوں ساجدہ! جانتی ہو تم نے کتنا غلط کیا؟"

ساجدہ سر جھکا کر بیٹھی رہی پھر آہستہ سے بولی۔

"میں نے تو اور بھی بہت کچھ غلط کیا ہے۔ مجھے تو لگتا ہے کہ میں نے اس دنیا میں آ کر بھی بہت بڑی غلطی کی ہے۔"

"فضول باتیں مت کرو ساجدہ! خیر تم یہ بتاؤ تم نے پڑھائی کیوں چھوڑ دی تھی؟ کیا تمہیں شوق نہیں تھا پڑھنے کا؟"

"مجھے بہت شوق تھا پڑھنے کا۔ لیکن یہاں بھی میری بدصورتی آڑے آئی۔ وہاں اسکول میں بھی کسی لڑکی نے مجھ سے دوستی نہیں کی۔ ٹیچرز کا رویہ بھی ایسا ہی تھا۔ آٹھویں میں نے جیسے تیسے پاس کی۔ لیکن نویں کلاس میں جو ٹیچر آئیں ان کا رویہ تو میرے ساتھ بہت اہانت آمیز تھا اور میرے اسکول چھوڑنے کا اصل سبب بھی شاید وہی تھیں۔"

"وہ کیسے؟"

"انہیں شاید بدصورت لوگ پسند نہیں تھے اور میں تو شاید انہیں بالکل بھی اچھی نہیں لگتی تھی۔ مجھے ایسا لگتا تھا جیسے وہ اپنی کلاس میں بھی مجھے بمشکل برداشت کر رہی ہیں۔ ان کے اسی رویے کی وجہ سے میں پڑھائی میں بالکل صفر ہو کر رہ گئی تھی۔ گھر سے جو سبق یاد کر کے جاتی تھی، وہ ان کے سامنے بالکل ہی بھول جاتا تھا۔" ساجدہ گزرے ہوئے دنوں کو یاد کر کے پھر سے اداس ہو گئی۔

فائزہ نے غصے سے مٹھیاں بھینچیں۔ "ان ہی ٹیچرز نے اس شعبے کا تقدس پامال کر کے رکھ دیا ہے۔ لیکن تمہارے گھر والوں نے تمہیں اس موقع پر سپورٹ نہیں کیا؟"

"سپورٹ۔" وہ تلخی سے ہنسی۔ "بلکہ وہ تو میرے اسکول چھوڑنے پر خوش ہوئے۔ ابا اس بات پر کہ اب

انہیں میری پڑھائی پر کچھ خرچ نہیں کرنا پڑے گا اور اماں اس بات پر کہ اب میں گھر کے کاموں میں ان کا ہاتھ بٹاؤں گی۔"

"ہوں۔ میں اندازہ کر سکتی ہوں۔" اس نے سر ہلایا۔ "بہرحال میرا تمہیں مشورہ یہی ہے کہ تم اپنی پڑھائی دوبارہ سے شروع کرو۔ صرف یہی ایک چیز ہے جس سے تم اپنی دنیا میں اپنے آپ کو منوا سکتی ہو۔"

"یہ اب کیسے ممکن ہے؟" ساجدہ نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔ "اتنے سال ہو چکے ہیں مجھے پڑھائی چھوڑے ہوئے اور اب میں اس عمر میں پڑھتے ہوئے اچھی لگوں گی۔"

"پڑھنے کی کوئی عمر نہیں ہوتی۔ انسان اپنی ساری زندگی کچھ نہ کچھ پڑھتا اور کچھ نہ کچھ سیکھتا رہتا ہے۔ تمہیں پتا ہے امریکا میں ایک ستر سالہ خاتون نے کالج میں داخلہ لیا ہے پڑھنے کے لیے کیونکہ جوانی میں وہ کسی وجہ سے اپنی اسٹڈیز مکمل نہیں کر سکی تھی۔"

"ستر سال کی عمر میں؟" ساجدہ نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں ستر سال کی عمر میں جب وہ ستر سال کی عمر میں اپنی اسٹڈیز دوبارہ سے شروع کر سکتی ہے تو تم بائیس تیئیس سال کی عمر میں کیوں نہیں۔ گھر والوں کا رویہ تو تم دیکھ ہی رہی ہو۔ کیا اسی طرح ساری زندگی دوسروں کی جھڑکیاں کھاتی اور دوسروں کے کام کرتی رہو گی۔"

"لیکن پڑھنے سے مجھے کیا فائدہ ہو گا؟ کیا پڑھنے سے میری بدصورتی، خوب صورتی میں بدل جائے گی، میرے گھر والوں کا رویہ مجھ سے بدل جائے گا یا دنیا والے میری بدصورتی کا مذاق اڑانا بند کر دیں گے؟" ساجدہ نے بحث کی۔

"پڑھنے سے تمہیں اتنا فائدہ ہو گا کہ تم سوچ بھی نہیں سکتیں۔ پڑھنے سے تمہیں اپنے حقوق کا شعور پیدا ہو گا۔ تمہیں خود پر اعتماد پیدا ہو گا۔ منفی سوچوں سے چھٹکارا ملے گا اور سب سے بڑھ کر زندگی گزارنے کا مقصد مل جائے گا۔"

"وہ سب تو ٹھیک ہے فائزہ! لیکن۔" ساجدہ کہتے کہتے رک گئی۔

"کیا لیکن؟"

"یہ سب کچھ اتنا آسان نہیں ہے۔ گھر والے نہیں مانیں گے اور پھر اتنے عرصے کے بعد دوبارہ سے پڑھائی شروع کرنا، یہ بھی بہت مشکل ہے۔"

"کوئی مشکل نہیں ہے اگر انسان کسی کام کرنے کا سچا عزم کر لے اور پوری لگن اور پورے حوصلے سے کرے تو راہ کی مشکلیں اور رکاوٹیں خود بخود دور ہو جاتی ہیں۔ امادیوی کو جانتی ہو؟"

فائزہ نے کہتے کہتے رک کر اس کی طرف دیکھا پھر ساجدہ کے نفی میں سر ہلانے پر بولی۔ "امادیوی برصغیر کی ایک بہت ہی معروف گلوکارہ اور اداکارہ تھیں۔ لیکن جانتی ہو، وہ بالکل بھی خوب صورت نہیں تھی۔ وہ بہت بدصورت تھی۔"

ساجدہ نے انتہائی حیرت سے اسے دیکھا۔ "کیا واقعی؟"

"ہاں لیکن اسے اپنی بدصورتی پر کسی قسم کی شرمندگی اور احساس کمتری نہیں تھا۔ لوگ اس کا مذاق اڑاتے تھے لیکن وہ ان کی باتوں کو سیریس نہیں لیتی تھی۔ اس کے ماں باپ مر گئے تھے اور وہ اپنے چچا کے ہاں رہتی تھی جو انتہائی غریب شخص تھا۔ اسے فلموں میں گانا گانے اور اداکاری کرنے کا بہت شوق تھا۔ اور اپنے اس شوق کو پورا کرنے کے لیے اس نے راہ میں آنے والی ہر مشکل کا ہمت اور بہادری سے مقابلہ کیا اور بالآخر وہ اپنے مقصد کو پانے میں کامیاب ہو گئی۔ اور ٹن ٹن کے نام سے مشہور ہوئی۔"

"اوہ یہ تو واقعی بہت حیرت انگیز ہے۔" ساجدہ نے حیرت سے کہا۔

"صرف امادیوی ہی نہیں دنیا کی تاریخ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ مائیکل جیکسن کا نام تو تم بھی جانتی ہو گی۔ وہ امریکا کا ایک مشہور پاپ سنگر تھا لیکن وہ بھی بہت غریب اور سیاہ فام تھا۔ اسی طرح مشہور کامیڈین چارلی چپلن بھی بہت غریب خاندان سے تعلق رکھتا تھا لیکن اس کے باوجود اس نے اتنی شہرت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور دولت حاصل کی صرف اور صرف اپنے عزم و حوصلے کی بدولت...

بتاؤ ساجدہ! کیا کہتی ہو؟" فائزہ نے اسے سوچ میں ڈوبے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو فائزہ! میں اپنی پڑھائی دوبارہ شروع کروں گی اور اس دنیا کو اور اس میں بسنے والے لوگوں کو یہ بتادوں گی کہ میں بھی کسی سے کم نہیں ہوں۔" ساجدہ نے ایک عزم سے کہا۔

"یہ ہوئی نا بات۔" فائزہ نے خوشی سے نعرہ لگایا۔ "اب لگی ہو نا میری سہیلی۔"

"امی!" اس نے ہانک لگائی۔ "یہ چائے بن رہی ہے یا پائے۔"

"ابھی لارہی ہوں بیٹا!" آنٹی کی آواز آئی۔ فائزہ مسکرا کر ساجدہ کو دیکھنے لگی اور پھر وہ دونوں ساجدہ کی پڑھائی دوبارہ شروع کرنے کے بارے میں ضروری باتیں ڈسکس کرنے لگیں۔

☆ ☆ ☆

گھر والوں نے اس کی پڑھائی دوبارہ شروع کرنے کی بات بہت حیرت سے سنی تھی۔ سب نے اپنے اپنے انداز میں اس بات پر تبصرہ کیا تھا۔ سب لوگوں کے تبصرے حوصلہ شکن تھے سوائے نعمان کے' صرف وہی تھا جس نے اس کی ہمت بندھائی تھی اور اس کی حوصلہ افزائی کی تھی۔ فائزہ چاہتی تھی کہ وہ ریگولر تعلیم حاصل کرے تاکہ اس کے اندر اعتماد پیدا ہو۔ اس مقصد کے لیے پہلے اس نے اپنے اسکول میں بات کی تھی انہوں نے حسب توقع صاف انکار کردیا تھا کہ وہ اتنی ایجڈ لڑکی کو داخلہ نہیں دے سکتے۔ پھر اس نے ایک عام سے گورنمنٹ اسکول میں بات کی تھی۔ اس کی ہیڈ مسٹریس اس کی امی کی جاننے والی تھیں اس لیے انہوں نے کچھ تذبذب کے بعد داخلہ دینے پر آمادگی ظاہر کردی تھی۔

یہ ساری باتیں فائزہ نے نعمان کے سیل فون پر فون کرکے بتائی تھیں۔

ساجدہ! اسکول جانے کا سن کر پریشان ہوگئی تھی۔

"فائزہ! کیا ضروری ہے کہ میں اسکول جاؤں۔ میں گھر پر رہ کر بھی تو پڑھ سکتی ہوں۔"

"ہاں۔ مگر میں چاہتی ہوں کہ تم ریگولر تعلیم حاصل کرو۔ کچھ دیر کے لیے تو تم اس گھٹے ہوئے ماحول سے نکل کر کھلی فضا میں سانس لے سکو گی۔ پھر گھر میں تمہیں پڑھنے کون دے گا۔ گھر کا سارا کام تو تم ہی کرتی ہو اور کوئی ہاتھ بھی نہیں لگاتا۔"

"لیکن فائزہ! کتنا عجیب لگے گا کہ اتنی ایجڈ لڑکی اسکول جایا کرے گی۔ اور پھر لوگ کیا کہیں گے؟"

"کوئی عجیب نہیں لگتا۔ اس اسکول میں گئی ہوں میں۔ یہ سرکاری اسکول ہے۔ اس میں بڑی بڑی ایج کی لڑکیاں بھی پڑھ رہی ہیں اور پتا ہے وظیفہ بھی ملتا ہے۔ اسکول سے آنے کے بعد تم میرے پاس ٹیوشن پڑھنے کے لیے آجانا۔ میں کور کروادوں گی۔"

"لیکن فائزہ! گھر والے میرے اسکول جانے اور پھر وہاں سے واپسی پر تمہارے گھر ٹیوشن پڑھنے پر بالکل راضی نہیں ہوں گے۔"

"یہ تمہارے گھر والوں کا نہیں' تمہاری زندگی کا معاملہ ہے تمہیں اس بات پر اسٹینڈ لینا ہی پڑے گا ورنہ ساری زندگی اسی طرح دوسروں کی جھڑکیاں اور طعنے سہتی رہو گی۔" فائزہ نے کہہ کر فون بند کردیا تھا۔ ساجدہ خالی اسکرین کو تکتی رہ گئی۔

"آپ کی دوست بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں آپا!" نعمان جو اس کی باتیں غور سے سن رہا تھا۔ فون بند ہونے کے بعد بولا۔ "آپ کو اسٹینڈ لینا ہی ہوگا۔ اور میں اس معاملے میں آپ کا پورا ساتھ دوں گا۔"

ساجدہ نے تشکر سے اسے دیکھا۔ "تم میرے بہت اچھے بھائی ہو۔"

گھر والوں نے حسب توقع وہی ردعمل ظاہر کیا تھا۔ جیسا اس نے سوچا تھا۔

"دماغ ٹھیک ہے تمہارا۔ اب اس عمر میں تم اسکول جاؤ گی۔ لوگ کیا کہیں گے۔" اماں نے غصے سے کہا

تھا۔

"لوگ ہمیشہ ہی کچھ نہ کچھ کہتے رہتے ہیں اماں! مجھے ان کی کوئی پروا نہیں ہے۔" ساجدہ نے سکون سے کہا۔ "آپ اپنی بات کریں۔"

"اگر گھر والے ساتھ ہوں تو کسی کی جرات نہیں ہوتی بات کرنے کی اور پھر ساجدہ آپا کوئی غلط کام تو نہیں کررہی ہیں۔ پڑھائی دوبارہ شروع کررہی ہیں۔" اب کی بار نعمان نے کہا تھا۔

"اچھا تو تم اس کے وکیل بن کر آئے ہو۔" اماں نے کچھ طنزیہ انداز میں کہا۔

"حالانکہ بننا تو آپ کو چاہیے تھا۔ آپ ان کی ماں ہیں۔ ہم سب بھی تو جاتے ہیں پڑھنے' سونیا بھی تو جاتی ہے کالج۔"

"میرا نام بیچ میں لینے کی ضرورت نہیں ہے۔" سونیا جو ان لوگوں کی باتیں خاموشی سے سن رہی تھی۔ نعمان کی بات کاٹتے ہوئے بولی "میں کالج جاتی ہوں اسکول نہیں۔ اور میں نے ساجدہ کی طرح بیچ میں پڑھائی نہیں چھوڑ دی تھی۔"

"مجھے پتا ہے یہ پٹی کس نے پڑھائی ہے۔ جب سے یہ اس گھنی فائزہ کے گھر سے آئی ہے تب ہی سے اس قسم کی باتیں کررہی ہے۔" سونیا نے تل افشانی کی۔

"دیکھو سونیا! تم مجھے جو کچھ کہہ لیتی ہو میں برداشت کرلیتی ہوں لیکن فائزہ کے خلاف میں ایک لفظ بھی برداشت نہیں کروں گی۔ سمجھیں تم!"

ساجدہ کے سخت اور دوٹوک انداز پر جہاں سونیا ہکا بکا رہ گئی وہیں اماں بھی حیرانی سے اس کا منہ تکتی رہ گئیں۔

"اور اماں! آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میری پڑھائی پر آپ کا کوئی خرچا نہیں ہوگا۔ بلکہ وہ لوگ وظیفہ بھی دیں گے۔ اور گھر کے کام بھی جہاں تک مجھ سے ہوسکا کروں گی۔ آپ ابا سے بات کرلیں۔ خرچا نہ ہونے کا سن کر وہ شاید راضی ہوجائیں۔"

"بڑی زبان چلانی آگئی ہے تمہیں۔ کبھی ماں پر باتیں کررہی ہو کبھی باپ پر طنز۔ دو دن اس لڑکی سے کیا ملیں۔ تمہیں تو تمیز لحاظ ادب سب کچھ بھول گیا ہے۔"

"اماں! پلیز آپ میری باتوں کا غلط مطلب مت لیں۔" ساجدہ کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ میں نے آپ سے کبھی کسی بات کے لیے ضد نہیں کی۔ کبھی کوئی خواہش نہیں کی۔ کیا آپ میری اتنی سی بات نہیں مان سکتیں؟"

بیٹی کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر ان کا دل پسیج گیا۔ انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ اور بولیں "اچھا تم روؤ مت میں تمہارے ابا سے بات کروں گی۔"

"یاہو۔" نعمان نے زور سے نعرہ لگایا۔ ساجدہ مسکرانے لگی اور سونیا "ہونہہ" کہہ کر وہاں سے چلی گئی۔

☆ ☆ ☆

اور پھر پتا نہیں اماں نے ابا سے کیا بات کی اور کس طرح کی لیکن بہرحال اسے اسکول جانے کی اجازت ضرور مل گئی۔

فائزہ نے نہ صرف اس کا ایڈمیشن کروادیا تھا بلکہ اس کے لیے کتابیں اور یونیفارم بھی اسی نے لاکر دیے تھے۔ اور آج اس کا اسکول میں پہلا دن تھا۔

اسکول۔ جس سے اس کی بہت سی تلخ یادیں جڑی ہوئی تھیں اور جسے چھوڑے ہوئے اسے چھ' سات سال سے زیادہ عرصہ ہوگیا تھا۔ وہ بہت گھبراہٹ کا شکار تھی۔ آج چونکہ پہلا دن تھا اس لیے فائزہ اسے لے کر جارہی تھی اور ساجدہ کو ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ دوبارہ سے وہی چھوٹی سی بچی بن گئی ہو جو اسکول جاتے ہوئے بے حد گھبراتی تھی۔ کیونکہ اس اسکول میں اس کے ساتھ امتیازی سلوک ہوتا تھا۔

"کچھ آتا جاتا نہیں ہے اسے۔ ایسی نالائق کند ذہن اور بدصورت لڑکی میں نے پہلی بار دیکھی ہے اور ڈھیٹ اتنی ہے کہ روز مار کھاتی ہے لیکن مجال ہے جو اتنی مار کا کبھی اس پر کوئی اثر ہوا ہو۔" اس کی کلاس ٹیچر مس روبینہ کہہ رہی تھیں اس نے بے اختیار اپنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بازوؤں اور کندھوں کی جانب دیکھا جن پر مس کی مار کھا کھا کر نشانات پڑ چکے تھے لیکن مس پھر بھی کہہ رہی تھیں کہ اس پر مار کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" مس راشدہ نے ان کی تائید کی۔ "آپ اس کے پیرنٹس سے بات کیوں نہیں کرتیں؟"

"آپ کی بیٹی بہت کمزور ہے انتہائی نالائق ہے' کچھ آتا جاتا نہیں ہے اسے۔" اگلے منظر میں مس روبینہ اماں سے کہہ رہی تھیں جو ان کی فرمائش پر اسکول آئی تھیں۔

"اچھا مگر گھر میں تو یہ سارا وقت پڑھتی رہتی ہے۔" اماں نے حیرت سے ساجدہ کی طرف دیکھا۔ اماں ٹھیک کہہ رہی تھیں لیکن مس کے سامنے نہ جانے کیوں سبق اٹکنے اور بھولنے لگ جاتا تھا۔

"خاک پڑھتی ہے۔" انہوں نے دانت پیسے۔ "بہرحال میرا آپ کو مشورہ یہ ہے کہ آپ اسے گھر بٹھا کر گھر کا کام کاج سکھائیں سیہ پڑھنا وڑھنا اس کے بس کا روگ نہیں ہے۔"

اور اماں کو ان کا مشورہ اتنا بھایا کہ انہوں نے گھر جاتے ہی اسے حکم دیا۔ "بس بہت پڑھ لیا تم نے۔ تمہارا پڑھنے والا دماغ ہی نہیں ہے اب گھر بیٹھو اور گھر کے کام کاج سیکھو۔"

یوں اس کی پڑھائی کا خاتمہ ہو گیا۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" فائزہ نے اسے سوچ میں گم دیکھ کر پوچھا۔

"میں سوچ رہی ہوں کہ پتا نہیں میں اسکول میں ایڈجسٹ کر بھی سکوں گی یا نہیں۔" ساجدہ نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"کیوں۔ کیا مسئلہ ہے تمہیں ایڈجسٹ کرنے میں؟"

"ایک نہیں کئی مسئلے ہیں۔ اتنے عرصے بعد دوبارہ پڑھائی شروع کرنا' اپنے سے چھوٹی لڑکیوں کے ساتھ پڑھنا اور سب سے بڑھ کر میری بدصورتی۔"

"پہلی بات تو یہ کہ ماحول انسان خود بناتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ اگر انسان میں کوئی ایک خامی ہو تو اس خامی کو دبایا جا سکتا ہے اپنی دوسری خوبیوں کو اجاگر کر کے۔"

"وہ کیسے؟" ساجدہ نے حیرت سے پوچھا۔

"جو لوگ تمہاری بدصورتی کا مذاق اڑاتے ہیں ان کے ساتھ نمٹنے کے دو طریقے ہیں۔ پہلا تو یہ کہ جو لوگ ایسا کریں تم ان کے ساتھ سختی سے پیش آؤ اور اینٹ کا جواب پتھر سے دو۔

اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ تم ان کی بدتمیزی کے باوجود ان سے پیار محبت سے پیش آؤ۔ یہاں تک کہ وہ تمہارے حسن سلوک سے متاثر ہو کر تمہارے گرویدہ ہو جائیں اور ان کے نزدیک تمہاری بدصورتی یا خوبصورتی کی کوئی اہمیت نہ رہے اب یہ تم پر ہے کہ تم ان میں سے کون سا طریقہ اپناتی ہو۔

"تم کیا سمجھتی ہو کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟"

"میرا مشورہ یہی ہے کہ تمہارے لیے بلکہ دنیا کے کسی بھی شخص کے لیے دوسرا طریقہ ہی مناسب ہے۔ محبت سے پتھر کو بھی رام کیا جا سکتا ہے۔ اگر تم اپنی کلاس فیلوز' اسکول فیلوز اور دوسرے لوگوں سے محبت سے پیش آؤ گی تو وہ بھی تمہارے گرویدہ ہو جائیں گے۔ اگر تم ان سے سختی سے پیش آؤ گی ان کی باتوں پر اوور ری ایکٹ کرو گی تو تمہاری یہ خامی اور اجاگر ہو گی۔ تمہاری زندگی میں تلخیاں مزید بڑھیں گی۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ تحمل اور بردباری سے کام لینا۔ تم میری بات سمجھ رہی ہو نا؟"

فائزہ نے ساجدہ کی طرف تصدیق طلب نظروں سے دیکھا۔ ساجدہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ہاں۔ میں سمجھ رہی ہوں تمہاری بات۔"

"مگر میری ایک بات یاد رکھنا۔ سب لوگ ایک جیسے نہیں ہوتے۔ کچھ لوگ پیار محبت کی زبان نہیں سمجھتے۔ ایسے کم ظرفوں پر اپنا احسان کبھی ضائع نہیں کرنا۔ ازاٹ کلیئر؟"

ساجدہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ اسکول کا گیٹ آگیا

تھا وہ دونوں گیٹ کراس کرنے لگیں۔ ساجدہ نے اپنا دایاں پاؤں اندر رکھا اور بسم اللہ کہہ کر اندر چلی گئی۔ اسے پڑھنا تھا اور بہت آگے جانا تھا آخر اس دنیا میں اس کے آنے کا بھی تو کوئی نہ کوئی مقصد تھا۔

☆ ☆ ☆

اچھی دوست اللہ کی کتنی بڑی نعمت ہے۔ یہ اسے اب پتا چلا تھا۔ تعلیم کی انسان کی زندگی میں کتنی اہمیت ہے اس کا صحیح معنوں میں اندازہ اسے اب ہوا تھا۔

شروع شروع میں اسے اسکول میں ایڈجسٹ کرنے میں بہت دشواری پیش آئی تھی۔ اسکول میں پڑھنے والی لڑکیوں کا انداز اس کے ساتھ تمسخرانہ تھا۔ ٹیچرز اسے عجیب نظروں سے دیکھتی تھیں۔ گھر والوں کے ساتھ ساتھ محلے والوں نے بھی اس کے دوبارہ اسکول "جوائن" کرنے کی خبر کو بڑی مشکل سے ہضم کیا تھا۔ لیکن فائزہ کا بتایا ہوا دوسرا طریقہ بہت فائدہ مند ثابت ہوا تھا۔

اس کا حسن سلوک محبت' رواداری اور مستقل مزاجی آخر رنگ لائی تھی اور صرف چار پانچ ماہ میں ہی سب کچھ ٹھیک ہو گیا تھا۔ اب اسکول میں لڑکیاں اسے ساجدہ کے بجائے ساجدہ باجی کہتی تھیں۔

ٹیچرز اب اسے عجیب نہیں بلکہ مشفقانہ نظروں سے دیکھتی تھیں کیونکہ وہ ان کی سب سے زیادہ تابعدار اور مودب اسٹوڈنٹ تھی۔

اور جہاں تک گھر والوں کی بات تھی انہوں نے بھی جیسے تیسے سمجھوتا کر ہی لیا تھا۔ سب سے زیادہ تکلیف اس کے اسکول جانے سے سونیا کو ہوئی تھی کیونکہ پہلے گھر کا کام کلی طور پر ساجدہ ہی کرتی تھی۔ اب اسکول جانے اور پھر وہاں سے فائزہ کے گھر ٹیوشن پڑھنے جانے کی وجہ سے سونیا کو بھی گھر کے کاموں میں تھوڑا بہت حصہ لینا پڑتا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کا ساجدہ کے ساتھ رویہ اور بھی ہتک آمیز ہو گیا تھا اکثر وہ گھر والوں کے سامنے اس بات کا رونا روتی رہتی تھی کہ ساجدہ کے اس عمر میں اسکول جانے کی وجہ سے اسے اپنی دوستوں اور محلے والوں کے سامنے کتنی شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

"اماں! آپ ساجدہ کو سمجھاتی کیوں نہیں ہیں' کیوں اسکول جا جا کر ہمارا اور اپنا مذاق بنوا رہی ہے۔ لوگ ہنستے ہیں' باتیں کرتے ہیں اس پر۔ آپ کو پتا ہے وہ جو میری دوست رابعہ ہے۔ وہ کہہ رہی تھی کہ اس عمر میں ساجدہ کو شادی کر کے خود اپنے بچے سنبھالنے چاہیے تھے لیکن وہ تو خود بچی بن گئی ہے۔"

"میں تو خود ایسا نہیں چاہتی تھی لیکن کوئی رشتہ بھی آئے تب تک پڑھائی کرتی رہے۔" اماں نے کندھے اچکائے۔

"پڑھائی تو وہ گھر میں بھی کر سکتی ہے۔ اسکول جانا ضروری تو نہیں۔ آپ اسے اسکول جانے سے منع نہیں کر سکتیں؟" سونیا نے تپ کر کہا۔ وہ اور اماں صحن میں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں جبکہ ساجدہ اندر کمرے میں ہوم ورک کرتے ہوئے ان کی باتیں سن رہی تھی۔

"کیسے منع کر دوں۔ وہ بھی میری بیٹی ہے۔ البتہ اگر اس دوران اس کا کوئی اچھا رشتہ آگیا تو پھر میں اس کی شادی کر دوں گی۔ پھر اس کی کوئی بات نہیں سنوں گی۔"

"اچھا رشتہ اور ساجدہ کا؟" سونیا نے استہزائیہ انداز اختیار کیا۔ "ایسا معجزہ کم از کم اکیسویں صدی میں تو ہوتا ہوا مجھے دکھائی نہیں دیتا اگلی صدی میں ہو جائے تو میں کچھ کہہ نہیں سکتی۔" وہ اٹھ کر وہاں سے جانے لگی۔

"سونیا! تو جا کر برتن تو دھو دے پھر ساجدہ اٹھ کر رات کا کھانا بنا دے گی۔" اماں نے اسے آواز دی۔

"جب آپ کی پڑھاکو بیٹی پڑھنے سے فارغ ہو کر رات کا کھانا بنائے گی تو اسے کہیے گا برتن بھی دھو لے کیونکہ میرا صبح ٹیسٹ ہے' مجھے اس کی تیاری کرنا ہے۔" وہ پاؤں پٹختے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔

"بہت بدتمیز ہو گئی ہے۔ کسی کام کو ہاتھ نہیں لگاتی۔ سب اس کے باپ کے لاڈ پیار کا نتیجہ ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نکمی کہیں کی۔"

اماں غصے سے بڑبڑا کر رہ گئیں اور ساجدہ ٹھنڈی سانس لے کر دوبارہ سے ہوم ورک کرنے میں مصروف ہو گئی۔ نہ جانے سونیا اس سے اتنی خار کیوں کھاتی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ پڑھائی میں دل و جان سے مصروف تھی اور جاگتی آنکھوں سے سپنے بننے لگی تھی۔ کچھ کر دکھانے کے

آگے جانے کے

معاشرے میں ایک اعلا اور باوقار مقام پانے کے۔

اور اس کے لیے اسے بہت محنت کرنا تھی۔

وہ اب اتنا مصروف رہتی تھی کہ اسے ٹھیک معنوں میں سر کھجانے کی فرصت بھی نہیں ملتی تھی۔ گھر کے کام زیادہ تر اب بھی وہی کرتی تھی۔ لیکن اس مصروفیت سے اسے تھکن نہیں ہوتی تھی۔

سب ٹھیک چل رہا تھا کہ ایک دن ثریا آپا نے آکر پرسکون پانی میں پتھر پھینک کر ہلچل مچادی۔

اس روز چھٹی کا دن تھا۔ وہ جلدی جلدی دوپہر کا کھانا بنانے میں مصروف تھی۔ تاکہ کھانے سے فارغ ہو کر وہ اپنے ٹیسٹ کی تیاری کر سکے۔ وہ سالن بھون کر پانی ڈال کر کسی کام سے برآمدے میں آئی تو ثریا آپا پر جوش طریقے سے اماں کو بتا رہی تھیں۔

"اماں! آپ ساجدہ کے رشتے کے لیے پریشان تھیں نا۔ تو بس اب آپ کی پریشانی ختم ہوئی۔ ساجدہ کے لیے رشتہ مل گیا ہے۔"

"ارے۔ کیا واقعی؟" اماں نے خوش ہو کر پوچھا۔

"جی اماں۔ بالکل۔" ثریا آپا نے سر ہلا کر تصدیق کی۔ "وہ جو میری نند فہمیدہ ہے نا۔ اس کے جیٹھ محبوب حسین کو تو جانتی ہیں آپ۔"

"محبوب حسین۔" اماں سوچ میں پڑ گئیں۔

"اچھا۔ وہ۔ جس کی بیوی پچھلے سال فوت ہو گئی ہے اور اس کے تین بچے بھی ہیں۔"

"جی اماں! وہی۔ انہوں نے میری نند فہمیدہ کے ذریعے کہلوایا ہے۔"

"تمہارا مطلب ہے۔۔۔" وہ حیرت سے کچھ کہتے کہتے رک گئیں۔

"جی اماں! وہ ساجدہ سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ کل میری نند فہمیدہ میرے پاس آئی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی کہ میں آپ سے پوچھ لوں اگر ہم لوگ راضی ہوں تو وہ باقاعدہ پیغام لے کر آئیں۔"

ساجدہ حیرت اور تاسف سے ثریا آپا کو دیکھتی رہ گئی۔ وہ محبوب حسین سے واقف تھی۔ وہ پینتالیس پچاس سال کی عمر کا ایک کرخت صورت شخص تھا۔ اس کی آنکھوں سے ہی سفاکی اور کمینگی چھلکتی تھی۔ ابھی پچھلے سال ہی اس کی بیوی کا انتقال ہوا تھا۔ اس نے سنا تھا کہ وہ اپنی بیوی پر بے دریغ تشدد کرتا تھا۔ بلکہ کچھ لوگ تو یہ بھی کہتے تھے کہ اس بیوی کے مرنے کی وجہ بھی وہ تشدد تھا جو اس نے مرنے سے کچھ روز پہلے اس بے چاری پر کیا تھا۔ اس نے اماں کی طرف دیکھا۔ پتا نہیں وہ کیا کہتی ہیں۔

"تمہاری نند کو شرم نہیں آئی یہ سب کہتے ہوئے۔" اس نے اماں کو کہتے ہوئے سنا۔ "اس منحوس کے لیے کیا میری بیٹی ہی رہ گئی تھی۔ مجھے تو تمہاری عقل پر حیرانی ہو رہی ہے۔ یہ رشتہ لے کر آئی ہو تم اپنی بہن کے لیے؟"

"کیوں؟ کیا ہوا ہے میری عقل کو۔" ثریا آپا برا مان گئیں۔ "خود ہی تو کہتی تھیں کہ ساجدہ کا رشتہ نہیں مل رہا۔ ساجدہ کا رشتہ ڈھونڈ کر لاؤ۔ اب میں ایک رشتے کا بتا رہی ہوں تو آپ ایسی باتیں کر رہی ہیں۔"

"ٹھیک ہے اس کا رشتہ نہیں مل رہا اور میں اس وجہ سے پریشان بھی ہوں۔ لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ میں اپنے ہاتھوں سے اپنی بیٹی کو اندھے کنویں میں دھکا دے دوں۔" اماں اس وقت بات کرتے ہوئے کتنی بیمار لگ رہی تھیں۔

"اماں! آپ جذباتی ہو کر سوچ رہی ہیں۔ ذرا ٹھنڈے دل سے میری بات پر غور کریں۔ محبوب حسین اتنا برا آدمی نہیں ہے۔ جتنا اسے لوگوں نے مشہور کر دیا ہے۔ اچھا خاصا پیسہ ہے اس کے پاس۔ ساجدہ اگر اس کے ساتھ پیار محبت سے رہے گی تو وہ بھی ساجدہ سے پیار محبت سے ہی پیش آئے گا۔ اور جہاں تک اس کے بچوں کی بات ہے تو وہ سب بڑے بڑے ہیں۔ ساجدہ کو تنگ نہیں کریں گے اور پھر یتیم بچوں کو پالنے کا تو ویسے ہی بڑا ثواب ملتا ہے۔" ساجدہ خاصی حیرانی سے ثریا آپا کو محبوب حسین کی وکالت کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

"جن لوگوں کی فطرت ہی خراب ہو وہ کبھی نہیں سدھرتے چاہے کوئی کتنا ہی ان کے ساتھ اچھا رہ لے۔"

"اچھا آپ ابا سے تو ایک مرتبہ بات کر لیں۔ اتنی جلد بازی سے کام مت لیں۔ کچھ دن غور کر لیں پھر جواب دے دیجیے گا۔" بات کرتے کرتے ان کی نظر ساجدہ پر پڑی تو وہ کہتے کہتے رک کر اس کی طرف دیکھنے لگیں۔

"تم یہاں کھڑی کیا کر رہی ہو۔ جاؤ جا کر کھانا بناؤ۔ ابھی بچے بھوک بھوک کا شور مچائیں گے۔"

ساجدہ نے ناگواری سے انہیں دیکھا اور پاؤں پٹختے ہوئے کچن میں آگئی۔

"ہونہہ۔ بڑی آئیں رشتہ کرانے والی۔ دیکھتی ہوں کیسے کرواتی ہیں۔" وہ ناگواری سے سوچ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"اچھا تو تمہاری ثریا آپا تمہارے لیے رشتہ لے کر آئی ہیں اور وہ بھی ایک اجڈ اور وحشی انسان کا جو تین بچوں کا باپ ہے۔ خوب!"

فائزہ نے طنزیہ انداز میں ساجدہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ وہ دونوں اس وقت مارکیٹ میں آئی ہوئی تھیں۔ کیونکہ فائزہ نے کچھ شاپنگ کرنی تھی اس لیے وہ ساجدہ کے منع کرنے کے باوجود اسے اپنے ساتھ لے کر آئی تھی۔

"لیکن اماں نے صاف انکار کر دیا ہے۔ اماں نے ان سے کہہ دیا ہے کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی ایسے فضول اور گھٹیا شخص سے نہیں کریں گی۔" ساجدہ نے خوش ہو کر بتایا۔

"یہ تو اچھی بات ہے۔ لیکن اگر انہوں نے اپنا ارادہ بدل لیا تو پھر۔ پھر کیا کرو گی؟" فائزہ نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔ ایسا نہیں ہو گا۔ کبھی بھی نہیں۔" ساجدہ نے جھرجھری لی۔ "اماں ایسا کبھی نہیں کریں گی۔"

"اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ اچھا چلو اب سامنے والی بیکری سے کچھ کھانے کو لیتے ہیں میں تو چلتے چلتے تھک گئی ہوں اور بھوک سے مرنے کے قریب ہوں۔" فائزہ نے سامنے والی بیکری کی طرف اشارہ کیا۔ وہ دونوں بیکری شاپ میں گھس گئیں۔ فائزہ نے اس کے اور اپنے لیے ایک ایک پزا اور ایک ایک سینڈوچ لیا۔ پھر وہیں مارکیٹ میں ہی کھانا شروع کر دیا۔

"ارے تم تو سب کے سامنے ہی کھانا شروع ہو گئی ہو۔ لوگ کیا کہیں گے۔" ساجدہ نے اسے ٹوکا۔

"کیا کہیں گے؟ زیادہ سے زیادہ یہی نا کہ لڑکی کو بہت بھوک لگی ہوئی ہے۔ لو تم بھی کھاؤ۔"

فائزہ نے کہا پھر اس کی ہونقوں جیسی شکل دیکھ کر ہنسنے لگی۔

"اب دیکھو نا یار! ہم جیسے لوگ یونہی عام سی بیکری سے لے کر راستوں میں کھاتے ہیں۔ اب ہم ان جیسے بڑے ہوٹلوں میں جانا تو افورڈ نہیں کر سکتے نا۔" فائزہ نے سامنے بنے شہر کے مشہور اور مہنگے ترین ہوٹل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

تب ہی ان کی نظروں کے سامنے ایک سیاہ مرسڈیز آکر رکی۔ اس کی دونوں سائیڈوں کے دروازے کھلے اور ساتھ ہی ساجدہ کی آنکھیں بھی کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ کار کی ڈرائیونگ سیٹ سے ایک انتہائی اسمارٹ اور ماڈرن لڑکا برآمد ہوا جبکہ دوسری طرف سے زرد اور میرون امتزاج کا سوٹ پہنے اور آنکھوں پر گاگلز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چڑھائے انتہائی اسٹائل سے چلتی وہ یقیناً سونیا ہی تھی۔ وہ دونوں ہنستے ہوئے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے خراماں خراماں اسی ریسٹورنٹ میں داخل ہو گئے۔

"یہ... یہ تمہاری بہن سونیا ہی تھی نا؟" فائزہ نے حیرانی سے اسے مخاطب کیا۔

"ہاں۔" ساجدہ نے ایک گہرا سانس لیا۔ "یہ سونیا ہی تھی۔"

"لیکن وہ لڑکا کون تھا؟ اور سونیا اس کے ساتھ کیا کر رہی تھی؟"

"مجھے نہیں پتا۔ میں تو خود پہلی بار دیکھ رہی ہوں گھر سے تو سونیا یہی کہہ کر نکلی تھی کہ وہ اپنی دوست سے ملنے کے لیے جا رہی ہے۔ میرے سامنے اس نے امی کو بتایا تھا۔" ساجدہ نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

"چلو چھوڑو۔ گھر جا کر پوچھ لینا کہ کون ہے یہ۔ فی الحال ہمیں دیر ہو رہی ہے۔ گھر پہ امی انتظار کر رہی ہوں گی۔"

فائزہ کے کہنے پر وہ اس کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔ لیکن اس کا دماغ بدستور سونیا اور اس لڑکے میں الجھا ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

گھر آ کر بھی وہ سونیا اور اس لڑکے کے بارے میں ہی سوچتی رہی۔ جانے وہ لڑکا کون تھا۔ کس کریکٹر کا مالک تھا اور جس طرح سونیا لڑکے کے ساتھ سرعام ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے پھر رہی تھی۔

بہت سوچ بچار کے بعد اس نے اماں سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ مغرب کا وقت ہونے والا تھا اور سونیا ابھی تک گھر نہیں آئی تھی۔ وہ اماں کے پاس دوسرے کمرے میں گئی۔ اور انہیں سب کچھ بتا دیا۔ اماں بھونچکا رہ گئیں۔

"کیا تم نے خود سونیا کو اس لڑکے کے ساتھ مرسیڈیز سے اترتے اور ہوٹل میں جاتے ہوئے دیکھا ہے؟"

"نہ صرف میں نے بلکہ فائزہ نے بھی دیکھا ہے۔ وہ بھی مجھ سے اس بارے میں پوچھ رہی تھی۔"

"آنے دو اس سونیا منحوس کو۔ پوچھتی ہوں اس سے پچھلے کئی دنوں سے میں اس کے رنگ ڈھنگ بدلتے ہوئے دیکھ رہی ہوں۔ روز نا کالج سے دیر سے گھر سے آنا سہیلیوں کے گھروں کے چکر لگانا بن ٹھن کر گھر سے نکلنا اور قیمتی قیمتی گفٹ لا کر یہ کہنا کہ یہ تو میری فلاں دوست نے دیا ہے اور وہ والا گفٹ میری اس دوست نے دیا ہے۔ مجھے کیا پتا تھا اندر ہی اندر یہ چکر چل رہا ہے۔"

"اماں! جب آپ یہ سب کچھ دیکھ رہی تھیں تو آپ کو اس سے اس بابت پوچھنا چاہیے تھا۔" ساجدہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"پوچھا تھا میں نے ایک دو دفعہ اس سے۔ لیکن وہ تو ہتھے سے ہی اکھڑ گئی۔ کہنے لگی۔ آپ مجھ پر شک کر رہی ہیں۔ تم تو جانتی ہو۔ کتنی خود سر ہے وہ۔"

وہ دونوں ابھی باتیں کر رہی تھیں کہ سونیا اندر داخل ہوئی۔ اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا پرس اس نے سامنے پڑی ٹیبل پر رکھا اور کرسی پر بیٹھ گئی۔

"کہاں سے آ رہی ہو تم؟" اماں کے سخت لہجے پر وہ حیرت سے اماں کو دیکھنے لگی۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟ بتایا تھا آپ کو کہ میں اپنی دوست سائرہ سے ملنے جا رہی ہوں۔ پھر آپ مجھ سے اس انداز میں کیوں پوچھ رہی ہیں۔"

"اچھا تو دوست تمہیں کار میں بٹھا کر کھانا کھلانے ہوٹل میں بھی لے گئی تھی؟" اماں نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

سونیا کے چہرے کا رنگ واضح طور پر بدلا تھا۔ "ک... کیا مطلب؟" وہ کڑبڑا کر بولی۔

"سونیا! سچ سچ بتاؤ۔ وہ لڑکا کون ہے اور اس کے ساتھ تمہارا کیا تعلق ہے؟"

"کون سا لڑکا؟ کس لڑکے کی بات کر رہی ہیں آپ؟"

"وہی جس کے ساتھ آج تم سیاہ مرسیڈیز میں بیٹھ کر ہوٹل میں گئی تھیں بتاؤ۔" اماں نے غصے سے کہا۔ سونیا کا چہرہ لمحہ بہ لمحہ رنگ بدل رہا تھا۔

"اماں! آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"بکواس بند کرو۔" اماں نے دھاڑ کر کہا۔ "ساجدہ نے خود تمہیں اس لڑکے کے ساتھ ہوٹل میں جاتے ہوئے دیکھا ہے۔ اب مکر جاؤ کہ یہ جھوٹ ہے۔"

"اچھا تو یہ ساری آگ اس کی لگائی ہوئی ہے۔" وہ ساجدہ کو زہریلی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"آپ نے اس سے نہیں پوچھا کہ یہ وہاں کیا کر رہی تھی۔"

"اس سے جو پوچھنا تھا وہ میں نے پوچھ لیا ہے جو تم سے پوچھ رہی ہوں تم اس کا جواب دو۔"

"چغلیں اچھا ہوا۔ آپ کو پتا چل گیا۔" آپ اس کے چہرے پر سکون نظر آ رہا تھا۔ "میں آپ کو خود اس کے بارے میں بتانے والی تھی۔ وہ ذیشان ہے۔ انتہائی دولت مند فیملی سے تعلق رکھتا ہے۔ ہم ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔" اس کی ڈھٹائی پر اماں سکتے میں آ گئی تھیں۔

"کب سے چل رہا ہے یہ چکر؟"

"جب سے بھی چل رہا ہو۔ جو حقیقت تھی وہ میں نے آپ کو بتا دی ہے۔" اس کا اطمینان قابل دید تھا۔

"شرم نہیں آتی تمہیں یہ سب کرتے ہوئے۔"

"کسی کو پسند کرنا اور اس سے شادی کا سوچنا کوئی گناہ تو نہیں ہے۔" وہ چیخ کر بولی۔

"تمہارے تایا نائی کئی بار کہہ چکے ہیں۔ ناصر اچھا اور ڈیسنٹ لڑکا ہے۔ اور جاب بھی اچھی ہے اس کی۔ میں تو صرف اس لیے چپ تھی کہ پہلے ساجدہ کا رشتہ کہیں ہو جائے تب تمہاری بات چلاؤں۔ لیکن اگر تمہیں ہی جلدی پڑی ہے تو ٹھیک ہے پہلے تمہاری شادی کرنی پڑے گی۔"

"مجھے کسی ناصر واصر سے شادی نہیں کرنی۔ مجھے صرف ذیشان سے ہی شادی کرنا ہے۔... سمجھیں کیسے!" وہ قطعیت سے کہتی ہوئی اٹھ گئی اور اپنا پرس اٹھا کر دوسرے کمرے میں جانے لگی۔ پھر کچھ سوچ کر وہ جاتے جاتے رکی اور ساجدہ سے مخاطب ہو کر زہر خند لہجے میں بولی۔

"اور تم... تمہیں تو میں دیکھ لوں گی۔ بڑی اسمارٹ بننے کی کوشش کر رہی ہو نا تم۔ ایسا پھنسوں گی کہ ساری زندگی یاد رکھو گی۔" وہ ساجدہ کو وارننگ دینے کے انداز میں کہتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ ساجدہ خالی خالی نظروں سے اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

☼ ☼ ☼

"آپ سے سعادت بھائی نے سونیا اور ناصر کے رشتے کی کوئی بات کی ہے؟" رات کو ابا کے گھر آنے اور کھانا وغیرہ کھا کر فارغ ہونے کے بعد اماں نے ابا سے بہت سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

"ہاں۔ بالکل۔ اشاروں اشاروں میں تو وہ کئی دفعہ مجھ سے کہہ چکے ہیں۔ بلکہ دو تین دن پہلے تو وہ واضح الفاظ میں مجھ سے کہہ رہے تھے کہ وہ سونیا کا رشتہ مانگنا چاہتے ہیں ناصر کے لیے۔" ابا نے بتایا۔

"تو آپ کا ناصر کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"سچ پوچھو تو میں جب بھی سونیا کے رشتے کے بارے میں سوچتا ہوں مجھے ناصر سے بہتر اور کوئی نہیں لگتا۔ اپنا خون ہے، شریف اور ایمان دار ہے۔ اچھی جاب کرتا ہے۔ اگر تم کہو تو میں انہیں باقاعدہ رشتہ لانے کا کہہ دیتا ہوں۔"

"میں تو خود یہی چاہتی ہوں۔ لیکن آپ کی بیٹی کچھ اور چاہتی ہے۔" اماں کے طنزیہ انداز پر ابا نے چونک کر اماں کی طرف دیکھا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب تو آپ سونیا سے ہی پوچھیں۔ ہمیں تو وہ کسی کھاتے میں ہی نہیں گنتی۔"

"یہ تم کیا پہیلیاں بجھوا رہی ہو۔ صاف صاف بات کرو۔"

"صاف بات یہ ہے کہ وہ اپنی پسند سے شادی کرنا چاہتی ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ابا حیرانی سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ "یہ تم سے سونیا نے کہا ہے؟"

"صرف یہی نہیں اور بھی بہت کچھ کہا ہے۔" اماں کی بات ادھوری رہ گئی کیونکہ سونیا صاحبہ کوئی زیادہ دور نہیں تھیں۔ دروازے سے ہی چپکی ان کی باتیں سن رہی تھیں اور اب بے قرار ہو کر آخر کار کمرے میں ہی انٹری دے دی تھی۔

"آخر میں نے ایسا کیا کہہ دیا ہے کہ آپ ابا کو بڑھا چڑھا کر بتا رہی ہیں۔" سونیا نے ناک چڑھا کر کہا۔

"تم یہاں کس لیے آئی ہو؟ تم سے کس نے کہا ہے کہ ہماری باتوں میں دخل دو۔" اماں نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

"آپ میرے رشتے کے بارے میں تو ابا سے تبادلہ خیال کر رہی ہیں۔ ساجدہ کے رشتے کے بارے میں نہیں کریں گی۔" سونیا نے مکاری سے بات بدلنے کی کوشش کی۔

"ساجدہ کا رشتہ' کیا مطلب؟" ابا نے الجھ کر اسے دیکھا۔

"کیوں اماں! آپ نے ابا کو نہیں بتایا کہ ثریا آپا' ساجدہ کے لیے اپنی نند فہمیدہ کے جیٹھ کا رشتہ لے کر آئی تھیں۔"

اماں نے دانت کچکچا کر اسے دیکھا۔ وہ یہ بات ابا کو نہیں بتانا چاہتی تھیں۔ انہوں نے ثریا کو بھی یہ بات بتانے سے منع کیا تھا کیونکہ انہیں خدشہ تھا کہ کہیں ابا اس رشتے پر سنجیدگی سے غور نہ کرنے لگ جائیں۔

"یہ کیا چکر ہے آخر؟ صبح جب میں اس گھر سے گیا تھا اس وقت تک تو ایسی کوئی بات نہیں تھی؟" ابا نے اماں سے مخاطب ہو کر کہا۔ "آپ ایسی کیا بات ہو گئی ہے کہ تم دونوں آپس میں ہی الجھ رہی ہو۔ کبھی سونیا کے رشتے پر تو کبھی ساجدہ کے رشتہ پر؟"

"مجھ سے کیا پوچھتے ہیں۔ اسی سے پوچھیں جو آپ کو سب باتوں کی خبر دے رہی ہے۔ اسے اتنی شرم نہیں ہے کہ لڑکیاں ایسے معاملات میں نہیں بولتیں۔"

"تم کچھ بتا رہی تھیں سونیا کے بارے میں؟" ابا نے اماں سے مخاطب ہو کر کہا۔

"پوچھیں اپنی لاڈلی سے۔ آخر وہ کون ذیشان ہے جس کی محبت کا یہ دم بھر رہی ہے اور جس کے ساتھ یہ ہوٹلوں میں گھومتی پھر رہی ہے۔ پوچھیں اس سے۔" اماں نے غصے سے کہا۔

"سونیا!" اب کی بار ابا کا لہجہ واقعی سخت تھا۔ "یہ کیا سن رہا ہوں میں؟ اگر میں نے تمہیں باہر آنے جانے اور اپنی دوستوں کے گھر جانے کی آزادی دے رکھی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم اس آزادی کا ناجائز فائدہ اٹھاؤ۔"

"ابا! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" سونیا کا انداز اب دھیما ہو گیا تھا۔ "میں نے ناجائز فائدہ نہیں اٹھایا ہے۔ لیکن کسی سے محبت کرنا اور اس سے شادی کی خواہش کرنا کوئی جرم تو نہیں ہے۔"

"تو بات یہاں تک پہنچ گئی ہے۔" ابا کو اس کی بات سے واقعی شاک پہنچا تھا۔ اس کے اس انداز پر جہاں چوکھٹ سے لگی' ان کی باتیں سنتی ساجدہ حیران رہ گئی تھی وہیں ابا بھی بے یقینی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"ناصر میں کیا برائی ہے؟ ہینڈسم ہے' اتنا پڑھا لکھا ہے' اچھی جاب ہے اور پھر سب سے بڑھ کر وہ دیکھا بھالا ہے۔"

"جتنی خوبیاں آپ نے ناصر میں گنوائی ہیں' اس سے کہیں زیادہ خوبیاں ذیشان میں ہیں اور جتنی دولت ذیشان کے پاس ہے۔" اس کا انداز تفاخر ہو گیا۔ "اتنی تو ناصر کبھی خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا۔ اس کی تو گاڑی کے پیٹرول کا خرچ بھی ناصر کی کل تنخواہ سے زیادہ ہے۔"

سو باتوں کی ایک بات یہ ہے کہ میں صرف ذیشان سے ہی شادی کروں گی۔"

"ٹھیک ہے۔" ابا کا انداز شکست خوردہ تھا۔ "تو پھر اس سے کہو کہ وہ ہمارے گھر رشتہ لے آئے۔"

"سچ ابا!" وہ خوش ہو کر بولی۔ "مجھے پہلے ہی پتا تھا کہ آپ میری کوئی بات کبھی نہیں ٹال سکتے۔"

"اچھا ٹھیک ہے تم اب جاؤ۔" ابا نے اسے باہر جانے کا اشارہ کیا۔

کمرے میں ایک لمحہ کے لیے خاموشی چھائی رہی پھر اچانک ابا نے پوچھا۔ "یہ ساجدہ کے رشتے کا کیا چکر ہے؟ اور اگر اس کا کوئی رشتہ آیا ہے تو تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟"

ابا کی اس بات پر باہر کھڑی ساجدہ کا دل بڑی تیزی سے دھڑکا تھا۔ عین اسی لمحے سونیا نے فاتحانہ اور کچھ جتاتی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

☆ ☆ ☆

ساجدہ پریشان تھی۔ ابا نے اماں سے رشتے کے بارے میں سننے کے بعد ثریا آپا کو بلا بھیجا تھا تاکہ وہ اس سلسلے میں انہیں تفصیلات سے آگاہ کر سکیں۔ وہ سارا دن اسکول میں بھی یہی سوچ کر پریشان ہوتی رہی کہ اب نہ جانے کیا ہو۔ کہیں ابا مان ہی نہ جائیں۔ وہ اسکول سے واپس گھر گئی تو ثریا آپا آئی ہوئی تھیں۔ غالباً ان کی ابا سے بات ہو گئی تھی کیونکہ وہ اسی سلسلے میں اماں سے ڈسکس کر رہی تھیں۔

"ارے اماں! آپ اتنی پریشان کیوں ہیں؟ آپ کو تو خوش ہونا چاہیے کہ ساجدہ کا کہیں رشتہ ہونے کا امکان پیدا ہو گیا ہے۔" ثریا آپا دل سوزی سے اماں سے کہہ رہی تھیں۔

"ارے خاک دھول ایسے رشتے پر۔ ایسا شخص جس کے تین ہوتے بچے ہیں۔ اور جو اتنا ظالم اور سفاک ہے۔ میں کیسے اس سے اپنی بیٹی کی شادی کروں۔"

ساجدہ یونیفارم اتار کر کھانا گرم کرتے ہوئے تشویش سے اماں اور ثریا آپا کی باتیں سن رہی تھی۔

"تو اماں! مجبوری ہے۔ کتنے عرصے سے آپ ساجدہ کے رشتے کے لیے کوششیں کر رہی ہیں لیکن آپ خود بتائیں کہ کہیں کوئی بات بنی؟ اور محبوب حسین اتنا برا نہیں ہے اماں! وہ کہتے ہیں نا کہ بدا چھا بدنام برا۔ تو بس وہ بدنام ہو گیا ہے اور جہاں تک اس کا اپنی بیوی کو مارنے پیٹنے والی بات ہے تو اس کی بیوی بھی کم نہیں تھی۔ فہمیدہ بتا رہی تھی کہ بہت زبان چلاتی تھی اپنے میاں سے جب پتا ہو کہ بندہ آگے سے تھوڑا غصے والا ہے تو انسان کو احتیاط کرنی چاہیے' اتنی زبان نہیں چلانی چاہیے۔"

"اچھا۔ بس کرو اب اس کی تعریفیں۔" اماں نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔ "تمہیں یہاں آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ میں نے تمہیں منع کیا تھا۔"

"ابا نے بلایا تھا۔ میں کیسے انکار کرتی۔ اور آپ اتنی پریشان نہ ہوں۔ ابھی ابا نے صرف رشتہ لانے کو ہی تو کہا ہے کون سا رشتہ قبول کر لیا ہے' ایک دفعہ آپ ان لوگوں سے ملیں۔ بات وغیرہ کریں پھر جو' جواب آپ دیں آپ کی مرضی۔"

"جس گلی جانا نہیں' اس کے کوس گننے کا کیا فائدہ۔ تم بس ان لوگوں کو منع کر دینا۔" اماں کے قطعیت پر ساجدہ نے ایک طویل اطمینان بھرا سانس لیا۔

"لیکن اماں! ابا ناراض ہوں گے۔ انہوں نے مجھے خود بلا کر کہا ہے۔" ثریا آپا نے منہ بنا کر کہا۔

"تم ان کی ناراضی کو چھوڑو۔ میں ان سے خود بات کر لوں گی۔ ویسے ہی آج کل ان کا دماغ سونیا کے مسئلے میں الجھا ہوا ہے۔"

"کیوں؟ کیا ہوا ہے سونیا کو؟" ثریا آپا نے چونک کر پوچھا۔ اماں اسے سونیا کے "مسئلے" کے بارے میں آگاہ کرنے لگیں۔

"اوہ اچھا تو یہ بات ہے۔" انہوں نے حیران ہو کر کہا۔ "ویسے اماں! اگر رشتہ اچھا ہے تو آپ لوگ ضد میں نہ آئیں۔ اس کی شادی وہیں کر دیں جہاں وہ چاہتی ہے ورنہ آپ کو تو پتا ہے وہ ضد کی کتنی پکی ہے۔"

"وہ جائے اور اس کا باپ جائے۔" اماں نے سر جھٹکا۔ "میری تو وہ' ویسے بھی کوئی بات نہیں سنتی۔"

وہ دونوں اب سونیا کے مسئلے کے بارے میں ڈسکس کرنے لگی تھیں۔ اس نے اپنا بیگ اٹھایا اور باہر آ گئی۔

☆ ☆ ☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ابا! وہ آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔" تقریباً ڈیڑھ ہفتے کے بعد سونیا نے ابا سے جھجکتے ہوئے کہا تھا۔

"وہ کون؟" ابا نے پوچھا۔

"ذیشان۔۔۔ ذیشان آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں انہوں نے آپ کو کے ایف سی میں بلایا ہے۔" سونیا نے ایک مشہور ہوٹل کا نام لیا۔

"لیکن میں نے تم سے کہا تھا کہ اسے کہو کہ اپنے ماں باپ کو لے کر رشتہ لینے کے لیے آئے۔ کیا تم نے اسے نہیں بتایا؟"

"وہ اسی سلسلے میں تو آپ سے ملنا چاہتے ہیں اس کے پیرنٹس نہیں ہیں۔ ان کا انتقال ہو چکا ہے۔" سونیا "ذیشان کے لیے کبھی "اس" تو کبھی "ان" کا صیغہ استعمال کر رہی تھی۔

"اگر ماں باپ نہیں ہیں تو کوئی دوست بھی نہیں ہے کوئی رشتہ دار بھی نہیں ہے؟" ابا نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ "اور وہ مجھ سے ہوٹل میں کیوں ملنا چاہتا ہے؟"

"وہ آپ سے رشتہ کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہے۔"

"دماغ ٹھیک ہے تمہارا؟" ابا نے غصے سے اس کی بات کاٹ دی۔ "کیا رشتوں کی باتیں ہوٹلوں میں طے کی جاتی ہیں۔ ہمارے گھر آنے میں اسے کوئی مسئلہ ہے؟"

"کوئی مسئلہ نہیں ہے لیکن آپ خود سوچیں ہمارا گھر کتنا معمولی اور چھوٹا سا ہے اور ہمارے محلے کا ماحول بھی کیسا فضول اور عامیانہ سا ہے۔ جب یہاں کی کچی پکی گلیوں سے اتنی بڑی مرسڈیز گزرتی ہوئی ہمارے گھر کے سامنے رکے گی تو یہاں کے چھچھورے لوگ کتنی باتیں بنائیں گے۔ آپ کو معلوم ہے نا؟"

ابا نے افسوس سے اسے دیکھا۔ "تمہیں جمعہ جمعہ آٹھ دن بھی نہیں ہوئے ذیشان سے ملے ہوئے اور تمہیں یہ گھر، یہ محلہ اور اس محلے میں بسنے والے لوگ سب برے لگنے شروع ہو گئے ہیں۔"

"ابا! آپ میری بات کو غلط رنگ مت دیں۔" سونیا نے جلدی سے وضاحت کی۔ "لیکن آپ یہ بتائیں کہ آپ کو اس سے ہوٹل میں ملنے سے کیا مسئلہ ہے۔ جو بات یہاں ہو گی، وہ وہاں بھی تو ہو سکتی ہے۔"

"بالکل ہو سکتی ہے۔ لیکن رشتہ طے کرنے کے کچھ اصول ہیں۔ رشتے گھروں میں بڑے بزرگ آپس میں مل بیٹھ کر بات کر کے طے کرتے ہیں اسے کہو کہ اگر اس کے والدین نہیں ہیں تو کسی اور رشتہ دار کو رشتہ لینے کے لیے لے کر آئے۔ میں اس سے ملوں گا۔ بات کروں گا۔ پھر اس کے بارے میں کوئی چھان بین کرواؤں گا معلومات کرواؤں گا۔ جب مجھے پوری طرح اطمینان ہو جائے گا تب ہی میں ہاں کروں گا۔ ایسے ہی تو یہ سب نہیں ہو سکتا۔"

"ابا! آخر اس سب کی ضرورت ہی کیا ہے۔" سونیا نے منہ بنا کر کہا۔ "ذیشان بہت اچھا ہے۔ میں اسے اچھی طرح جانتی ہوں۔"

"تم چپ کرو۔" ابا نے اسے ٹوک دیا۔ "تم ابھی بچی ہو۔ تمہیں ان باتوں کا نہیں پتا۔ آج کی دنیا میں لوگ اپنے منہ پر کئی کئی نقاب چڑھائے پھرتے ہیں۔ باہر سے کچھ ہوتے ہیں اندر سے کچھ۔"

سونیا کے چہرے سے لگ رہا تھا کہ وہ ان باتوں سے کوئی زیادہ متفق نہیں ہے۔ پھر وہ بادل نخواستہ بولی۔ "ابا! آپ بعد میں یہ سب کچھ کر لیجئے گا آپ فی الحال اس سے کل ہوٹل میں تو مل لیں اس نے کل کے لیے ٹیبل ریزرو کروالی ہے۔"

"کیا وہ ہمارے گھر نہیں آسکتا؟" ابا نے ناراضی سے پوچھا۔

"آسکتا ہے۔ کیوں نہیں آسکتا۔ لیکن فی الحال تو آپ اس سے کل ہوٹل میں مل لیں۔ پلیز ابا! میری خاطر۔" اب کی بار اس نے لجاجت سے کہا تھا اور ابا اس کے لہجے کے سامنے بے بس ہو کر رہ گئے۔

☆ ☆ ☆

"تمہارا مطلب ہے تمہارے ابا ذیشان سے ملنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خود ہوٹل گئے ہیں اور وہ بھی رشتے کی بات کرنے؟"

فائزہ نے حیرت سے ساجدہ کی طرف دیکھا۔ ساجدہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ اس وقت ٹیوشن پڑھنے فائزہ کے گھر آئی ہوئی تھی۔

"واؤ! اس کا مطلب ہے تمہارے ابا بڑے روشن خیال ہیں۔ ہے نا؟"

"وہ روشن خیال نہیں ہیں۔" ساجدہ نے نفی میں سر ہلایا۔ "بات صرف اتنی سی ہے کہ وہ سونیا کی بات نہیں ٹال سکتے۔ سونیا نے انہیں مجبور کیا ہے کہ وہ ذیشان نامی اس لڑکے سے ہوٹل میں جا کر ملیں۔"

"اور تم؟" فائزہ نے پرخیال نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ "تم اگر کسی چیز کے لیے ان سے ضد کرو تو کیا وہ تمہاری بات بھی مان لیں گے؟"

☆ ☆ ☆

وہ گھر پہنچی تو ماحول خاصا سنجیدہ نظر آرہا تھا۔ گھر کے سارے افراد برآمدے میں بیٹھے کسی اہم مسئلے پر گفتگو کررہے تھے۔ یہاں تک کہ ثریا تایا بھی اپنے دونوں بچوں سمیت وہاں موجود تھیں۔ ساحول کچھ کشیدہ سا نظر آرہا تھا۔ وہ گیٹ سے اندر داخل ہوئی تو سب کی نظریں اس کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ سب کو اپنی طرف دیکھتا پاکر کچھ گڑبڑا سی گئی۔

"السلام وعلیکم!" اس نے منمناتی ہوئی آواز میں سب کو سلام کیا۔ اس کے سلام کا جواب صرف اماں نے دیا، باقی سب خاموش رہے۔

"کہاں سے آرہی ہو تم؟" ابا نے سخت انداز میں پوچھا۔

ساجدہ نے گھبرا کر ابا کی طرف دیکھا وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ اس وقت فائزہ کے گھر سے ٹیوشن پڑھ کر واپس آتی ہے تو پھر وہ کیوں پوچھ رہے تھے۔

"کیا بیری ہوگئی ہو؟ سنا نہیں تم نے کہ کہاں سے آرہی ہو تم؟" اب کی بار ابا پھاڑ کھانے والے انداز میں بولے۔

"ابا... میں فائزہ کے گھر سے واپس آرہی ہوں... وہ اماں... کو... پتا ہے۔" اس نے اٹک اٹک کر کہتے ہوئے مدد طلب نظروں سے اماں کی طرف دیکھا۔

"تو کیا روز روز تمہارا اپنی سہیلی کے گھر جانا ضروری ہے۔ ٹائم دیکھا ہے تم نے؟ جوان لڑکیاں اتنی دیر گھر سے باہر رہتے ہوئے اچھی لگتی ہیں؟"

ساجدہ کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔ نجانے ابا اس سے بات کرتے ہوئے اتنے سرد اور سفاک کیوں ہوجاتے تھے۔

"بس بھی کریں سہراب کے ابا!" اماں اس کی مدد کو آئیں۔ انہوں نے ساجدہ کی نم ہوتی آنکھیں دیکھ لی تھیں۔ "غصہ کس کا ہے اور نکال کس غریب پر رہے ہیں۔" انہوں نے ساجدہ کو اندر جانے کا اشارہ کیا۔ وہ کانپتی ٹانگوں کے ساتھ برآمدے سے ملحقہ کمرے میں آگئی۔

"ہاں۔ پڑھ لکھ کر تو یہ پروفیسرن جائے گی۔ ملک و قوم کا نام روشن کرے گی۔" ابا کی طنزیہ آواز اسے کمرے میں بھی سنائی دی۔

"ابا! آپ چھوڑیں اس بات کو۔" سہراب نے ان سے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ بات زیادہ اہم ہے جو ہم اس سے پہلے کررہے تھے۔"

"کیا کہوں میں؟" ابا کی آواز اب دھیمی ہوگئی تھی۔ "مجھے اس لڑکے سے مل کر سخت مایوسی ہوئی ہے۔ وہ تو مجھ سے ایسے بات کررہا تھا جیسے مجھ پر کوئی احسان کررہا ہو۔"

"آپ کو وہاں پر جانا ہی نہیں چاہیے تھا۔" سہراب کے چہرے پر تناؤ نظر آرہا تھا۔ "کیا ہمیں یہ زیب دیتا ہے کہ ہم لوگ ہوٹلوں میں جا کر رشتوں وغیرہ کی باتیں کریں اور مجھے تو حیرت اس بات پر ہے آپ لوگوں نے بالا ہی بالا اس بات کا فیصلہ کرلیا اور مجھے اس بات کی خبر ہی نہیں ہونے دی۔ اور اگر آج بھی اماں مجھے نہ بتاتیں تو مجھے تو اس بات کا پتا ہی نہ چلتا۔" سہراب کے انداز میں شکوہ نظر آرہا تھا۔

ساجدہ اس کی بات سن کر دروازے کی جھری سے

جھانک کر دیکھنے لگی۔ سونیا بھی وہیں موجود تھی۔ اس کے چہرے پر کبیدگی نظر آرہی تھی۔

"میں تو خود اس بات کے حق میں نہیں تھی لیکن تم تو جانتے ہو تمہارے ابا اور سونیا جب کسی بات کا فیصلہ کرلیں تو پھر ان کو روکنا کتنا مشکل ہوجاتا ہے۔" اب کی بار اماں نے کچھ غصے سے کہا تھا۔

"اور سونیا! مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی۔" اب کی بار سہراب نے سونیا سے مخاطب ہوکر ناگواری سے کہا۔ "اگر میں نے یا نومی نے کبھی تم سے روایتی بھائیوں جیسا سلوک نہیں کیا کبھی تم پر سختی یا روک ٹوک نہیں کی تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم اس قسم کی گھٹیا حرکتیں کرتی پھرو۔"

"ایسا کیا کردیا ہے میں نے کہ آپ اسے گھٹیا حرکتوں میں شمار کرنے لگے ہیں۔" سونیا بجائے کسی شرمندگی کا اظہار کرنے کے دوبدو جواب دینے پر اتر آئی۔

"تو اور کیا کرنا چاہتی ہو تم؟" وہ تلخی سے بولا۔ "کیا کوئی کسر رہ گئی ہے۔"

"سہراب! بکواس بند کرو اپنی۔" اب کی بار ابا غصے سے چلا اٹھے۔ "یہ کس قسم کی باتیں کررہے ہو تم۔ کیا تم بھول گئے ہو کہ تم اس وقت کسی اور سے نہیں اپنی بہن سے بات کررہے ہو۔"

"بہن کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے بڑے بھائی سے تمیز سے بات کرے۔" وہ دانت پیس کر بولا۔

"دیکھو سونیا!" اب کی بار ابا سونیا سے مخاطب ہوئے۔ "میں صرف تمہاری خوشی کی خاطر اس لڑکے سے ملنے چلا گیا تھا لیکن سچی بات تو یہ ہے کہ وہ ایک انتہائی مغرور اور بدتمیز لڑکا ہے۔ اسے تو بڑوں سے بات کرنے کے آداب تک معلوم نہیں ہیں۔ وہ مجھ سے یوں بات کررہا تھا جیسے میں تمہارا باپ نہیں کوئی تھرڈ کلاس پولیس آفیسر ہوں۔ جس کے سوالات کے جواب دینا اس کے لیے انتہائی ناگواری کا باعث ہوں اور جسے وہ اپنی امارت کے بل بوتے پر چپ کروانا چاہتا ہو۔"

"ہوسکتا ہے کہ آپ کو سمجھنے میں غلطی ہوئی ہو۔" سونیا نے بے نیازی سے کہا۔ "اب ذیشان اس بارے میں کیا کہتا ہے۔ یہ بھی تو معلوم کرنا پڑے گا۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" سہراب اس کی بات سن کر بھڑک اٹھا۔ "تمہیں ابا کی بات کا اعتبار نہیں ہے۔ تمہارے خیال میں ابا جھوٹے ہیں۔"

"میں نے ایسا کچھ بھی نہیں کہا۔" وہ منہ بنا کر بولی۔ "میں تو صرف یہ کہہ رہی ہوں کہ ہوسکتا ہے کہ ابا کو جو محسوس ہوا ہے، اصل میں ایسا نہ ہو۔ ہوسکتا ہے اس دن وہ کچھ تھکا ہوا ہو یا کسی بات پر اس کا موڈ آف ہو۔ شاید اسی لیے وہ کچھ ایساری ایکٹ کر گیا ہو۔ پھر ایک ملاقات سے کسی شخص کے اچھے یا برے ہونے کے بارے میں اندازہ کرنا بہت مشکل ہے۔ کسی شخص کو مکمل جاننے کے لیے کم از کم تین چار ملاقاتیں تو ہونی چاہئیں۔"

"یعنی ایک بار کی بے عزتی پر تیری تشفی نہیں ہوئی۔ تو چاہتی ہے کہ تیرا باپ تین چار بار بے عزت ہو۔" اماں نے اسے غصے سے ٹوکا۔

"سونیا! میں کوئی بچہ نہیں ہوں جسے تم ادھر ادھر کی باتیں کرکے بہلا رہی ہو۔" اب کی بار ابا کا لہجہ تیز تھا۔ "اک دنیا دیکھی ہے میں نے اور اسے دیکھتے ہی میں سمجھ گیا ہوں کہ وہ شخص قابل اعتبار نہیں ہے۔ تمہاری خاطر اگر میں اپنی بے عزتی نظر انداز کر بھی دوں تو اور بھی بہت سی باتیں ہیں انہیں میں کیسے نظر انداز کردوں۔ اس لڑکے کا نہ تو کوئی رشتہ دار ہے اور نہ کوئی ایسا خاص دوست ہے جو اس کی تصدیق کرسکے اور نہ ہی وہ خود بتانے کو تیار ہے۔ اس شہر میں وہ بالکل نیا ہے، پہلے کس شہر میں تھا۔ وہ کیا کرتا تھا اس بارے میں نہ تو وہ خود بتانے کو تیار ہے اور نہ ہمیں معلوم ہے۔ ایسے مشکوک شخص کو میں اپنی بیٹی کا ہاتھ کیسے تھما سکتا ہوں۔"

"ابا! یہ سب آپ کے واہمے ہیں۔ بے بنیاد اندیشے ہیں۔ آپ جانب دار ہوکر سوچ رہے ہیں کیونکہ ذیشان کے مقابل آپ کے بھائی کا بیٹا ہے۔ اسی خواہش کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پورا کرنے کے لیے آپ جواز تلاش کررہے ہیں۔ دلیلیں ڈھونڈ رہے ہیں۔ میں صرف زیشان سے شادی کروں گی صرف زیشان سے۔"

محبت واقعی اندھی ہوتی ہے' یہ اندازہ سونیا کو دیکھ کر بخوبی ہورہا تھا۔ وہ اپنے دماغ کو طاق میں رکھ صرف اپنے دل سے سوچ رہی تھی۔

"بکواس بند کرو اپنی۔" سہراب غصے سے چلا کر بولا۔

"تم اتنی بے حیا ہوگئی ہو کہ باپ اور بھائیوں کے سامنے جو منہ میں آرہا ہے بولے چلی جارہی ہو۔ ایک بات یاد رکھو تمہاری شادی وہیں ہوگی جہاں ہم لوگ چاہیں گے۔ سمجھیں تم!" وہ قطعیت سے کہتا وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔

سونیا نے فریادی نظروں سے ابا کی طرف دیکھا۔

"دیکھا ابا! آپ نے۔ سہراب بھائی مجھ سے کس انداز میں بات کررہے تھے۔"

"تو اور کیسے کرتا۔ تمہارے اس کارنامے پر تمہیں شاباش دیتا۔" اب کی بار اماں نے اسے لتاڑا۔

"سونیا! کچھ ہوش کے ناخن لو۔ ہم تمہارے اپنے ہیں۔ ہم تمہارے بارے میں برا کیسے سوچ سکتے ہیں۔" ثریا آپا نے رسانیت سے کہا۔ سونیا نے جواب میں کچھ نہیں کہا اور برا سا منہ بنا کر بیٹھ گئی۔

"ارے یاد آیا۔ ثریا!" ابا نے اچانک چونک کر ثریا آپا کی طرف دیکھا۔ "تم نے محبوب حسین کے گھر والوں کو رشتہ لانے کو کہا تھا؟ کوئی آیا نہیں پھر ان کے گھر والوں میں سے۔"

"وہ۔ دراصل۔ ابا۔" ثریا آپا نے گھبرا کر اماں کی طرف دیکھا۔ انہوں نے اماں کے کہنے پر۔

اپنی نند فہمیدہ کو انکار کردیا تھا۔ لیکن اب ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ ابا کو یہ بات کیسے بتائیں۔

"ثریا نے ان سے کہہ دیا تھا لیکن اب ان لوگوں کا خود ہی ارادہ تبدیل ہوگیا ہے۔" اماں نے اتنے اطمینان سے جھوٹ بولا کہ وہاں بیٹھی ثریا آپا اور اندر ہڑی ساجدہ بھی حیران رہ گئی۔ سونیا نے بھی چونک کر ان کی طرف دیکھا تھا۔

"کیا مطلب؟" ابا نے حیرانی سے کہا۔

"مطلب یہ کہ وہ لوگ اب یہاں رشتہ نہیں کرنا چاہتے۔ وہ لوگ کہیں اور بر تلاش کررہے ہیں انہوں نے ہم سے معذرت کرلی ہے۔" اماں نے سکون سے ایک اور جھوٹ بولا اور ان کے اس جھوٹ پر ساجدہ کا دل چاہا کہ وہ انہیں کم از کم سونے کا ایک میڈل ضرور پہنادے۔

"عجیب لوگ ہیں۔ اگر ایسا ہی کرنا تھا تو پہلے بات کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" ابا نے کچھ ترشی سے کہا۔

"چلیں جو ہوا اچھا ہی ہوا۔ اب آپ خود نہ ان سے کوئی اس سلسلے میں بات کرنے لگ جائیے گا۔ اچھا نہیں لگے گا۔" اماں نے نصیحت کی۔

"ارے دماغ خراب ہوگیا ہے میرا کہ میں ایسے فضول لوگوں سے کوئی بات کروں گا۔ میری طرف سے بھاڑ میں جائیں۔" ابا غصے میں لگ رہے تھے۔

"ارے اماں! آپ نے تو کمال کردیا۔" ابا کے جانے کے بعد ثریا آپا نے خوش ہو کر اماں سے کہا۔

"کیسے بات کو سنبھالا۔ ورنہ میں تو ڈر رہی تھی کہ میں ابا کو منع کرنے والی بات بتاؤں گی تو ابا کہیں ناراض ہی نہ ہوجائیں۔"

"اماں! آپ بہت اچھی ہیں۔ بہت اچھی۔" ساجدہ نے شکر گزاری سے ان کی طرف دیکھا۔

"بات تو میں نے بنادی ہے۔ لیکن اب کوشش کرنا کہ یہ بات تمہارے ابا کو نہ پتا چلے۔" انہوں نے کہہ کر خاموش بیٹھی سونیا کی طرف دیکھا۔

"سونیا! یہ بات تمہارے ابا کو پتا نہیں چلنی چاہیے۔ سن رہی ہو نا یہ بات۔" انہوں نے قدرے سخت لہجے میں سونیا سے کہا۔ سونیا نے بے زاری سے اثبات میں سر ہلادیا۔

☆ ☆ ☆

گھر میں کشیدگی کی فضا تھی۔ سونیا اپنی ضد پر اڑی

ہوئی تھی۔ وہ کسی کی بات سننے کے لیے تیار نہیں تھی۔ ساجدہ نے بھی ایک دو بار موقع پاکر اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ اسے فائزہ کی یہ بات بھی بتائی تھی کہ اس نے زیشان کو کسی اور لڑکی کے ساتھ گھومتے پھرتے دیکھا ہے لیکن وہ اس کی یہ بات سن کر اور بھڑک اٹھی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ ساجدہ اور فائزہ دونوں حسد میں اس قسم کی باتیں کررہی ہیں کیونکہ ان دونوں سے یہ بات ہضم ہی نہیں ہورہی کہ اس کی شادی اتنے ہینڈسم اور دولت مند لڑکے سے ہورہی ہے۔ اس نے تلخ لہجے میں ساجدہ سے کہا کہ وہ اپنے کام سے کام رکھے اور اپنی فکر کرے اس کی فکر کرنا چھوڑ دے۔

اور صرف دو دن بعد اسے اپنی فکر کرنا پڑ گئی جب ابا نے دکان سے گھر آنے کے بعد غصے سے اماں کو ان کا وہ ذلت بھرا جھوٹ جتایا جو انہوں نے بڑی صفائی سے گھڑا تھا۔

"شرم نہیں آئی تم لوگوں کو جھوٹ بولتے ہوئے رشتے سے منع تم لوگوں نے خود کیا اور نام لگا دیا ان لوگوں کا۔ بڑی چالاکیاں کرنا آگئی ہیں تم لوگوں کو۔" ابا خاصے غصے میں لگ رہے تھے۔

"آ۔ پ۔ کو کس نے بتایا؟" اماں نے گھبرا کر پوچھا۔ ان کی بات سن کر سامنے برآمدے میں بیٹھی سبزی بناتی ساجدہ بھی گھبرا گئی تھی۔

"محبوب حسین خود آیا تھا میری دکان پر۔ شکوہ کررہا تھا کہ ہم نے بغیر کوئی بات کہے سنے رشتہ سے صاف انکار کردیا ہے۔ جب میں نے اس سے کہا کہ رشتہ لے کر آنے کا کہہ کر وہ لوگ خود ہی پیچھے ہٹے ہیں تو وہ تو حیران رہ گیا اور اس نے مجھے قسم کھا کر یقین دلایا کہ انکار انہوں نے نہیں بلکہ ہم لوگوں نے کیا ہے۔ کیا بتاؤں کتنی شرمندگی ہوئی ہے مجھے۔ کیا سوچتا ہوگا وہ ہمارے بارے میں۔"

"جو سوچتا ہے سوچتا رہے۔ اس کے سوچنے نہ سوچنے سے ہمیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔" اماں اب سنبھل گئی تھیں۔

"یعنی تمہیں اپنے جھوٹ پر ذرا بھی شرمندگی نہیں ہے؟" ابا نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"اس وقت مجھے جو مناسب لگا' میں نے کہہ دیا اور ویسے بھی اب جو ہونا تھا وہ ہوچکا۔ اب تو آپ کو بھی پتا چل چکا ہوگا کہ مجھے یہ رشتہ ذرا بھی پسند نہیں ہے۔ اگر وہ لوگ رشتہ لے کر ابھی جاتے تو بھی ہم نے انکار ہی کرنا تھا۔"

"کیوں انکار کردیتے؟ تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں یہ رشتہ قبول کرنے کا فیصلہ کرچکا ہوں۔ میں نے محبوب حسین کو تقریباً ہاں کہہ دی ہے اور اس سے کہہ دیا ہے کہ وہ دو دن میں رسمی طور پر بھی رشتہ لینے کے لیے اپنے گھر والوں کو بھیج دے۔" ابا نے بہت اطمینان سے کہا۔

ساجدہ کے ہاتھ سے چھری گر گئی۔ وہ وہیں مارے صدمے کے حق دق رہ گئی تھی۔ اماں بھی حیرت اور شاک کے عالم میں ابا کو دیکھتی رہ گئی تھیں۔

"آپ نے مجھ سے پوچھے بغیر اتنا بڑا فیصلہ خود ہی کرلیا۔ میرا خیال نہیں آیا آپ کو؟"

"جب تم مجھ سے پوچھے بغیر ان لوگوں کو ناں کہہ سکتی ہو تو میں انہیں ہاں کیوں نہیں کہہ سکتا۔ اور مجھے تو تم پر حیرت ہورہی ہے' تمہیں تو ساجدہ کے رشتے کی بہت جلدی تھی' ہر آنے جانے والے کو اس کے رشتے کا کہتی تھیں اب جب ایک رشتہ خود چل کر گھر آرہا ہے تو تم اسے ٹھکرا دینا چاہتی ہو۔ کیا ہوگیا ہے تمہاری عقل کو؟"

"اور میری یہ سمجھ میں نہیں آرہا کہ آپ کی عقل کو کیا ہوگیا ہے۔ کیا آپ کو نظر نہیں آرہا کہ وہ ساجدہ سے کتنا بڑا ہے۔ تین بچے ہیں اس کے' اس کا کردار' اس کا مزاج' آپ کو کچھ نظر نہیں آرہا؟" اماں تاسف سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔

"سب کچھ نظر آرہا ہے مجھے اور بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے میں نے اور میرا تمہیں مشورہ یہی ہے کہ تم بھی حقیقت پسند بن کر سوچو' جذباتی ہو کر نہیں اور حقیقت یہی ہے کہ جو خامی ساجدہ میں ہے اس کی وجہ سے اس کے ایسے ہی رشتے آئیں گے۔ تم خود بتاؤ ہم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کتنے عرصے سے اس کے لیے رشتہ تلاش کررہی ہو۔ بتاؤ کوئی رشتہ ملا؟" ابا واقعی بہت حقیقت پسند ہیں یہ اندازہ ساجدہ کو اب بہت اچھی طرح ہو رہا تھا۔

"یہ ٹھیک ہے کہ میں ساجدہ کے رشتے کے لیے پریشان تھی اور اب بھی ہوں لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ اپنی پریشانی دور کرنے کے لیے ہم اپنی بیٹی کو ایک ایسے شخص کے پلے باندھ دیں جس کا کردار مشکوک اور مزاج اتنا کڑوا ہے۔ یاد نہیں کیسے اپنی بیوی کو مارتا پیٹتا تھا۔ کیسے اس کا جینا حرام کر رکھا تھا۔ اگر ہم اس کی زیادہ عمر اور تین بچوں کو نظر انداز کر بھی دیں تب بھی اس بات کو کیسے نظر انداز کرسکتے ہیں۔"

"تم نے خود اسے ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے؟"

"نہیں۔ لوگوں سے سنا ہے۔ اس کے ساتھ رہنے والے ہمسائے اور۔۔۔"

"یعنی تم صرف سنی سنائی پر اعتبار کرکے اپنے گھر آنے والے اس واحد رشتے کو بھی ٹھکرا دینا چاہتی ہو۔ ارے سنی سنائی پر نہ جاؤ۔ لوگوں کو تو عادت ہوتی ہے بات کا بتنگڑ بنانے کی اور پھر اس کے کردار کی اچھائی اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی کہ اس نے جہیز لینے سے صاف انکار کردیا ہے اس نے مجھے صاف کہہ دیا کہ چاچا جی میں آپ سے جہیز کے سلسلے میں ایک پائی بھی نہیں لوں گا۔ خود سوچو اس سے اچھا رشتہ اور وہ بھی ساجدہ کے لیے ہمیں کوئی اور ملے گا۔" ابا کا انداز بالکل قطعی تھا اور ساجدہ کو لگ رہا تھا۔ اس کا دل ڈوبتا جارہا ہو۔ ایک ایسا شخص جس کی صورت دیکھتے ہی اس سے نفرت کرنے کو دل چاہتا ہو اس کے ساتھ وہ پوری زندگی کیسے بتائے گی۔

"آپ کچھ بھی کہیں، مجھے یہ رشتہ منظور نہیں ہے۔" اماں نے غصے سے کہا۔

"میں تم سے پوچھ نہیں رہا۔ تمہیں بتا رہا ہوں۔" ابا غصے سے کھڑے ہوگئے۔ "تم مانو یا نہ مانو میں اس کا رشتہ وہاں طے کرچکا ہوں۔ اور اس گھر میں وہی ہوگا جو میں چاہوں گا۔ سمجھیں تم!" ابا کہہ کر رکے نہیں اور وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔ اماں نے بے بسی سے ساجدہ کی طرف دیکھا۔ وہ رو رہی تھی۔ ان کا دل چاہا وہ بھی رونا شروع ہوجائیں۔

☼ ☼ ☼

"تمہارا مطلب ہے کہ تمہارے ابا نے تمہارا رشتہ ایسے شخص کے ساتھ طے کردیا ہے جس کے تین بچے ہیں جو رنڈوا ہے۔ شرابی ہے، بدمزاج ہے، خودسر ہے اور نہ جانے کیا کچھ ہے۔ ہے نا۔"

فائزہ تلخی سے بولی۔ وہ اس وقت فائزہ کے گھر آئی ہوئی تھی اور وہ دونوں فائزہ کے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھیں۔

"مجھے تو حیرت اس بات پر ہو رہی ہے، ایک باپ اپنی اولاد کے بارے میں اتنا دہرا معیار بھی رکھ سکتا ہے۔ ایک بیٹی کے بارے میں اتنا اچھا اور دوسری کے بارے میں اتنا برا۔" وہ حیرت اور دکھ سے مغموم بیٹھی ساجدہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"اور تم۔۔۔ مجھے تو تم پر طیش آرہا ہے۔ تم چپ کرکے ان کی باتیں سنتی رہیں۔ تمہیں تو انکار کردینا چاہیے تھا۔ صاف انکار۔" اب وہ غصے سے کہہ رہی تھی۔

"کیسے کرتی میں انکار۔۔۔" وہ رنجیدگی سے بولی۔ "وہ اماں سے بات کررہے تھے جب انہوں نے اماں کی کسی بات کو قابل توجہ نہیں سمجھا تو میری بات کو کیسے سمجھتے۔ ان کے پاس بہت سی دلیلیں تھیں، بہت سی وجوہات تھیں اس رشتے کو قبول کرنے کی اور سب سے بڑی دلیل سب سے بڑی وجہ تو انہوں نے یہی بتائی کہ میں بدصورت ہوں۔ مجھ جیسی بدصورت لڑکی کے لیے یہی رشتہ مل گیا ہے تو غنیمت ہے اور کون آئے گا مجھے بیاہنے اور ٹھیک ہی تو کہہ رہے تھے وہ۔" اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ "میں بدصورت ہوں اور یہی میری اوقات ہے۔"

"بہت افسوس ہو رہا ہے۔ مجھے تم پر ساجدہ! بہت افسوس۔۔۔" وہ تاسف سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "میں سمجھ رہی تھی کہ شاید اب تمہارے انداز

فکر میں تبدیلی واقع ہوگئی ہوگی اور تم میں اعتماد پیدا ہوگیا ہوگا۔ لیکن۔۔۔ تم۔۔۔ تم تو وہی ساجدہ ہو۔ وہی خود ترسی کا شکار، احساس کمتری کے خول میں بند رہنے والی لڑکی دوسرے کے ہاتھوں میں اپنے مستقبل کا فیصلہ سونپ کر اپنی ساری خرابیوں اور ناکامیوں کا ذمہ دار تقدیر کو سمجھنے والی لڑکی تم نے مجھے بہت مایوس کیا ہے ساجدہ! بہت مایوس۔"

"تو کیا کروں۔۔۔ کیا کروں میں؟" وہ روتے ہوئے بولی۔ "میں تمہاری طرح خوبصورت اور پراعتماد نہیں ہوں۔ میں ایک بدصورت اور بزدل لڑکی ہوں۔ مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ میں اپنے باپ کے سامنے کھڑی ہوجاؤں۔"

"ہمارد بنو ساجدہ! اگر اس وقت بزدلی دکھاؤ گی تو آئندہ پیش آنے والی مشکلات اور مصائب کا ذمہ دار تمہیں قسمت کو ٹھہرانے کا کوئی حق نہیں ہوگا۔"

"شاید۔۔۔ تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔۔۔ لیکن۔۔۔ میرے لیے یہ سب کرنا بہت مشکل ہے۔" وہ اٹک کر بولی۔

"کیوں مشکل ہے۔ سونیا کی مثال تمہارے سامنے ہے۔ اس نے بھی تو انکار کردیا ہے حالانکہ اس کے ساتھ ایسا کچھ بھی نہیں ہو رہا جو تمہارے ساتھ ہو رہا ہے۔ ساجدہ! تمہیں انکار کرنا ہوگا ورنہ تمہارے سارے خواب ادھورے رہ جائیں گے۔ وہ خواب جنہوں نے تمہیں جینے کا نیا حوصلہ دیا ہے اور جن کو پانے کے لیے تم اتنی محنت کررہی ہو۔"

"میں تم سے کچھ کہہ رہی ہوں ساجدہ!" اسے سوچ میں ڈوبا ہوا دیکھ کر وہ اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہراتے ہوئے بولی۔

"تم بالکل ٹھیک کہہ رہی فائزہ!" وہ کچھ دیر بعد بولی تو اس کا لہجہ نئے حوصلے اور عزم سے جگمگا رہا تھا۔ "میں ضرور انکار کروں گی۔ آخر یہ زندگی بھر کی بات ہے، کوئی مذاق تو نہیں پھر سونیا نے بھی تو انکار کردیا ہے۔ میں کیوں انکار نہیں کرسکتی۔"

"یہ ہوئی نا بات۔" فائزہ خوش ہوکر بولی۔ "اب لگی ہو نا میری اصلی والی سہیلی۔"

☼ ☼ ☼

"وہ لوگ آرہے ہیں کل۔" ابا نے کھانا کھاتے ہوئے اماں کو بتایا۔ وہ دوپہر کا کھانا کھانے کے لیے گھر آئے ہوئے تھے۔ ساجدہ بظاہر اپنی کتاب کھول کر پڑھنے میں مصروف تھی لیکن اس کے کان اماں اور ابا کی باتوں میں لگے ہوئے تھے اس نے آج اسکول سے چھٹی کی تھی کیونکہ وہ آج ابا کو اپنے انکار کے متعلق بتانا چاہتی تھی اور اس کے لیے دوپہر کا وقت اس کے خیال میں سب سے مناسب تھا کیونکہ اس وقت گھر میں سوائے اماں اور ابا کے اور کوئی نہیں ہوتا تھا۔ فائزہ نے اس سے کہا تھا کہ وہ زیادہ ٹائم ضائع کیے بغیر اپنے ابا کو انکار کردے کیونکہ ابھی صرف زبانی کلامی بات ہوئی تھی اگر باقاعدہ رشتہ طے ہوجاتا تو پھر اس بارے میں بات کرنا بہت مشکل ہوجاتا۔

"محبوب حسین کے گھر والے باقاعدہ رشتہ لے کر آرہے ہیں۔" انہوں نے نوالہ منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔

"حالانکہ میں نے آپ کو منع کیا تھا۔" اماں نے شکوہ کیا۔ "لیکن شاید آپ کے نزدیک میری بات کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔"

"تم ایک بے وقوف عورت ہو۔" ابا نے ترشی سے کہا۔ "اگر عقل سے سوچو گی تو محسوس ہوگا کہ یہ فیصلہ کتنا درست ہے۔ اپنی بیٹی کی شکل و صورت کو دیکھو اور پھر دیکھو کہ یہ رشتہ مناسب ہے یا نہیں۔"

"اگر عقل کے ساتھ سوچنے سے اس قسم کے فیصلے کیے جاتے ہیں تو پھر یہ عقل آپ کو ہی مبارک ہو، میرے سوچنے کے لیے میرا دل ہی کافی ہے۔" اماں نے تلخی سے کہا۔

"تم اور تمہارا دل دونوں ہی فضول ہیں۔" وہ چنگیر کو سمیٹ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ "مجھ سے اب اس سلسلے میں کوئی بحث نہ کرنا۔ وہ لوگ کل آرہے ہیں۔ سراب سے کہہ کر جو منگوانا ہو منگوالینا۔"

ساجدہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسے جو کچھ کہنا تھا ابھی کہنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا بعد میں کہنا شاید اس کے کوئی کام نہ آتا۔ ابا وہاں سے جانے کے لیے مڑے۔ اس نے ابا کو پکارا "ابا!"

ابا نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں استعجاب اتر آیا۔ "تم نے مجھے بلایا ہے؟"

"جی ابا!" اس نے سر ہلایا۔ "مجھے۔ مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے۔" وہ تھوڑا اٹکتے ہوئے بولی۔

"مجھ سے؟" ابا حیرت زدہ ہو کر بولے۔

"جی آپ سے۔ آپ بیٹھیں نا۔" اس نے سامنے پڑی چارپائی کی طرف اشارہ کیا۔

ابا تھوڑی دیر اسے ایسے دیکھتے رہے جیسے سمجھنے کی کوشش کر رہے ہوں پھر چارپائی پر بیٹھ گئے۔ ایسا شاید پہلی بار ہوا تھا کہ ساجدہ نے ان سے کوئی بات کرنے کے لیے انہیں اس طرح روکا تھا ورنہ وہ تو سونیا کی باتوں کو سننے اور اس کی فرمائشوں کو پورا کرنے کے عادی تھے۔

"ہاں کہو۔" ابا نے اس کی طرف دیکھا۔

"ابا۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ میں۔۔۔ میرا مطلب ہے کہ۔۔۔"

"یہ کیا وہ۔۔۔ وہ میں لگا رکھی ہے تم نے جلدی کہو، مجھے دکان پر جانے میں دیر ہو رہی ہے۔" ابا نے ترشی سے اس کی بات کاٹ دی۔

"ابا! میں آپ سے یہ کہنا چاہتی ہوں۔۔۔ کہ میں محبوب حسین سے شادی نہیں کر سکتی۔" اس نے آخر دل کڑا کر کے کہہ ہی دیا۔

"کیا؟" ابا اس طرح اچھلے جیسے چارپائی کے اسپرنگ نکل آئے ہوں۔ "یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟"

"جی ابا! میں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں۔" اب اس کا لہجہ مضبوط تھا۔ "مجھے وہ شخص بالکل بھی اچھا نہیں لگتا۔ وہ اچھے کردار کا حامل نہیں ہے اور ویسے بھی مجھے ابھی بہت پڑھنا ہے۔"

سر جھکا کر دھیرے دھیرے کہتے ہوئے اس نے نظریں اٹھا کر ابا کی طرف دیکھا اور گھبرا گئی۔ ابا بے حد غصے میں لگ رہے تھے۔ پھر وہ چلانے لگے۔

"یہ کمی ہے تم نے اپنی بیٹیوں کی تربیت۔" انہوں نے حیران کھڑی اماں کو مخاطب کیا۔ "پہلے ایک نے انکار کیا اب دوسری انکار کر رہی ہے۔ غضب خدا کا کیا دوسرے گھروں میں بھی بیٹیاں اپنے باپ کے سامنے اس طرح کھڑے ہو کر بے حیائی سے انکار کر دیتی ہیں جیسے ہمارے گھر میں ہو رہا ہے۔"

"ساجدہ!" اماں نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ "تمہیں اپنے ابا سے ایسے نہیں کہنا چاہیے تھا۔"

"کیوں اماں!" اس نے نم آنکھوں سے اماں کی طرف دیکھا "کیا میں انکار نہیں کر سکتی؟ میرے سینے میں دل نہیں ہے یا اپنے جذبات کو بیان کرنے کے لیے میرے منہ میں زبان نہیں ہے۔ میں بدصورت ہوں۔" اس نے اب کی بار ابا کی طرف دیکھا۔ "لیکن شاید آپ بھول گئے ہیں کہ بدصورت ہونے کے باوجود میرے سینے میں آپ کی طرح کا ایک زندہ، دھڑکتا ہوا دل موجود ہے۔"

"دیکھا۔۔۔ دیکھا تم نے۔" ابا نے دانت پیس کر کہا۔ "کیسے زبان چلا رہی ہے میرے سامنے۔" پھر وہ غصے سے اسے دیکھتے ہوئے بولے۔ "بہت پر نکل آئے ہیں تمہارے۔ کیا اپنے باپ سے ایسے بات کی جاتی ہے۔ یہی کچھ سکھایا ہے تمہیں تمہارے اسکول والوں نے؟"

"ابا! میں نے آپ سے کوئی بدتمیزی نہیں کی۔ میں تو صرف اپنی رائے کا اظہار کر رہی تھی۔" اس کی آواز کانپ رہی تھی "اور اپنی رائے کا اظہار کرنا میرا حق ہے۔"

"بکواس بند کرو۔" ان کا ایک زوردار تھپڑ اس کے چہرے پر پڑا۔ اماں حق دق انہیں دیکھتی رہ گئیں۔ ساجدہ نے پھٹی پھٹی نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔ آنسو بہت تیزی سے پلکوں کی باڑھ توڑ کر نکلے تھے۔

"یہی ہے تمہارا حق۔" وہ غصے سے دھاڑتے اس "روشن خیال" ابا سے بہت مختلف لگ رہے تھے جنہوں نے سونیا کی تمام باتیں بہت سکون سے سنی تھیں اور اس کی خاطر ہوٹل میں ایک لڑکے سے ملنے گئے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"باپ کے سامنے زبان چلاؤ۔ میری عزت کا، میری زبان کا کوئی خیال ہے تم لوگوں کو؟ میں کہتا ہوں کیا خرابی ہے محبوب حسین میں۔ لولا ہے، لنگڑا ہے، کیا کچھ ہے کماتا نہیں ہے، کیا خرابی ہے اس میں؟" "کیا تمہارے لیے کوئی شہزادہ اتر کے آئے گا آسمان سے۔۔۔ بتاؤ، جواب دو۔"

وہ غضب ناک انداز میں اس سے پوچھ رہے تھے لیکن ساجدہ ان کی باتوں کا کوئی جواب نہیں دے رہی تھی کیونکہ وہ رو رہی تھی۔ ہر شخص اس سے یہی پوچھتا تھا۔ ہر کوئی اس سے یہی کہتا تھا۔ وہ تو کسی شہزادے کی طلب گار نہیں تھی پھر اس سے یہ کیوں پوچھا جاتا تھا۔

"جو رشتہ تمہیں مل گیا ہے نا اسے ہی غنیمت سمجھو یہ رشتہ بھی بڑی مشکلوں سے ملا ہے بہت پاپڑ بیلنے کے بعد۔ اسے بھی ٹھکرا دینا چاہتی ہو تم؟ کیا ساری زندگی ہمارے سر پر سوار رہو گی تم؟"

"بہت شکریہ ابا!" وہ روتے ہوئے بڑی مشکل سے بولی "بہت شکریہ آپ کا کہ آپ نے مجھے میری اوقات یاد دلا دی۔ یہی تو ہے میری اوقات۔۔۔ یہ میری غلطی ہے کہ میں اس کو بھول گئی تھی۔ میں بھول گئی تھی کہ میں آپ کی بد صورت بیٹی ہوں۔ میرے لیے آپ کا معیار کچھ اور ہے دوسروں کے لیے اور۔۔۔ آپ فکر مت کریں، میری شادی وہیں ہوگی جہاں آپ چاہتے ہیں۔ آئندہ آپ سے کچھ نہیں کہوں گی۔ ہمیشہ اپنی اوقات یاد رکھوں گی۔ ہمیشہ۔"

وہ روتے ہوتے وہاں سے ایسے بھاگی جیسے اس کی قسمت اس سے دور بھاگ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ مرجانا چاہتی تھی۔ لیکن مرجانا بھی کہاں آسان تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس دنیا میں تکلیف دہ زندگی گزارنے کے بعد جب وہ قبر میں جائے تو وہاں بھی اس کے لیے تکلیفوں اور اذیتوں بھری ایک اور زندگی منتظر ہو۔ لہٰذا وہ زندہ رہی اور اپنی آنکھوں سے اپنے خوابوں کو اجڑتے اور اپنی زندگی کو تباہ ہوتے دیکھتی رہی۔

اگلے روز وہی کچھ ہوا جو کچھ ابا چاہتے تھے۔ اس کا رشتہ محبوب حسین سے طے ہو گیا۔ شادی دو تین مہینے کے بعد ہونا قرار پائی۔ ساجدہ کا رشتہ طے کرنے کے دو تین دن بعد انہوں نے سونیا کا رشتہ بھی ناصر کے ساتھ طے کرنے کا اعلان کر دیا۔ سونیا نے اس سلسلے میں احتجاج کرنے کی کوشش کی لیکن ابا نے اس کے احتجاج کو "نرمی" سے مسترد کر دیا انہوں نے سونیا سے کہا کہ وہ یہ سب کچھ اس کی بھلائی کے لیے کر رہے ہیں کیونکہ اپنے تجربے کی بنا پر وہ پرکھ چکے ہیں کہ ذیشان اس کے ساتھ مخلص نہیں ہے وہ اس کے لیے اچھا جیون ساتھی ثابت نہیں ہوگا جبکہ ناصر اس کے لیے ہر لحاظ سے اچھا اور بہترین جیون ساتھی ثابت ہوگا۔

دو تین روز کے بعد سعادت چچا اور ناصر کے دوسرے گھر والے بھی باقاعدہ رسم کر گئے۔ سونیا نے بظاہر خاموشی اختیار کر لی تھی اور سب نے گویا سکون کا سانس لیا تھا۔ اس کے خاموش ہونے کا مطلب بظاہر یہی تھا کہ وہ اس رشتے پر راضی ہو گئی ہے۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ ساجدہ اور سونیا کی شادی اکٹھے ہی کریں گے۔ ساجدہ کو تو انہوں نے کچھ دینا نہیں تھا کہ انہیں اس کے لیے انتظام کرنے کو کچھ وقت چاہیے ہوتا اور رہ گئی سونیا، ان کی عزیز از جان بیٹی تو اس کے لیے پہلے ہی سے وہ بہت کچھ پس انداز کر چکے تھے اور باقی جو رہ گیا تھا، وہ اسے دو ڈھائی ماہ میں آسانی سے جمع کر سکتے تھے۔

ساجدہ نے اسکول جانا چھوڑ دیا تھا۔ اسے پتا تھا کہ اب اس کا اسکول جانا زیادہ عرصے برداشت بھی نہیں کیا جائے گا اب وہ فائزہ سے بھی بہت کم ملتی تھی، وہ بھی فائزہ اسے خود فون وغیرہ کر کے اس کی خیریت معلوم کر لیتی تھی۔

کیا فائدہ تھا اس سے بات کرنے کا۔ اس سے ملنے کا۔ اس سے ملنے کے بعد ہی تو وہ اپنی اوقات اور حیثیت بھولی تھی اور اس نے مستقبل کے بارے میں نہ جانے کیا کچھ سوچنا شروع کر دیا تھا لیکن۔۔۔ اچھا تھا، اچھا تھا کہ اب اسے اپنی اوقات دوبارہ سے یاد آ گئی

تھی۔ اس کا کام صرف دوسروں کی بات پر سر جھکانا اور ان کے احکام کو بلا چوں چرا ماننا تھا۔ اس کی بد صورتی اس کا بہت بڑا جرم تھی اور اس کی سزا تو اسے بھگتنا ہی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ گرمیوں کی ایک عام سی صبح تھی۔ وہ اپنی چارپائی پر سر سے پیر تک چادر لپیٹے سوئی ہوئی تھی۔ اماں اسے اٹھنے کے لیے دو تین آوازیں دے چکی تھیں۔ گرمیاں ہونے کی وجہ سے وہ لوگ صحن میں چارپائیاں بچھا کر سوتے تھے۔ اماں کے اٹھانے کے باوجود وہ کسل مندی سے آنکھیں بند کیے پڑی رہی۔ اس کا دل اب کسی چیز میں نہیں لگتا تھا۔ نہ سونے میں، نہ جاگنے میں، نہ کھانے میں، نہ پینے میں، اسے لگتا تھا جیسے زندگی سے اس کی ساری دلچسپی ختم ہو گئی ہو، اب شاید وہ زندگی کو نہیں گزار رہی تھی بلکہ زندگی اسے گزار رہی تھی۔

سورج کب کا طلوع ہو کر اب اس کے سر پر کھڑا اسے جلا رہا تھا لیکن وہ اماں کے بار بار اٹھانے کے باوجود اپنی جگہ ڈھیٹ بن کر پڑی رہی۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ سارے لوگ اسے اٹھاتے رہ جائیں لیکن وہ سوئی کی سوئی رہے۔

"اگر ایسا ہو جائے تو کتنا اچھا ہو۔" اس نے حسرت سے سوچا۔ تب ہی اسے اماں کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔ "ارے یہ صبح ہی صبح سونیا کہاں چلی گئی ہے۔ سب جگہ دیکھ چکی ہوں میں۔ کہیں نہیں ہے وہ۔ آخر کہاں چلی گئی ہے وہ؟"

"سہراب کے ابا!" اب وہ ابا کو آوازیں دے رہی تھیں۔

ابا نے جھنجلاتے ہوئے پوچھا "کیا بات ہے کیوں اتنا چلا رہی ہو؟"

"ابھی تو میں چلا رہی ہوں تھوڑی دیر بعد آپ بھی چلانے لگیں گے۔ آپ کی لاڈلی بیٹی سونیا گھر پر نہیں ہے۔ نہ جانے اتنی صبح صبح کہاں چلی گئی ہے وہ۔" اماں کے انداز میں خوف گھبراہٹ غصہ سب ہی کچھ نمایاں تھا۔

"ہاں، وہ مجھے بھی نظر نہیں آ رہی کہاں گئی ہے وہ؟" ابا نے بغیر سوچے سمجھے پوچھا پھر وہ کچھ پریشان نظر آنے لگے۔ "کیا مطلب ہے تمہارا؟ اتنی صبح صبح کہاں چلی گئی ہے وہ۔"

اتنی آوازیں سننے کے بعد اب اس کا سونا بنتا نہیں تھا۔ وہ بھی گھبراہٹ میں بستر چھوڑ کر نیچے اتر آئی۔ اماں اور ابا دونوں برآمدے میں مضطرب و پریشان کھڑے سونیا کے بارے میں سوچ رہے تھے۔

"تم نے پڑوس والوں کے گھر سے پوچھا ہے؟ ہو سکتا ادھر چلی گئی ہو۔" ابا نے مضطرب سے انداز میں پوچھا۔

"ہاں گھر میں سب جگہ دیکھنے کے بعد ساتھ والوں کے گھر سے بھی پوچھا ہے میں نے۔" اماں کا دل ہول رہا تھا اور یہ ہولاہٹ اس وقت مزید بڑھ گئی جب نعمان نے آکر بتایا۔

"اماں! آپ کے تمام زیورات کے ڈبے خالی پڑے ہوئے ہیں اور الماری کا لاک بھی کھلا ہوا ہے۔"

"کیا؟" اماں نے بدحواسی سے پوچھا۔ پھر اماں اور ابا بھاگم بھاگ کمرے میں پہنچے الماری کا کھلا ہوا لاک اور زیورات کے خالی ڈبے ان کا منہ چڑا رہے تھے۔

گھر کے تمام افراد آن واحد میں وہاں جمع ہو چکے تھے۔ سونیا بھی غائب اور زیورات بھی غائب تھے۔ اس بات کا جو بھی مطلب تھا وہ سب بخوبی سمجھ رہے تھے۔

اماں دیوانوں کی طرح کھڑی سے بنی اس الماری کی تلاشی لے رہی تھیں۔ ان کے تمام زیورات کے علاوہ سونیا کے جہیز کے لیے بنائے گئے کپڑوں کے جوڑوں میں سے بھی بیشتر غائب تھے۔"

"دیکھ لیا، دیکھ لیا آپ نے۔۔۔" وہ چیخ کر ابا سے بولیں "دیکھ لیا آپ نے اپنی بیٹی کا کارنامہ، بھاگ گئی ہے وہ اپنے یار کے ساتھ۔"

"نہ نہیں نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا، سونیا ایسا نہیں کر سکتی۔ وہ ایسا نہیں کر سکتی۔ تمہیں۔۔۔ تمہیں ضرور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔" ابا کی بدحواسی ان کے چہرے سے واضح تھی شاید وہ سمجھ کر بھی سمجھنا نہیں چاہتے تھے۔

"غلط فہمی۔؟" اماں نے دکھ اور غصے سے ان کی طرف دیکھا۔ "یہ غلط فہمی ہے۔ میرے تمام زیور غائب ہیں اس کے جہیز کے تقریباً" سارے کپڑے غائب ہیں وہ خود یہاں نہیں ہے۔ یہ غلط فہمی ہے جائیں مجھے۔" وہ اب رو رہی تھیں۔

ابا فق ہوتے چہرے کے ساتھ کبھی روتی ہوئی اماں کو دیکھ رہے تھے کبھی چوپٹ کھلی ہوئی الماری کو اور کبھی گھر کے بڑے گیٹ کو انہیں شاید سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کریں تب ہی نعمان ایک کاغذ ہاتھ میں لیے ابا کی طرف بڑھا۔

"ابا! یہ سونیا کا خط ہے۔ یہ ڈریسنگ ٹیبل پر پڑا ہوا تھا۔"

ابا نے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے وہ کاغذ لیا۔ اس پر لکھی ہوئی تحریر کو وہ ہزاروں میں بھی پہچان سکتے تھے' وہ ان کی عزیز از جان بیٹی سونیا کی تحریر تھی۔ خط پر لکھا ہوا تھا۔

ابا!

میں ذیشان کے ساتھ یہاں سے بہت دور جا رہی ہوں۔ مجھے ڈھونڈنے کی کوشش مت کیجئے گا مجھے افسوس ہے کہ مجھے یہ انتہائی قدم اٹھانا پڑا لیکن اس کے ذمہ دار آپ لوگ ہیں اگر آپ سب میری بات مان لیتے تو مجھے یہ سب نہ کرنا پڑتا۔

میں اماں کے زیورات بھی لے کر جا رہی ہوں ویسے بھی یہ سارے زیورات میرے پاس ہی آنے تھے پہلے یا بعد میں' اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ ساجدہ کو تو ویسے بھی آپ نے کچھ نہیں دینا تھا۔

خدا حافظ

آپ کی بیٹی سونیا

ابا کا چہرہ بالکل زرد پڑ گیا تھا۔ خط ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے جا گرا' انہیں ایسا لگ رہا تھا جیسے زمین و آسمان زور زور سے گھومنا شروع ہو گئے ہوں اور تیز آندھی سے گھر کی تمام چیزیں بکھرتی جا رہی ہوں۔ انہوں نے سہارے کے لیے سامنے والی دیوار کو پکڑنے کی کوشش کی۔

"سونیا! تیرا ککھ نہ رہے۔ تو نے ہماری عزت خاک میں ملا دی۔" اماں اب روتے ہوئے بین کر رہی تھیں۔ "ارے کچھ تو خیال کر لیا ہوتا ہمارا۔"

"اماں پلیز آہستہ بولیں۔ پورے محلے والوں کو سنائیں گی کیا۔" سہراب نے ناگواری سے اماں کو ٹوکا۔

"میرے آہستہ بولنے سے کیا ہو گا۔ کیا یہ بات چھپ جائے گی۔ ایسی باتیں چھپا کرتی ہیں۔" اماں بدستور رو رہی تھیں۔ باقی سب لوگ خاموش تھے کسی بت کی طرح۔

"ابا! یہ سب آپ کی دی ہوئی ڈھیل کا نتیجہ ہے۔ آپ نے اسے بہت سر چڑھا رکھا تھا۔" سہراب نے اب کی بار ابا سے مخاطب ہو کر کہا۔

"صرف سر چڑھا رکھا تھا؟" اماں نے مداخلت کی۔ "ارے انہوں نے تو اسے لاڈ پیار میں بالکل بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔ بہتیرا کہا میں نے کہ لڑکی ذات ہے اتنا مت سر چڑھاؤ مگر انہوں نے مجال ہے جو میری کوئی بات سنی ہو۔ اب بتائیں' کیا جواب دیں گے ہم سعادت بھائی کو' پورے خاندان والے تھو تھو کریں گے ہم پر' بہت بدنامی ہو گی ہماری۔"

ابا ان سب باتوں کے جواب میں بالکل خاموش تھے۔ ساجدہ ان کی حالت کو تشویش سے دیکھ رہی تھی۔ انہیں بھی کچھ بولنا چاہیے تھا لیکن ایسا لگتا تھا جیسے انہیں سکتہ ہو گیا ہو' وہ جہاں تھے وہیں رک گئے تھے۔ پھر اچانک وہ کھڑے کھڑے نیچے گر گئے۔

سب لوگ بہت تیزی سے ان کے پاس آئے تھے۔

☼ ☼ ☼

ابا بہت سخت بیمار پڑے تھے۔ ان کا اعصابی نظام شاید ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گیا تھا۔ کچھ دن انہیں ہسپتال میں بھی رہنا پڑا تاہم ایک ڈیڑھ ہفتے کے بعد وہ گھر آ گئے۔ یہ بات معمولی نہیں تھی کہ چھپالی جاتی۔ دو دن میں ہی یہ بات پورے محلے میں پھیل گئی تھی۔ خاندان والے باتیں بنا رہے تھے اور محلے والوں نے سوال کر کر کے ان کا جینا دوبھر کر دیا تھا' ان کے گھر کے کسی بھی فرد کا باہر جانا عذاب ہو گیا تھا۔ کچھ لوگ ہمدردی جتانے اور کچھ براہ راست طعن و تشنیع پر اتر آتے۔

انہوں نے اس واقعہ کی رپورٹ پولیس میں درج نہیں کی تھی البتہ سہراب اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر سونیا کو ڈھونڈنے کی کوشش ضرور کر رہا تھا لیکن ابھی تک اس کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔

اس صورت حال سے گھر کے تمام افراد پریشان تھے لیکن ابا کی حالت تو بہت قابل رحم ہو گئی تھی۔ وہ سارا دن بیڈ پر خاموش پڑے چھت کو گھورتے رہتے۔ گھر سے باہر نکلنا انہوں نے تقریباً" چھوڑ دیا تھا۔ دکان ان کی غیر موجودگی میں نعمان سنبھال رہا تھا۔

ساجدہ ان کے دکھ کا اندازہ کر سکتی تھی۔ جب خواب بکھر جائیں' امنگیں دم توڑ دیں اور انسان کو کسی اپنے کے ہاتھوں تکلیف اور دکھ ملے تو دل خون کے آنسو روتا ہے۔ وہ یہ عذاب کتنے ہی عرصے سے جھیل رہی تھی۔ اپنوں کے درمیان اور اپنوں کے ساتھ رہتے ہوئے بھی اسے ایسا لگتا تھا کہ جیسے وہ اجنبیوں کے ساتھ رہتی ہو جنہیں اس کے احساسات اور جذبات سے کوئی دلچسپی نہ ہو۔

ابا جتنے عرصہ بیمار رہے تھے۔ ساجدہ نے جی جان سے ان کی خدمت کی تھی۔ اماں تو خود صدمے کی حالت میں تھیں اور پھر وہ ابا کو کسی حد تک اس واقعے کا ذمہ دار بھی خیال کرتی تھیں لہٰذا وہ ان سے دور دور ہی رہتی تھیں اور رہیں ثریا آپا تو وہ صرف باتیں بگھارنے کی ماہر تھیں سو آج کل بھی وہ یہ کام بہت خوش اسلوبی سے سرانجام دے رہی تھیں۔ اپنی باتوں سے وہ اماں اور ابا دونوں سے ہی خوب ہمدردی کا اظہار کرتی تھیں اور سونیا کو برا بھلا کہنے کا سیشن بھی ساتھ ساتھ ہی چلتا تھا۔

ساجدہ جب بھی ابا کی تیمارداری کے لیے ان کے پاس جاتی تھی اسے ان کی آنکھوں میں دکھ کے ساتھ ساتھ شرمندگی بھی نظر آتی تھی۔ وہ جب تک ان کے پاس رہتی' وہ نظریں جھکائے رہتے۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ اس سے نظریں ملانے سے گریز کر رہے ہوں۔

"ابا! یہ دودھ پی لیں۔" سونیا کو گئے ہوئے کافی دن بلکہ ہفتے ہو گئے تھے لیکن ابا ویسے ہی گھر میں پڑے ہوئے تھے۔ ان کی بیماری کافی حد تک ٹھیک ہو گئی تھی لیکن وہ اس جھٹکے سے شاید ابھی پوری طرح سنبھلے نہیں تھے۔

ابا اپنی آنکھوں پر بازو رکھ کر سوئے ہوئے تھے۔ اس کی آواز سن کر انہوں نے آنکھوں سے بازو ہٹا کر اسے دیکھا۔

"ابا۔" ان کا کوئی رد عمل ظاہر نہ ہونے پر اس نے آہستگی سے انہیں دوبارہ پکارا۔ "دودھ پی لیں۔"

"رکھ دو ادھر۔" انہوں نے سائیڈ پر پڑی ہوئی تپائی کی طرف اشارہ کیا۔ "پی لوں گا تھوڑی دیر بعد۔"

"نہیں ابا! ابھی پی لیں۔ کل بھی آپ نے ایسے ہی کہا تھا اور پھر بعد میں نہیں پیا تھا' ایسے ہی پڑا رہ گیا تھا۔" وہ گلاس ہاتھ میں لیے وہیں کھڑی رہی۔

"کیا کروں گا دودھ پی کر میں۔ اگر تھوڑا سا زہر ہے تو وہ لا دو۔" ان کے انداز میں وہی یاسیت تھی جو پچھلے کئی دنوں سے ان کے لہجے کا جزو بن کر رہ گئی تھی۔

"ابا! پلیز ایسی باتیں نہ کریں۔ ہم سب کو آپ کی ضرورت ہے۔" وہ گلوگیر لہجے میں بولی۔

ابا تھوڑی دیر اسے دیکھتے رہے پھر اچانک اٹھ کر اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر رونے لگے۔

"مجھے معاف کر دو' مجھے معاف کر دو بیٹی۔ میں نے۔ میں نے تمہارے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔" ساجدہ بوکھلا گئی۔ "یہ۔ یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟"

"وہی جو مجھے کہنا چاہیے۔"

"لیکن ابا! مجھے یہ سب کچھ بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا ہے۔" اس نے گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر ان کے ہاتھ تھام لیے۔ "آخر ایسا کیوں کر رہے ہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آپ؟"

"جو شخص کسی کے ساتھ زیادتی کرے۔ اس کے حقوق پامال کرے' اس کا دل دکھائے۔ کیا اسے اس شخص سے معافی نہیں مانگنی چاہیے۔" ابا کا انداز دل گرفتہ سا تھا۔ جیسے وہ اپنے گناہوں کا اعتراف کر رہے ہوں۔

"میرے دل پر' میرے ضمیر پر بہت بوجھ ہے اس کا' میں اس بوجھ کو اتارنا چاہتا ہوں میں نے تمہیں ہمیشہ نظر انداز کیا لیکن جس بیٹی کو میں دل و جان سے پیار کرتا رہا اس نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا۔"

ابا کا لہجہ گلوگیر ہو گیا۔

"میرے منہ پر کالک مل دی۔ مجھے کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔ اگر مجھے پتا ہوتا کہ وہ بڑے ہو کر یہ گل کھلائے گی تو میں پیدا ہوتے ہی اس کا گلا گھونٹ دیتا۔ مجھے یہ دن تو نہ دیکھنا پڑتا جو اولاد اپنے والدین کے ساتھ ایسا سلوک کرتی ہے اس کے ساتھ بھی اچھا نہیں ہوتا۔ سونیا کے ساتھ بھی اچھا نہیں ہوگا' تم دیکھ لینا۔" ایسا کہتے ہوئے ان کا لہجہ ایک بار کی کانپا تھا۔

"نہیں ابا! ایسا مت کہیں۔" اس نے بے اختیار ابا کو ٹوکا۔ "کچھ بھی ہو آخر وہ ہے تو ہماری اپنی۔ خون کا رشتہ ہے اس کے ساتھ ہمارا۔"

"کوئی رشتہ نہیں ہے۔ اس سے ہمارا۔" وہ غصہ سے بولا۔

ساجدہ جواب میں چپ رہی۔ وہ جانتی تھی کہ ابا یہ سب کچھ وقت غصے کے زیر اثر کہہ رہے ہیں۔ سونیا نے ابا کو جو شاک پہنچایا تھا اس کا اثر دھیرے دھیرے ہی کم ہو سکتا تھا۔

"تم اسکول نہیں جاتیں اب؟" کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد انہوں نے پوچھا۔

"جی ابا! میں نے اسکول جانا چھوڑ دیا ہے۔" اس نے کوشش کی کہ اس کا لہجہ بے تاثر رہے۔

"لیکن کیوں؟ میرا مطلب ہے کہ۔ تمہیں تو بہت شوق تھا پڑھنے کا۔ اور تم نے ہماری مخالفت کے باوجود اسکول میں داخلہ لیا تھا۔" ابا پتا نہیں واقعی انجان تھے یا پھر جان بوجھ کر انجان بن رہے تھے۔ اس نے کچھ حیرانی سے ابا کی طرف دیکھا پھر آہستہ سے بولی۔

"ابا! اسکول تو مجھے ویسے بھی چھوڑنا تھا۔ آج نہیں تو دو ڈھائی ماہ بعد۔" اس کی شادی محبوب حسین سے دو ڈھائی مہینہ بعد ہی ہونا قرار پائی تھی۔

"تم۔ محبوب حسین سے اپنا رشتہ طے ہونے کی وجہ سے ایسا کہہ رہی ہو؟"

ساجدہ جواب میں چپ رہی۔

"تم اس رشتے سے خوش نہیں ہو۔" ابا نے کچھ توقف کے بعد پوچھا۔

"نہیں ابا! ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔" اس نے تردید کی۔

"لیکن تم نے انکار کر دیا تھا۔"

"وہ۔ تو۔ وہ تو میں نے ویسے ہی۔۔۔" وہ گڑبڑا گئی۔

"تم نے بالکل ٹھیک انکار کیا تھا۔ وہ شخص واقعی اس قابل نہیں ہے کہ اس کے ساتھ تمہاری شادی ہو۔"

"جی" ساجدہ نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"ہاں۔" ان کی آنکھوں میں ندامت کے سائے لہرانے لگے۔

"میں محبوب حسین سے تمہارا رشتہ توڑ دوں گا۔ میں اسے انکار کر دوں گا۔"

ساجدہ نے بے یقینی سے انہیں دیکھا۔ "لیکن آپ نے انہیں زبان دی ہے۔"

"میری زبان اور میرے قول کی اہمیت اب باقی رہ ہی کہاں گئی ہے۔" ابا نے افسردگی سے کہا۔

"لیکن ابا! میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے آپ کو کوئی شرمندگی ہو۔ آپ میری وجہ سے انکار مت کریں۔ مجھے۔ مجھے اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔" برخلاف دل کے اس کا لہجہ بہت مضبوط تھا۔

ابا نے بہت پیار سے اس کی طرف دیکھا۔ "میں جانتا ہوں میری بیٹی نے کبھی مجھے شرمندہ نہیں کروایا اور مجھے یہ یقین ہے کہ وہ آئندہ بھی کبھی مجھے شرمندہ

نہیں کروائے گی لیکن بحیثیت باپ مجھ پہ بھی کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں جن سے میں غفلت کرتا رہا اور غفلت میں ہی یہ فیصلہ کر بیٹھا۔ میرے لیے میری بیٹی کی خوشیاں' اس کے جذبات اور اس کے خواب زیادہ اہم ہیں۔"

"ابا۔۔۔ آپ۔۔۔" خوشی کی شدت سے اس کی آواز کانپنے لگی۔ ابا کی زبان سے ادا ہونے والے یہ الفاظ کتنے پیارے' خوب صورت اور مسحور کن لگ رہے تھے۔ "آپ۔ بہت اچھے ہیں۔" اس نے پیار سے ابا کے ہاتھ تھام لیے۔

"تو کیا میں سمجھوں کہ میری بیٹی نے مجھے معاف کر دیا ہے؟" ابا مسکراتے ہوئے کتنے پیارے لگ رہے تھے۔

"اب اگر آپ نے یہ معافی والی الفاظ مجھ سے بولے تو میں آپ کی بیٹی نہیں بنوں گی۔ سمجھے آپ۔" اس نے مصنوعی خفگی سے کہا اور ہنسنے لگی ابا بھی اس کی ہنسی میں اس کے ساتھ شریک ہو گئے۔ کچھ ہی فاصلے پر کھڑی اماں نے یہ منظر بڑی حیرت سے دیکھا تھا۔

☆ ☆ ☆

"فائزہ! میں بہت خوش ہوں۔ اتنی خوش ہوں اتنی خوش ہوں کہ تمہیں بتا بھی نہیں سکتی۔" وہ اتنی خوش تھی کہ اگر نہ بھی بتاتی تو بھی فائزہ کو پتا چل جاتا۔ خوشی اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے' اس کی باتوں سے' اس کے لہجے سے' اس کے ایک ایک انداز سے۔

"ہاں۔۔۔ وہ تو مجھے پتا چل ہی رہا ہے۔ محترمہ خوشی کے مارے پھٹنے کو تیار ہیں۔

تم یہ بتاؤ۔ تم اسکول کب سے جوائن کر رہی ہو؟ نائنتھ کے ایونل پیپرز ہونے میں صرف ایک ڈیڑھ ماہ ہی رہ گیا ہے۔ پہلے ہی تمہاری اتنی طویل چھٹیوں سے تمہاری پڑھائی کا بہت لوس ہوا ہے۔"

"ہاں ان شاء اللہ بس آج کل میں جوائن کر لوں گی۔"

"تو چلو پھر تمہارے ری جوائن کرنے کی خوشی میں مٹھائی ہو جائے۔" فائزہ نے جانے کہاں سے ایک مٹھائی کا ڈبہ برآمد کیا اور اس کے سامنے رکھ دیا۔

"میرے ری جوائن کرنے کی خوشی میں؟" ساجدہ نے مشکوک نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ "سچ سچ بتاؤ' یہ مٹھائی کس سلسلے میں ہے؟"

فائزہ نے شرمانے کی ایکٹنگ کی۔ "یہ بات میں نہیں بتا سکتی۔ تم امی سے جا کر پوچھو۔ کیونکہ میں۔۔۔" اس نے دوپٹے کا کونہ منہ میں دبا لیا۔ "میں ایک مشرقی لڑکی ہوں۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ۔" ساجدہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ "تمہارا رشتہ طے ہو گیا ہے؟"

"میرے ساتھ رہ کر کافی عقل مند ہو گئی ہو۔" فائزہ نے اس کے شانے پر تھپکی دی۔

"فائزہ کی بچی! تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟" وہ خوشگوار حیرت سے بولی۔

"کیسے بتاتی۔ تم اور تمہارے گھر والے تو سونیا بی بی کے گھر سے بھاگ جانے کے سوگ میں ڈوبے ہوئے تھے۔"

"اچھا خیر۔ جلدی سے بتاؤ' وہ کون ہے' کیا کرتا ہے' کہاں رہتا ہے؟"

اور فائزہ مسکراتے ہوئے اسے اپنا رشتہ پکا ہو جانے کی تفصیلات سے آگاہ کرنے لگی۔

☆ ☆ ☆

ابا نے باضابطہ طور پر محبوب حسین اور اس کے گھر والوں کو رشتہ توڑنے کا عندیہ دے دیا تھا جس پر محبوب حسین اور اس کے گھر والوں نے خاصا برا مانا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ گھٹیا اور نیچ لوگ ہی اپنی زبان دے کر پھر اس سے مکر جاتے ہیں۔

ثریا آپا اور سہراب نے بھی اس پر خاصا اعتراض کیا تھا۔ سہراب کا کہنا تھا کہ سونیا کے اس لڑکے کے ساتھ گھر سے فرار ہونے پر پہلے ہی خاندان اور محلے والے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہم پر باتیں بنا رہے ہیں اب طے کیا ہوا رشتہ توڑ دینے سے ان لوگوں کو مزید باتیں بنانے کا موقع مل جائے گا۔

لیکن ابا نے ان سب اعتراضات کو مسترد کر دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ غلط فیصلے کا احساس کسی بھی موقع پر ہو جائے تو اپنے فیصلے کو بدل لینا چاہیے اسے انا یا عزت کا مسئلہ نہیں بنانا چاہیے۔

سونیا کا ذکر کرنا اور اس کے بارے میں بات کرنا وہ پسند نہیں کرتے تھے لیکن ساجدہ نے انہیں کئی بار چھپ چھپ کر کمرے میں آنسو بہاتے ہوئے دیکھا تھا۔ اماں اگرچہ کسی سے کچھ نہیں کہتی تھیں لیکن ان کی افسردگی بھی صاف نظر آتی تھی۔ سونیا واقعی بہت بدنصیب تھی جو اتنی محبتوں کو اپنے پاؤں تلے روند کر چلی گئی تھی۔

ساجدہ کے نانھنہ میں ٹائم تھوڑا ہونے کی وجہ سے زیادہ اچھے مارکس نہیں آئے تھے لیکن میٹرک میں اس نے جی جان سے محنت کی تھی۔

اور جب رزلٹ آیا تو اس کی محنت رنگ لائی تھی۔ اس نے A گریڈ میں میٹرک پاس کیا تھا اور کلاس میں اس کی تیسری پوزیشن آئی تھی۔

ان ہی دنوں فائزہ کی شادی کا ہنگامہ جاگا۔ اس نے فائزہ کی شادی میں بھرپور شرکت کی۔ شادی کی تقریب میں شرکت کے دوران کچھ لوگوں نے پھر اس کی بدصورتی کا مذاق اڑانے کی کوشش کی تھی لیکن ساجدہ نے بہت اچھے طریقے سے انہیں ہینڈل کیا۔ اسے اب اپنی بدصورتی پر کسی قسم کی شرمندگی نہیں تھی۔ جو چیز اپنے بس میں نہ ہو اس پر غرور کرنا یا پھر شرمندہ ہونا زیب نہیں دیتا۔

فائزہ کا شوہر فراز امریکہ میں کسی اچھے عہدے پر جاب کرتا تھا۔ کچھ روز پاکستان میں رہنے کے بعد فائزہ اپنے ہزبینڈ کے ساتھ امریکہ جا رہی تھی۔ ساجدہ انہیں ایئرپورٹ پر سی آف کرنے آئی تھی۔ وہ بہت اداس تھی۔ یہ خیال ہی اسے پریشان کر دیتا تھا کہ اسے اب فائزہ کے بغیر رہنا ہوگا۔

"یہ کیسا سوکھی املی جیسی منہ بنایا ہوا ہے تم نے۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے میں ملک چھوڑ کر نہیں جا رہی دنیا چھوڑ کر جا رہی ہوں۔" فائزہ نے منہ بنایا۔ اس نے سبز اور بے بی پنک کلر کے کمبی نیشن کا سوٹ پہنا ہوا تھا۔ ہلکے ہلکے میک اپ کے ساتھ وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔

"اللہ نہ کرے۔" ساجدہ نے بے اختیار کہا اور گھور کر اسے دیکھا۔ "یہ تم کیسی فضول باتیں کر رہی ہو۔"

"اچھا یہ سب چھوڑو یہ لیے تم نے جتنے اچھے مارکس میٹرک میں لیے ہیں تم پر ایک ٹریٹ ڈیو ہے۔ یہ تو میں شادی کی مصروفیات کی وجہ سے تم سے ٹریٹ نہیں لے سکی۔ جیسے ہی میں دوبارہ پاکستان آئی سب سے پہلے تم سے ایک زبردست سی ٹریٹ لوں گی۔" فائزہ نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"میرے میٹرک میں اچھے مارکس تمہاری وجہ سے آئے ہیں۔ اگر تم پڑھائی میں میری مدد نہ کرتیں تو میں کبھی بھی اچھے مارکس نہ لے سکتی۔ تم نے میری جتنی مدد کی ہے میں اس کا بدلہ نہیں دے سکتی۔"

"کم آن۔ دوستوں میں اس قسم کی باتیں اچھی نہیں لگتیں۔ میں نے اپنے حصے کا دیا جلایا ہے اس دنیا میں ہر شخص کو اپنے حصے کا دیا ضرور جلانا چاہیے کیونکہ ایک دیے سے پھر دوسرے دیے جلیں گے اور یوں روشنی بڑھتی جائے گی۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ اس دنیا میں بہت اندھیرا ہے ہمیں اس اندھیرے کو ختم کرنے کے لیے اپنے اپنے حصے کا دیا ضرور جلانا چاہیے۔" ساجدہ نے پرعزم لہجے میں کہا۔

"ہائے گرلز!" فراز بھائی، جو سی آف کرنے آنے والے اپنے دوسرے دوستوں اور رشتہ داروں کے درمیان کھڑے ہوئے تھے۔ ان کے پاس آ گئے۔

"یہ دیا جلانے کی کیا باتیں ہو رہی ہیں؟"

"یہ ہماری ایک پرسنل بات۔ آپ کو کیوں بتائیں۔" فائزہ نے شوخی سے کہا۔

"فراز بھائی!" ساجدہ نے مسکراتے ہوئے ان کی طرف دیکھا۔ "آپ نے میری دوست کا بہت خیال

رکھنا ہے۔ میری دوست لاکھوں میں ایک ہے۔"

"آپ کی پہلی بات پر میں ضرور عمل کروں گا۔ لیکن آپ کی دوسری بات سے مجھے اختلاف ہے۔" ان کی سنجیدگی سے کہی گئی بات پر فائزہ نے جھینپی اور ساجدہ نے حیرت بھری نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

"وہ کیوں؟" ساجدہ نے پوچھا۔

"آپ سے کس نے کہا ہے کہ آپ کی دوست لاکھوں میں ایک ہے آپ کی دوست تو۔" انہوں نے رک کر فائزہ کی طرف دیکھا۔ "آپ کی دوست تو کروڑوں میں ایک ہے۔"

ساجدہ کھکھلائی۔ "بہت اچھے!"

تھوڑی دیر بعد جہاز کی روانگی کا اعلان ہونے لگا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے گلے لگ گئیں۔

"اپنا حوصلہ بلند رکھنا۔ ابھی تم نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا ہے لیکن تمہیں بہت آگے جانا ہے۔" فائزہ نے سرگوشی کی۔

"تم بھی اپنا خیال رکھنا۔ مجھے فون ضرور کرتی رہنا۔" ساجدہ نے نم آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔

کچھ دیر بعد جہاز فضا میں بلند ہو گیا۔ ساجدہ اسے بہت دیر تک اور بہت دور تک جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

☼ ☼ ☼

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری
زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری

صبح کی ٹھنڈی، میٹھی اور مست خرام ہواؤں میں بچے ایک آواز ہو کر گاتے ہوئے کتنے خوبصورت لگ رہے تھے! وہ جب بھی ان بولوں کو سنتی تھی بے خود ہو جاتی تھی۔

کتنے پیارے الفاظ تھے یہ اور کتنی خوبصورت دعا تھی یہ اگر انسان شمع کی مانند ہو جائے تو کتنا اچھا ہو۔ شمع۔ جو خود تو جلتی رہتی ہے لیکن دوسروں کو روشنی دیتی ہے۔ خود کو فنا کر کے دوسروں کو زندگی دیتا۔

دور دنیا کا میرے دم سے اندھیرا ہو جائے
ہر جگہ میرے چمکنے سے اجالا ہو جائے

کاش ہر شخص یہی سوچنے لگے اور یہی کرنے لگے تو کتنا اچھا ہو۔ اس نے سر سے اڑتے آنچل کو سر پر اچھی طرح جماتے ہوئے سوچا۔

ہو میرے دم سے یونہی میرے وطن کی زینت
جس طرح پھول سے ہوتی ہے چمن کی زینت

بچے پورے ترنم میں گا رہے تھے۔ ان کے چہرے پر جوش اور آنکھوں سے جذبہ عیاں تھا۔

جو کام دل سے اور جذبے سے کیا جائے" اسی میں نکھار پیدا ہوتا ہے۔ اس نے یہ بات بار بار بچوں کو سمجھائی تھی۔

ہو میرا کام غریبوں کی حمایت کرنا
درد مندوں سے ضعیفوں سے محبت کرنا

بچے بہت محبت سے اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ ان کی آئیڈیل تھی۔ وہ ہر معاملے میں ان کی رہنمائی کرتی تھی۔ وہ انہیں "امن" کا "محبت" کا "دوستی" کا "خودداری" کا درس دیتی تھی وہ انہیں غریبوں کی مدد کرنے پر اکساتی تھی۔

میرے اللہ برائی سے بچانا مجھ کو
نیک جو راہ ہو اسی راہ پہ چلانا مجھ کو

"آمین۔" اس نے زیر لب آمین کہا اور ساتھ ہی تمام ٹیچرز اور بچوں نے بھی آہستگی سے آمین کہا تمام ٹیچرز بالکل خاموش اور مودب کھڑی تھیں۔

تمام اسٹوڈنٹس اور ٹیچرز ایک نظم و ضبط سے اپنی اپنی کلاسز کی طرف بڑھنے لگیں۔ تھوڑی ہی دیر میں اسکول کا صحن خالی ہو گیا۔ وہ تھوڑی دیر وہیں رک کر اسکول کی عمارت اور اس کے سرسبز لان میں کھلے خوبصورت اور خوش رنگ پھولوں کو دیکھتی رہی۔ وہ جب بھی اپنے اسکول کو دیکھتی تھی اسے ایک طمانیت اور سرشاری کا احساس ہوتا تھا۔ تھوڑی دیر وہیں رک کر وہ اپنے آفس میں آ گئی اور وہاں پر کچھ فائلز وغیرہ چیک کرنے لگی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اماں! مجھے بھی اس اسکول میں داخل کرادیں نا۔" ایک پرشوق سی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی اس نے اپنے آفس کی کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ ایک چودہ پندرہ سال کی لڑکی ایک درمیانی عمر کے ساتھ گیلری میں کھڑی تھیں۔

"دماغ خراب ہوگیا ہے تیرا۔ تیری عمر رہ گئی ہے اب اسکول میں پڑھنے کی۔ اور تجھے داخل کرے گا کون اس اسکول میں۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کے درمیان اتنی بڑی لڑکی پڑھتی ہوئی اچھی لگے گی بھلا۔" اس کی اماں کی آواز غصے سے لبریز تھی۔

"اماں! آپ بات تو کریں۔ ہوسکتا ہے مان جائیں۔" اس کی آواز میں آس تھی۔

"میرا دماغ خراب نہ کر۔ اور تجھے داخل کرایا تو تھا میں نے اسکول میں، خود ہی تو تیرا پڑھنے میں دل نہیں لگتا تھا۔ ہر وقت تو تیری استانیاں تیری شکایتیں لگاتی تھیں۔"

"اماں! وہ تو خود ہی صحیح طریقے سے نہیں پڑھاتی تھیں۔ مارتی بھی بہت تھیں۔"

ان دونوں کی بحث طول پکڑتی جارہی تھی۔ وہ اپنے آفس سے نکل کر ان کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ دونوں ہی باتیں کرتے کرتے چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگیں۔

اس نے غور سے اس لڑکی کی طرف دیکھا۔ گہری سانولی رنگت اور موٹے بھدے نقوش کی حامل لڑکی اسے اپنی طرف ایسے دیکھتے پا کر کچھ گڑبڑا سی گئی۔ اس کی ماں کی آنکھوں میں شناسائی کا رنگ ابھرا۔

"ارے میڈم جی! آپ؟ آپ تو اس اسکول کی بڑی میڈم ہو نا؟" اس عورت نے مرعوبیت سے پوچھا۔

"ہاں۔" اس نے سر ہلایا۔ "ابھی آپ دونوں کسی بات پر بحث کررہی تھیں غالباً۔"

"نہیں جی۔ بحث تو نہیں بس ایسے ہی۔" وہ عورت گڑبڑا گئی۔ "دراصل میری بیٹی نادیہ اس اسکول میں پڑھتی ہے اس کی ٹیچر نے بلایا ہے مجھے۔ کہہ رہی تھی کہ کوئی ضروری بات کرنی ہے اس نے مجھ سے اس کی پڑھائی کے سلسلے میں۔ بس اسی لیے آئی ہوں۔" اس نے بات کو دوسری طرف موڑا۔

"اور یہ۔ یہ بھی آپ کی بیٹی ہے؟" اس نے اس کم رو اور شرمیلی لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں جی۔ یہ نادیہ سے بڑی ہے۔ ساجدہ نام ہے اس کا۔ سلام کر بڑی میڈم کو۔" اس نے ساجدہ نامی اس لڑکی کو ٹہوکا مارا۔

"السلام علیکم!" لڑکی نے نظریں جھکا کر کہا۔

"ساجدہ۔" وہ لمحہ بھر کو ساکت ہوگئی۔ "آخر یہ تمام ساجدائیں ایک جیسی کیوں ہوتی ہیں۔" اس نے بے اختیار سوچا۔

"وعلیکم السلام!" لمحہ بھر کے توقف کے بعد اس نے کہا۔ "تم۔ اس اسکول میں پڑھنا چاہتی ہو؟" اس نے اس لڑکی سے پوچھا۔

لڑکی نے کچھ متذبذب سے انداز میں اپنی ماں کی طرف دیکھا پھر آہستہ سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"جب یہ اسکول میں پڑھنا چاہتی ہے تو آپ اسے روک کیوں رہی تھیں؟" اس نے اب کی بار ساجدہ کی ماں سے پوچھا۔

"ظاہر ہے جی اب یہ اس عمر میں کچی پکی میں پڑھتی اچھی لگے گی اور پھر اسے اسکول میں داخل کرے گا کون؟" عورت نے بنیادی نکتہ اٹھایا۔

"میں۔۔۔ میں کروں گی اسے اس اسکول میں داخل۔"

"آپ؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں میں۔ کیونکہ میں اس اسکول کی پرنسپل ہوں۔ آپ یہ بتائیں آپ کو تو کوئی اعتراض نہیں ہے؟" اس نے کہتے ہوئے اس لڑکی کی طرف دیکھا۔ اس کی مایوس نگاہوں میں دیے جل اٹھے تھے۔ وہ ممنون نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"وہ سب تو ٹھیک ہے لیکن۔۔۔ دیکھیں یہ میرے ساتھ گھر کا کام کروائی ہے اگر یہ اسکول میں پڑھنے لگے گی تو میرے ساتھ گھر کا کام کون کروائے گا۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ میں تو بہت پریشان ہوں

گی۔"

"تو کیا گھر کا کام کروانے کے لیے آپ اسے گھر میں بٹھائے رکھیں گی۔ پڑھنے نہیں دیں گی۔ اور پھر یہ بھی کتنی ناانصافی ہے کہ آپ ایک بیٹی کو تو پڑھا رہی ہیں اور دوسری کو صرف گھر کے کاموں کے لیے مخصوص کر رکھا ہے۔ کیا آپ کو اپنی اس بیٹی سے پیار نہیں ہے؟"

"نہیں جی۔ ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ مجھے اپنی دونوں بیٹیوں سے پیار ہے۔ بس بات صرف اتنی سی ہے کہ اس کا دماغ پڑھائی میں بہت چلتا ہے اور اس کا اتنا نہیں چلتا۔ پہلے بھی اسے اسکول میں داخل کرایا تھا مگر یہ صحیح پڑھتی نہیں تھی۔ استانیاں بہت شکایتیں کرتی تھیں اس کی۔"

"ہوسکتا ہے اس اسکول کا ماحول اسے موافق نہ آیا ہو، اس وجہ سے اس کی مطابقت نہ ہوسکی ہو بہرحال یہ سب گھسی باتیں ہیں۔ آپ کی بیٹی پڑھنا چاہتی ہے۔ اسے پڑھنے کا شوق ہے تو آپ کا اسے یوں روکنا بنتا نہیں ہے۔ آپ کو تو اس کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔ آپ آئیے میرے ساتھ میں ابھی اس کا اسکول میں ایڈمیشن کروا دیتی ہوں۔"

لڑکی نے ملتجیانہ نظروں سے اپنی ماں کی طرف دیکھا اور بولی۔ "اماں! مان جاؤ نا۔"

"چلیں ٹھیک ہے۔" اس عورت نے گہرا سانس لیا۔ "پھر آپ دیکھ لیں کہ اسے کس کلاس میں داخل کرنا ہے، پہلے اسکول سے تو اس نے تیسری کلاس میں چھوڑا تھا۔"

"وہ میں دیکھ لوں گی۔" اس نے سرشاری سے کہا۔

"اس بات کی آپ فکر نہ کریں۔ اور فیس کے بارے میں بھی۔ یہاں ویسے بھی غریب اسٹوڈنٹس سے ہاف فیس لی جاتی ہے۔"

وہ انہیں لے کر کلاس تھری میں آگئی اور مس نمرہ سے اس کا نام رجسٹر میں داخل کرنے کے لیے کہا مس نمرہ اس کی عمر اور اس کی قابلیت کے بارے میں معترض تھیں لیکن اس نے ان اعتراضات کو مسترد کردیا۔

"مس نمرہ! ایج اور قابلیت یقیناً اہمیت رکھتی ہیں لیکن جہاں بات جوش، جذبے اور لگن کی ہو وہاں ان کی حیثیت ضمنی ہوجاتی ہے۔ آپ نے اس لڑکی کا جذبہ اور لگن دیکھی ہے؟ کیا وہ قابل تحسین نہیں ہے؟ میری ایک بات ہمیشہ یاد رکھیں، دنیا میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے ذہانت اور قابلیت سے کہیں زیادہ جذبے اور لگن کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لڑکی کو پڑھنے کا بہت شوق ہے۔ یہ اپنی قابلیت بڑھانے کے لیے سخت محنت کرے گی۔ کیوں۔۔۔ کرو گی نا محنت؟" آخری فقرہ اس نے اپنی ہم نام سے مخاطب ہو کر کہا۔

"جی میڈم!" اس نے زور و شور سے سر ہلایا۔ "میں بہت محنت کروں گی۔"

"وہ سب تو ٹھیک ہے لیکن۔۔۔" مس نمرہ اب بھی ہچکچاہٹ کا شکار تھیں۔

"مس نمرہ! میری طرف دیکھیں۔" اس نے اپنی طرف اشارہ کیا۔ "میں نے بھی بہت لیٹ پڑھنا شروع کیا تھا۔ آپ کو پتا ہے تیئس چوبیس سال کی عمر میں تو میں نے میٹرک کا امتحان دیا تھا۔ کیا آپ کو مجھ میں کوئی کمی نظر آتی ہے؟"

"نہیں میڈم! آپ تو بہت قابل ہیں۔ یو آر ریئلی آنائس لیڈی۔" مس نمرہ کے انداز میں چاپلوسی نہیں تھی صرف عقیدت اور محبت تھی۔

"تو پھر فیصلہ ہوگیا کہ ساجدہ اسی کلاس میں بیٹھے گی؟"

"جی میڈم!" وہ مسکرائی۔ "فیصلہ ہوگیا۔"

وہ طمانیت کے احساس سے سرشار اپنے آفس میں واپس آگئی ایک اور ساجدہ کو اس نے تباہ ہونے سے بچالیا تھا۔ لیکن ابھی بہت سی ساجدائیں باقی تھیں۔ اس ملک میں بہت اندھیرا تھا۔ لیکن اس اندھیرے کو ختم کرنے کے اس نے اپنے حصے کا دیا جلانا تھا۔ اس نے اجالا پھیلانا تھا۔ اس کی نظر کھڑکی سے باہر گیٹ کے اوپر لگے ہوئے بورڈ پر چلی گئی جس پر لکھا ہوا تھا۔

اجالا پبلک اسکول

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

☼ ☼ ☼

آج بہت سہانا دن تھا۔ آج اس نے ایک اور اہم سنگ میل عبور کرلیا تھا۔ آج اس نے ایک اور شہر میں اپنے اسکول کی برانچ کھول لی تھی۔ اس کا خواب تھا کہ پورے ملک میں اس کے اسکول کی برانچز ہوں۔ مظفر گڑھ میں اس کا اسکول کامیاب جا رہا تھا۔ ابھی پچھلے سال اس کے اسکول کے چار پانچ بچوں نے مختلف کلاسز میں بورڈ میں پوزیشنز لی تھی۔

مظفر گڑھ کے بعد اب اس کا ارادہ تھا کہ وہ ملتان میں بھی اپنے اسکول کی برانچ کھولے اس سلسلے میں وہ کچھ عرصے سے کوشش کررہی تھی۔ ملتان میں ایک پارٹی سے زمین خریدنے کے سلسلے میں اس کی بات تقریباً" فائنل ہوگئی تھی لیکن فی الحال اس نے ایک تعمیر شدہ کوٹھی کرائے پر لے کر اس پر اسکول کا تمام سیٹ اپ مکمل کرلیا تھا۔ آج اسی سلسلے میں وہ ملتان آئی تھی۔

وہ پارٹی سے بات کرکے نکلی تھی کہ فائزہ کی کال موصول ہوئی۔

"ہیلو۔" اس نے کال ریسیو کرتے ہوئے کہا۔

"ہیلو پرنسپل صاحبہ! کیا حال چال ہیں؟" دوسری طرف سے فائزہ کی چہکتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"جی مس امریکہ! میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ سنائیں' آج آپ کو تھرڈ ورلڈ کی ایک پسماندہ سی جگہ سے تعلق رکھنے والی ایک پسماندہ سی لڑکی کیسے یاد آگئی؟" ساجدہ نے شوخی سے کہا۔

"خیر' مجھے تو یہ یاد ہر دو تین روز بعد آہی جاتی ہے۔ لیکن آپ جناب تو اتنی مصروف ہوگئی ہیں کہ آپ کو میری یاد ہفتوں بلکہ مہینوں نہیں آتی۔" فائزہ نے شکوہ کیا۔

"یاد تو انہیں کیا جاتا ہے جو بھول گئے ہوں۔ تم تو ہر لمحہ میرے دل کے قریب' میرے ساتھ رہتی ہو۔" ساجدہ نے پورے خلوص دل سے کہا۔

"اچھا اب زیادہ ڈائیلاگز بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔" فائزہ ہنسی۔ "یہ بتاؤ اسکول کیسا جارہا ہے تمہارا؟ سنا ہے بڑی دھومیں ہیں اس کی۔"

"ہاں۔ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے اور اللہ کے بعد یہ سب تمہاری وجہ سے ہے۔ تم اگر مجھے پڑھنے پر راغب نہ کرتیں تو شاید آج میں اس مقام پر نہ ہوتی۔"

فائزہ کے امریکہ جانے کے بعد اس نے آگے پڑھنے کے لیے کالج میں داخلہ لیا تھا اور وہاں سے فرسٹ کلاس' فرسٹ ڈویژن میں بی اے کرنے کے بعد ہی اس نے اپنا اسکول کھولنے کا ارادہ کیا تھا۔ اس کام میں ابا نے اسے بہت سپورٹ کیا تھا بلکہ تقریباً" سارا سرمایہ بھی انہوں نے ہی فراہم کیا تھا۔ چھوٹے پیمانے پر شروع ہونے والا یہ اسکول اب ہائی لیول تک پہنچ گیا تھا اور اب اسے اتنی آمدنی ہورہی تھی کہ وہ دوسرے شہروں میں اس کی برانچز کھول رہی تھی۔

"بہت پرانی بات ہے یہ اور تمہیں ابھی تک یاد ہے؟ یہ بتاؤ شادی وادی کے بارے میں کیا ارادہ ہے تمہارا؟ سارے بہن بھائیوں کی شادیاں تو ہوگئی ہیں تم کب کررہی ہو؟" فائزہ نے بات بدل دی۔

"میری شادی بھی ہوچکی ہے میرے کام سے۔ اور آج کل کے دور میں ایک ہی شادی کوئی افورڈ کرلے' وہی کافی ہے۔"

"فضول باتیں مت کرو' شادی بھی زندگی کا حصہ ہے۔ میں ایک مہینہ بعد پاکستان آرہی ہوں تمہارا رشتہ لے کر۔ تم خود کو تیار کرلو۔"

"کیسا رشتہ؟ تمہارا بیٹا تو ابھی چھوٹا ہے اور بھائی کوئی ہے ہی نہیں۔"

"اللہ نے مجھے بھائی دے دیا ہے۔ فراز کے بھائی میرے بھی بھائی بن گئے ہیں۔ بہت اچھے انسان ہیں۔ بچپن میں والد کے انتقال کے بعد بہن بھائیوں کی تعلیم اور شادی کے مسائل حل کرنے میں خود کو بھول گئے۔ اب میں نے یاد دلایا ہے کہ زندگی پر ان کا بھی حق ہے' تم بھی اس بارے میں سوچو۔"

"میں یہ سب بعد میں سوچوں گی فی الحال خوش خبری یہ ہے کہ تم پاکستان آرہی ہو۔"

تھوڑی دیر اور فائزہ سے بات کرنے کے بعد اس نے رابطہ منقطع کردیا۔

"بی بی جی! اللہ کے نام پر کچھ دیتی جاؤ۔"

وہ گاڑی میں بیٹھ رہی تھی۔ میلے چیکٹ کپڑے پہنے' بال بکھرائے ایک بھکارن نے اس کا راستہ روکا۔ ساجدہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ نہ جانے کیوں اس کی آواز اسے بہت مانوس سی لگی تھی۔

اسی لمحے اس بھکارن نے بھی اسے غور سے دیکھا۔ دونوں کی نظریں ملیں۔ پھر نہ جانے کیوں وہ بھکارن کنی کترا کر دوسری طرف جانے لگی اس کی چال میں لڑکھڑاہٹ آگئی تھی مگر ساجدہ نے بھاگ کر اس کو پکڑلیا کیونکہ وہ اسے پہچان چکی تھی۔

"کیا بات ہے بی بی! میرا بازو کیوں پکڑا ہے تونے؟" اس بھکارن نے منہ دوسری طرف کیے ہوئے خشک لہجے میں پوچھا۔

"کیونکہ میں تمہیں پہچان چکی ہوں۔ اور بہتر ہے کہ تم بھی یہ ایکٹنگ چھوڑدو۔" اس نے تنک کر کہا۔

"دیکھو بی بی! ہم بھکاری لوگ ہیں۔ ہمارا تمہارا کیا واسطہ۔" اس نے اپنا بازو چھڑوایا اور دوسری طرف جانے لگی۔

"سونیا!" ساجدہ نے تڑپ کر اسے پکارا۔ "راستے تو تم نے بہت پہلے ہم سے جدا کرلیے تھے مگر یہ وہ راستہ تو نہیں تھا جس پر تم کسی اور کی انگلی تھام کر چلی تھیں۔ تم تو اپنے خوابوں کی تعبیر پانے گئی تھیں۔ کیا یہی ہے تمہارے خوابوں کی تعبیر؟"

اس کی بات سن کر وہ جاتے جاتے رک گئی۔ ساجدہ اس کے قریب چلی گئی۔ اس کا چہرہ دوسری طرف تھا۔ ساجدہ نے گھوم کر دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ رو رہی تھی وہ سونیا ہی تھی مگر سونیا نہیں لگ رہی تھی! اپنی خوبصورتی اور رعنائی سے چاند کو بھی شرمادینے والی سونیا اس وقت اپنے تمام رنگ و روپ کو کھوئے ایک بدحال اور بدمست فقیرنی کے روپ میں کھڑی تھی!

بیوٹی بکس کا تیار کردہ

سوہنی ہیئر آئل

SOHNI HAIR OIL

- گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے
- نئے بال اگاتا ہے
- بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے
- مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید
- ہر موسم میں استعمال کیا جا سکتا ہے

قیمت=/100 روپے

سوہنی ہیئر آئل 12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے، یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں دستی خریدا جا سکتا ہے، ایک بوتل کی قیمت صرف =/100 روپے ہے، دوسرے شہر والے منی آرڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوا لیں، رجسٹری سے منگوانے والے منی آرڈر اس حساب سے بھجوائیں۔

2 بوتلوں کے لئے .... =/250 روپے

3 بوتلوں کے لئے .... =/350 روپے

نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔

منی آرڈر بھیجنے کے لئے ہمارا پتہ:

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

دستی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان جگہوں سے حاصل کریں

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

مکتبہ و عمران ڈائجسٹ، 37-اردو بازار، کراچی۔

فون نمبر: 32735021

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بدلتا ہے رنگ آسمان کیسے کیسے

"سونیا! آخر یہ سب کیا ہے؟ پلیز مجھے جلدی بتاؤ میرا دم گھٹ رہا ہے۔" ساجدہ کی آنکھوں کی نمی اس کے لہجے میں گھل گئی تھی۔

"کیا بتاؤں میں؟" وہ بولی تو اس کے لہجے میں صدیوں کا کرب تھا۔ "میرے جیسی تاریک اور اندھیری راہوں کا سفر کرنے والی لڑکیوں کا انجام بالآخر ایسا ہی ہوتا ہے جیسا تمہیں نظر آرہا ہے۔"

"مگر تم تو ذیشان کے ساتھ گئی تھیں نا جو بقول تمہارے بہت امیر کبیر فیملی سے تعلق رکھتا تھا۔ پھر تم اس حال میں کیوں ہو؟"

"وہ ایک فراڈ شخص تھا۔ دھوکا دیا ہے اس نے مجھے۔" وہ نفرت سے بولی۔

"کیسا دھوکا؟ پلیز مجھے کھل کر بتاؤ۔"

"کیا کرو گی جان کر۔" وہ اچانک تھکی تھکی نظر آنے لگی۔ "یہ پوری دنیا ہی دھوکے باز ہے۔ اور تمہیں دلچسپی لینے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ تمہارے ساتھ کون سا اچھا کیا تھا میں نے۔ تمہیں تو۔۔۔ تمہیں تو خوش ہونا چاہیے مجھے اس حال میں دیکھ کر۔"

"تم پھر دل دکھانے والی بات کر رہی ہو سونیا!" اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ "میں نے تمہارا کب برا چاہا ہے؟"

"تم نے میرا برا نہیں چاہا لیکن میں نے خود تو اپنا برا چاہا تھا نا۔ دل دکھانے والوں کا یہی انجام ہوتا ہے اور میں نے ہر قدم پر تمہارا دل دکھایا' ہر بات پر تمہاری تذلیل کی اور اپنے ہاتھوں سے۔۔۔" اس نے برستی آنکھوں سے اپنے کھردرے اور میلے ہاتھوں کی طرف دیکھا۔ "اپنے ہاتھوں سے خدا کی طرف سے دی ہوئی خوبصورتی کو اپنے لیے عذاب بنالیا۔ جانتی ہو۔۔۔ ذیشان کون تھا۔۔۔؟" وہ ایک لمحے کے لیے رکی اور اس کی طرف دیکھا۔

"ذیشان ایک بردہ فروش تھا۔۔۔"

"تم۔۔۔ تمہارا مطلب ہے۔۔۔" ساجدہ ہکا بکا رہ گئی۔

"ہاں۔ وہ لوگ۔۔۔ لڑکیوں کو ان کے گھروں سے بھگا کر ان سے دھندہ کرواتے ہیں اس مقصد کے لیے انہوں نے ذیشان جیسے کئی جوان اور خوبصورت لڑکے رکھے ہوئے تھے جو مختلف قصبوں اور شہروں میں معصوم لڑکیوں کو بہلا پھسلا کر ان کے گھروں سے بھگا کر لے جاتے تھے اور لاہور میں واقع اپنے اس ٹھکانے پر لے جاتے تھے جہاں۔۔۔ ان سے دھندہ کروایا جاتا تھا۔ مجھ سے بھی ذیشان نے شادی نہیں کی تھی وہ غلیظ انسان مجھے اچھے اور سہانے مستقبل کے خواب دکھاتے ہوئے وہیں لے گیا تھا۔"

ساجدہ کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے سونیا کی طرف دیکھنے لگی۔ "یہ۔۔۔ یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟"

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔۔۔" اس نے دانتوں سے اپنے نچلے ہونٹ کو اتنے زور سے کاٹا کہ اس کے ہونٹ سے خون رسنے لگا۔ "مجھ جیسے لوگ' جو نہ عزت کی قدر کرتے ہیں اور نہ محبت کی' ان کے پاس نہ عزت رہتی ہے اور نہ محبت۔ میں بہت عرصہ وہیں رہی۔ وہاں پر مجھ جیسی اور بھی بہت سی لڑکیاں تھیں' مجبور' بے بس اور ان لوگوں کا کہنا ماننے پر مجبور۔ ان لوگوں کی پہنچ بہت دور تک تھی۔ وہاں اس بنگلے پر بڑے بڑے لوگ آتے تھے۔ بڑے بڑے سرکاری افسر' بیورو کریٹ' نواب' رئیس۔ وہاں رہتے ہوئے ایسا لگتا تھا جیسے میں ہمیشہ وہیں رہوں گی۔ لیکن پھر اس گروہ میں رقم تقسیم کرنے کے معاملے پر تو تکار ہونے لگی اور ان میں پھوٹ پڑ گئی جس کی وجہ سے ان کا ہم لڑکیوں پر ہولڈ اور سیکورٹی کم ہونے لگی چنانچہ اسی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے میں اور دو اور لڑکیاں وہاں سے بھاگ نکلیں۔ وہاں سے چھپ چھپا کر ہم لاہور سے ملتان آگئیں۔ یہاں پر ہمارے راستے جدا ہو گئے۔ وہ لڑکیاں اندرون سندھ کی رہنے والی تھیں' وہ وہیں چلی گئیں۔ میرے اندر اتنی ہمت نہیں تھی کہ میں اپنے گھر واپس آجاتی۔ اکیلی عورت کے لیے اس معاشرے میں سروائیو کرنا بہت مشکل کام ہے اور تب میں نے فیصلہ کرلیا کہ میں اسی دربار پر رہوں گی ان ملنگوں کے ساتھ جو یہاں رہتے ہیں۔ میں بھی ان میں شامل ہوگئی ہوں جو یہ کرتے ہیں۔ یہ لوگ اگر بھیک مانگنے کا کہتے ہیں تو وہ بھی مانگ لیتی ہوں۔۔۔ یہ میری سزا ہے اور اب ساری زندگی مجھے اسی سزا کو بھگتنا ہے۔"

"او میرے خدا!" ساجدہ نے افسوس کے عالم میں اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ "کتنا سمجھایا تھا ہم نے تمہیں۔ کتنا روکا تھا۔ مگر تمہاری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ کاش تم ایسا نہ کرتیں!"

"مجھ جیسے لوگ کسی کے سمجھانے سے نہیں سمجھتے وہ صرف ٹھوکر کھا کر ہی سمجھتے ہیں۔ میں بھی ٹھوکر کھا کر اب کچھ کچھ سمجھ چکی ہوں لیکن۔۔۔ اب شاید اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔"

"کیوں فائدہ نہیں ہے۔ سونیا! زندگی ابھی ختم نہیں ہوئی ہے اور مجھے تمہاری بے وقوفی پر حیرت ہو رہی ہے' تم جب اس قحبہ خانہ سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگئی تھیں تو تمہیں سیدھا گھر آنا چاہیے تھا۔"

"کس منہ سے گھر آتی؟ سارے رشتے تو میں ختم کر آئی تھی اپنے خاندان کی عزت کو خود اپنے پاؤں تلے روند کر اب کس برتے پر میں واپس آتی میں۔۔۔ تو۔۔۔ اپنے اتنے چاہنے والے باپ کا خیال تک نہیں کیا۔" اس کے ہونٹ کپکپائے۔ "اس منحوس شخص کی جھوٹی محبت نے میری آنکھوں پر ایسی پٹی باندھ دی کہ میں نے ان کی بے مول محبت کو پاؤں تلے روند دیا۔۔۔ ساجدہ! ابا کیسے ہیں؟ اور اماں' سہراب بھائی' تنویر' سب لوگ کیسے ہیں؟" آخر میں اس نے نہایت بے تابی سے پوچھا۔

"سب لوگ ٹھیک ہیں۔۔۔ لیکن۔۔۔ ابا۔۔۔" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"کیا ہوا ہے ابا کو؟" سونیا نے بے تابی سے پوچھا۔

"ان کی ڈیتھ ہوگئی ہے۔ تمہارے اس اقدام نے انہیں جیتے جی تو بہت پہلے مار دیا تھا لیکن اس دنیا سے وہ پچھلے سال گئے ہیں۔"

"کیا! ابا چلے گئے ہیں۔" سونیا اپنے سر کو دیوار سے ٹکرا کر رونے لگی۔ "کیوں۔ ایسا کیوں ہوا میں تو ان سے معافی مانگنا چاہتی تھی۔۔۔ میں تو سوچتی تھی کہ کبھی نہ۔۔۔ کبھی ان کے پاس جاؤں گی اور ان کے پاؤں پکڑ کر ان سے معافی مانگ لوں گی۔"

وہ چیخ چیخ کر رو رہی تھی۔ ارد گرد کے لوگ اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ ساجدہ نے بمشکل سمجھا بجھا کر اسے چپ کروایا۔

"سونیا! جو ہونا تھا ہو چکا۔ اب گزرے وقت کو یاد کرکے آنسو بہانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ یہ بتاؤ اب آگے کے بارے میں کیا سوچا ہے تم نے؟" ساجدہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"میرے سوچنے سے کیا ہوگا۔ تقدیر کے سامنے سب سوچیں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ یہ بات میں اچھی طرح جان چکی ہوں۔" وہ مغموم لہجے میں بولی۔

"مگر زندگی ایسے نہیں گزرتی جیسے تم گزار رہی ہو تم میرے ساتھ گھر چلو۔ اب ہم دونوں مل کر رہیں گی۔" ساجدہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"نہیں ساجدہ!" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "بہت مشکل ہے یہ۔ اگر گھر ہی جانا ہوتا تو میں بہت پہلے چلی جاتی اور پھر مجھے وہاں کون قبول کرے گا۔ میں نے خاندان کی عزت داؤ پر لگائی ہے۔ کوئی معاف نہیں کرے گا مجھے۔"

"یہ سب تمہارے اپنے مفروضے ہیں۔ ہم سب لوگ اب بھی تم سے بہت پیار کرتے ہیں اور اگر کوئی معاف نہ بھی کرے تو بھی تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے تم کسی پر بوجھ نہیں ہوگی۔ تم میرے ساتھ رہو گی۔ سہراب بھائی اور نومی دونوں ویسے بھی اپنے علیحدہ گھروں میں رہتے ہیں۔ میں اور اماں اپنے الگ گھر میں رہتے ہیں۔"

"لیکن وہ دونوں کیوں علیحدہ رہتے ہیں؟"

"ان کی شادیاں ہو گئی ہیں۔ سہراب بھائی تو خود ہی ایسا چاہتے تھے شاید۔ لیکن نومی بے چارہ ایسا نہیں چاہتا تھا اسے اس کی بیوی نے مجبور کیا ہے خیر جو ہوا سو ہوا۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"اور تم نے۔ تم نے شادی نہیں کی؟" سونیا نے غور سے اسے دیکھا۔

"شادی!" وہ مسکرائی۔ "ہاں میں نے بھی کرلی ہے شادی۔"

"اسی سے۔ میرا مطلب ہے۔ محبوب حسین سے؟"

"نہیں۔ اپنے کاز سے۔ اپنے نصب العین سے۔" ساجدہ نے اسے مختصراً اپنے اسکول کے بارے میں بتایا۔

"ساجدہ! تم بہت عظیم ہو۔ میں نے ہمیشہ تمہارے ساتھ برا کیا۔ میں تمہاری راہوں میں کانٹے بچھاتی رہی اور تم میری راہوں میں بچھائے ہوئے کانٹے اٹھا کر ان کو پھولوں سے بھرنا چاہتی ہو۔ کیوں ساجدہ کیوں؟ جانتی ہو لیا کو اماں کے جھوٹ کے بارے میں بھی میں نے بتایا تھا کیونکہ میں چاہتی تھی کہ تمہاری شادی محبوب حسین سے ہو جائے اور تم کبھی خوش نہ رہو۔"

سونیا نے ندامت سے اعتراف کیا۔

"بہت پرانی بات ہے یہ۔ اور پرانی باتوں کا بھول جانا ہی ہمارے لیے بہتر ہے۔ تمہیں اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کا احساس ہو گیا ہے یہی کافی ہے۔"

"ہاں۔ مگر اپنا سب کچھ گنوانے کے بعد۔" اس نے ٹھنڈی سانس لی۔

"جو شخص اپنا سب کچھ گنوا دیتا ہے اس کے پاس پانے کے لیے پوری دنیا ہوتی ہے۔ تمہیں بھی اپنے ماضی کو بھلا کر اپنے مستقبل کے بارے میں سوچنا ہوگا سونیا! ایک نئی زندگی کا آغاز کرنا ہوگا۔"

پھر وہ خوشی سے چہکتے ہوئے بولی۔ "یہ نئی برانچ تو میرے لیے بہت مبارک ثابت ہوئی ہے۔ میں اس کے لیے ملتان آئی اور یہاں میری ملاقات میری بہن سے ہو گئی۔ آئی ایم سوہیبی۔ پتا ہے فائزہ مجھ سے کیا کہہ رہی تھی؟" اس نے سونیا کی طرف دیکھا۔

"کیا؟" سونیا نے پوچھا۔

"وہ مجھ سے پوچھ رہی تھی کہ میں اپنے اس نئے اسکول کا انچارج کسے بناؤں گی۔ اس وقت میں نے اس سے کہا تھا کہ مجھے معلوم نہیں ہے لیکن اب مجھے پتا چل گیا ہے کہ میں کسے انچارج بناؤں گی۔"

"کسے؟"

"اپنی پیاری بہن سونیا کو۔"

"ساجدہ!" سونیا حیرت سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

"تم میرے اندھیرے اور تاریک وجود سے اپنے "اجالا" کو گہن لگوانا چاہتی ہو۔ اتنا آگے کا مت سوچو۔"

"میں نے تو اس سے بھی بہت آگے کا سوچ لیا ہے۔ آؤ چلیں۔"

اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور سونیا اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ اس نے اپنی بہن کو کتنا غلط سمجھا تھا۔ وہ اندھیرا نہیں اجالا تھی۔ اندھیری اور تاریک راہوں میں روشنی بکھیرنے والا اجالا!

☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آمنہ ریاض

ستارۂ شام

دین محمد مٹی سے محبت کرنے والا جفاکش مرد ہے۔ دھرتی کو اپنے خون جگر سے سونا اگلنے کے قابل بنانا اس کا پیشہ ہے۔ اس کی پوری زندگی محنت سے عبارت ہے' جو وہ اپنے چھ مربع زمین پر صرف کرتا ہے۔ شادی کو آٹھ سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اپنے چھوٹے سے گھر میں وہ بیوی زہرہ اور ماں کے ساتھ رہتا ہے۔ زہرہ چھ مردہ بچوں کو جنم دے کر ایک مرتبہ پھر امید سے ہے۔ دین محمد کا رواں رواں اولاد کی خوش خبری پانے کے لیے مجسم دعا بن چکا ہے۔ اس کی دعائیں مستجاب ٹھہرتی ہیں اور اس کے یہاں ایک خوب صورت بچی جنم لیتی ہے۔ اسے وہ اپنی "جنت" کے نام سے مخاطب کرتا ہے۔

جلال الدین کے روز و شب نوکری کی چکی میں پستے گزر رہے ہیں۔ اس نوکری کے دوران اسے آرام کرنے کا موقع بھی کم ملتا ہے۔ اچھے مستقبل کا خواب اسے متحرک رکھتا ہے۔ تنہائی میں کسی کی محبت کا جگنو اس کی دنیا آباد رکھتا ہے۔ ہر دم "اس" کی یادیں اسے بے چین رکھتی ہیں۔ دن بھر کا تھکا ہارا وہ آرام کرنے لیٹتا ہے تو پولیس اسٹیشن سے اطلاع ملتی ہے کہ جنت بی بی ان کی حراست میں ہے' جس کا دعوا ہے کہ اس نے اپنے شوہر کا قتل کیا ہے۔ جلال الدین اپنے وکیل دوست مسعود کے ساتھ بھاگم بھاگ پولیس اسٹیشن پہنچتا ہے اور ثبوت دکھاتا ہے کہ جنت شیزوفرینیا کی مریض ہے' جس کی شادی ابھی ہوئی تک نہیں۔ جنت کی حالت جلال الدین کو اعصابی تھکن کا شکار کرنے لگتی ہے۔ جسے اس نے نوکروں کے سہارے علیحدہ گھر میں رکھ چھوڑا ہے۔

ثمینہ 14 سال بعد اپنی بیٹی مادی کے ساتھ آئرلینڈ سے پاکستان آئی ہیں تو انہیں توقیر صاحب کے بتائے گئے بنگلے کو ڈھونڈنے میں بہت وقت لگتا ہے۔ وہ فیض کے دوست توقیر صاحب کے توسط سے دانیال کی انیکسی میں ٹھہرتی ہیں۔ ثروت دانیال ملنسار اور محبتی خاتون ہیں۔ ولی' ولید اور انیبا ان کے بچے ہیں۔ مادی کی پہلی ملاقات میں انیبا سے دوستی ہو جاتی ہے۔

شبیہہ العباس طبعیتا" سخت گیر اور غصہ ور نوجوان ہے' جسے صنف نازک کا غیر ضروری ہنسنا بھی ناگوار گزرتا ہے۔ وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پھپھی زاد نتوی سے منسوب ہے۔ نتوی اس کی تند خو طبیعت سے سخت نالاں ہے۔ شبیہہ 'نتوی کو کالج چھوڑنے آتا ہے تو سہیلیاں عبیر اور نمو نتوی کے سر ہو جاتی ہیں۔ یہ جان کر کہ شبیہہ 'نتوی کا منگیتر ہے' وہ اس کی قسمت پر رشک کرتی ہیں۔ نتوی دونوں سے گزارش کرتی ہے کہ عروش کو اس بات کا علم نہ ہو۔

شبیہہ العباس 'ثروت دانیال کی اولاد ہے' جسے انہیں دانیال حسن سے شادی سے پہلے چھوڑنا پڑا۔ بچپن کی محرومی نے اسے بدمزاج اور غصیلا بنا دیا۔ وہ انیبا اور ولید سے بہت ترشی سے پیش آتا ہے۔ وہ ان سے بحیثیت بہن بھائی قلبی تعلقات محسوس نہیں کرتا۔ انیبا اس کی محرومی دل سے محسوس کرتی ہے۔ انیبا پر بری نظر ڈالنے پر وہ جے ڈی کے دوست سعدی کو پیٹ ڈالتا ہے۔ صرف جے ڈی اس کی کیفیات سمجھتا ہے۔

پیار پڑنے پر بیگم دانیال 'ثمینہ کی اچھی طرح دیکھ بھال کرتی ہیں تو ثمینہ ان کے اخلاق سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتیں۔ انہیں بیگم دانیال کو دیکھ کر لگتا ہے کہ وہ پہلے ان سے مل چکی ہیں۔

بچوں کی لڑائی میں جنت کو چوٹ لگتی ہے تو دین محمد اپنی بہن زبیدہ کے بیٹے فاروق کا حلیہ بگاڑ دیتا ہے۔ ساتھ ہی زبیدہ بہن اور رفیق بھائی سے قطع تعلق کر لیتا ہے۔ زہرہ اس کی جنت سے طوفانی محبت سے خوف زدہ ہے۔ دین محمد 'زہرہ کو باور کرواتا ہے کہ وہ جنت کو بیاہ کر دوسرے گھر نہیں بھیجے گا۔ بلکہ اس کو شوہر کو گھر داماد بنائے گا۔

اتفاقاً "ماوی کا ٹکراؤ شبیہہ سے ہوتا ہے۔ جس سے ماوی کا پیر زخمی ہو جاتا ہے۔ اپنی غلطی کے باوجود جھنجلاہٹ میں شبیہہ ماوی کو بری طرح سے ڈانٹتا ہے تو ماوی اس کی طبیعت صاف کر دیتی ہے۔ ثمینہ سے وہ اس واقعے کا ذکر نہیں کرتی۔ ثمینہ کا روڈ ایکسیڈنٹ ہوتا ہے تو جے ڈی عین موقع پر ان کی بہت مدد کرتا ہے۔ ماوی اور فیضان اس پر جے ڈی کے مشکور ہیں' لیکن وہ اپنا پتا دیے بغیر چلا جاتا ہے۔ جس پر ثمینہ کو بہت افسوس ہوتا ہے۔ اتفاقاً "ان کی جے ڈی سے دوبارہ ملاقات ہوتی ہے۔ ثمینہ اسے گھر بلاتی ہیں۔ ثمینہ 'ثروت کو بتاتی ہیں کہ ان کے شوہر رجب کا بے دردی سے قتل ہوا تھا اور یہ بات ماوی کے علم میں نہیں ہے۔ یہ جان کر انہیں رنج ہوتا ہے۔ شبیہہ کو جے ڈی کا اپنی ماں اور ثمینہ سے گفتگو کرنا پسند نہیں' جس پر وہ جے ڈی کو تنبیہہ بھی کرتا ہے۔

انیبا اول ہی اہل میں فیضان کو چاہتی ہے۔ ثروت کے پہلے شوہر سے نسبت کے باعث دانیال صاحب ثمینہ کی فیملی کو پسند نہیں کرتے۔۔۔ ماوی 'ان کی دلچسپی بھانپ لیتی ہے اور فیضان ماما سے رائے لینے کی کوشش کرتی ہے تو فیضان اسے جھڑک دیتے ہیں۔ بھائیوں پر بار نہ پڑے اس لیے ثمینہ 'ماوی کو پاکستان میں مزید پڑھنے کی اجازت دے دیتی ہیں۔ عبیر 'نمو اور نتوی کو عروش کی غیر اخلاقی اور جرائم پیشہ سرگرمیوں کے متعلق بتاتی ہے تو نمو ناراض ہو جاتی ہے۔ عبیر کو اپنی جلد بازی پر افسوس ہوتا ہے' وہ عروش کے متعلق ثبوت اکٹھا کرنا چاہتی ہے۔

زہرہ کی اچانک موت کو محض جنت کے کہنے پر دین محمد 'بہن زبیدہ کے سر ڈالتا ہے تو سب برادری والے بھی حق دق رہ جاتے ہیں۔ دین محمد کی ماں پڑوسن کے کہنے پر جنت کو پیر صاحب کے پاس لے کر جاتی ہے تو جنت یہ بات بڑھا چڑھا کر دین محمد کو بتاتی ہے۔ وہ ماں کو بہن زبیدہ کے یہاں ہمیشہ کے لیے بھیجنے کا فیصلہ سناتا ہے تو ماں رو' رو کر اسے اس فیصلے سے باز رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ بہت مشکل سے دین محمد راضی ہو پاتا ہے۔ دین محمد کے رویے سے جنت کے اندر پنپنے والی منفی شخصیت قد آور ہو رہی ہے۔

دین محمد کی بہن زبیدہ کا بیٹا فاروق گاؤں میں آتا ہے تو جنت اسے پسند کرنے لگتی ہے۔ وہ اسے اپنی طرف راغب کرنے کی کوشش کرتی ہے' لیکن فاروق اسے دھتکار دیتا ہے اور اس کے باپ سے ہتک آمیز انداز میں شکایت کرتا ہے۔

دین محمد 'جنت کو اپنی سب سے چھوٹی بیٹی کو مارتے دیکھ لیتا ہے۔ اسے شدت سے احساس ہوتا ہے کہ اس نے جنت کی تربیت میں کوتاہی کی ہے۔

ثروت 'دانیال حسن کے ہر وقت کے شک سے تنگ آ کر میکے چلی جاتی ہیں۔ انیبا اور ولید کو اپنے والدین کے درمیان کھنچاؤ کا کچھ کچھ اندازہ ہے۔ دانیال حسن 'ثروت کو فون کر کے علیحدگی کی بات کرتے ہیں۔ ثروت کی طبیعت خراب ہو گئی اور انہیں اسپتال میں داخل ہونا پڑا۔

ثمینہ 'ماوی کے سامنے ماضی کے اوراق پلٹتی ہیں۔ وہ اسے بتاتی ہیں کہ جلال اور شبیہہ العباس 'ماوی کے رشتے دار ہیں' اور یہ کہ ماوی کے باپ 'رجب کو جنت بی بی نے قتل کیا تھا۔ ثمینہ 'ماوی پر زور دیتی ہیں کہ وہ حویلی جا کر جنت بی بی سے انتقام لے۔

ثمینہ نے بتایا۔ رجب کے مرنے کے بعد جنت بی بی نے ان کے سامنے رجب کی وصیت رکھ دی۔ جس میں انہوں نے اپنی ساری جائیداد جنت بی بی کی سرپرستی میں دے دی تھی۔ وہ ساری جائیداد اٹھارہ برس کی عمر ہونے کے بعد رجب کی بیٹی یعنی ماوی کو منتقل ہونا تھی۔ یہ تو حقیقت تھی کہ وصیت جعلی تھی لیکن ثمینہ کے اس وقت حالات ایسے نہ تھے کہ وہ جنت کو چیلنج کر سکتیں۔ وہ خاموشی سے حویلی چھوڑ کر اپنے بھائی فیاض کے ساتھ گئیں۔

بعد میں ایک دن جنت بی بی ثمینہ سے ملنے آئی اور انہیں مجبور کیا کہ وہ اس کے بڑے بیٹے سے شادی کر لیں۔ جو ذہنی معذور تھا۔ ثمینہ نے انکار کر دیا۔ تب جنت نے بتایا کہ وہ رجب کی ساری جائیداد اپنے نام کرا چکی ہے۔ ساتھ اس نے انکشاف کیا کہ رجب کو اس نے زہر دے کر مارا ہے۔

ثمینہ نے کہا کہ ماوی آئرش سیٹیزن ہے۔ جنت اس کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکتی۔ ایمبیسی حرکت میں آ جائے گی۔

ثمینہ نے ماوی سے کہا' وہ اس کی شادی جلال سے طے کر چکی ہیں۔ اسے جلال سے نکاح کرنا ہو گا تاکہ حویلی جا سکے۔ انہوں نے کہا اپنا مقصد حاصل ہونے کے بعد ماوی جلال سے خلع لے لے تاکہ شہوز سے شادی کر سکے۔ شہوز کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔

ماوی نے انکار کیا تو ثمینہ نے خواب آور گولیاں کھا کر خودکشی کی کوشش کی۔

ماوی بالآخر ثمینہ کی بات مان کر حویلی چلی گئی۔ جنت بیگم گاؤں سے باہر گئی ہوئی تھی۔ مستقیم بھٹی اور دیگر لوگوں نے ماوی کا کھلے دل سے استقبال کیا۔ وہ سب رجب اور ثمینہ کے ساتھ ہونے والی زیادتی کی تلافی کرنا چاہتے ہیں۔ وہ رجب کی جائیداد ماوی کے نام کرنا چاہتے ہیں۔ تاہم شبیہہ العباس کو یہ منظور نہیں۔ وہ جنت بیگم کے آنے تک کوئی فیصلہ کرنے کے خلاف ہے۔ وہ ماوی کا دشمن ہو گیا اور اس نے اپنی تمام کزنز کو ماوی سے بات کرنے سے منع کر دیا۔ ماوی کو یہ پتا چلا تو اس نے مستقیم بھٹی سے اس کی شکایت کر دی۔ انہوں نے ماوی کے سامنے شبیہہ العباس کو ڈانٹا۔

فیضان ملک میں واپس آ گئے۔ وہ سیدھے ثمینہ کی اینکسی پہنچے۔ انیبا نے اینکسی کی چابیاں ان کے حوالے کر دیں۔ مگر ثمینہ کے اینکسی چھوڑ کر چلے جانے کا نہیں بتایا۔

ماوی کو حویلی کے ایک حصے اور ملازمین کے رویے میں عجیب پراسراریت کا احساس ہوا تو اس نے تمام حالات جاننے کے لیے ایک خاص ملازمہ تسنیم سے دوستی کر لی۔

وہ جنت بیگم کی حویلی میں واپسی کی شدت سے منتظر تھی' جب ہی ایک صبح اسے شبیہہ کے ساتھ جنت بیگم نظر آئی۔

جنت بیگم کے ساتھ جلال بھی تھا۔ وہ ماوی کو حویلی میں دیکھ کر حیران رہ گیا تاہم اس نے اپنے تاثرات ظاہر نہ ہونے دیے۔ جنت بیگم نے ماوی کو یہاں دیکھ کر مستقیم بھٹی پر بے حد غصہ کیا۔ جنت بیگم نے تنہائی میں ماوی سے حویلی آنے کا مقصد پوچھا تو اس نے صاف کہہ دیا کہ وہ اپنے باپ کے قاتل کا سراغ لگانے اور جائیداد میں سے اپنا حصہ لینے آئی ہے۔ جنت بیگم نے اسے دھمکی دی کہ وہ اسے حریم کی شادی کے بعد حویلی سے باہر نکال دے گی۔

فیضان 'ماوی کی پراسرار گمشدگی سے پریشان ہیں۔ ثمینہ ان سے کہتی ہیں کہ ماوی پاکستان میں ہی ہے لیکن انیبا انہیں بتاتی ہے کہ ثمینہ نے اسے بتایا ہے وہ آئرلینڈ واپس چلی گئی۔

رات کے وقت جلال 'ماوی سے ملنے اس کے کمرے میں گیا تو شبیہہ نے اسے وہاں سے نکلتے ہوئے دیکھ لیا۔

۲۴
چوبیسویں قسط

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ماوی دیکھ رہی تھی شبیہہ کا رویہ اس کے ساتھ بدلتا جا رہا تھا وہ نہ صرف اس سے بات چیت کرنے لگا تھا بلکہ اس سے بات کرنے کے بہانے ڈھونڈنے لگا تھا۔ ممکن ہے یہ اس کی غلط فہمی ہو لیکن ہر گزرتے دن کے ساتھ اس کا یقین پختہ ہو رہا تھا کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔ شبیہہ کے التفات بے جا نہیں تھے لیکن اس کے پاس ایسا کوئی راستہ بھی نہیں تھا جس کے ذریعہ اپنے شک کی نفی کر سکے یا اسے یقین میں بدل سکے۔ لہٰذا اسے خاموشی سے وقت کے بدلتے ہوئے دھارے کو سمجھنا تھا۔

دوسری جانب وہ خود بڑی مستعدی سے ثبوت تلاش کرنے میں لگی ہوئی تھی۔ شادی کی وجہ سے حویلی میں کام بھی بہت بڑھ گیا تھا۔ تب ہی اسے نسیم سے بھی بات کرنے کا موقع نہیں مل پا رہا تھا کیونکہ دیگر ملازمین کی طرح وہ بھی بے حد مصروف تھی۔ ناچار ماوی کو حالات کے سازگار ہونے کا بھی انتظار کرنا تھا۔

اس روز وہ لان میں تھی۔ بے وجہ ادھر ادھر چکر لگا رہی تھی کہ وقت کٹنے کا کچھ تو سبب بنے۔

"موسم انجوائے کیا جا رہا ہے۔"

ماوی نے گردن موڑ کے دیکھا شبیہہ العباس کرسی کی پشت پہ ہتھیلیاں جمائے غور اسے دیکھ رہا تھا۔

ماوی دانستہ مسکرائی۔

"یہی سمجھ لیں۔"

گو کہ شبیہہ کی موجودگی اسے ناگوار گزری تھی لیکن یہ جتا کر وہ ایک نئی مصیبت مول لینا نہیں چاہتی تھی۔

"کیا میں کچھ دیر یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟" شبیہہ نے چند لمحے کے توقف کے بعد پوچھا تھا۔

"آپ کی حویلی آپ کا لان اور آپ کی ہی میز کرسی۔۔۔ یہاں بیٹھنے کے لیے آپ کو میری اجازت کی کیا ضرورت ہے۔"

ماوی نے کندھے اچکا کر لاپروائی سے کہا۔ شبیہہ کے چہرے پہ مسکراہٹ چھب دکھلا کر غائب ہو گئی۔

"یہی بات اس رات یقیناً جلال سے کہی ہو گی۔"

شبیہہ نے کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔ ماوی جو ابھی تک اس کے رویہ کے اتار چڑھاؤ کو سمجھنے میں لگی تھی، تڑپ کر پلٹی۔

"کیا مطلب۔۔۔ میں سمجھی نہیں۔" اس نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"اس میں نا سمجھی کی کیا بات ہے۔ سادہ سا سوال ہی تو پوچھا ہے۔" شبیہہ نے مسکرا کر کہا لیکن حقیقتاً اس نے ماوی کے اعتماد کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ لیکن وہ بھی ماوی تھی اپنے نام کی طرح متفکر اور بلا کی پر اعتماد۔

"کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ تم مجھ سے سیدھے لفظوں میں بات کرو۔۔۔"

"ذہین تو تم بہت ہو ہمیں کیسے مان لوں کہ تمہیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔"

"ٹھیک ہے۔ پھر تم یہاں بیٹھ کر موسم انجوائے کرو میں ہی چلی جاتی ہوں۔" ماوی نے پلٹتے ہوئے کہا تھا۔

"ضرور جاؤ۔ لیکن جانے سے پہلے میرے چند سوالوں کا جواب دینا ہی ہو گا۔" شبیہہ نے دو ٹوک لہجے میں کہا تھا۔

"میں تمہارے ابا کی ملازمہ نہیں ہوں کہ ہر سوال کا جواب دینے کی پابند رہوں۔" ماوی نے تڑخ کر کہا۔

"کسی خوش فہمی میں مت رہو۔ ہم ملازم بھی اپنی پسند کے رکھتے ہیں۔" شبیہہ نے ناگواری سے کہا تھا۔

"پھر مجھ پر اتنا احسان کس خوشی میں جناب شبیہہ العباس بھٹی صاحب؟" اس کا انداز بھی کچھ کم طنزیہ نہیں تھا۔

شبیہہ نے گہری سانس بھری اور گہری ہی نظروں سے اسے دیکھا۔ "تم حویلی کس مقصد سے آئی ہو۔ مجھے اس سے فی الحال کوئی غرض نہیں ہے۔ میں صرف اتنا جاننا چاہتا ہوں کہ تم میرے بھائی کے ساتھ کیا گیم کھیل رہی

ہو؟"

ماوی کو ایسے سوال کی توقع ہرگز نہیں تھی۔ وہ ایک پل کے لیے گڑبڑائی۔

"کس قدر احمقانہ سوال ہے۔ میں تمہارے بھائی کے ساتھ کوئی گیم کیوں کھیلوں گی میں اتنی دور سے اس لیے تو نہیں آئی کہ تمہارے بھائی کے ساتھ گیمز کھیلوں۔" اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"ڈونٹ ٹرائی ٹو بی اسمارٹ ماوی! (ہوشیار بننے کی کوشش مت کرو۔)" شبیہہ نے چڑ کے اور کسی قدر طنزیہ انداز میں کہا۔ "تم اچھی طرح جانتی ہو میرے کہنے کا کیا مطلب ہے۔"

"نہیں شبیہہ! میں نہیں جانتی تمہارے کہنے کا کیا مطلب ہے۔"

"ٹھیک ہے اگر تم چاہتی ہو میں صاف لفظوں میں بات کروں تو ایسا ہی سہی۔۔۔ مجھے صرف اتنا بتاؤ اس رات جلال کو تم نے اپنے کمرے میں کیوں بلایا تھا۔۔۔ آخر ایسا کون سا جھانسا دیا تھا تم نے جلال کو کہ وہ تمہارے کمرے میں آنے پر مجبور ہوا۔"

ماوی چند لمحے کچھ بول نہیں سکی۔ تو گویا اس کا خدشہ درست ثابت ہو ہی گیا کہ کوئی جلال کو اس کے کمرے سے نکلتے ہوئے نہ دیکھ لے۔

"اس معاملے سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے شبیہہ! اس لیے بہتر ہو گا کہ تم اس معاملے سے دور ہی رہو۔"

"جس معاملے میں میرا بھائی ملوث ہو اس معاملے سے میرا تعلق ہے۔" شبیہہ نے تیز لہجے میں کہا۔

"تو کیا بہتر نہیں ہو گا کہ تم ساری انکوائری اپنے بھائی سے ہی کرو۔" ماوی نے اس سے بھی تیز لہجے میں کہا تھا۔

شبیہہ بے ساختہ مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا۔ اصل دقت تو یہی تھی کہ جلال منہ سے کچھ اگلنے کو تیار نہیں تھا اور ایسا پہلی بار ہو رہا تھا ورنہ شبیہہ کو اس دو ٹکے کی لڑکی سے بات کرنے کی زحمت گوارا کرنا ہی نہ پڑتی۔

"میرا بھائی بہت معصوم انسان ہے ماوی! اگر تم نے اس کی معصومیت سے کوئی فائدہ اٹھانے کی کوشش کی نا۔۔۔ تو یاد رکھنا میں بہت برا حشر کروں گا تمہارا۔۔۔" شبیہہ نے دانت کچکچا کر کہا۔

"تم پھر مجھے دھمکا رہے ہو حالانکہ اچھی طرح جانتے ہو کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ کروں گی تو میں وہی جو میرا دل چاہے گا۔"

ماوی نے بے نیازی سے کہا اور ایک طرف سے نکل کر آگے جانے لگی لیکن شبیہہ نے اس کا راستہ روکا تھا۔

"ایسا سوچنا بھی مت۔"

"میرے راستے سے ہٹو شبیہہ!" ماوی نے سرد مہری سے کہا تھا۔

"مجھے اپنے سوال کا جواب چاہیے۔"

"اپنے بھائی سے مانگو۔"

"وہ کیا کرنے آیا تھا تمہارے کمرے میں۔۔۔ یا میں یہ سمجھوں کہ تم ہر کسی کو اپنے کمرے میں آنے کی اجازت دے دیتی ہو؟"

"شٹ اپ۔۔۔" ماوی بری طرح چیخی تھی اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ شبیہہ اس طرح کی بات بھی کر سکتا ہے۔

"تم تو میری توقعات سے بھی چھوٹی ذہنیت کے مالک نکلے شبیہہ العباس! افسوس تو مجھے خوی کی قسمت پہ ہو رہا ہے۔"

اب کی بار شبیہہ کے تلووں پر لگی سر پر بھی تھی۔

"تمہیں خوی کی قسمت پر افسوس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیوں بھئی؟" ماوی نے اطمینان سے کہا۔ "جو رشتہ تمہارا جلال سے ہے وہی میرا تنوی سے ہے پھر میں تنوی کے لیے پریشان کیوں نہیں ہو سکتی۔"

"کیونکہ تمہیں ایسا کوئی حق نہیں ہے۔" شبیہہ نے سلگ کر کہا۔

"حق کی بات نہ کرو شبیہہ العباس! اس حویلی کے ہر راز سے واقف ہو' جانتے ہی ہو گے تمہاری دادی اور تم لوگ میرے کون کون سے حقوق غصب کیے بیٹھے ہو۔" ماوی نے طنز سے کہا تھا۔

"خیر' میں تم سے زیادہ بات کر کے اپنا موڈ خراب کرنا نہیں کرنا چاہتی۔ میری جوتی سے جو سمجھتا ہے' سمجھتے رہو۔"

ماوی نے ناک چڑھا کر نخوت سے کہا۔ تیزی سے پلٹی اور بڑے بڑے قدم اٹھاتی وہاں سے چلی گئی۔

شبیہہ کی رگوں میں خون کے ساتھ جیسے شرارے دوڑنے لگے تھے۔

اس کا غصے سے برا حال تھا اور جلال کا برا وقت چل رہا تھا کہ اسی وقت دونوں کی مڈبھیڑ ہو گئی۔

"تم۔" شبیہہ نے پل بھر سوچا۔ "اچھا ہوا۔ تم یہیں مل گئے۔ کچھ ضروری بات کرنا ہے۔ ذرا اسٹڈی میں آنا۔"

"بہت سنجیدہ لگ رہے ہو۔ خیریت تو ہے نا؟"

"تم آؤ۔ بتاتا ہوں۔" اس کے تاثرات ذرا بھی نہ بدلے تھے۔ جلال کے لیے اتنی مبہم بات سے کوئی بھی اندازہ لگانا از حد مشکل تھا لیکن اتنا تو وہ سمجھ ہی گیا تھا کہ معاملہ کچھ گڑبڑ ہے۔ دل ہی دل میں اندازے لگاتا وہ اسٹڈی میں آیا۔ شبیہہ ایک کرسی پہ بیٹھا بے حد سنجیدگی سے اس کا منتظر تھا۔

"جی جناب! ارشاد ہو۔" جلال نے اپنا لب و لہجہ سادہ ہی رکھا تھا یعنی اپنے انداز سے کسی قسم کا تجسس ظاہر نہ ہونے دیا۔

شبیہہ نے ابرو اچکا کر پہلے گہری نظروں سے اسے دیکھا پھر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"میں جو پوچھوں گا اس کا ٹھیک ٹھیک جواب دینا۔ ٹال مٹول نہیں چاہیے مجھے۔"

"ہوا کیا ہے یار!" جلال نے الجھ کر پوچھا۔

"ماوی تمہاری کیسی دوست ہے؟۔۔۔ ٹائی مین ازشی یور گرل فرینڈ؟"

جلال سٹپٹا گیا اور یہ سٹپٹاہٹ اس کے چہرے پر بھی صاف دکھائی دی تھی۔

"یہ کیسا سوال ہے؟۔۔۔ تم جانتے ہو۔۔۔"

"میں نے کہا تھا جلال! کوئی ٹال مٹول نہیں۔" شبیہہ نے تیز لہجے میں ٹوکا۔

"ماوی میری اچھی دوست ہے شبیہہ! گرل فرینڈ تھیں ہے۔" جلال کو فوری طور اور کچھ نہیں سوجھا تو یہی کہہ دیا۔

"تو اپنی اچھی دوست کے کمرے میں تم آدھی رات کو کیا کرنے گئے تھے؟" شبیہہ نے دائیں ٹانگ بائیں پہ رکھتے ہوئے کہا تھا۔

جلال کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

"وہ میں۔۔۔ میں دراصل۔۔۔"

"وہ میں۔۔۔ میں دراصل۔۔۔ کیا؟"

"شبیہہ! ایسی کوئی بات نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو۔"

"پھر کیسی بات ہے' تم سمجھا دو۔" شبیہہ نے سابقہ انداز میں کہا۔

"ویسے اگر نائم پاس کے لیے گئے تھے تو بھی مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" شبیہہ نے یکدم پینترا بدلتے ہوئے کہا تھا۔

"کیا مطلب؟" جلال نے قدرے ناگواری سے اسے دیکھا۔

"مطلب یہ کہ لڑکی تو اچھی ہے۔ یعنی پیکنگ تو اچھی لگتی ہے۔"

"شبیہہ! کیا فضول بکواس کر رہے ہو۔۔۔"

"اس میں فضول تو کچھ بھی نہیں ہے۔ تم تو اس طرح بھڑکے ہو' جیسے میں نے اس کے کمرے میں جانے کی اجازت مانگ لی ہو۔"

جلال بے ساختہ مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا۔ اس کی غیرت پہ تازیانہ پڑا تھا۔ خون رگوں میں ابلنے لگا۔

"ایک شریف لڑکی کے بارے میں تمہیں ایسی بات کرتے ہوئے سوچنا چاہیے۔" اس نے بمشکل ضبط کرتے ہوئے کہا تھا۔

"وجہ؟" شبیہہ نے کندھے اچکا کر پوچھا۔

"وہ شریف لڑکی ہے شبیہہ! ہر کسی کے بارے میں تم اسی طرح منہ پھاڑ کر کچھ بھی کہہ دیتے ہو' کم سے کم کبھی تو سوچا کرو۔"

"میں ہمیشہ سوچ سمجھ کر ہی بولتا ہوں۔" شبیہہ نے گہری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ "سوچ میں یہ رہا ہوں کہ تم اس لڑکی کے بارے میں اتنے ایموشنل کیوں ہو رہے ہو؟۔۔۔ اتنی جذباتیت کا مظاہرہ یا تو انسان بہن کے معاملے میں کرتا ہے یا گرل فرینڈ کے معاملے میں۔"

"شبیہہ! پلیز یار۔۔۔ کیا ہم کسی اور ایشو پہ بات نہیں کر سکتے؟"

"نہیں۔۔۔ کیونکہ مجھے اسی ایشو پر بات کرنا ہے۔"

"لیکن کیوں؟"

"سیدھی سی بات ہے' میں نے تمہیں آدھی رات کے وقت اس کے کمرے سے نکلتے ہوئے دیکھا ہے۔ جو لڑکا لڑکیوں سے کوسوں دور بھاگتا ہو' اس کا ایسی حرکت کرنا غیر معمولی لگتا ہے نا۔۔۔ محبت و جت کا معاملہ ہے تو بھی بتا دو ورنہ اس لڑکی کی شرافت پہ تو میں یوں بھی مشکوک ہوں' کمرے میں بلانے کے پیسے لیے ہیں تب بھی بتا دو' تھوڑا بہت میں بھی۔۔۔"

"شٹ اپ شبیہہ! تمہیں کوئی حق نہیں ہے کہ میری بیوی کے بارے میں اس طرح کی گھٹیا باتیں کرو۔۔۔"

جلال نے یک دم خود پر ضبط کھوتے ہوئے کہا تھا۔ شبیہہ گو کہ اس سے کسی بھی قسم کے انکشاف کی توقع کر رہا تھا لیکن اس انکشاف پر ہکا بکا ہو کر اس کی شکل دیکھنے لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

فیضان عجب الجھن کا شکار تھے۔ حالات کچھ کہہ رہے تھے' ثمینہ آپا کا بیان کچھ اور تھا جبکہ انعما کی باتیں کسی اور ہی حقیقت کو آشکار کر رہی تھیں بلکہ حقیقت بھی کیا آشکار کرنا تھی۔ بس یوں تھا کہ الجھن بڑھتی جا رہی تھی۔ فیضان بھول گئے کہ پاکستان کس کام سے آئے تھے' انہیں صرف ماوی کی تلاش تھی۔ جس کے بارے میں کچھ بھی نہیں آ رہا تھا کہ اسے زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا۔

دوسری جانب ثمینہ آپا کا رویہ بھی حیران کن تھا۔ وہ ماوی کے لیے پریشانی کا اظہار کر رہی تھیں لیکن یہ پریشانی اس حد تک نہیں تھی جس کی توقع کسی گمشدہ بیٹی کی ماں سے کی جا سکتی ہے۔ گویا سراغ کم تھے۔ سوال اور الجھنیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زیادہ۔

تمام تر پریشانیوں کے باوجود کاروباری معاملات میں دلچسپی لینا ان کی مجبوری تھی۔ سو صبح کے نکلے شام چھ بجے واپس آئے تھے۔ خدا معلوم انیبا کو ان کی آمد و رفت کے اوقات کار کی خبر کیسے ہو جاتی تھی جب تک وہ فریش ہو کر باہر آئے انیبا ملازمہ کے ہاتھ کافی اور اسنیکس بھجوا چکی تھی۔ فیضان کی بھوک جاگ اٹھی' دل نہ ہونے کے باوجود انہوں نے رغبت سے کھایا پھر جب تنہا بیٹھ کر اوٹ پٹانگ خیال ستانے لگے تو کافی کا مگ لے کر باہر نکل آئے۔

شام کے آسمان پر پرندوں کی قطاریں گزر رہی تھیں۔ پودوں سے ٹکراتی ہوئی ہوا میں نامانوس لیکن بھلی سی خوشبو کا احساس رچا تھا۔

فیضان نے دیکھا' انیبا مگن سی اپنے لان میں پانی دے رہی تھی۔ فیضان بے ساختہ یک ٹک اسے دیکھنے لگے۔ ہلکے زرد رنگ کے لباس میں وہ نوخیز کلی سی محسوس ہوتی تھی۔ اپنے کندھوں تک آتے بالوں کو ڈھیلے سے جوڑے میں باندھ رکھا تھا۔ ہوا سے کچھ لٹیں بار بار چہرے کے اطراف میں بکھر جاتیں تو وہ انہیں بیزاری سے کانوں کے پیچھے اڑس لیتی۔

فیضان اسے بے خودی سے دیکھتے رہے' وہ خود ان کے رستے میں آئی تھی۔ کوئی سطحی سی ذہنیت رکھنے والے مرد ہوتے تو فائدہ اٹھانے میں ذرا سا وقت بھی ضائع نہ کرتے۔ لیکن خوش قسمتی سے وہ ایسے ہرگز نہ تھے۔ زندگی نے جب بھی موقع دیا' کئی کترا کر بچ نکلے تھے۔ اب بھی یہی کیا۔ اس سے قبل کہ دل کسی ضد پہ آمادہ ہوتا' انہوں نے نظریں ہی پھیر لیں مبادا کسی ضدی بچے کی طرح مچلتے دل کو ٹالنے کا حوصلہ ہی نہ رہے۔

واپس پلٹنے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ انیبا کی نظر ان پر پڑ گئی۔ نظریں ملتے ہی وہ خفیف سا مسکرائی اور پانی کا پائپ احتیاط سے کیاری میں رکھ کر ان کی طرف آئی۔

"ماوی کا کچھ پتا چلا؟" اس نے قریب آتے ہوئے پوچھا۔ فیضان نے مایوسی سے نفی میں سر ہلا دیا۔

"اوہ۔" انیبا بھی مایوس ہوئی پھر بولی۔ "میں نے آپ سے کہا تھا ثمینہ آنٹی سے پوچھیں۔"

"پوچھا ہے لیکن ان کے پاس بھی کوئی جواب نہیں ہے۔ وہ خود پریشان ہیں۔" دل میں بہت سے خدشات ہونے کے باوجود انہیں بہن کی پوزیشن تو کلیئر کرنا ہی تھی سو کہہ دیا۔

"عجیب بات ہے۔" انیبا نے کہا۔ "ثمینہ آنٹی نے تو مجھ سے خود کہا تھا کہ ماوی ڈبلن جا چکی ہے۔" پھر کچھ سوچ کر بولی۔ "اگر آپ کو برا نہ لگے تو ایک بات کہوں؟"

"ضرور۔۔۔ لیکن ایسی کیا بات ہے جس کے لیے بطور خاص اجازت لینا پڑے۔"

"دراصل میں خود ماوی کے لیے بہت فکر مند ہوں' اسی لیے مجھے یہ خیال آیا کہ معاملہ کچھ اور ہے۔" انیبا نے کہا۔

"آپ خود سوچیں' ایک ہی وقت میں ثمینہ آنٹی مجھے کچھ بتاتی ہیں اور آپ کو کچھ اور۔۔۔ کیا یہ حیران کن بات نہیں ہے۔ مجھے تو ایسا لگ رہا ہے جیسے وہ جان بوجھ کر کوئی بات چھپا رہی ہیں۔"

فیضان چند منٹ متفکر سے خاموش رہے۔ یہ بھی حیران کن بات تھی کہ یہی خیال بیک وقت ان کے اور انیبا کے دماغ میں آ رہا تھا۔

"لیکن سوال تو یہ بھی ہے کہ ثمینہ آپا کیوں چھپائیں گی۔ آخر ایسی کیا بات ہو گئی ہے جسے چھپانا پڑے۔"

"اب اس بارے میں تو کچھ نہیں کہہ سکتی' آپ کی بہن ہیں وہ۔ اور آپ انہیں بہرحال مجھ سے زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ میرے دل میں وہم سا آ رہا تھا تو میں نے اظہار کر دیا۔ باقی میں کیا کہہ سکتی ہوں۔" انیبا نے دامن

بچاتے ہوئے کہا تھا۔ وہ دونوں بے دھیانی میں ساتھ ساتھ چلنے لگے تھے' ہوا پہلے کی نسبت تیز ہو گئی تھی اور انیبا کے بال تیزی سے بکھیر رہی تھی۔

"آپ فکر مند نہ ہوں۔ ماوی جہاں بھی ہو گی خیریت سے ہو گی۔ لیکن میرا خیال ہے' آپ کو اس سلسلے میں پولیس سے بھی مدد لینا چاہیے۔" انیبا نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا تھا۔

"ہاں۔ میں بھی یہی سوچ رہا ہوں کہ ماوی کی گمشدگی کی ایف آئی آر درج کروا دینا چاہیے۔"

دونوں کچھ دیر خاموش رہے پھر انیبا نے کہا۔

"آپ ڈنر میں کیا کھانا چاہیں گے۔۔۔ مجھے بتا دیں' میں بنا کر شازیہ کے ہاتھ بھجوا دوں گی۔"

"میرے لیے کسی تکلف کی ضرورت نہیں ہے' جو سب کے لیے بنے گا' میں وہی کھا لوں گا۔"

"اور اگر آج سب کے لیے کھانا نہ بنا تو۔"

فیضان ہنس دیے۔

"تب بھی کوئی فکر کی بات نہیں' میں باہر سے جا کر کھا لوں گا۔"

"خیر' اب اتنے بے مروت تو نہیں ہیں ہم کہ چار دن آپ کی مہمان داری بھی نہ کر سکیں۔" انیبا نے شرارت سے ہنس کر کہا تھا۔ فیضان بے ساختہ گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگے' کتنی دلکش ہنسی تھی جو انہیں کسی اور کی یاد دلاتی تھی۔ انیبا اپنے ہوا سے چہرے پہ بکھرتے بالوں کو کانوں کے پیچھے اڑس رہی تھی۔ فیضان کا دل چاہا' اس کی کانوں کے پیچھے بال لے جاتی انگلیاں تھام کر اسے روک دیں اور اسے بتائیں' وہ اس طرح بکھرے بالوں کے ساتھ کتنی دلکش لگتی ہے۔ لیکن آج تک انہوں نے دل کی کب مانی تھی جو اب اس کی فرمائشوں پہ کان دھرتے۔

"کیا ہوا؟" انیبا نے ان کی نظروں کے ارتکاز پر خفیف سا ہوتے ہوئے پوچھا۔ فیضان نے دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ آہستگی سے نفی میں سر ہلا دیا۔

"بتانا نہیں چاہتے تو اور بات ہے ورنہ میں جانتی ہوں' کچھ تو ہے جو آپ چھپا رہے ہیں۔"

فیضان بے ساختہ ہنس دیے۔

"تمہاری ہنسی نے کسی اور کی یاد دلا دی تھی۔"

انیبا کے دل میں چبھن سے کچھ ٹوٹ گیا۔ پھیکی مسکراہٹ لبوں پر پھیل گئی۔

"ایک بات تو بتائیں۔۔۔ کیا بہت خوبصورت تھی وہ؟" اس نے جھک بالائے طاق رکھتے ہوئے پوچھا۔ جب دیر تک کوئی جواب موصول نہ ہوا تو گردن موڑ کر جواب طلب نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔

"پتا نہیں۔۔۔ اتنی پرانی بات ہے کہ اب تو مجھے ٹھیک سے یاد بھی نہیں۔"

"یہ تو خیر آپ مجھے ٹال رہے ہیں۔ ورنہ انسان اپنی پہلی محبت کبھی نہیں بھولتا۔"

"تو کیا میں امید رکھوں کہ تم بھی مجھے ہمیشہ یاد رکھو گی؟" فیضان کے لبوں سے بے ساختہ پھسل گیا اگلے ہی لمحے وہ کہہ کر پچھتائے۔ انیبا کے چہرے پر سایہ سا لہرا گیا تھا۔

"آئم سوری انیبا! میرے کہنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ۔۔۔" فیضان نے فوراً وضاحتی لہجے میں کہنا چاہا۔

"آپ کے کہنے کا جو بھی مطلب تھا' میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ سچ مچ میں آپ کو کبھی نہیں بھولوں گی۔۔۔ اور میں یہ بھی چاہتی ہوں کہ آپ بھی مجھے یاد رکھیں۔۔۔ کیا آپ مجھے یاد رکھیں گے؟" اس نے بہت آس سے پوچھا تھا۔

"مجھے کچھ کام ہے انیبا! میں چلتا ہوں۔" فیضان نے اس کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ انداز ایسا تھا جیسے بہت جلدی میں ہوں اور اس کی بات سنی ہی نہ ہو۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کم سے کم اس بار تو میرے سوال کا جواب دیتے جائیں۔" انیہا نے بغیر پلٹے التجا کی تھی۔
"تم جانتی ہو انیہا! تمہاری اور میری عموں میں کتنا فرق ہے؟" فیضان نے تیزی سے پوچھا۔
"پندرہ سال' چار مہینے' تین دن۔" انیہا نے سرعت سے کہا۔
"نہیں۔ اٹھارہ سال' چار مہینے' تین دن۔" فیضان کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔ "دانیال بھائی سے کچھ ہی سال چھوٹا ہوں گا۔"
"اور آپ کو خود سے اتنی چھوٹی عمر کی لڑکی میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" انیہا نے تیزی سے ان کا جملہ اچک لیا تھا۔ "یہی کہا تھا نا آپ نے ہادی سے؟ کتنی عجیب بات ہے نا۔ میں نے اپنی اور آپ کی عموں کا حساب اس لیے رکھا کیونکہ میں آپ سے محبت کرتی ہوں لیکن جب آپ کو مجھ سے کوئی دلچسپی ہی نہیں ہے تو آپ اتنا حساب کتاب کس لیے رکھے ہوئے ہیں؟"
فیضان بجا طور پر لاجواب ہوئے تھے۔ یہ تو انہوں نے خود بھی نہیں سوچا تھا۔
"حیران ہو رہے ہیں نا کہ آپ کو یہ خیال کیوں نہیں آیا۔ میں بتاؤں؟ کیونکہ آپ کے دل میں بھی کہیں نہ کہیں میرا خیال موجود ہے جسے آپ جھٹکتے رہتے ہیں اور خود سے بھی اعتراف کرنا نہیں چاہتے۔"
اتنا حقیقت پسندانہ تجزیہ تھا کہ فیضان اس بار بھی کچھ نہ بول سکے۔ دونوں کے درمیان خاموشی کا طویل وقفہ حائل ہوا تھا۔
"کچھ تو کہیں۔ اور کچھ نہیں تو میری غلط فہمی ہی دور کردیں۔" اس طویل ہوتی خاموشی کو انیہا نے ہی توڑا تھا۔
"یہ وقتی کشش ہے انیہا! اور کچھ نہیں۔" فیضان نے کہا۔
"دانیال بھائی بتا رہے تھے' انہوں نے تمہارے لیے کوئی لڑکا دیکھا ہے۔ بہت تعریف کر رہے تھے اس کی۔ میں دعا کروں گا تمہارا لائف پارٹنر تمہیں بہت خوش رکھے۔ جب میں تمہارے سامنے نہیں ہوں گا تو تمہیں یاد بھی نہیں رہوں گا۔ تم بہت آرام سے مجھے بھول جاؤ گی۔" فیضان دوسری سمت میں دیکھتے ہوئے ٹھہر ٹھہر کے بول رہے تھے۔
"کیا آپ زریں کو بھول چکے ہیں؟ اتنے سال گزرنے کے بعد کیا آپ انہیں یاد نہیں کرتے؟ کیا آپ کی ان سے محبت وقتی کشش تھی؟" انیہا نے تیز لہجے میں ان کی بات قطع کی۔
"آپ کہہ رہے ہیں میں آرام سے آپ کو بھول جاؤں گی اور۔۔۔ اور پھر ساری زندگی ایک کم عمر لڑکے کے چہرے میں آپ کا چہرہ تلاش کرتی رہوں گی' ٹھیک ویسے ہی جیسے آپ میرے چہرے میں زریں کا چہرہ تلاش کرتے ہیں۔" انیہا بولتے ہوئے جیسے ہانپنے لگی تھی۔ اس کی آنکھوں میں نمی بھی دکھائی دیتی تھی۔
فیضان اس کے ردعمل پر ہکا بکا رہ گئے تھے۔
"انیہا! میرا وہ مطلب نہیں تھا۔" انہوں نے کہنا چاہا۔
"آپ کا کبھی بھی وہ مطلب نہیں ہوتا جو اتفاق سے آپ کہنا چاہتے ہیں۔" انیہا کے لہجے میں گہرا طنز تھا۔ "لیکن آپ کو کوئی حق نہیں ہے کہ میری فیلنگز کو وقتی کشش قرار دیں۔ آپ کو صرف اپنے بارے میں فیصلہ کرنے کا اختیار ہے' میرے بارے میں نہیں۔ ہادی ٹھیک کہتی تھی' آپ سے محبت کرنا پتھر سے سر پھوڑنے کے برابر ہے۔" اس نے کہا اور آنکھوں میں آنسو لیے تیز قدموں سے اپنے پورشن کی طرف چلی گئی۔ فیضان اپنے لفظوں پر شرمندہ تھے کہ بہرحال اسے دکھ دینا تو ان کا مقصد نہیں تھا وہ اسے روکنا چاہتے تھے لیکن ہر بار کی طرح انہوں نے دیر کردی تھی۔ پتا نہیں اپنی زندگی کے ہر اہم معاملے میں وہ اسی طرح دیر کیوں کردیتے تھے۔

☆ ☆ ☆

"شٹ اپ شبیہہ! تمہیں کوئی حق نہیں ہے کہ میری بیوی کے بارے میں اس طرح کی گھٹیا باتیں کرو۔" جلال نے یک دم خود پر ضبط کھوتے ہوئے کہا تھا۔ شبیہہ کو کہ اس سے کسی بھی قسم کے انکشاف کی توقع کر رہا تھا لیکن اس انکشاف پر ہکا بکا ہو کر اس کی شکل دیکھنے لگا۔
"یہ کیا مذاق ہے جلال!" چند منٹ کے بعد جب بے یقینی کا جھٹکا ذرا ہلکا ہوا تو شبیہہ نے کہا۔
"مذاق نہیں ہے۔ میں سو فیصد سنجیدہ ہوں۔" جلال نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ جذباتیت میں حقیقت تو اگل گیا تھا لیکن پچھتا بھی رہا تھا کہ اتنی جلدی اس راز میں کسی کو شریک نہیں کرنا چاہیے تھا۔
"میں نے انگلینڈ جانے سے پہلے ہادی سے نکاح کرلیا تھا۔ سوچا تھا مناسب وقت آنے پر سب کو بتا دوں گا۔"
"لیکن یہ سب ہوا کیسے؟۔۔۔ تم تو کہتے تھے' وہ تمہاری صرف اچھی دوست ہے۔"
"ہاں کہتا تھا۔" جلال نے آہستگی سے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "لیکن یہ دوستی کب محبت میں بدل گئی' مجھے خود بھی پتا نہیں چلا۔"
"اس محبت کے مرض میں صرف تم مبتلا ہوئے ہو یا وہ لڑکی بھی ایسا کوئی دعوا کرتی ہے؟"
"ظاہر ہے۔ ہم دونوں ہی ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں تب ہی تو بات نکاح تک پہنچی ورنہ یک طرفہ محبت میں معاملات اتنا نہیں بڑھتے۔"
"محبت۔" شبیہہ نے زہر خند کیا۔ "یہ لفظ مجھے اس دور کی یاد دلاتا ہے جب ہمارے بزرگوں کے بزرگ بھی ہماری عموں کے ہوں گے۔ فی زمانہ ایسے کسی جذبے کا کوئی وجود نہیں ہے۔"
"تم نے اس جذبے کی خوبصورتی کو کبھی محسوس نہیں کیا تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ کسی دوسرے کی فیلنگز کو بے کار سمجھو۔ میں ہادی سے اور وہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔ میرے لیے اتنا جاننا کافی ہے۔"
"یعنی میرا شک صحیح نکلا۔ اس لڑکی نے حویلی میں آنے کے لیے تمہیں مہرہ بنایا ہے۔" شبیہہ نے نخوت سے کہا۔
"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اس بے چاری کو تو پتا بھی نہیں تھا کہ ہمارے درمیان اتنی قریبی رشتہ داری نکل آئے گی۔"
"ایسی بے تکی باتوں پہ شاید اسے یقین آسکتا ہے جس کی آنکھوں پر نام نہاد محبت کی پٹی بندھی ہو۔ مجھے تو بہرحال اس لڑکی کی کسی بات کا بھروسا نہیں ہے۔" شبیہہ نے سر جھٹکتے ہوئے کہا تھا۔
"اتنی بدگمانی اچھی نہیں ہوتی شبیہہ!"
"اور اتنی خوش گمانی بھی اچھی نہیں ہوتی۔" شبیہہ نے دوبدو کہا۔ "تمہیں اس سے محتاط رہنا چاہیے۔"
"اس کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ مجھے ہادی پر پورا بھروسا ہے۔" اس کے لہجے میں یقین بولتا تھا۔
"تو تو پاگل ہے جلال!"
"نہیں پاگل نہیں ہوں۔ تمہیں کبھی محبت نہیں ہوئی نا' اس لیے تم نہیں سمجھ سکتے۔ جس سے محبت ہونا شبیہہ! اس کی ہر بات پر یقین کرلینے کو دل چاہتا ہے۔"
"ظاہر ہے۔ عقل جو ساتھ نہیں رہتی۔" شبیہہ نے چڑ کے کہا۔ جلال بے وجہ ہنس دیا۔ شبیہہ کی جان اور جل کر خاک ہوئی۔
"بہرحال میں تو مشورہ ہی دے سکتا ہوں' اس لڑکی سے محتاط رہو۔ مجھے اس لڑکی کے ارادے ٹھیک نہیں لگتے۔"
"میں نے سوچا تھا' ابھی اس بارے میں کسی کو نہیں بتاؤں گا لیکن اب تمہیں پتا چل ہی گیا ہے تو اس بات کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنے تک ہی رکھنا۔ میں نہیں چاہتا کہ حالات سازگار ہونے سے پہلے کسی کو بھی میرے اور ماوی کے متعلق پتا چلے۔" جلال نے تعاون چاہنے والے انداز میں کہا' اس کے بعد شبیہہ نے کیا جواب دیا۔ یہ تو پتا نہیں لیکن یہ ضرور ہوا تھا کہ نیم وا دروازے کے پار کھڑی تنوی کی آنکھوں میں اس نئی اطلاع سے چمک سی دوڑ گئی تھی۔ وہ فی الفور یہ خبر حرم اور نمل کو دینے بھاگی تھی۔

☼ ☼ ☼

"کیا۔!" حرم اور نمل کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔ نمل کی آنکھیں تو باقاعدہ حیرت اور بے یقینی سے پھیلی ہوئی تھیں۔ تنوی نے کانوں پہ ہاتھ رکھ لیا۔

"اوہو۔ آہستہ تو بولیں۔ میرے کان پھاڑیں گی کیا؟" اس نے ناگواری سے کہا۔

"تم نے بات ہی ایسی بتائی ہے کہ ہم اپنا ری ایکشن چھپا ہی نہیں پا رہے۔" نمل نے تعجب کے زیر اثر کہا۔

"تمہیں ضرور غلط فہمی ہوئی ہوگی تنوی!" حرم نے کہا۔ "میرا دل تو یہی بات ہے' یہ بات ہی نہیں مان رہا کہ جلال اور ماوی کا نکاح ہو سکتا ہے۔" وہ مستقل نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

"تو کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں؟" تنوی نے آنکھیں پھیلا کر صدمے کی کیفیت میں پوچھا۔ "بھئی۔ میں اپنے کانوں سے شبیہہ اور جلال بھائی کی باتیں سن کر آ رہی ہوں' آپ کانوں سنی تو غلط نہیں ہو سکتی نا۔"

"درست۔ لیکن اس بات کی تصدیق کون کرے گا۔" نمل نے کہا۔ "میرا مطلب ہے شبیہہ بھائی سے پوچھنے کی ہمت کوئی نہیں کر سکتا اور جلال بھائی نے اگر خود شبیہہ بھائی کو تاکید کی ہے کہ ان کے اور ماوی کے رشتے کی سچائی سے کسی کو آگاہ نہ کیا جائے تو بھول ہی جاؤ کہ وہ اپنے منہ سے کچھ اگلیں گے۔" نمل نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے کہا۔

"کہتی تو تم ٹھیک ہو۔" حرم پر سوچ انداز میں بولی۔

"ایک آئیڈیا آیا ہے۔" معاً تنوی نے کہا تو وہ دونوں سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔

"ہم جا کر ماوی سے ہی پوچھ لیتے ہیں کہ کیا واقعی اس نے جلال بھائی سے نکاح کیا ہوا ہے۔" اس نے پرجوش نظروں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ ہمیں کیوں بتائے گی؟" نمل مایوسی سے بولی۔ "میں سمجھی پتا نہیں کیا آئیڈیا دینے لگی ہو۔"

"پھر بھی ہمیں ایک بار کوشش تو کرنا چاہیے۔" تنوی بضد تھی۔ "کیا پتا وہ ہمیں بتا ہی دے۔ آخر اس میں کوئی مضائقہ بھی تو نہیں ہے۔"

"نمل ٹھیک کہہ رہی ہے تنوی! ماوی ہمیں کچھ نہیں بتائے گی۔" حرم نے کہا۔ "اگر جلال شبیہہ کو منع کر سکتا ہے کہ کسی کو کچھ نہ بتایا جائے تو یقیناً" اس نے ماوی کو بھی منع کر رکھا ہوگا۔"

اور اگر انہوں نے واقعی نکاح کر رکھا ہے تو آپس میں کچھ نہ کچھ تو طے کر ہی رکھا ہوگا نا۔"

"یعنی ابھی بھی تم لوگوں کو شک ہے کہ میں جھوٹ بول رہی ہوں؟" تنوی جل کر بولی۔

"تم پر کون احمق شک کر رہا ہے پاگل! ہم تو صرف یہ کہہ رہے ہیں کہ حقیقت حال کا پتا کس طرح لگایا جائے۔" حرم نے کہا۔

"تمہیں یاد ہے حرم آپا! ہم سب سوچ رہے تھے کہ اچانک ماوی کو حویلی آنے کا خیال کیسے آگیا۔" نمل نے چند منٹ بعد کہا۔

"ہو سکتا ہے' وہ اپنے نکاح کو منوانے ہی حویلی آئی ہو یعنی جلال بھائی اور ماوی کی پلاننگ ہو یہ ساری۔"

حرم نے گھور کر اسے دیکھا۔ "تم ہر معاملے میں فلمی باتیں ڈھونڈ لیا کرو۔"

"اس میں فلمی باتیں ڈھونڈنے کی کیا بات ہے۔ تم خود بتاؤ' کیا تمہیں خود ایسا نہیں لگ رہا۔ دو لوگ ایک دوسرے سے محبت کرنے لگتے ہیں' اچانک انہیں پتا چلتا ہے کہ بزرگ ان کا رشتہ ہونے نہیں دیں گے۔ تب وہ۔۔۔"

"بس کرو نمل!" حرم نے چڑ کر اس کے آگے ہاتھ ہی جوڑ دیے تھے۔

"پھر کیا کریں حرم آپا!" تنوی نے بے قراری سے پوچھا۔ اسے سب سے زیادہ جلدی تھی کہ اصل بات جان لے۔ ماوی اسے اچھی لگتی تھی جبکہ جلال اسے سگی بہنوں کی طرح چاہتا تھا گو کہ حویلی کے باقی لڑکے بھی اس کے لیے بھائیوں کی طرح ہی تھے لیکن جو انسیت اپنی اچھی فطرت کی وجہ سے وہ جلال سے محسوس کرتی تھی' وہ بات کسی اور میں نہ تھی۔

"میرا خیال ہے خاموشی سے بلی کے تھیلے سے باہر آنے کا انتظار کرنا چاہیے۔ مناسب وقت آنے پر جلال اور ماوی خود ہی ہر بات دس کلوز کر دیں گے تو ہمیں بھی پتا چل جائے گا۔ ایسا نہ ہو ہماری جلد بازی ان لوگوں کے لیے کوئی مسئلہ کھڑا کر دے۔" حرم ہمیشہ دور اندیشی سے سوچتی تھی۔

"یہ کیا بات ہوئی حرم آپا!" تنوی نے بسور کے کہا۔ "کیا پتا کب تھیلا پھٹتا ہے اور بلی باہر آتی ہے اور خدا ہی جانے تھیلا پھٹتا بھی ہے یا نہیں۔ اتنا لمبا انتظار کون کرے اور آپ کیسی بہن ہیں حرم آپا! آپ کے بھائی نے چپکے سے شادی کر لی اور آپ کو کوئی دلچسپی ہی نہیں ہے۔" اس کا انداز شرم دلانے والا تھا۔ حرم زور سے ہنس دی' یوں بھی مایوں کے زرد سنہری جوڑے میں ہنسی بات بے بات اس کے لبوں پر بکھر رہی تھی۔

"دلچسپی کیوں نہیں ہے' بالکل ہے لیکن میں تمہاری طرح زندگی کے معاملات کو محض جذباتیت سے نمٹانے پر یقین نہیں رکھتی۔ بات صرف اتنی سی ہے۔"

"شاید آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" تنوی نے بظاہر کہا اور دل میں سوچا۔ "جذباتیت ہے تو یوں ہی سہی لیکن واقعی اتنا لمبا انتظار کون کرے۔ میں جلال بھائی سے نہ پوچھ سکی تو ماوی سے تو ضرور پوچھ لوں گی۔" اس نے مصمم ارادہ کر لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"تسنیم!" ماوی نے اسے راہداری سے گزرتے دیکھ کر بے ساختہ پکارا۔ وہ بڑے بڑے قتال اٹھائے تیز قدموں سے کہیں بھاگی جا رہی تھی۔ ماوی کی آواز پہ وہ ٹھٹک کر رک گئی اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"بڑی جلدی میں لگتی ہو۔ کہیں جانے کی جلدی ہے کیا؟" ماوی نے دوستانہ انداز میں پوچھا۔

"ہم تو ملازم ہیں بی بی! کسی نہ کسی کام کی جلدی ہی رہتی ہے۔" تسنیم کا انداز سادہ سا تھا۔

"تمہیں اپنا وعدہ یاد ہے نا؟"

"کون سا وعدہ؟" خدا جانے وہ انجان تھی یا بن رہی تھی۔

"میری مدد کرنے کا وعدہ۔ حویلی کے رازوں سے پردہ اٹھانے کا وعدہ۔"

"بی بی! آپ ناحق مجھ غریب کے پیچھے پڑی ہیں۔" تسنیم نے بے چارگی سے کہا۔

"یہ لو۔" ماوی نے سر پہ ہاتھ مارا۔ "ابھی تو میں تمہارے پیچھے پڑی نہیں ہوں۔ کبھی پڑ گئی تو جانے تمہارا کیا حشر ہوگا۔ اب نخرے کرنا بند کرو اور سیدھی طرح بتاؤ۔ میری مدد کب کرو گی۔" عجب دھونس جمانا انداز تھا۔

"بی بی! حویلی میں کسی کو بھنک بھی پڑ گئی ناں کہ میں نے آپ کو کچھ بتایا ہے تو آپ کو تو کوئی کچھ نہیں کہے گا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میری جان مصیبت میں آجائے گی۔" تسنیم رونکھی ہو کر بولی تھی۔

"میں تمہیں ایک بات صاف بتادوں تسنیم! میرے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہونا۔ کیونکہ اگر تم نے مجھے کچھ نہ بتایا تو مجھ سے زیادہ تمہاری جان کوئی مصیبت میں نہیں ڈال سکتا۔"

بڑے ہی دوستانہ انداز میں دھمکایا گیا تھا۔ تسنیم جو انمھاک سے اس کی بات سن رہی تھی' ہونق سی بن کر اس کی شکل دیکھنے لگی۔

ماوی ہنس دی۔ "دیکھو میں تمہاری دشمن نہیں ہوں۔ اور میں یہ بھی جانتی ہوں۔ اس حویلی میں تم وہ واحد شخصیت ہو جو میری مدد کر سکتی ہے۔ اس بات کا اندازہ بھی میں نے تمہاری اس روز کی گفتگو سے لگایا جس میں تم اپنے اور میرے بابا کے اچھے تعلقات کا ذکر کر رہی تھیں۔ ایک بات تم ذہن نشین کر لو جتنی مجھے اپنی خیریت عزیز ہے' اتنی ہی تمہاری بھی ہے' اس لیے یہ تو بھول ہی جاؤ کہ میں تم پر کوئی آنچ آنے دوں گی۔ میں اس حویلی میں اپنے بابا کے قاتل کے خلاف ثبوت لینے آئی ہوں اور اگر مجھے خالی ہاتھ واپس جانا پڑا تو یاد رکھنا' قیامت کے روز قاتل کے ساتھ ساتھ تمہیں بھی اللہ کے سامنے جواب دہ ہونا پڑے گا۔ کیونکہ خاموش رہ کر تم اس قاتل کا ساتھ ہی دے رہی ہو۔"

"بی بی! آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔ میں اتنا کچھ تو نہیں جانتی کہ آپ کی مکمل طور پر مدد کر سکوں۔" تسنیم بے چارگی سے بولی۔

"تھوڑا جانتی ہو یا زیادہ لیکن تم پر ذمہ داری تو ہے کہ مجھے ان حقائق سے آگاہ کرو۔" ماوی نے کہا۔ "اب فیصلہ کرنا تمہارا کام ہے کہ تم خاموش رہ کر قاتل کا ساتھ دینا چاہتی ہو یا۔" ماوی نے جتاتی نظروں سے اسے دیکھا اور جملہ ادھورا چھوڑ کر واپس مڑ گئی۔

"ماوی بی بی!" معاً تسنیم نے اسے پکار لیا۔ ماوی چند قدم ہی آگے گئی تھی کہ اس کی آواز سن کر پلٹی۔

تسنیم تذبذب سے انگلیاں موڑ رہی تھی۔ چند قدموں کا فاصلہ عبور کر کے ماوی کے قریب آئی اور رازداری سے بولی۔

"کل حرم بی بی کی رسم مہندی ہے۔ رسم کے وقت سب لوگ مصروف ہوں گے۔ آپ موقع دیکھ کر حویلی کے پچھلے حصے میں آجائیے گا۔ مجھے جو کچھ پتا ہے' وہ آپ کو بتا دوں گی۔ لیکن ایک بات ہے بی بی! مجھ سے زیادہ مدد کی امید نہ رکھیے گا۔ ہو سکتا ہے مجھ سے معلومات لے کر بھی آپ کو کوئی فائدہ نہ ہو۔ میں آپ کا انتظار کروں گی۔"

اس نے جھجکتے ہوئے لیکن بعجلت کہا اور ادھر ادھر دیکھتی جلدی سے آگے بڑھ گئی۔

ماوی چند لمحے بے یقینی سے کھڑی رہی پھر ہنس دی۔ تسنیم اس کی توقع سے جلدی مان گئی تھی لیکن اب اگلا مرحلہ طے کرنا بھی ایک دقت طلب مرحلہ تھا۔

☼ ☼ ☼

"فیاض بھائی! آپ ثمینہ آپا سے صاف صاف بات کریں۔ میں یہ بات مان ہی نہیں سکتا کہ انہیں ماوی کے بارے میں کوئی خبر ہی نہ ہو۔" فیضان نے فون پر فیاض بھائی سے کہا تھا۔

"تم کس طرح کی باتیں کر رہے ہو فیضان!" فیاض نے حیران ہو کر کہا۔ "ثمینہ بھلا ہم سے کیوں چھپائے گی کہ ماوی کہاں ہے۔ وہ تو خود اس کے لیے اتنی پریشان ہے۔"

"آپ کی بات اپنی جگہ درست سہی لیکن معاملہ کچھ گڑبڑ ضرور ہے بھائی!"

فیضان نے انہیں وہ ساری تفصیلات کہہ سنائیں جو انیسہ نے انہیں بتائی تھیں۔

"تم عجیب بات بتا رہے ہو فیضان!" فیاض بھائی نے متعجب ہو کر کہا۔ "مجھے تو ثمینہ کے کسی انداز سے ایسا نہیں لگا کہ وہ غلط بیانی کر رہی ہے اور سوچنے کی بات تو یہ بھی ہے کہ وہ ایسا کرے گی بھی کیوں؟۔۔۔ تمہیں ضرور غلط فہمی ہوئی ہے فیضان!"

"یہی تو زیادہ پریشانی کی بات ہے بھائی! کہ آپا ایسا کر کیوں رہی ہیں۔ اور آپ اس بات کو بھی دماغ سے نکال دیں کہ مجھے غلط فہمی ہوئی ہے۔ اس سارے معاملے میں ایسا کچھ ضرور ہے جو آپا ہم سے چھپا رہی ہیں۔" فیضان کی آواز پریشانی میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"میری مانیں۔ آپ ثمینہ آپا کو اعتماد میں لے کر سچائی جاننے کی کوشش کریں۔"

"او میرے بھائی! سچائی جاننے کے لیے بھی کسی بنیاد کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ تمہیں محض شک ہے۔" فیاض نے کہا تھا۔ "اور ذرا یہ بھی تو سوچو کہ اگر ثمینہ واقعی لاعلم ہوئی تو اس کے دل پر کیا گزرے گی کہ اس کے بھائی کس بنیاد پہ اس پر شک کر رہے تھے۔"

بات معقول تھی۔ فیضان سوچ میں پڑ گئے۔ پھر تھک ہار کر بولے۔

"ٹھیک ہے فیاض بھائی! آپ نہ پوچھیں ثمینہ آپا سے۔ میں خود ہی کسی طرح ماوی کا پتا چلانے کی کوشش کرتا ہوں۔" ان کا لہجہ کسی قدر مایوسی لیے ہوئے تھا۔

☼ ☼ ☼

"دادی جان! کیا سوچ رہی ہیں؟" ماوی نے بڑی بے تکلفی اور چاہ سے پوچھا تھا۔ وہ دونوں بڑی سی ڈائننگ ٹیبل کے آمنے سامنے والی کرسیوں پر بیٹھی تھیں۔ باقی کرسیاں خالی تھیں۔ اسی لیے دونوں کو ایک دوسرے کے بخیے ادھیڑنے کا خوب موقع ملنے والا تھا۔

"میں سوچ رہی ہوں۔ جب میں حویلی سے دھکے دے کر تمہیں نکالوں گی تو تمہارے چہرے پر تاثرات کیسے ہوں گے؟" جنت بیگم نے اس کے سوال پر کوئی بھی ردعمل ظاہر کیے بغیر جواب دیا تھا۔ ماوی اس بات پر ہنسی۔ یوں جیسے کسی بچے کی بات پر ہنسا جاتا ہے۔

"مائی گاڈ! کتنا غرور ہے آپ میں۔ لیکن جب یہ غرور ٹوٹے گا تو آپ کے تاثرات کیا ہوں گے۔"

"کچھ لوگوں پہ غرور سجتا ہے اور میں ان ہی لوگوں میں سے ایک ہوں۔" جنت بیگم نے تیکھی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاہاہا۔" ماوی بدتمیزی سے ہنسی۔ جنت بیگم نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

"تمہیں تھوڑی تمیز سیکھنی چاہیے۔"

"آپ کے پاس آگئی ہوں نا۔ سکھا دیجیے۔"

"میں نے تجھ کانہیں لے رکھا کہ لوگوں کی بگڑی ہوئی اولادیں سدھارتی پھروں۔" جنت بیگم نے نخوت سے ناک چڑھا کر کہا۔

"دادی جان!۔" ماوی نے جتنا لاڈ سے پکارا' جنت بیگم نے اتنی ہی بری طرح اسے ٹوک دیا تھا۔

"میں تم سے کتنی بار کہہ چکی ہوں' مجھے دادی مت کہا کرو۔ تمہاری دادی تمہارے باپ کے بچپن میں ہی مر گئی تھی۔"

"ظاہر ہے تب ہی تو میرے دادا نے آپ سے شادی کی تھی۔ اس حساب سے آپ میری دادی ہی بنتی ہیں۔" ماوی کا انداز اصرار بھرا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"نہیں... میں تمہاری سوتیلی دادی بنتی ہوں۔" جنت بیگم نے زور دے کر کہا تھا۔

"تو ٹھیک ہے میں آپ کو سوتیلی دادی جان کہہ کر بلا لیا کروں گی۔ کیا خیال ہے آپ کا؟" بڑا دوستانہ انداز تھا۔ جنت بیگم کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔

"تم انتہائی ڈھیٹ لڑکی ہو۔" اس نے دانت کچکچا کر کہا۔

"تھینکس فار دا کامپلی منٹ سوتیلی دادی جان!" وہ ابھی بھی باز نہیں آ رہی تھی۔ "آپ کو اسی بات سے اندازہ لگا لینا چاہیے کہ آپ کا برا وقت شروع ہونے والا ہے۔ ثبوت لیے بغیر میں اس حویلی سے نہیں جاؤں گی اور آپ کو سزا دلوائے بغیر اس ملک سے۔" انداز میں کوئی لچک نہ تھی۔ سیدھا سپاٹ سا انداز تھا۔ لحظہ بھر کے لیے جنت بیگم کا دل لرزا۔ اگلے ہی پل اس نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پا لیا تھا اور کرسی سے کھڑے ہوتے ہوئے استہزائیہ ہنسی ہنس دی تھی۔

"اپنی سی کوششیں کر دیکھو۔ جب اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤ تب بات کرنا۔" اس نے ایک جتاتی نظر ہادی پہ ڈالی اور ڈائننگ ہال سے نکل گئی۔ ہادی نے اسے جاتے دیکھا پھر سر جھٹک کے پلیٹ میں باقی بچا سینڈوچ ختم کرنے لگی۔

☼ ☼ ☼

"ولید! مجھے تم سے بات کرنی ہے۔" انیہا نے ولید کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

ولید اپنے لیپ ٹاپ پر مصروف تھا اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر اسی مصروفیت بھرے انداز میں بولا۔

"میں مصروف ہوں انو!"

"ذرا دیر کو بات سن لوگے تو کون سی قیامت آ جائے گی۔" انیہا نے چڑ کر کہا۔

"یار انو..." ولید نے بیزاری سے کہا۔

"آئی سوئیر۔ پندرہ منٹ سے زیادہ نہیں۔"

ولید نے ناچار لیپ ٹاپ بند کر دیا اور کرسی کا رخ ذرا سا اس کی طرف موڑتے ہوئے بولا۔

"جلدی سے شروع ہو جاؤ۔ زیادہ وقت نہیں ہے میرے پاس۔"

"تم کیا کرتے پھر رہے ہو ولید!"

"مطلب؟" وہ حیران ہوا۔

"مطلب یہ کہ تم کن ایکٹویٹیز میں مصروف ہو۔ اپنی حالت دیکھی ہے کتنے کمزور ہو گئے ہو۔ آنکھوں کے گرد باقاعدہ حلقے پڑ گئے ہیں۔" انیہا بڑے پریشان انداز میں کہہ رہی تھی۔

"وہ ایسی کوئی بات نہیں ہے یار! بس ایگزامز کی وجہ سے خود پر دھیان دینے کا ٹائم ہی نہیں مل پا رہا... ورنہ اور تو کوئی بات نہیں ہے۔" ولید نے اسے ٹالتے ہوئے کہا تھا۔

انیہا چند منٹ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ سمجھ نہیں پا رہی تھی مزید کچھ کہے یا نہیں گو کہ آج تہیہ کر کے آئی تھی کہ وہ دو ٹوک بات کرے گی۔

"ولید!" بالآخر اس نے خاموشی کو توڑا۔ "اور اسموکنگ کے بارے میں کیا کہو گے؟"

"تم آج پھر وہی کھاتہ کھول کر بیٹھ جاؤ۔" ولید نے سرد مہری سے کہہ کر رخ دوبارہ موڑ لیا تھا اور لیپ ٹاپ بھی دوبارہ آن کر لیا تھا۔ مطلب صاف تھا کہ وہ اب مزید کوئی بات کرنا نہیں چاہتا اور انیہا کو چاہیے اپنی شکل لے کر وہاں سے دفع ہو جائے۔ انیہا کو تاؤ آ گیا۔

"جب تک یہ کھاتہ نہیں کھلے گا تمہاری حرکتیں بھی ٹھیک نہیں ہوں گی۔" انیہا نے غصے سے آگے بڑھ کر لیپ ٹاپ بند کر دیا تھا۔

"اپنے کام سے کام رکھنا سیکھو انو!" ولید نے سرد مہری سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"یہ بھی میرا کام ہے۔" انیہا نے سابقہ انداز میں کہا۔

"میں اسموکنگ نہیں کرتا انو! میں نے تمہیں اس روز بھی بتایا تھا کہ وہ سگریٹ میرے دوستوں کے تھے۔" ولید نے غصے کے باوجود قدرے دوستانہ انداز میں کہا تھا۔

"اچھا۔" انیہا نے طنزیہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ پھر پلٹ کر گئی اور اس کی الماری کے سب سے نچلے حصے میں سے کچھ میگزینز نکال لائی اور انہیں ولید کے سامنے میز پر پٹخ دیا۔

"سگریٹ تمہارے دوستوں کے تھے تو ان پورن میگزینز کے بارے میں کیا کہو گے؟"

ولید کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔ اسے اس طرح گھیرے جانے کی توقع ہرگز نہیں تھی۔

"اور وہ تمام نیوڈ ویب سائٹس جنہیں تم سارا دن پڑھائی کے بہانے سرچ کرتے رہتے ہو؟ اور وہ تمام گھٹیا اسٹف جسے تم نے اپنے کمرے کے کونوں کھدروں میں چھپا رکھا ہے۔ ان سب چیزوں کے بارے میں کیا کہو گے ولید!"

انیہا کا غصے سے برا حال تھا جبکہ ولید کی شکل دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ لیکن اسے چند منٹ ہی لگے تھے اپنی حالت پر قابو پانے میں۔ اگلے ہی پل اس نے میگزینز اٹھا کر میز کے سب سے نچلے خانے میں ڈال دیے تھے۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی کہ میرے کمرے کی تلاشی لو؟" ولید نے کرسی سے کھڑے ہو کر سینے پر ہاتھ باندھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے پوچھا۔ انیہا اس سے ڈھٹائی کی توقع کر رہی تھی گھبرائی بھی نہیں۔

"پہلے میرے سوالوں کا جواب دو... ورنہ میں تمہاری حرکتوں کی ساری خبر ڈیڈی کو دے دوں گی۔"

"کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ میری جاسوسی کرنے کے بجائے تم پہلے اپنی حرکتوں پر دھیان دے لو۔" ولید نے اطمینان سے اس کے پیروں تلے سے زمین کھینچنا شروع کی تھی۔

"مطلب کیا ہے تمہارا؟" انیہا الجھی۔

"مطلب یہ کہ آج کل گھر میں جو کچھ ہو رہا ہے۔ ممکن ہے وہ ڈیڈی کو نظر نہ آ رہا ہو۔ لیکن مجھے سب کچھ نظر بھی آ رہا ہے اور سمجھ بھی۔ لیکن میں نے تم سے کچھ کہا؟ اس لیے... کہ میں سمجھ رہا تھا یہ تمہارا پرسنل معاملہ ہے۔ مجھے اس میں انٹرفیر کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ لیکن اب جبکہ تم بہت اچھی بہن بنتے ہوئے میرے ہر معاملے میں ٹانگ پھنسا رہی ہو تو میرا بھی فرض بنتا ہے کہ میں بھی بہت اچھے بھائی کا رول پلے کرتے ہوئے تمہاری حرکتوں کی خبر ڈیڈی کو دے دوں۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو ولید!" انیہا نے خائف ہوتے ہوئے کہا۔ گو کہ اس کے دل میں چور نہیں تھا لیکن ولید کے بات کرنے کا انداز اسے ہراساں کر رہا تھا۔

"بکواس ابھی میں نے کی نہیں ہے لیکن تم اگر اسی طرح میری جاسوسی کرتی رہیں تو تمہارے اور فیضان بھائی کے بارے میں جو کچھ ڈیڈی کو بتاؤں گا وہ ضرور بکواس کے زمرے میں آ جائے گا۔" ولید نے غرا کر کہا۔ اب کی بار چہرے کا رنگ بدلنے کی باری انیہا کی تھی۔

"ولید! فضول مت بولو۔"

"اچھا اپنی باری آئی تو میری باتیں فضول ہو گئیں۔" ولید نے استہزائیہ کہا۔

"اگر تم نے ڈیڈی سے کوئی بھی فضول بات کی نا ولید! تو میں تمہارا بہت برا حشر کر دوں گی۔" انیہا نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"فضول بات؟ کون سی بات؟ میں تو حقیقت ہی بتاؤں گا۔"

"اپنی طرف سے افسانہ گھڑ کے حقیقت بناؤ گے؟"

"اپنی طرف سے کیوں بنانے لگا۔ یہ تو سامنے کی حقیقت ہے۔ موقع ملتے ہی تم انیکسی میں چلی جاتی ہو۔ کھانے بنا بنا کر بھجوائے جا رہے ہیں۔ لان میں واک کی جا رہی ہے۔ کچھ نہ کچھ تو بات ہے نا۔" وہ خوب آنکھیں مٹکا مٹکا کر بول رہا تھا۔ لیکن انیا کے منہ میں تو جیسے زبان ہی نہ رہی تھی۔ اس کا تو وہ حال تھا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔

"اب میری ایک بات کان کھول کر سن لو مس حسن! اگر اگلی بار تم نے میرے کمرے کی تلاشی لینے کی کوشش کی یا میری جاسوسی کرتے ہوئے پائی گئیں تو یاد رکھنا میں تمہارے اور فیضان بھائی کے بارے میں ایک کی چار لگا کر ممی اور ڈیڈی کو بتانے میں ذرا بھی نہیں سوچوں گا۔" اس نے واضح الفاظ میں دھمکی دی تھی۔

"اب اپنی شکل گم کرو میں معروف ہوں۔"

"اور ہاں۔۔۔" انیا جس وقت کمرے سے باہر نکل رہی تھی اس نے ولید کو کہتے سنا۔

"میں جو کہتا ہوں اسے بھولنا نہیں ہوں۔۔۔ یہ بات ضرور یاد رکھنا۔" انیا خاموشی سے باہر نکل گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

فیضان بیڈ پر سیدھے لیٹے ہوئے تھے۔ سر کے نیچے دونوں ہاتھوں کا تکیہ تھا اور آنکھیں چھت سے لگی ہوئی تھیں جبکہ کانوں میں انیا کی آواز گونج رہی تھی۔

"آپ کے کہنے کا جو بھی مطلب تھا۔ میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ سچ مچ میں آپ کو کبھی نہیں بھولوں گی۔۔۔ اور میں یہ بھی چاہتی ہوں کہ آپ بھی مجھے یاد رکھیں۔۔۔ کیا آپ مجھے یاد رکھیں گے؟"

"کتنی عجیب بات ہے نا۔ میں نے اپنی اور آپ کی عمروں کا حساب اس لیے رکھا کیونکہ میں آپ سے محبت کرتی ہوں' لیکن جب آپ کو مجھ سے کوئی دلچسپی ہی نہیں ہے تو آپ اتنا حساب کتاب کس لیے رکھے ہوئے ہیں؟"

"کیونکہ آپ کے دل میں بھی کہیں نہ کہیں میرا خیال موجود ہے' جسے آپ جھٹکتے رہتے ہیں اور خود سے بھی اعتراف کرنا نہیں چاہتے۔"

"کیا آپ زریں کو بھول چکے ہیں؟ اتنے سال گزرنے کے بعد کیا آپ انہیں یاد نہیں کرتے؟ کیا آپ کی ان سے محبت وقتی کشش تھی؟"

فیضان اٹھے اور کھڑکی میں جا کر کھڑے ہو گئے۔ رات کا آسمان ستاروں سے جھلملا رہا تھا اور ہوا شائیں شائیں کر کے لان میں درختوں کو چھو رہی تھی۔

"آپ کہہ رہے ہیں میں آرام سے آپ کو بھول جاؤں گی۔۔۔ اور۔۔۔ اور پھر ساری زندگی ایک کم عمر لڑکے کے چہرے میں آپ کا چہرہ تلاش کرتی رہوں گی ٹھیک ویسے ہی جیسے آپ میرے چہرے میں زرین کا چہرہ تلاش کرتے ہیں۔" اس نے جیسے فیضان کے سامنے آئینہ لا کر رکھ دیا تھا۔

"آپ کو کوئی حق نہیں ہے کہ میری فیلنگز کو وقتی کشش قرار دیں۔۔۔ آپ کو صرف اپنے بارے میں فیصلہ کرنے کا اختیار ہے' میرے بارے میں نہیں۔ ماوی ٹھیک کہتی تھی' آپ سے محبت کرنا پتھر سے سر پھوڑنے کے برابر ہے۔"

کتنی بے چارگی تھی اس کے لہجے میں۔ فیضان کو از سر نو شرمندگی نے آن گھیرا۔ انہوں نے بیزاری سے کھڑکی بند کر دی۔ ایک جھٹکے سے ہوا کی تیز آواز کا رابطہ ٹوٹ گیا تھا۔

فیضان نے محض وقت گزاری کے لیے لیپ ٹاپ آن کر لیا۔ ان کے ان باکس میں انیا کی کچھ ای میلز پڑی تھیں۔ سادہ اور معصوم بے ضرر سی باتوں سے بھری ہوئی۔ وہ ایک ایک کر کے تمام ای میلز دیکھتے چلے گئے۔ معاً ذہن میں ایک کوندا سا لپکا تھا۔ انہوں نے فی الفور اپنی آئی ڈی کو سائن آؤٹ کر کے ثمینہ آپا کا میلنگ ایڈریس لگانا شروع کیا۔ کسی وقت میں ثمینہ آپا کا دیا ہوا پاس ورڈ کام آیا تھا اور گو کہ وہ جانتے تھے کہ وہ بہت ہی غیر اخلاقی حرکت کے مرتکب ہونے جا رہے ہیں۔ لیکن یہ وہ واحد راستہ تھا جس کے ذریعے ماوی کا پتا لگایا جا سکتا تھا۔

تھوڑی سی محنت کے بعد بالآخر وہ اصل پاس ورڈ لگانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ توقع کے عین مطابق ان باکس ماوی کی ای میلز سے بھرا ہوا تھا۔ وہ ایک ایک کر کے تمام میلز چیک کرنے لگے۔ پہلی چار' پانچ میلز میں کوئی قابل ذکر بات نہ تھی' لیکن چھٹی میل میں انہیں سراغ مل ہی گیا۔

"آپ کی ڈیمانڈ کے مطابق میں حویلی پہنچ چکی ہوں' لیکن سمجھ نہیں پا رہی کہ میں یہاں آئی کس لیے ہوں۔ اگر بابا جان کے قاتل کے خلاف ثبوت ہی تلاش کرنا تھا تو ہم پولیس کی مدد بھی تو لے سکتے تھے۔ اس کے لیے مجھے حویلی بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔"

فیضان کے دماغ پر جیسے پتھر برسنے لگے تھے۔ اگلی ای میل میں لکھا تھا۔

"بالآخر آج میری ملاقات جنت بیگم سے ہو ہی گئی۔ آپ نے ٹھیک کہا تھا ممی! وہ بہت خوب صورت خاتون ہیں اور اگر زریں آنٹی اپنی ہاں جیسی تھیں تو فیضان ماما نے بلاوجہ دل نہیں ہارا ہو گا۔ بلاشبہ ان میں ضرور ایسا کچھ ہو گا کہ دل ہار دیا جائے۔"

اب تو کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہ تھی' ساری صورت حال سمجھ میں آتے ہی فیضان سر پکڑ کر بیٹھ گئے تھے۔

"آپ سے اور آپ کی بیٹی سے مجھے عقل مندی کی توقع تو کبھی بھی نہیں رہی۔ لیکن اس بار تو آپ دونوں نے حد ہی کر دی۔"

فیضان نے موبائل فون کان سے لگا رکھا تھا اور بے حد غصے میں تھے۔

"کیسی باتیں کر رہے ہو فیضان!" ثمینہ آپا نے قدرے تعجب سے پوچھا۔

"پہلے آپ مجھے بتائیں' ماوی کہاں ہے؟" فیضان نے ان کے گرد گھیرا تنگ کرنا شروع کیا۔

"مجھے پتا ہوتا تو کیا پہلے ہی نہ بتا دیتی۔" ثمینہ عاجز آ کر بولیں۔

"تو پھر آپ کے لیے ایک خبر ہے۔ ماوی حویلی جا چکی ہے' تاکہ وہاں سے رجب بھائی کے قاتل کا سراغ لا سکے۔" فیضان نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"کک۔۔۔ کیا کہہ رہے ہو فیضان!" ثمینہ خود پر قابو رکھنے کے باوجود ہکلا گئی تھیں۔

"وہی کہہ رہا ہوں جو آپ سن رہی ہیں۔" فیضان نے تیز لہجے میں کہا۔ "اور بہتر ہو گا کہ آپ میرے سامنے مزید انجان بننے کا ڈراما نہ کریں کیونکہ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ ماوی نے آپ کے کہنے پر حویلی جانے کی حماقت کی ہے۔"

"فیضان! میں۔۔۔" ثمینہ نے کہنا چاہا لیکن فیضان کچھ بھی سننے کے موڈ میں نہیں تھے اور ثمینہ نے آج سے پہلے بھائی کو کبھی اتنے غصے میں نہیں دیکھا تھا۔ وہ اپنی کیفیت اس شخص کی سی محسوس کر رہی تھیں جس کی چوری پکڑی گئی ہو۔ ناچار انہیں اعتراف کرنا پڑا کہ ماوی ان ہی کے اصرار پر حویلی گئی ہے۔

"ثمینہ آپا! میری سمجھ میں نہیں آ رہا' آپ کی عقل مندی کا اعتراف کن الفاظ میں کروں۔" فیضان کا غصے سے برا حال تھا۔ "آپ کو ذرا سا بھی احساس ہے' آپ نے کتنی بڑی حماقت کا ثبوت دیا ہے۔ ماوی کو اپنے ہاتھوں سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مصیبت کے منہ میں دھکیل دیا۔ ایک بار بھی آپ نے سوچا' وہاں اسے کوئی نقصان پہنچا تو آپ کیا کریں گی؟"

"تم اس طرح کی باتیں مت سوچو فیضان! ماوی کو کچھ نہیں ہوگا۔" ثمینہ نے کہا۔

"آپ اپنے خیالوں میں خوش رہیں۔ مجھے ایسی کسی خوش امیدی کی آس نہ دلائیں۔" فیضان نے دو ٹوک کہا

"ماوی کا کانٹیکٹ نمبر دیں مجھے۔ میں اسے مزید اس حویلی میں چھوڑنے کا رسک نہیں لے سکتا۔"

"میرے پاس اس کا نمبر نہیں ہے۔" ثمینہ نے کہا۔

"اب آپ پھر جھوٹ بول رہی ہیں۔" فیضان کو تاؤ آگیا۔

"فیضان!..." ثمینہ آپا نے بیزاری سے کہا۔ "تم بنا بنایا کھیل بگاڑ دو گے۔ میں نے کن وقتوں سے ماوی کو حویلی جانے پر راضی کیا ہے اپنے مقصد کے اتنا قریب پہنچ کر اگر وہ واپس آگئی تو سب کیے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔"

"آپ کو اپنی پلاننگ خراب ہونے کا خدشہ ہے' اس بات کی کوئی فکر نہیں کہ ماوی کو وہ لوگ کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔"

"ماوی ان لوگوں کا اپنا خون ہے' وہ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔" ثمینہ نے کمزور سی آواز میں کہا۔

"جی ہاں... ماوی ان کا اپنا خون ہے۔ خون بھی وہ جو کب کا سفید ہو چکا۔" فیضان نے ثمینہ کا جملہ اچکتے ہوئے انہیں آڑے ہاتھوں لیا تھا۔

"ایک طرف آپ نے ماوی کو وہاں رجب بھائی کے قاتل کے خلاف ثبوت لینے بھیج دیا۔ دوسری طرف آپ کہہ رہی ہیں کہ ماوی ان کا اپنا خون ہے' اس لیے محفوظ ہے اگر وہ حویلی رجب بھائی کے لیے محفوظ نہیں تھی تو ماوی کے لیے کس طرح محفوظ ہو سکتی ہے؟ اس بات پر یقیناً" آپ نے غور کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی ہوگی... اب مجھے ایک بھی منٹ ضائع کیے بغیر ماوی کا نمبر دے دیں ورنہ غصے میں میں نہ جانے کیا کر بیٹھوں گا۔"

یہ دھمکی کارگر رہی۔ یوں بھی ثمینہ فیضان کے لہجے سے سمجھ گئی تھیں کہ اب کوئی بھی بہانہ بنانا فضول ہوگا۔ بددلی کے ساتھ انہوں نے نمبر دے دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"تم معاملے کی نزاکت کو سمجھ ہی نہیں رہی ہو ماوی!" ثمینہ نے جھنجھلا کر کہا تھا۔

"ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔" ماوی نے سابقہ انداز میں کہا تھا۔ وہ بڑی سی سنگھار میز کے سامنے کھڑی لپ اسٹک لگا رہی تھی۔ آج حرم کی رسم مہندی تھی۔ سب لڑکیاں بھابھیاں تنوی کے کمرے میں تیار ہونے کے لیے جمع تھیں اس نے کندھے کی مدد سے موبائل فون کان سے لگا رکھا تھا جبکہ لپ لائنر برش کی مدد سے وہ بے حد نفاست سے لپ اسٹک لگا رہی تھی۔ اس نے بائل گرین کلر کے غرارے کے ساتھ لائٹ گولڈن شرٹ پہن رکھی تھی۔ بائل گرین ہی بڑا سا دوپٹہ جس کے کناروں پر سنہری کام کیا ہوا تھا۔ آگے کی طرف دونوں کندھوں پر بڑے اسٹائلش انداز میں سیٹ کر رکھا تھا۔ سیٹ کیے ہوئے بال کندھوں پر آگے آرہے تھے جن سے کانوں میں ڈالے ہوئے بڑے بڑے جھمکے جھانک رہے تھے۔ اس نے میک اپ بھی بہت نفاست سے کر رکھا تھا اور بلاشبہ خوب صورت بھی بہت لگ رہی تھی۔ لپ اسٹک کو فائنل ٹچ دے کر اس نے شیشے میں خود پر تفصیلی نظر ڈالی پھر اپنی تیاری سے مطمئن ہو کر خود کو اوکے کا سگنل دیا اور پہلی بار پوری سنجیدگی سے ثمینہ کی طرف متوجہ ہوئی۔

"اب بتائیں۔ آپ مجھ سے چاہتی کیا ہیں؟"

"فیضان کی کال آئے تو تم اٹینڈ مت کرنا۔"

"اس سے کیا ہوگا؟"

"فیضان مایوس ہو کر دوبارہ رابطہ نہیں کرے گا۔"

"اور اگر وہ حویلی آگئے تو...."

"ایسا نہیں ہوگا۔"

"فیضان ماما آج پیدا ہوئے ہیں یا آپ؟"

"میں۔ مطلب؟"

"مطلب یہ کہ فیضان ماما کے بارے میں آپ ایسا دعوا تب کریں جب آپ انہیں جانتی نہ ہوں۔" ماوی نے کہا۔ "آپ اچھی طرح جانتی ہیں۔ میں ان کا فون ریسیو کروں یا نہ کروں اگر انہیں میرے بارے میں علم ہو گیا ہے تو وہ مجھ تک پہنچیں گے ضرور۔"

"تو اب میں کیا کروں؟" ثمینہ نے پریشانی سے کہا۔

"میں نے پہلے بھی کہا تھا۔ آپ کو کیا کرنا ہے اور کیا نہیں۔ یہ سوچنا آپ کا کام ہے...."

"ماوی! تمہارے پاس بلیو ٹوتھ لائٹر ہے؟" اچانک پیچھے سے آکر نمل نے پوچھا تھا۔ ماوی نے ذرا سا چونکتے ہوئے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا پھر ڈریسنگ ٹیبل سے ٹارچ اٹھا کر اس کی طرف بڑھا دیا اور مزید آواز دھیمی کر کے بولی۔

"آپ کو پہلے ہی فیضان ماما کو طریقے سے ہینڈل کرنا چاہیے تھا۔ اب جب کہ تیر کمان سے نکل چکا ہے تو میرا نہیں خیال کہ ہم فیضان ماما کو ان کے ارادے سے باز رکھنے کے لیے کچھ کر سکتے ہیں۔ وہ جو کر رہے ہیں انہیں کرنے دیں۔ ویسے بھی میرا خیال ہے۔ آج رات تک مجھے کچھ نہ کچھ معلومات مل ہی جائیں گی۔"

"واقعی؟" ثمینہ یکدم پرجوش ہوئی تھیں۔

"جی بالکل... لیکن ابھی میں حتمی طور پہ کچھ نہیں کہہ سکتی۔ لیکن جیسے ہی کچھ پتا چلا' میں آپ کو بتاؤں گی ضرور... آپ بس دعا کریں فیضان ماما کے مجھ تک پہنچنے سے پہلے مجھے مطلوبہ معلومات مل جائیں۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔" ثمینہ نے صدق دل سے کہا۔ پھر کچھ خیال آنے پر پوچھنے لگیں۔ "جلال کیسا ہے؟"

"ٹھیک ہے... معصوم آدمی۔"

"ماوی! تم فیضان کے سامنے بات سنبھال لوگی ناں؟" ثمینہ نے بڑی آس سے پوچھا تھا۔

ماوی نے بیزاری سے گہری سانس بھری۔

"آپ کی ہر پلاننگ ادھوری کیوں ہوتی ہے ممی! مجھے حویلی بھجواتے ہوئے بھی آپ کی پلاننگ آدھی تھی۔ باقی معاملات سنبھالنے کے لیے آپ نے مجھے تنہا چھوڑ دیا اور اب فیضان ماما کے معاملے میں بھی آپ کی اسٹریٹجی یہی رہی... کل کو آپ کہیں گی کوئی مشکل آجائے تو بھی اسے تنہا سنبھال لو۔"

"ماوی! تم مجھے ہمیشہ غلط سمجھتی ہو۔ جبکہ میں...." ثمینہ نے کہنا چاہا۔

"اوہ فار گاڈ سیک... اب وہی پچھلا چیپٹر کھول کے مت بیٹھیں۔" ماوی نے بیزاری سے کہا۔ "اور فیضان ماما جو کرتے ہیں انہیں کرنے دیں۔ دیکھا جائے گا جو ہوگا اور میں فون بند کر رہی ہوں۔ اب مزید بات نہیں کر سکتی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ویسے بھی فنکشن اسٹارٹ ہونے والا ہے نمل اور تحریمہ بھابھی کئی بار بلانے آچکی ہیں۔۔۔ ٹیک کیئر آف یور سیلف۔۔۔ اللہ حافظ۔"

ثمینہ مزید کچھ بات کرنا چاہتی تھیں لیکن ماوی نے فون بند کر دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

رسم کا اہتمام حویلی کے مرکزی لان میں کیا گیا تھا' ماوی جان بوجھ کر لڑکیوں سے ذرا پیچھے پیچھے رہی تاکہ کسی کی نظروں میں آئے بغیر تسنیم کے کمرے کے عین مطابق حویلی کے عقبی حصے میں جا سکے۔ لیکن اتنی احتیاط کے باوجود اس کی موجودگی کو بہت سے لوگوں نے نوٹ کر لیا تھا۔

گو کہ سب نے ہی اسے سراہا تھا لیکن تھوی نے بطور خاص اس کی بہت تعریف کی تھی۔ اگر اسے باقی سب کی پروا نہ ہوتی تو اب تک یقیناً" ماوی اور جلال کو ساتھ ساتھ کھڑا کر کے بھی دیکھ چکی ہوتی کہ ان کی جوڑی کیسی لگتی ہے۔ وہ تو مصروفیت زیادہ ہونے کی بنا پہ ماوی سے پوچھ نہ پا رہی تھی ورنہ شوق کا تو وہ عالم تھا کہ بس حد نہیں۔ جنت بیگم نے البتہ اس پر سرسری سی خشمگیں نظریں ہی ڈالی تھیں۔

ماوی کی نظریں مستقل تسنیم کے تعاقب میں لگی ہوئی تھیں۔ تسنیم بھی آتے جاتے اس پر نظر رکھے ہوئے تھی۔ جس وقت حرم کے سسرال والے مہندی لے کر آئے' مہمانوں کی گہما گہمی کی وجہ سے تسنیم کو وہاں سے نکلنے کا موقع مل گیا۔ اس نے کھسکنے سے پہلے ماوی کو اشارہ کر دیا تھا۔ ماوی نے کچھ دیر سب کی نظریں خود سے ہٹنے کا انتظار کیا پھر نظر بچا کر سب کے درمیان سے نکل آئی۔

حویلی کے مرکزی حصے کے برعکس عقبی حصہ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ عجیب سی دہشت محسوس ہوتی تھی۔

ماوی اپنی آنکھوں کو اس اندھیرے سے مانوس کرنے کی کوشش کرتی اپنے غرارے کو دونوں ہاتھوں سے مگر بڑے بے ڈھب طریقے ذرا سا اوپر اٹھائے احتیاط سے آگے بڑھ رہی تھی۔ یہ لباس عالیہ نے اس کے لیے بنوایا تھا اور اسے یہ روایتی سا لباس پسند بھی آیا تھا۔ ایسا لباس پہننے کا اس کا پہلا تجربہ تھا اور وہ اس تجربے سے لطف اندوز بھی ہو رہی تھی لیکن ان سب باتوں کے باوجود اسے چلنے پھرنے میں بھی اچھی خاصی دقت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

اس سے قبل کہ وہ مایوس ہو کر واپس پلٹتی بیم وا دروازے سے نکلتی زرد روشنی نے اسے متوجہ کر لیا۔ اندھیرے میں جگنو کے مترادف تھی یہ روشنی۔ وہ تیزی سے اس طرف بڑھی۔ دروازے پر انگلیوں کا ذرا سا دباؤ ڈالتے ہی دروازہ کھلتا چلا گیا تھا۔ ماوی نے اندر داخل ہو کر جلدی سے دروازہ بند کر دیا تھا۔

"شکر ہے تسنیم! تم نے لائٹ جلا دی ورنہ اتنے اندھیرے میں تو میں کسی دیوار کو ہی ٹکریں مارنے لگی تھی۔"

حسب عادت تیز تیز بولتی وہ جوں ہی پلٹی۔ تسنیم کی جگہ خود سے محض چند قدم کے فاصلے پر کھڑے ڈھانچہ نما وجود کو دیکھ کر بری طرح ڈر گئی اور الٹے قدموں بند دروازے سے جا لگی۔ وہ جو کوئی بھی تھا بے حد ضعیف اور مدقوق تھا' اس کی بڑی بڑی آنکھیں کمزور جلد سے باہر ابلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ ٹکٹکی باندھے ماوی کو دیکھ رہا تھا۔ اپنی تمام تر طراری کے باوجود ماوی کو اس سے بری طرح خوف محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے چاہا کہ چیخ کر تسنیم کو آواز دے لیکن قوت گویائی نے اس کا ساتھ دینا بند کر دیا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کنیز نبوی

"یہ نذیراں کہاں چلی گئی؟"

صبح جب نیند سے اٹھی۔ نیم کی مسواک سے فارغ ہو کر وہ نذیراں کو اٹھانے واپس کھلے پر آئی تو نذیراں کی خالی چارپائی دیکھ کر اک لمحے کو خاموش رہ گئی۔ چھوٹا سا گھر تھا کہیں چھپ تو نہیں سکتی تھی۔

اندر کمرے میں باورچی خانے میں حتیٰ کہ بھینسوں کے باڑے میں بھی دیکھ آئی کہ کہیں بھینس دوہنے تو نہیں گئی۔

باتھ روم سے تو وہ خود نکلی تھی۔ گھر کے صحن میں لگے نلکے سے منہ دھو کر پھر نذیراں کو اٹھانے آئی تاکہ وہ ناشتا بنائے۔

چائے کا پانی چڑھا کر نذیراں آٹا گوندھتی۔ چائے بن جاتی تو آگ سے جلتے کوئلے نکال کر چولہے کے باہر چائے کی ہنڈیا ان پر رکھتی تاکہ چائے گرم رہے۔ پھر خود چولہے پر توا چڑھا کر روٹیاں ڈالتی جاتی۔

پھاتاں پیالے دھو کر لکڑی کی چوکی پر آبیٹھتی۔ جو بھی اٹھتا جاتا اسے چائے کے پیالے بھر بھر کر دیتی رہتی اور وہ گرم گرم پراٹھے اتار کر ان کو دیتی۔ ناشتے کے بعد وہ گھاس کا گٹھا باندھنے والا کپڑا اٹھاتی اور بھینس کے لیے چارہ کاٹنے کے لیے چلی جاتی۔

مجو زمین پر چلا جاتا۔

نذیراں واپس آکر برتن مانجھتی جھاڑو دیتی لسّی بناتی پھر دوپہر کے کھانے کی تیاری کرتی۔

ان کی زندگی اسی ڈگر پہ رواں تھی۔ گھر کے وہ تین افراد اپنی زندگی سے مطمئن تھے۔ خوش تھے۔ بھتیجا اور بھتیجی میں پھاتاں کی جان تھی۔ اپنی بہن جمیلہ کی بیٹی

اس نے مجو کے لیے مانگ لی تھی اور نذیراں کا رشتہ جمیلہ کے بیٹے شمن کو دے رکھا تھا۔

پھاتاں کا ایک ہی بیٹا تھا جو بیوی بچوں کے ساتھ الگ گھر میں رہتا تھا۔ پھاتاں کو نذیراں اور شمن کی شادی کا انتظار تھا۔ یہ بوجھ اتارنے کے بعد وہ بیٹے کے گھر چلی جاتی۔

اس بار مجو نے وعدہ کیا تھا کہ جیسے ہی فصل آئے گی وہ اپنی اور بہن نذیراں کی شادی اکٹھی کرے گا۔ ان کے ماں باپ تو بچپن میں ہی فوت ہو گئے تھے۔ پھر پھاتاں ہی نے ان کی پرورش کی۔ پھاتاں کے شوہر رمضان نے بھی کبھی ان کو غیر نہ جانا۔ نہ ہی ان کی چار ایکڑ زمین کو بنجر بننے دیا۔

اپنی زمین کے ساتھ ان کی زمین کی فصل بھی آتی تو گھر میں خوشحالی آجاتی۔

مگر پھر نہ جانے کس کی نظر ان کو کھا گئی۔ اک دن رمضان زمین پر گیا تو وہاں پانی کی باری پر حمزہ سے اس کی لڑائی ہو گئی۔ حمزہ نے کلہاڑی سے وار کیا تو رمضان کا سر پھٹ گیا۔

رمضان جانبر نہ ہو سکا اور پھاتاں بیوہ ہو گئی۔ حمزہ کو سات سال جیل ہو گئی اور پھاتاں کا بیٹا اور مجو مل کر زمین کاشت کرنے لگے۔

وقت گزرتا رہا۔ پھاتاں کے بیٹے نے شادی کر لی۔ پھر علیحدہ گھر بنا کر رہنے لگا۔ اب پھاتاں کو رات دن مجو اور نذیراں کی شادی کی فکر تھی۔ جمیلہ کا بیٹا شمن قریبی شوگر مل میں ملازم تھا۔ نذیراں سے تیرہ چودہ سال عمر میں بڑا تھا۔ کاٹن کے کپڑے پہن کر وہ خود کو لاٹ

صاحب سمجھتا نذیراں کی کبھی بھی اس سے نہ بنی تھی۔

پھاتاں نے جلدی سے دوڑ کر مجو کو اٹھایا۔

"مجو اٹھ چھورا! نذیراں پتا نہیں کہاں چلی گئی۔"

مجو ہڑبڑا کر اٹھا۔ پہلے گھر میں دیکھا پھر باہر بھاگا۔

کچی پگڈنڈی پر زنانہ مردانہ جوتوں اور موٹر سائیکل کے نشانات واضح تھے۔

"چھوری بھاگ گئی۔" "آناً" "فاناً" خبر دور دور تک پھیل گئی۔ پھاتاں کا بیٹا مجو اور نذیراں کا منگیتر ہر جگہ پتا

کرتے پھر رہے تھے۔ تھانے میں جا کر اغوا کی رپورٹ درج کروا آئے۔ صبح سے شام ہوئی۔ نذیراں نہ ملی۔

"آخر وہ گئی کہاں؟ کس کے ساتھ؟ کچھ تو اتا پتا رکھتیں تم۔"

جمیلہ کو غصہ آیا تو پھاتاں پر برس پڑی۔

"میں نے چند بار حمزہ کے بھتیجے عزیز کے ساتھ اسے بات کرتے دیکھا تھا، پھر اس کے باہر نکلنے پر پابندی لگا دی۔ پھاتاں نے مری ہوئی آواز میں بتایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گیا۔ کیا عزیز کے ساتھ۔۔۔؟ اسے شرم نہ آئی ان سے تو ہماری برادری بھی نہ تھی۔" ثمن نے صدمے سے کہا۔

"اگر مجھے پتا چل جاتا تو اس کمینی کو وہیں مار دیتا۔" مجو نے طیش سے کہا۔

"ارے! جب ہی تو نہیں بتایا۔" پھاتاں روتے ہوئے بولی۔

"مگر کیا پتا تھا کہ وہ منہ پر کالک مل کر چلی جائے گی۔ ہمیں تو جیتے جی مار گئی کلموہی۔" پھاتاں منہ پر دوہتڑ مارتے بین کرتی رہی۔ ان کے دلوں میں آگ بھڑک اٹھی۔

"کوئی مارا۔ اب گھر سے چھوری اٹھا کر لے گئے۔"

رات دن دوڑ دھوپ میں کٹنے۔ بھینسیں بیچیں قرضہ لیا۔ کوئی وڈیرا چھوڑا نہ پولیس نہ عدالت۔ پر نذیراں واپس نہ ملی۔ الٹا اخبار میں دھیان طلب نوٹس آگیا۔

جس میں نذیراں نے کہا کہ نہ کسی نے اس کے ساتھ زبردستی کی ہے نہ اسے اغوا کیا گیا ہے۔ اس نے اپنی رضا و خوشی سے عزیز سے نکاح کیا ہے۔ اب اپنے گھر والوں سے اسے اور عزیز کو جان کا خطرہ ہے۔

ڈی ایس پی صاحب سے گزارش ہے کہ ان کی حفاظت کی جائے اور اس کا بیان ریکارڈ پہ رکھا جائے۔

نذیراں کے اس بیان کے بعد وہ بظاہر خاموش ہو کر بیٹھ گئے مگر اندر ہی اندر کھچڑی پکتی رہی۔ نذیراں کو مارنے یا واپس حاصل کرنے کے منصوبے بنتے رہے۔

چار ماہ بعد پتا چلا کہ نذیراں اسی علاقے میں آگئی ہے، جہاں عزیز کا گھر تھا۔ حمزو بھی جیل کاٹ کر آگیا تھا۔ وہ کھلے عام کہتا۔

"میں نے جان بوجھ کر رمضان کو قتل تھوڑی کیا تھا۔ جھگڑے میں لاٹھی کلہاڑی تو چلتی ہی ہے۔ اب وہ مر گیا تو میری خطا تھوڑی تھی پھر بھی ہم نے معافیاں مانگیں، خون بہا دینے کو کہا مگر وہ لوگ نہ مانے اور مجھے سزا کروا کے ہی رہے۔ اب میرے بھتیجے نے میرا بدلہ لے لیا۔ ان دونوں نے نکاح کیا ہے۔ محبت کی ہے۔ کوئی جرم تھوڑی کیا ہے۔" ایسی خبریں ان کو اور آگ لگا دیتیں۔ ثمن، محرم اور مجو۔ بندوقیں تان کر کھڑے ہو جاتے۔

مگر پھاتاں اور جمیلہ ان کے پاؤں پڑ جاتیں منتیں کرتیں۔

"کیوں اپنی جوانیاں اس کمینی چھوری کے پیچھے برباد کرتے ہو؟"

"اماں! تم لوگ ہمیں بزدل، بے غیرت بنا کر رکھنا چاہتی ہو۔" محرم کو غصہ آتا۔

"بیٹا! کام ایسے کرو کہ ہاری ہوئی بازی بھی جیت جاؤ۔ موقع کا انتظار کرو اس طرح خود کو برباد کرنے سے کیا حاصل؟"

☼ ☼ ☼

نذیراں کو پہلے تو سب نے سر آنکھوں پر بٹھایا' لیکن کچھ عرصہ گزرا تو رویے تبدیل ہونے لگے گھر کے کام کا سارا بوجھ اس پر آگیا۔ کام کی تو خیر تھی۔ عزیز کے لیے وہ جان بھی دینے کو تیار تھی مگر جو ساس اور نندیں طعنوں کی مار مارتیں تو نذیراں کا سر اپنے ہی کیے پر شرم سے جھک جاتا۔

وہ بار بار کہتیں۔ "فتح ہماری، جیت ہماری۔ پہلے ان کا قتل کیا، پھر لڑکی بھگا لی۔ ارے! ایسے غیرت مند ہوتے تو چلو بھر پانی میں ڈوب مرتے۔"

ہر آئے گئے کے سامنے ذکر کیا جاتا۔ ٹھٹھے لگائے جاتے۔ نذیراں کو اپنے کیے پر پشیمانی ہونے لگی تھی۔ مگر پھر اچانک اس کی طبیعت خراب ہو گئی۔ اسے الٹیاں آنے لگیں۔ ساس نے سارے میں خبر پھیلا دی۔

"اب ان کی لڑکی ہمارا وارث پیدا کرے گی۔"

یہ خبر پھاتاں کو بھی پہنچی۔ وہ بے چین ہو گئی۔ محلے کی چند کٹنیوں کے پلو میں پیسے باندھ کر ڈیوٹی لگا دی نذیراں جیسے ہی گھر سے باہر نکلے مجھے اطلاع دینا۔

نذیراں کا برا حال تھا۔ بخار، الٹیاں طبیعت سنبھلنے کا نام ہی نہ لیتی۔ دو ماہ گزر گئے۔ کھانا پینا بھی حرام۔

مارے ڈر کے وہ اسے ڈاکٹر کے پاس بھی لے جانے سے گریزاں تھے۔ کیا پتا راستے میں وہ آکر ان کو مار جائیں مگر نذیراں کی بگڑتی حالت کو دیکھ کر عزیز سے رہا نہ گیا۔ شلوار میں پستول اڑسا اور نذیراں کو موٹر سائیکل پر بٹھا کر شہر لے گیا۔ راستہ خیریت سے کٹا۔ ڈاکٹر صاحب نے ڈرپ چڑھائی۔ انجکشن لگایا اور دوائیوں کا نسخہ تھما دیا۔

وہ نذیراں کو لے کر ابھی گاؤں کے راستے پر آیا ہی تھا کہ سامنے سے آنے والی گاڑی نے ان کا راستہ روکا۔ کچی پگڈنڈی پہ دونوں طرف کھیت تھے۔ وہ چاہنے کے باوجود موٹر سائیکل سائیڈ سے نکال نہ پایا۔

ثمن اور مجو بندوقیں تانے گاڑی سے باہر نکلے اسے شلوار میں اڑسا پستول کو نکالنے کا موقع مل ہی نہ سکا۔

نذیراں موٹر سائیکل سے اتر کر ان کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

"خدا کے لیے عزیز کو نہ مارو۔ میں چلتی ہوں تمہارے ساتھ۔"

اس نے ثمن کے ہاتھ سے بندوق چھیننے کی کوشش کی۔ مجو نے اسے بازو سے پکڑا۔ دونوں کی توجہ نذیراں کی طرف تھی۔ اسی لمحے عزیز نے گنے کے کھیت میں چھلانگ لگا دی اور فوراً" نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ انہوں نے نذیراں کو گھسیٹ کر گاڑی میں ڈالا اور عزیز کو گالیاں دینے لگے، جو ان کے ہاتھوں سے بچ نکلا تھا۔

نذیراں کو وہ دوسرے گاؤں میں وڈیرے کے گھر چھوڑ گئے۔ پھاتاں وہاں پہلے سے موجود تھی۔

اس نے جی بھر کے نذیراں کو لعن طعن کی' برا بھلا کہا۔ وڈیرے کی بہن نے اسے سمجھایا۔

"دیکھو! تمہارا برا بھلا کہنے سے لڑکی تمہاری نہیں ہو گی۔ عدالت میں تمہارے خلاف بیان دے دے گی تو کیا کرو گے؟ عقل سے کام لو۔"

بات پھاتاں کی سمجھ میں آگئی۔ اب اس نے مظلومیت کا چولا پہن کر محبت کا جادو جگایا۔

محبت تو بڑے بڑوں کو بے وقوف بنا دیتی ہے۔ وہ تو نذیراں تھی۔ پھاتاں کی گودوں پلی۔ پھاتاں کی محبت اس سے ڈھکی چھپی بھی نہیں تھی۔

یہ حقیقت تھی کہ پھاتاں نے اسے محبت سے پالا تھا۔ اس کو سگی ماں کے نہ ہونے کا احساس کبھی بھی نہیں ہوا۔

کتنے ہی دن پھاتاں اسے سمجھاتی رہی۔ اپنی محبت کا رشتے کا احساس دلاتی رہتی۔

"دیکھ نذیراں! تو ہماری ہے۔ ہماری بن۔ عدالت میں ہمارے حق میں بیان دے۔ ارے بیٹا! وہ عزیز والے ہمارے قاتل ہیں۔ وہ تیرے سجن نہیں بن سکتے۔"

"ٹھیک ہے! میں آپ لوگوں کے حق میں بیان دوں گی۔ ان کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔ مگر نہ تو عزیز سے طلاق لوں گی۔ نہ ہی ثمن سے شادی کروں گی۔"

نذیراں پھاتاں کی محبت بھری باتوں سے متاثر ہو کر رضامند ہو گئی۔

"ارے! وہ لوگ دشمن ہیں۔ ہمارے دشمن۔" پھاتاں دانت پیس کر کہتی۔

"طلاق تو پھر بھی نہیں لوں گی۔" نذیراں اس بے پروائی سے سر نفی میں ہلا کر کہتی۔ پھاتاں سر پیٹ لیتی۔

ثمن فون پر پوچھتا۔

"ماسی! نذیراں مانی کہ نہیں؟"

وہ کوئی کونا ڈھونڈتی، جہاں نذیراں نہ سن سکے۔

"کیا کروں ثمن! چھوری مانتی ہی نہیں۔ تیرے ساتھ شادی کرنے پر تو قدم ہی نہیں جماتی۔ صاف انکاری بنی کھڑی ہے۔"

"ماسی! اس کا علاج جوتا ہے جو تم لے آئے۔ دیکھتا ہوں کیسے نہیں مانتی۔" ثمن تلملاتا۔

بس کر ثمن! تجھے بھی لاکھ کہا' سمجھایا کہ پرائی عورتوں کو نہ تاڑ۔ اپنی منگ کا دل جیت مگر تو نے تو ایک نہ مانی۔" پھاتاں نے جلے دل کے پھپھولے پھوڑے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ارے ماسی! مجھے کیا پتا تھا کہ وہ عزیز کے ساتھ اندر ہی اندر چکر چلا رہی ہے۔ سوچا' یہ تو آگے پیچھے میری ہی میری ہے۔"

"ہاں! یہ تو ہے۔ ہمیں تو کانوں کان خبر تک نہ ہوئی۔ پتا تب چلا جب پانی سروں سے اونچا ہو گیا۔" پھاپاں نے کچھ رنج سے کہا۔

"ارے ماسی! عزت کا جنازہ نکال دیا اس نے۔" شمن کو ایک بار پھر غصہ آیا۔ "کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا بدبخت نے۔"

"اچھا! چھوڑ جو ہونا تھا ہو گیا۔ اپنا جی کیوں جلا رہا ہے۔ بس اب کوئی تدبیر سوچ جس سے نذیراں ہمیشہ کے لیے انہیں بھول جائے۔"

نذیراں اسے فون پر چپکے چپکے باتیں کرتے دیکھ کر کڑھتی۔

"پتا نہیں کیا سازشیں کرتی رہتی ہے جو چھپ کر فون پر باتیں کرتی ہے۔"

وہ بڑبڑائی۔ برآمدے میں بیٹھی بی بی سے کہتی۔

"دیکھ لینا! آپ کے گھر سے جا کر یہ لوگ مجھے مار دیں گے۔"

"نہیں نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ تم ہماری پناہ میں ہو تمہارے گھر والے تمہیں ہرگز نہیں مار سکتے۔ میرا بھائی تمہیں ایسے تھوڑی ان کے حوالے کرے گا۔ پہلے تمہاری برادری یا وڈیرے کو بطور ضامن ڈالے گا کہ لڑکی کا بال بھی بیکا نہیں ہو گا۔ پھر بھی تم اپنی رضامندی سے ہی جاؤ گی۔" بی بی اسے سمجھاتی' دلاسا دیتی۔

نذیراں کے دل کو کچھ ڈھارس ملتی۔

"اچھا تم لوگوں کی تو ان سے دشمنی تھی۔ آنا جانا ہی نہیں تھا' پھر عزیز سے کہاں ملیں؟" بی بی نے حیرت سے پوچھا۔

نذیراں کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ محبت کے رنگ اس کے سانولے چہرے پر بکھر گئے۔

"میں بھینس کے لیے چارہ کاٹنے جاتی تھی۔ وہیں عزیز بھی اپنی بھینسوں کا چارہ کاٹنے آ جاتا تھا۔" نذیراں نے ماضی کے تصور میں گم ہو کر بتایا۔

"تم چارہ کاٹنے کیوں جاتی تھیں؟ تمہارا بھائی کیوں نہیں؟" بی بی نے حیران ہو کر پوچھا۔

"اسے اپنے دوستوں میں بیٹھ کر گپیں لڑانے سے فرصت ملتی تو کام کرتا نا۔ سارا کام ہم کرتے تھے۔" نذیراں جل کے بولی۔

بی بی نے اثبات میں سر ہلایا۔ بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ یہ معاشرتی المیہ ہے۔ لوگ فارغ بیٹھ کر فضول گفتگو کرتے اور ان کی عورتیں بیچاریاں گھر کا کام بھی کرتی اور باہر زمینوں کا بھی۔

"تم لوگوں کی بول چال بند تھی۔ پھر کیسے عزیز نے اظہار کیا؟"

"اصل میں ایک بار مجھے بخار تھا۔ اس دن بھی میرا بھائی نہیں گیا۔ ناچار مجھے ہی جانا پڑا۔ چلی تو گئی مگر سورج چڑھ آیا تھا۔ سو پانی ہوئی بڑی گھنی چھاؤں میں بیٹھ گئی۔ عزیز نے یہ دیکھا تو اپنی زمین سے چارہ کاٹ کر گٹھا میرے سامنے رکھ گیا۔ ہاتھ کے اشارے سے لے جانے کو کہا۔ میں نے غنیمت جانا' اٹھا کر لے آئی۔ چند دن وہ اسی طرح کرتا رہا۔ پھر ماسی پھاپاں کو کچھ شک پڑا۔ اس نے پوچھا تو میں صاف مکر گئی۔"

"اسے شک کیسے پڑا؟" بی بی نے حیران ہو کر پوچھا۔

"اس نے ایک بار عزیز کو گھاس کا گٹھا ہمارے کھیت میں پھینکتے دیکھ لیا تھا۔"

"مگر تم لوگوں کو محبت کیسے ہوئی؟" اس کی سوئی ابھی تک اسی بات پر اٹکی ہوئی تھی۔

"بس بی بی! محبت کا تو مجھے پتا نہیں' لیکن اس کی ہمدردی اور خیال نے دل جیت لیا۔ آج تک کسی نے اتنا خیال کب کیا تھا۔ ہاں! ایک بار عزیز نے مجھ سے کہا تھا۔ "نذیراں جس دن تم نہیں آتیں۔ میرا دن نہیں کٹتا۔" پھر نہ جانے کیا ہوا کہ میرا بھی دن اس کے بن نہیں کٹتا تھا۔"

☆ ☆ ☆

دن گزرتے گئے اور اسے دو مہینے حویلی میں گزر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گئے۔ فیصلے کی کوئی صورت نہیں نکلتی تھی۔ بیچ میں سردار آگیا۔

پھاتاں نے شرط رکھ دی۔ "اگر عزیز اپنی بہن کا رشتہ بدلے میں ثمن کے لیے دے تو ہم نذیراں عزیز کے حوالے کر سکتے ہیں۔"

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔" عزیز توسن کر ہی بھڑک اٹھا۔ "میں اپنی محبت کی خاطر اپنی بہن کو زندہ درگور کر دوں تاکہ وہ اسے سسکا سسکا کر مار دیں؛ نذیراں کی شادی کا بدلہ بھی لے لیں اور حمزہ نے چاچا کو قتل کیا تھا۔ اس کا حساب بھی پورا کر لیں۔"

"پھر تم دستبردار ہو جاؤ اپنی بیوی سے۔" برادری کے سردار نے فیصلہ سنا دیا۔

"ٹھیک ہے! نذیراں میری بیوی ضرور ہے۔ لیکن میں اس کے لیے اپنی بہن کو قربان نہیں کر سکتا' ویسے بھی معاملہ کورٹ میں ہے۔ نذیراں کو مجھ سے محبت ہے تو وہ کورٹ میں بیان دے دے اور اپنا گھر بسائے اگر اس کی خوشی ہے۔"

عزیز کے اس رویے کا جب نذیراں کو پتا چلا تو اسے بے حد دکھ ہوا۔ جی بھر کے روئی۔ اسے عزیز سے یہ توقع نہ تھی۔ اسے پورا پورا یقین تھا کہ عزیز اسے حاصل کرنے کے لیے بدلے میں بہن کا رشتہ دے گا۔ اس کے دل میں پہلی بار عزیز کے خلاف میل آیا۔ گھر میں سب عورتیں اسے سمجھاتیں۔

"دیکھ نذیراں! عزیز جھوٹا تھا دغاباز۔ صرف تیرے بھائی کی عزت ملیا میٹ کرنا چاہتا تھا' تب ہی تو صلح کی بات نہ کی۔ تجھے اس نے بہت سستا سمجھا تھا۔ اپنی بہن کو بہت اونچی شے سمجھتا ہے۔ کیوں ایسے بے وفا شخص کے پیچھے اپنی اور اپنے گھر والوں کی عزت برباد کر رہی ہے؟"

بات کچھ کچھ نذیراں کی سمجھ میں بھی آگئی۔

پہلی بار وہ دل سے راضی ہوئی۔

کمرا عدالت میں نذیراں نے کہا۔

"میں واپس اپنے بھائی کے پاس جانا چاہتی ہوں اور مجھے عزیز سے طلاق چاہیے۔"

مگر اسی وقت عزیز کے وکیل کی دلیل نے کیس کا پانسہ پلٹ دیا۔ اس نے کہا کہ "طلاق تب تک نہیں ہو سکتی جب تک نذیراں بچے کو جنم نہ دے دے۔"

جج نے ایک ماہ کے لیے پیشی ملتوی کرتے ہوئے نذیراں کی میڈیکل رپورٹ مانگ لی۔

گھر آکر نذیراں کی شامت آگئی۔

"ان چکروں میں تو میں یہ بات بھول ہی گئی تھی۔ چھوری! تو بھی چھپائے بیٹھی رہی۔" پھاتاں بگڑی۔

"ماں! یہ بات چھپانے والی تھوڑی ہے' جو میں چھپاتی۔ تم لوگ ہی بیوقوف ہو جو سمجھ نہ سکے۔"

"لو! اب قاتلوں اور دشمنوں کا بچہ ہمارے گھر میں پلے گا۔ ایسا تو ہرگز نہیں ہو گا۔" پھاتاں کے سر پہ لگی تلووں پر بجھی۔

نذیراں شیرنی کی طرح پھر گئی۔

"دیکھ ماسی! میرے بچے کا نام بھی نہ لینا۔" وہ دھمکی آمیز انداز میں بولی۔ "میرا بچہ ناجائز نہیں ہے۔ اسی کے سہارے زندگی گزار لوں گی۔ ارے ماسی! اسی کے آسرے پر تو عزیز سے طلاق لے رہی ہوں کہ کم از کم اب میں اکیلی نہیں رہوں گی۔ ساتھ میں اپنا بچہ ہو گا۔"

پھاتاں تھتھنے پھلا کر نفی میں سر ہلاتی رہی۔ گھر میں کھچڑی پکنے لگی۔ ثمن' مجو سب اپنی غیرت کے بلوں سے بلبلا کے نکل آئے۔

"اس خبیث کا بچہ ہمارے گھر میں پیدا ہو گا۔ ہم کھلا پلا کر اسے جوان کریں گے۔ دیکھ ماسی! اس کا بندوبست کر ورنہ بچے سمیت مار دوں گا اسے۔" ثمن غصے میں اڑے پستول کو نکال کر طیش سے بولا۔

اور ایک صبح پھاتاں نے پکڑ کر اسے گاڑی میں بٹھایا اور ایک چھوٹے سے قصبے میں نرس کے حوالے کر دیا۔ وہ چیخی چلائی مگر اس کی ایک نہ سنی گئی۔ تین دن تک نرس اسے ڈرپ پر ڈرپ اور انجکشن لگاتی رہی۔

درد کی لہر پورے جسم میں پھیلتی چلی گئی۔ اک اک جوڑ اکھڑ کر اپنی جگہ سے ہٹ گیا۔ تب تڑپ تڑپ کر

اس نے جس بچے کو جنم دیا۔ وہ دنیا میں ایک سانس بھی نہ لے سکا۔ ساتواں مہینہ پورا ہونے کو تھا۔ وہ ننھا سا سپید وجود اس کی یادداشت میں گڑ گیا۔ ممتا تڑپ اٹھی وہ اسے ایک لمحے کو بھول نہ پاتی جب پھاتاں نے وہ ننھا وجود پرانے دوپٹے میں لپیٹ کر ثمن کے حوالے کیا تھا کہ جا کر دفن کر آئے۔

گھر آکر وہ دہرے درد سے تڑپتی رہی۔ اک جسمانی دوسرا قلبی۔

وہ ہر بات بھول گئی۔ بس اسے صرف اپنا بچہ یاد رہ گیا۔ وہ راتوں کو سو نہ پاتی۔ پیٹ کے اندر اس کے ہلنے جلنے کا میٹھا سا احساس جما رہتا۔ اس کی ممتا تڑپ اٹھتی۔ تخلیق کا کرب اور لذت ادھوری رہ گئی۔ گود بھری مگر خالی رہ گئی۔

اس کے اندر دھواں بھرنے لگا۔ اس کی گود خالی تندور کی طرح دہکتی تھی' جس میں وجود ایندھن بن کر جلتا۔ وہ جلتی کڑھتی رہتی۔ کسی کل چین نہ آتا۔

چھوٹے چھوٹے ہاتھوں کی پوروں کا لمس اپنی آنکھوں پر محسوس کرتی۔ آنکھیں بند کرتی تو وہ ننھا وجود اس کے سامنے آجاتا۔ اس کے گلابی لبوں کا میٹھا سا لمس اپنے سینے پر محسوس کرتی۔ اک گدگدا سا احساس پورے وجود پر رینگتا۔ اس کی روح سرشار ہو جاتی۔ یہ سرشاری تحلیل ہوتی۔ آنکھیں کھولتی تو بدصورت حقیقت قریب آجاتی۔ سپنا ٹوٹ جاتا اور پورے وجود میں درد پھیل جاتا۔ وہ جو جنت ماؤں تلے تعمیر کرنے گئی۔ وہ گارا بن کر سیلاب میں بہہ گئی۔ اس کی اندھیری کھوکھ روشنی سے بھری تھی مگر پھر سے تاریک غار بن گئی۔

اسے۔۔۔ اسے تو اپنی تخلیق سے ہی محروم کر دیا گیا تھا۔ یہ غم کھائے جا رہا تھا۔ دکھ رلائے جا رہا تھا۔

عزیز نہ سہی' عزیز کا بچہ تو ساتھ ہو گا۔ زندگی کا سفر کٹ ہی جائے گا اس بچے کے ساتھ ساتھ اپنے گھر والوں کی بات مانی۔ عدالت میں دنیا کے سامنے ان کی بات رکھی مگر انہوں نے کیا کیا۔

حمزہ کے لیے ان کی غیرت نہ جاگی' جو پورے گاؤں میں دندناتا پھرتا۔ میرے معصوم بچے نے ان کا کیا بگاڑا تھا' جس کو دنیا میں اک سانس بھی نہ لینے دی۔ نذیراں اپنی اجڑی گود کو دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

اندر ثمن ہنس کر پھاتاں کو بتا رہا تھا۔

"اس پلید سے جان چھوٹ گئی ہماری۔ ماسی! تم نے بہت اچھا کیا۔ کون پرایا گند پالتا۔ اچھا ہوا' پیٹ سے ہی مر کر آیا۔" نذیراں کے بدن میں درد کی لہر ویسے ہی ابھری جیسے مردہ بچے کو جنم دیتے وقت ابھری تھی۔

"اب پیر کو جو شنوائی ہو گی اس میں بچہ نہ ہونے کا میڈیکل سرٹیفکیٹ دکھاؤں گا۔ بس پھر نذیراں کو طلاق ہو جائے گی۔ سارے کس بل نکال دوں گا اس کے۔ جب آئے گی میری جوتی کی نوک کے نیچے۔"

نذیراں سے آگے کچھ نہ سنا گیا' مگر اس کے مردہ بچے کو گھٹیا الفاظ دینا اس کی برداشت سے باہر ہو گیا۔

آج ہفتہ ہے۔ بیچ میں صرف اتوار تھا۔ نذیراں نے دو سو روپے اپنی پڑوسی لڑکی کو دیے کہ موبائل میں بیلنس ڈلوائے اور اسے موبائل پر بات کرنے دے لڑکی خوش ہو گئی کہ نذیراں دو منٹ بات کرے گی' باقی کا بیلنس اس کو ملے گا۔

اس نے باتھ روم میں جا کر دو منٹ ہی بات کی۔ موبائل چھپا کر لڑکی کو دے دیا۔

اسی لڑکی نے رات کو نذیراں کو چپکے سے ایک پڑیا لا کر دی۔ نذیراں نے اس پڑیا میں سے پانچ سو کا نوٹ نکال کر لڑکی کو تھمایا اور کسی سے اس بات کا ذکر نہ کرنے کا وعدہ لے لیا۔ رات نشہ آور دودھ پی کر سب گہری نیند سوئے رہے۔۔۔ لمبی اور گہری نیند۔۔۔ اور نذیراں خود اپنی اجڑی گود کا انتقام لینے کو گھر کی چوکھٹ پار کر گئی۔

جہاں عزیز گاڑی لیے اس کا منتظر تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فائزہ افتخار

آگہی سندربالا

سیف اللہ کاروبار کے سلسلے میں اکثر بیرون ملک جاتے رہتے تھے۔ وہ نیپال کے دورے پر گئے تو واپسی پر مینا ان کے ساتھ تھی۔ وہ ان کے دوست کی بیٹی تھی۔ اس کے والدین کا ایک حادثے میں انتقال ہو گیا تو سیف اللہ اسے اپنے ساتھ لے آئے۔ سیف اللہ کی والدہ پر شکوہ خانم نے کھلے دل سے اس کا استقبال کیا مگر ان کی بیوی مہرنے اسے قبول نہ کیا۔ وہ ناراض ہو گئی اور دونوں بیٹیوں زینی اور ایمی کو ساتھ لے کر میکے چلی گئی۔ سیف اللہ نے اپنی منگیتر کارا کو چھوڑ کر مہر سے پسند کی شادی کی تھی۔ وہ مہر کی جدائی میں راتوں کو جاگنے لگا۔ دو سال بعد اس کا انتقال ہو گیا۔

اس کے انتقال پر مہر واپس آگئی مگر وہ مینا کو اس گھر سے نکال نہیں سکی کیونکہ وہ مکان پر شکوہ خانم کے نام تھا۔ اور وہ مینا کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتی تھیں۔ مہر نے مینا کی تعلیم چھڑا دی۔ کیونکہ کاروبار مہر کے نام تھا۔ وہ مینا پر پیسہ خرچ کرنا نہیں چاہتی تھی۔ پر شکوہ خانم مینا کو گھر ہی میں پڑھانے لگیں۔ انہیں مینا کے خوابوں سے ڈر لگتا تھا کیونکہ اس کے خواب پراسرار ہوتے تھے اور اکثر سچے بھی ہوتے تھے۔

۲
دوسری قسط

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میشا لکڑی کے سال خوردہ پھاٹک سے جھلتی باہر جھانک رہی تھی اور چہرے پہ وہی تمتماہٹ تھی جو بچپن سے ہی اس موقع پہ اس کے گالوں سے جھلکنے لگتی تھی۔ جب بھی کمی اپنی سائیکل لیے اس بھورے پتھروں والی گلی سے گزرتا تھا اور اس کے ہر سال گزرنے کے یہی ایام ہوا کرتے تھے، جب پوری گلی سفید پھولوں سے بھری ہوتی تھی اور ہر شاخ سیب اور خوبانی کے بوجھ سے جھکی ہوتی تھی۔

کمی کے چہرے پہ چند جھریوں کا اضافہ ہو گیا تھا مگر اس کی مسکراہٹ اب بھی اس کے ہر چہرے نقش سے پھوٹی پڑ رہی تھی۔ اس کا استخوانی وجود سائیکل دھکیلتا آگے بڑھ رہا تھا۔ سائیکل کی رفتار جتنی ست تھی سائیکل کی گھنٹی اس سے کہیں زیادہ تواتر سے بج رہی تھی اور جب اس نے دیکھا کہ میشا، امی اور زینی کی طرح باقی کے گنتی کے گھروں سے بھی سر جھانکنے لگ گئے ہیں اور چند بچے قلانچیں بھرتے اس کی سائیکل کے پیچھے پیچھے آ رہے ہیں تو اس نے گھنٹی بجانا اور سائیکل کے پیڈل پہ پیر مارنا چھوڑا اور اگلے ہی پل اس کے سامنے لگے لاؤڈ اسپیکر سے خرخراہٹ سی ابھری ۔۔۔ سب نے اپنی سانسیں تک روک لی تھیں۔

"سنو ۔۔۔ سنو اس ہفتے آ رہا ہے روشنیوں کا وہ سیلاب ۔۔۔ خوشیوں کی وہ چہکار ۔۔۔ وہ میلہ جس کا کرتے ہیں آپ سارا سال انتظار۔"

"ہائے زینی ۔۔۔ میلہ۔"

امی مارے خوشی کے زینی سے لپٹی تو اس کے وجود کے بوجھ سے زینی جھک سی گئی اور کوفت سے بڑبڑاتے ہوئے اس کے پہلو میں کہنی ماری۔

"پرے ہٹو تم تو۔"

میشا مارے اشتیاق کے گیٹ سے چند قدم آگے بڑھی۔ اب اس کے ننگے تلوے کائی زدہ اینٹوں کی سیڑھیوں پہ تھے، جو خودرو گھاس اور جھاڑ جھنکار سے اٹی پڑی تھیں۔ کائی کی پھسلن پر اپنی چکنی ایڑیوں کو جما جما کے رکھتی وہ گلی کی طرف جا رہی تھی۔

"آیئے آیئے! میلے کی رونق بڑھایئے یہاں آپ کو دل بہلانے کے لیے سب ملے گا۔ اس علاقے کا سب سے مشہور میلہ ۔۔۔ سالانہ میلہ۔"

کمی سالوں سے رٹے رٹائے جملے دہراتا آگے نکل گیا اور اپنے پیچھے چھوڑ گیا ان گنت دلوں میں بے شمار جوش و خروش۔

✡ ✡ ✡

"ماما! وہاں بہت سے فوڈ اسٹالز ہوں گے۔ چاٹ، پانی پوری ۔۔۔ سموسے، جلیبی ۔۔۔ میں سب کچھ ٹرائی کروں گی۔"

امی نے چٹخارہ بھرتے ہوئے کہا۔

"تمہیں تو کھانے کے علاوہ کچھ سوجھتا ہی نہیں ۔۔۔ میں تو وہاں خوب شاپنگ کروں گی۔ جیولری تو اتنی زیادہ لوں گی ۔۔۔ میرے پاس رنگز کی کولیکشن دن بدن کم ہو رہی ہے اور ہاں ماما ۔۔۔ میں مہندی بھی لگواؤں گی۔ انڈین اسٹال بھی لگے گا ناں ہمیشہ کی طرح۔"

مہران دونوں کا جوش و خروش دیکھ کے مسکرا دی۔

اس چھوٹے سے قصبے میں جہاں زندگی کی گہما گہمی اور رونقیں نہ ہونے کے برابر تھیں اور جہاں ملنا ملانا بھی کم کم ہی تھا۔ عزیز و اقارب اور رشتے دار تو تھے نہیں۔ ایسے میں اس طرح کے میلے کی خبر سوکھے دھانوں پہ مینہ برسنے کے برابر تھی۔

"تم لوگوں کا جو دل چاہے کر لینا۔ سال میں ایک ہی بار تو لگتا ہے یہ میلہ۔ میں بھی بنگلہ اسٹال سے کچھ اچھی ساڑھیاں لے لوں گی۔"

میشا پائنچوں سے دھول جھاڑتے ہوئے یہیں کان لگائے ہوئے تھی۔ پچھلے دو سال سے کسی نہ کسی وجہ سے وہ اس میلے میں شرکت کرنے سے محروم رہی تھی اب تو تین سال پہلے والا میلہ یادداشت سے محو ہونے لگا تھا۔

"میں کون سا ڈریس پہنوں ماما!"

"ابھی پچھلے مہینے تو تم نے اپنی دوست کی برتھ ڈے پارٹی کے لیے نئے کپڑے بنوائے تھے، وہ پہن لینا۔"

"مگر وہ مجھے ٹائٹ ہو گیا ہے۔"

امی کے منہ بسورنے پہ زینی نے ناک چڑھائی۔

"تو تم کھایا کرو ناں موٹی!"

"مگر میں کیا پہنوں گی ۔۔۔ میں نے پچھلے مہینے تو کیا، پچھلے سال بھی کوئی نئے کپڑے نہیں بنوائے۔"

میشا کو پتا تھا اس کی بات کا جواب اسے کیا ملے گا اور کس انداز میں ملے گا مگر وہی جان بوجھ کے بلکہ بڑے شوق سے آتش نمرود میں کودنے والی عادت ۔۔۔ باز نہیں آئی تھی۔

"تم نے کر کے کیا ہوتے ہیں نئے کپڑے!"

وہ مہر کے گھورنے کو ذرا خاطر میں نہ لائی۔

"تو کیا میں میلے میں پرانے کپڑے پہن کے جاؤں گی؟"

"چچ چچ واقعی یہ تو ہے۔" زینی نے ہمدردی دکھائی۔ "پرانے کپڑے پہن کے اتنے بڑے فیسٹول میں جانا تو اپنی انسلٹ کروانے والی بات ہے۔"

"اور کیا؟" میشا نے اس کی آنکھوں سے جھلکتا تمسخر نہ دیکھا اور صرف اس کی ہمدردی پہ ہی لٹو ہو گئی۔

"وہاں اتنے لوگ ہوں گے۔ ایک سے ایک خوب صورت لباس میں ۔۔۔ تمہیں اتنے گندے اور رف حلیے میں دیکھ کر وہ کتنا مذاق بنائیں گے۔"

"بالکل۔" میشا نے مہر کی جانب دیکھ کے تائیدی انداز میں گردن کافی زور و شور سے ہلائی جو خود بھی زینی کے پٹری بدلنے پہ ذرا حیران پریشان اسے تک رہی تھی۔

"اس لیے بہتر ہے کہ ۔۔۔ کہ تم وہاں جاؤ ہی نہیں۔" بالآخر زینی نے اپنے ہمدردی کے غبارے سے ہوا نکال ہی دی اور کھلکھلا کے ہنس پڑی۔ امی کا وجود بھی ہل ہل کرنے لگا۔

"کیا؟" میشا کا دل دھک سے رہ گیا۔ زندگی میں پہلی بار تو اسے زینی کے علاوہ بھی کسی اور کی حمایت ملی تھی اور وہ بھی بس اتنی ہی دیر کے لیے؟

"تمہارے پاس ٹائم کہاں ہے ان سب کے لیے۔ اپنا دھیان ان کاموں کی طرف رکھو جو تم سے کبھی پورے ہی نہیں ہوئے۔" مہر نے اس کی لگامیں کسیں۔

"تم تو ہر وقت گھر پہ موج میلہ کرتی رہتی ہو تمہارے لیے تو چوبیں گھنٹے عیش ہی عیش ہے۔ یہ دونوں آدھا دن کالج میں اور باقی کا آدھا دن گھر پہ پڑھنے میں گزارتی ہیں۔ ان کو تو بریک چاہیے دل بہلانے کے لیے تفریح چاہیے۔ تمہیں فارغ بیٹھے بیٹھے کیوں مستیاں سوجھ رہی ہیں۔"

میشا منہ ہی منہ میں منمنا کے رہ گئی۔ بھلا مہر ماما کے سامنے وہ اور کتنا بول پاتی۔

✡ ✡ ✡

"یا اللہ! کیسے جاؤں میں ان کے ساتھ میلے میں پچھلی بار بھی نہیں گئی اور اس سے پچھلی بار بھی نہیں ۔۔۔ کتنا عرصہ ہو گیا ہے، جھولے لیے ۔۔۔ بڑھیا کے بال کھائے ۔۔۔ اف۔"

امی کے کپڑے استری کرتے ہوئے وہ مسلسل اسی فکر میں غلطاں تھی، جب زینی نے اس کے منہ پہ اپنا سوٹ مارا۔

"یہ بھی پریس کر دو جلدی۔"

"ابھی امی کا کر رہی ہوں۔"

"وہ تو ایک گھنٹے سے کر رہی ہو ۔۔۔ ماما ٹھیک کہتی ہیں تم سے کوئی کام ٹھیک نہیں ہوتا۔"

"اور تم سے کوئی کام سرے سے ہوتا ہی نہیں۔ نہ ٹھیک نہ خراب۔"

میشا کا کڑوا سچ زینی کو بری طرح تپا گیا۔

"کیا۔ بکواس کرتی ہو آگے سے میں ابھی جا کے ماما کو بتاتی ہوں کہ ایک تو تم میرے ساتھ بدتمیزی کر رہی ہو اور اوپر سے جان بوجھ کے امی کے کپڑے پریس کرنے میں دیر بھی لگا رہی ہو۔"

"ہاں تو تم اپنی بہن کے کپڑوں کا سائز بھی تو دیکھو۔ تمبو کے برابر ہے ٹائم تو لگے گا۔"

زینی کا دایاں ابرو کمان کی طرح اٹھا ۔۔۔ اور وہ اونچی آواز میں چلاتی کمرے سے نکلی۔

"امی! دیکھو یہ میشا کی بچی تمہارے بارے میں کیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہہ رہی ہے کہ امی کا سائز تین لوگوں کے برابر ہے۔"

یشا سر جھٹک کے دوبارہ کپڑے استری کرنے لگی۔ مہر کی پھبتی کھاتے کھاتے اب بھلا وہ ان چھوٹی موٹی مصیبتوں کو کہاں خاطر میں لاتی تھی مگر وہ اپنے ذہن سے یہ فکر نہ نکال سکی کہ میلے میں جانے کے لیے کون سی تدبیر اختیار کی جائے۔

"گرینی سے کہوں۔۔۔ نہیں۔۔۔ وہ اور سب باتیں تو مان لیتی ہیں مگر اکیلے کہیں جانے نہیں دیتیں۔ کہتی ہیں جہاں جانا ہے میرے ساتھ جاؤ۔ اب میلے میں کہاں لے جاؤں ان کو ساتھ۔۔۔ وہ تو دس منٹ میں تھک جائیں گی۔"

اسی الجھن میں اسے پتا ہی نہ چلا کہ کب تک وہ استری امی کی قمیص پہ رکھے کھڑی رہی۔

"کیا کہا تم نے 'میرا سائز تین کے۔۔۔'"

امی اندر گھسی تو زینی کے بھرے اید ھن کی وجہ سے غصے سے پھنکار رہی تھی مگر جو اپنی نئی قمیص کو استری تلے دبا دھواں چھوڑتے دیکھا تو پھس ہو کے رہ گئی۔

"یشا کی بچی۔"

پھر امی اسے کھینچ کے مہر کے دربار میں لے گئی تھی حاضری کے لیے، جہاں مہر اپنا عتاب اس پہ نازل کر رہی تھی اور امی برگر کے بڑے بڑے نوالے لیتے ہوئے یشا کو ایسے گھور رہی تھی جیسے ہر نوالے کے ساتھ اسے چبا رہی ہو جبکہ یشا مہر کی ساری ڈانٹ پھٹکار ایک کان سے سن کے دوسرے کان سے نکالتے ہوئے تسلسل کن انکھیوں سے امی کے نوالے گن رہی تھی۔

"کیا فائدہ میرے اتنے بک بک کرنے کا۔۔۔ اپنے ہی سر میں درد کر لیا ہے میں نے۔ اس ڈھیٹ پہ ذرا جو اثر ہو۔"

"چار۔۔۔ پانچ اور چھٹے نوالے میں یہ برگر پورے کا پورا امی کے پیٹ کے مٹکے میں۔۔۔ اف اگر مجھے کھانا پڑتا تو بھلا کتنے نوالے لینے پڑتے؟ بیس نہیں بائیس۔"

وہ دل ہی دل میں حساب لگا رہی تھی۔

"تنگ کر کے رکھ دیا ہے اس لڑکی نے۔ روز ایک نیا تماشا۔"

"آپ کس لڑکی کی بات کر رہی ہیں ماما؟"

وہ معصومیت سے گویا ہوئی اور یہی معصومیت مہر کے لیے ہمیشہ زہر کا گھونٹ ثابت ہوتی تھی۔

"تمہارے علاوہ یہاں کون ہے جو دوسروں کو عاجز کر دینے میں اتنی مہارت رکھتا ہو۔"

"مگر میرا نام تو یشا ہے اور آپ کو پتا بھی ہے۔ پھر آپ ہمیشہ یہ لڑکی۔۔۔ یہ لڑکی کیوں کہتی ہیں۔"

"میرا بس چلے تو میں کبھی بھی تمہیں مخاطب نہ کروں۔"

"ریئلی؟" وہ بے تحاشا۔۔۔ بے حساب کھل اٹھی۔

"تو پھر آپ ایسا کرتی کیوں نہیں؟"

"شٹ اپ۔" مہر چلائی۔

"ماما! اس نے میرا سب سے نیا سوٹ جلا دیا ہے۔ اب میں میلے میں کیا پہن کے جاؤں گی۔"

"اسی کو پہن جانا ناں۔۔۔ جہاں سے جلا ہے وہاں ایک Patch لگا لو۔۔۔ بالکل ایسا۔"

اس نے اپنی قمیص اٹھا کے اس پہ لگا پیوند دکھایا۔

"ماما۔۔۔ اسے بتائیں ناں جب میرا یہ اکلوتا سوٹ بھی پرانا ہو کے پھٹ گیا تھا اور میں نے آپ سے یہی سوال کیا تھا کہ اب میں کیا پہنوں تو آپ نے یہی بتایا تھا کہ خراب ہوئے کپڑوں پہ patches لگا کے کب تک استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اسے بھی بتائیں ناں۔"

وہ معصومیت سے پٹر پٹر پلکیں جھپکتی یہ مشورے دیتی مہر کو زہر لگ رہی تھی۔

"تم اپنا مقابلہ میری امی سے کر رہی ہو؟"

"میں کیسے کر سکتی ہوں امی سے مقابلہ۔۔۔ میں کوئی ریسلر ہوں؟"

"ماما!" امی چلائی۔ "یہ مجھے ریسلر کہہ رہی ہے۔"

"رانگ۔۔۔ میں نے تمہیں ریسلر نہیں کہا، صرف یہ کہا ہے کہ میں ریسلر نہیں ہوں۔"

"دماغ خراب کر کے رکھ دیا ہے اس نے۔ یا اللہ یہ

لڑکی گونگی کیوں نہیں ہو جاتی؟"

مہر نے دوبارہ اپنا سر پکڑ لیا۔

☆ ☆ ☆

دروازے پہ آہٹ ہونے پر شگفتہ خانم نے کتاب سے نظر ہٹا کے سامنے دیکھا یشا ٹرے ہاتھ میں لیے کھڑی تھی۔

وہ مسکرائیں۔۔۔ "لگتا ہے" آٹھ بج گئے۔"

"جی بالکل پورے آٹھ۔" وہ ٹرے ان کے سامنے رکھ کے ان کی گود میں نیپکن کھول کے رکھنے لگی۔

"تمہارے ہوتے ہوئے مجھے گھڑی دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ پورے سات بجے ناشتہ۔۔۔ پورے نو بجے میڈیسنز پورے بارہ بجے جوس۔۔۔ دو بجے لنچ چار بجے چائے ایک منٹ اودھر سے ادھر نہیں ہوتا۔"

"لیکن پھر بھی مہر ماما کہتی ہیں کہ میں کوئی بھی کام ٹائم پہ نہیں کرتی۔"

"مہر بھی اپنی جگہ ٹھیک ہے۔" انہوں نے غیر جانب داری سے تجزیہ کیا۔

"اس کا کوئی بھی کام تم کب وقت پہ کرتی ہو اور نہ ہی ٹھیک طریقے سے کرتی ہو۔"

"وہ تو اس لیے کہ وہ تنگ آ کے مجھ سے کام کروانا چھوڑ دیں۔ مگر نہیں اصل میں ڈھیٹ میں نہیں وہ ہیں۔"

"بری بات یشا! بڑوں کو ایسے نہیں کہتے۔"

شگفتہ خانم کو ہنسی تو بڑی آئی دل پر لگی تھی بات واقعی مہر کی ڈھٹائی میں دو رائے ہو ہی نہیں سکتی تھیں مگر یشا کو سرزنش کرنا بھی ان کی تربیت کا حصہ تھا۔ اس لیے اپنی مسکراہٹ کو چھپانے کے لیے انہوں نے سر جھکا کے سوپ کا چمچ منہ میں ڈالا اور ڈانٹنے لگیں۔

"ویسے بڑی خاموشی ہے آج۔۔۔ ہیں کہاں سب؟"

"ڈنر کے لیے باہر گئے ہیں۔"

"مگر کھانا تو بنا ہے۔"

"ہاں لیکن اس میں نمک زیادہ ہو گیا تھا ناں۔"

"نمک؟" انہوں نے اچنبھے سے دہرایا اور قیمہ اور سبزی کا سالن اور دال دونوں کو باری باری چکھا۔

"نمک تو بالکل ٹھیک ہے۔"

"یہ تو میں نے آپ کے اور اپنے لیے پہلے سے نکال لیا تھا بعد میں ہی کے کھانے میں نمک ملایا تھا۔"

"یشا تم کتنی فضول حرکتیں کرنے لگی ہو۔"

"اور وہ جو کچھ کرتی ہیں اس کا کیا؟" یشا نے منہ بسورا۔

"دیکھیں ناں، مجھے پھر سے میلے میں جانے سے منع کر دیا۔ خیر ان کے منع کرنے کی پروا کسے ہے۔ ویٹو پاور تو آپ کے پاس ہے۔"

"مگر میں بھی نہیں چاہتی کہ تم جاؤ۔"

"مگر کیوں گرینی؟" وہ روہانسی ہو گئی۔

"بس میں نے کہہ دیا کہ تم نہیں جاؤ گی تو تم نہیں جاؤ گی۔ یہ میرا آرڈر ہے۔ کیا تم اپنی گرینی کی بات نہیں مانو گی۔"

"تو کیا گرینی اپنی یشا کی بات نہیں مانیں گی۔"

"نہیں۔۔۔ کم از کم یہ تو نہیں۔" ان کے لہجے میں قطعیت تھی۔

"آپ نے اس سے پہلے میری کون سی باتیں مان لی تھیں۔ پچھلے سال بھی نہیں جانے دیا۔ آخر کیوں؟ سب لوگ تو جاتے ہیں۔"

"سب میں اور تم میں بہت فرق ہے یشا۔" ان کی سرمئی آنکھوں میں خوف سا لہرایا۔

"کوئی فرق نہیں ہے۔۔۔ بس مجھے پتا ہے۔ آپ نہیں چاہتیں کہ میں آپ کے پاس سے ذرا بھی دور جاؤں۔"

"یہی سمجھ لو مجھے ڈر لگتا ہے۔۔۔ ایسے میلوں ٹھیلوں میں بھانت بھانت کے لوگ ہوتے ہیں۔ پتا نہیں کون کون کہاں کہاں سے آیا ہو۔ میرا بس چلے تو میں تمہیں چھپا کے رکھ لوں۔"

"آپ مجھے کس سے چھپانا چاہتی ہیں گرینی؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ینشا کے سوال پہ ان کے چہرے پہ سنگینی سی در آئی۔ ٹرے پرے کھسکا کے انہوں نے سرد مہری سے کہا اور کتاب چہرے کے آگے کرلی۔

"اب تم جاؤ۔ مجھے کچھ پڑھنا ہے۔"

☼ ☼ ☼

"کیا؟ تمہیں پکا یقین ہے سارا۔۔۔ کہ تم اسی کی بات کررہی ہو؟"

مہر ریسیور کان سے لگائے ماتھے پہ بے پناہ بل لیے بات کررہی تھی۔

پرشکوہ خانم وہیل چیئر دھکیلتی ٹیبل تک صرف اخبار لینے آئی تھیں مگر سارا کا نام سن کے ان کے ماتھے مہر کے ماتھے سے بھی دگنے بل جگہ بنا گئے۔ زہر لگتی تھی انہیں سارا مہر کی دوست اور پڑوسن۔

"اکیلی آرہی ہے کیا؟"

مہر کے لہجے کی تشویش نے انہیں کھٹکنے پہ مجبور کیا۔

"مجھے کیا ضرورت ہے اس سے ملنے جانے کی' نہ میں نے پہلے کبھی اسے لفٹ کرائی تھی نہ اب کراؤں گی اور تم جانتی ہو کہ مجھے اس کے نام سے بھی چڑ ہے تو بطور خاص مجھے فون کرکے یہ منحوس خبر دینے کی کیا ضرورت تھی۔"

مہر کے کھٹ سے ریسیور رکھ دینے پہ پرشکوہ خانم نے دبے دبے طنز کے ساتھ کہا۔

"ینشا تو صبح سے اسٹور روم کی صفائی کررہی ہے۔ اس نے تو تمہیں تنگ بھی نہیں کیا آج۔۔۔ بلکہ شاید تمہارا اور اس کا آمنا سامنا بھی نہیں ہوا۔ پھر موڈ کس وجہ سے خراب ہے۔"

"میرا موڈ خراب کرنے کے لیے اور بہت سے لوگ ہیں۔ کچھ پہلے سے موجود تھے۔ کچھ اب آرہے ہیں۔"

مہر نے لہجے میں نخوت بھر کے کہا۔

"کون آرہا ہے؟"

"کارا۔"

"کارا۔" پرشکوہ خانم پہلے چونکیں پھر خوشی سے بھرپور کپکپاتے لہجے میں پوچھنے لگیں۔

"کارا واپس آرہی ہے ہمیشہ کے لیے؟"

"ہمیشہ کا تو پتا نہیں۔۔۔ مگر دس سال بعد آخر وہ واپس آرہی ہے۔"

"تو تم اتنی پریشان کیوں ہورہی ہو اس کے آنے سے۔"

"اور آپ اتنی خوش کیوں ہورہی ہیں؟" وہ جز بز سی ہوئی۔

"میں تو اس لیے خوش ہوں کہ وہ میری منہ بولی بیٹی ہے۔ بہت محبت ہے ہمارے درمیان' جسے فاصلے بھی کم نہیں کرسکے اور میں دس سال بعد اس سے ملوں گی۔ مگر تم اپ سیٹ کیوں ہو؟ کارا سے تمہاری دشمنی کی تو اب وجہ بھی باقی نہیں رہی۔"

"وجہ ختم ہوگئی تھی۔ دشمنی نہیں اور ہاں آپ اس سے ہرگز نہیں ملیں گی۔"

مہر کی تنبیہہ انہیں مشتعل کرگئی۔

"مہر! میں کس سے ملتی ہوں' کس سے نہیں' یہ میرا ذاتی معاملہ ہے اور میں نے اپنے فیصلے کبھی کسی کے مشورے سے نہیں کیے۔"

"تو کم از کم اس گھر میں وہ آپ سے ملنے نہیں آئے گی۔ آپ کا دل بہت اداس ہورہا ہے اپنی بھانجی سے ملنے کے لیے تو جاکے مل آئیں۔ مگر پہلے پتا ضرور کرلیجیے گا کہ آپ کی امیر کبیر بھانجی یا منہ بولی بیٹی آپ سے ملنا بھی پسند کرتی ہے یا نہیں' شوہر کے مرنے کے بعد اس کی چھوڑی ہوئی دولت اور جائیداد میں ہر سال اضافے ہوتے رہے ہیں۔ ان دس سالوں میں تو وہ اور بھی توپ چیز بن گئی ہوگی۔ پتا نہیں آپ کو پہچانتی بھی ہے یا نہیں۔"

☼ ☼ ☼

ینشا اپنے بستر پہ اوندھی لیٹی پو کو دبوچے اس سے گلے شکوے کررہی تھی۔

"تم نے دیکھا پو۔ گرینی بھی مہرماما سے ڈرتی ہیں'

کہتی یہی ہیں کہ انہیں زمانے سے ڈر لگتا ہے مجھے کسی سے نقصان نہ پہنچ جائے' اس بات سے ڈر لگتا ہے' لیکن سچ تو یہ ہے کہ انہیں مہرماما سے ڈر لگتا ہے۔ ان کی مرضی کے خلاف وہ مجھے کہیں نہیں جانے دیتیں۔ مگر ینشا کو مہرماما سے اتنا ڈر نہیں لگتا۔ پتا ہے آج میں نے کیا کیا؟ ان کے کھانے میں اتنا نمک ملادیا کہ وہ مہرماما کی زبان سے بھی زیادہ کڑوا ہوگیا۔"

کھلکھلا کے ہنستے ہوئے وہ سیدھی ہوئی۔ اب پو کے بجائے ٹوینی اس کی ہتھیلیوں میں دبی اس کے چہرے کے اوپر مسکرا رہی تھی۔

"اور ٹوینی۔۔۔ تم نے زینی کے بال دیکھے؟ بالکل ہنسل اینڈ گریٹل کی اسٹوری والی witch جادوگرنی جیسے ہورہے تھے۔ پتا ہے کیوں؟ ینشا نے اس کے شیمپو میں پنک کلر جو ملادیا تھا۔"

ہنسی سے لوٹ پوٹ ہوتی وہ اپنے کارنامے سنا رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا اس کے ساتھ ساتھ سب ہنس رہے ہیں۔ پو۔ ٹوینی' مکی ماؤس' ڈونلڈ ڈک' ٹام اور۔۔۔ اور۔۔۔ سنڈریلا کے اداس سے چہرے پہ بھی مسکراہٹ جھلک رہی ہو۔ وہ سنڈریلا کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"دوست۔۔۔ تمہاری اور میری کتنی بہت سی باتیں ایک جیسی ہیں نا' میں بھی تمہاری طرح کیوٹ ہوں' تمہاری طرح مجھے دیکھ کے بھی سب کو پیار آجاتا ہے۔ سوائے مہرماما کے۔ تمہاری طرح میری بھی ایک کھڑوس اسٹیپ مام ہے۔ وہ ڈفری اسٹیپ سسٹرز' لیکن جانتی ہو' تمہارے پاس وہ نہیں ہے جو میرے پاس ہے۔ گیس کرو۔۔۔ نہیں پتا نا؟ اوں۔۔۔ ہوں۔۔۔ میں گرینی کی بات نہیں کررہی۔ اگر میرے پاس گرینی ہیں تو تمہارے پاس فیری مدر ہیں۔ مگر میرے پاس وہ چیز ہے جو تمہارے پاس کبھی ہو ہی نہیں سکتی۔ میرے پاس اپنی زندگی خود جینے کا حوصلہ ہے' امید ہے' خواب ہیں اور ہاں ہمت بھی ہے۔"

وہ کھل کے مسکرائی۔

اس کے چہرے کے ہر ہر نقش میں تابندگی جاگ اٹھی۔

پھر ایک کوندا سا اس کے ذہن میں لپکا۔

"اوف۔۔۔ یس۔۔۔ حوصلہ۔۔۔ ہمت۔۔۔ ہاں۔۔۔ مجھے اپنے خواب پورے کرنے کے لیے کسی کا منہ دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں میلے میں جاؤں گی اور ضرور جاؤں گی اور زبردست سا ڈریس بھی بناؤں گی۔ دیکھتی ہوں کون روکتا ہے مجھے۔"

اس نے پل بھر کے لیے اپنی آنکھیں میچیں۔ جگر جگر کرتے ہیرے جیسے کسی نے اوٹ میں چھپادیے۔ پھر اپنی سدا کی شریر مسکراہٹ کے ساتھ کمرے سے نکلی۔ اس کا رخ آپی اور زینی کے کمرے کی جانب تھا۔ دونوں اس وقت کالج میں تھیں۔ بیڈ پہ وہ لباس پھیلا کے رکھا ہوا تھا جس کے بارے میں ابھی تک یہ طے نہیں ہوا تھا کہ میلے میں اسے ان دونوں میں سے کون پہن کے جانے والا ہے۔ دونوں کا دل ہی اس پہ آیا ہوا تھا۔ بڑی پیاری ستاروں والی لیس سے سجی میکسی تھی۔ جس کی آستینوں پہ بڑے بڑے نگ ٹنکے تھے۔ ینشا نے پشت پہ چھپائی قینچی نکالی اور نہ صرف لیس کو جگہ جگہ سے کاٹ کر اتار لیا' بلکہ آدھے سے زیادہ نگ بھی اس بے دردی سے نوچے کہ وہاں سے کپڑا ہی پھٹ گیا۔

☼ ☼ ☼

"سوپ ٹھنڈا ہورہا ہے گرینی۔"

ینشا نے پرشکوہ خانم کے سامنے سلاد رکھتے ہوئے انہیں مخاطب کیا جو مہر کے بگڑتے موڈ کو بھانپ کر خود بھی بدمزگی سی محسوس کررہی تھیں۔ زینی ابھی کالج سے نہیں لوٹی تھی اور آپی آتے ہی کھانے پہ ٹوٹ پڑی تھی۔

"تو آپ کارا کو فون کرنے سے باز نہیں آئیں۔"

آخر مہر نے اپنے اندر کا لاوا اگل ہی دیا۔

"اب تم میری جاسوسی بھی کرنے لگی ہو؟"

"میں نے فون پہ ڈائل نمبرز میں دیکھا تھا۔"

"اسی کو جاسوسی کہتے ہیں مہر۔" انہوں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ٹھنڈے لہجے میں کہا۔ "اور تم نے خود کہا تھا کہ میں اس کے گھر جاکے اس سے ملنا چاہوں تو جاسکتی ہوں تو اس کے لیے مجھے اسے فون کر کے اپنے آنے کی اطلاع تو دینی تھی۔"

"آخر یہ کارا ہے کون؟" امی نے دونوں نوالوں کے درمیانی وقفے کے دوران پوچھنے کی زحمت کی۔

"میری منہ بولی بہن۔ مجھے آنٹی کہتی ہے۔ اس لیے سمجھو۔ میری بھانجی ہے۔"

"واؤ۔ یعنی آپ ان کی آنٹی ہیں تو وہ ہماری آنٹی ہوئیں۔"

امی نے مہر کی شعلہ بار نگاہوں پر توجہ نہ دیتے ہوئے اشتیاق ظاہر کیا۔

"گرینی۔ مجھے ضرور ملوایے گا ان سے۔" میشا نے بھی جھٹ فرمائش کی۔ "میں نے کبھی کوئی آنٹی نہیں دیکھی۔"

"دیکھا تو تم نے اپنی ماں کو بھی کبھی نہیں ہے۔ تم اس سے ملنے کیوں نہیں چلی جاتیں۔"

مہر کے سلگتے لہجے پہ میشا بجھ سی گئی اور اپنی پلیٹ میں کھانا نکالتے اس کا ہاتھ رک گیا۔ پلکوں پہ اٹکے آنسو لیے وہ کھانے کی ٹیبل سے اٹھ گئی اور امی نے ڈش اپنی جانب سرکالی۔

"ہنہہ۔ تم کیوں اس بچی کا دل دکھاتی ہو؟" پر شکوہ خانم نے ملال سے اسے جاتے دیکھا جو صبح سے خالی پیٹ اتنے بڑے سارے گھر کی صفائی ستھرائی میں ہلکان تھی۔

"اور جو میرا دل دکھ رہا ہے اس فتنے کے آنے سے۔ میں کیسے اس عورت کو برداشت کروں جو میرے شوہر کی منگیتر تھی۔"

"سگی۔ بابا کی فیانسی۔"

"چپ کرو تم۔ کھانا کھاؤ اپنا۔" مہر نے امی کے بار بار جذباتی ہوجانے پہ اسے گھرکا۔

"تم بچیوں کے سامنے کیوں ایسی باتیں کررہی ہو؟ سیف اللہ نے تمہاری خاطر کارا سے منگنی توڑی تھی۔ نفرت تو کارا کو تم سے ہونی چاہیے تھی۔"

"وہ تو شکر ادا کرے، میں نے اسے سیف اللہ کی بیوی بن کے یہ گھٹی ہوئی زندگی نہیں گزارنے دی۔ ورنہ آج وہ میری جگہ بیٹھی اس کھنڈر میں آنے آنے کا حساب لگا رہی ہوتی اور سوتن کی اولاد کو بھی بھگت رہی ہوتی۔ وہ تو مزے میں رہی۔ سیف اللہ کے منگنی توڑتے ہی ایک امیر کبیر اس کے ہاتھ لگ گیا۔ جس کے مرنے کے بعد اس کی بزنس والی ساری پراپرٹی پر وہ راج کررہی ہے۔ سنا ہے شاہانہ طرز زندگی جی رہی ہے وہاں۔"

"اوہ خدایا۔ تم اب تک بے کار کی دشمنی پالے بیٹھی ہو۔ اب ان باتوں کو دہرانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ سیف اللہ اس دنیا میں نہیں رہا اور کارا ایک بیوہ عورت ہے۔ سال دار بیوہ سہی۔ مگر ہے تو بیوہ۔ تمہاری یہ باتیں کرنا اب زیب نہیں دیتا۔"

پر شکوہ خانم نے سمجھانا چاہا مگر وہ مزید بھڑک گئی۔

"ہاں اور تب زیب دیتا تھا جب وہ جوان بیوہ تھی اور جب سیف اللہ اس دنیا میں تھا۔ کتنا ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا آپ نے کہ کارا کی دوسری شادی سیف اللہ سے ہوجائے۔"

"یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ میں نے کبھی ایسا نہیں چاہا تھا۔ ہاں۔ میں نے اس کی جوان بیوگی اور بے شمار دولت و جائیداد دیکھ کے یہ ضرور مشورہ دیا تھا اسے کہ وہ کسی پر خلوص بندے کا ہاتھ تھام لے۔ اپنی جوانی بیوگی کی نذر نہ کرے۔ ورنہ دنیا اسے لوٹ لے گی۔ مگر وہ خود ہی دوسری شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔"

"آپ نے اپنی خواہش دوسرے طریقے سے پوری کرلی۔ مجھ پہ سوتن لانے کی خواہش۔ میں تو ہمیشہ سے آپ کو ناپسند تھی۔ صرف مجھے زچ کرنے کے لیے آپ نے سیف اللہ کو اکسایا دوسری شادی کے لیے۔"

پر شکوہ خانم کے پاس ہمیشہ کی طرح آج بھی ان الزامات کا کوئی جواب نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

میشا آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ اپنے کمرے میں

آئی تھی۔ چند منٹ بیڈ پر بیٹھ کے ٹانگیں ہلا ہلا کے مہر کو کوسنے کے بعد وہ جھکی۔ بیڈ کے نیچے سے وہ ٹوکری گھسیٹ کے نکالی۔ جس میں کل سے لے کر اب تک کافی مال مسروقہ جمع کر رکھا تھا۔

امی کی میکسی سے اتاری لیس۔

بڑے بڑے چمکیلے نگ۔

کچھ مختلف رنگین ریشمی کپڑوں کی چھوٹی بڑی کترنیں۔

زینی کے کچھ زیورات۔

مہر کے کمرے سے چرائی لپ اسٹک اور بندیا۔

اس کی آنکھوں میں پھر سے شرارت کے ستارے چمکنے لگے۔ وہ بندیا ماتھے پہ چپکا کے مختلف کترنوں کو جوڑ کے ایک ساتھ رکھتے ہوئے بولی۔

"دیکھ لینا۔ ایسا شان دار لباس بناؤں گی۔ اتنی اچھی، اتنی پیاری لگوں گی کہ بس۔"

☼ ☼ ☼

امی بھرے پیٹ کے خمار سے ڈولتی۔ جھومتی کمرے میں داخل ہوئی اور بیڈ پہ پھیلی میکسی کو دیکھ کے۔ مسکرائی۔

"اسے تو میں ہی پہنوں گی چاہے کسی بھی طرح پھنسانا پڑے۔"

اس نے بڑے شوق سے میکسی اٹھائی اور اپنے ساتھ لگانے ہی لگی تھی کہ اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ عین اسی وقت زینی اندر داخل ہوئی۔ وہ صبح کی گھر سے نکلی اب لوٹ رہی تھی۔

"اوہ گاڈ۔ اتنا گھورے آج ہم۔ کے۔"

اور جب اس نے میکسی کا حشر دیکھا تو پورا حلق پھاڑ کے چلائی۔

"امی کی بچی۔" اس کی چیخ کی بازگشت سے امی بھی سکتے سے باہر آگئی اور خود بھی چیخنے لگی۔

"ممی۔ یہ کیا کیا تم نے؟"

"میں نے یا تم نے؟" امی بھی اس سے جھپٹی۔

"میں ایسا کیوں کروں گی۔ مجھے تو یہ کل شام ملے میں پہن کے جانا تھا۔"

"تم نے نہیں۔ میں نے پہننا تھا۔ اسی لیے تم نے اسے خراب کیا، تاکہ میں نہ پہن سکوں، جل ککڑی۔"

"شٹ اپ امی۔ اصل میں تم نے ہی اسے خراب کیا ہے کیونکہ اسے پہن کے تم آنٹی کی پوری لگتیں۔ بلکہ تم اسے پہن ہی نہیں سکتی تھیں۔ یہ تمہارے بارہ من کے وجود پر پوری آہی نہیں سکتی تھی۔ اسی غصے میں تم نے اسے برباد کیا ہے، تاکہ تم نہیں تو کوئی اور بھی اسے نہ پہن سکے۔"

"ماما۔" امی روتی پیر پٹختی باہر کو نکلی۔

☼ ☼ ☼

بیڈ کے پائنتی دبک کے بیٹھی میشا گود میں کترنیں رکھے انہیں سوئی دھاگے کی مدد سے جوڑ رہی تھی۔ لیمپ کی ہلکی ہلکی روشنی میں اسے یہ کام کرنے میں دشواری پیش آرہی تھی۔ مگر وہ لائٹ بھی آن نہیں کرنا چاہتی تھی۔ سب ہی جانتے تھے، نیند کی کتنی کچی ہے۔ اتنی دیر تک جاگ نہیں سکتی۔ اس کے کمرے سے روشنی آتے دیکھ کے ضرور کسی نہ کسی نے ٹوہ لینے کے لیے اندر جھانک لینا تھا۔

"تمہیں پتا ہے پپ! یہ میں نے مما کے روم کے کرٹن سے اتاری ہے۔ وہ سمجھیں گی چوہا کتر کے لے گیا اور اس کو میں ایسے ربن کی طرح یہاں لگاؤں گی اور یہ گرینی کی ساڑھی کا بارڈر۔ وہی ساڑھی جو پچھلے سال مجھ سے استری کرتے ہوئے جل گئی تھی۔ اس کا بارڈر میں نے اتار کے سنبھال کے رکھ لیا تھا۔ اسے میں یہاں پہ لگاؤں گی تو کتنا جچ جائے گا نا۔ واؤ۔"

رنگ برنگی کترنیں جوڑ کے بنایا لباس اس نے اپنے سامنے پھیلا کے رکھا تو کھو سی گئی۔

سالوں سے خوابوں میں بنے منتروں کی گونج آج کھلی آنکھوں کے ساتھ بازگشت بن کے محسوس ہورہی تھی۔ اس نے سر جھٹکا اور جلدی سے لباس کو گول مول کر کے ٹوکری میں رکھ کے ٹوکری بیڈ کے نیچے دوبارہ کھسکادی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"چلو اب سو جاؤ بیٹا! صبح بہت کام ہے۔"

اور صبح اسے واقعی بہت کام تھا۔ خیر کام تو وہی سب تھے جو روز ہوتے تھے۔ مگر پہلے ان کاموں کو نمٹاتے نمٹاتے اسے صبح سے رات ہو جاتی تھی۔ مگر آج اسے ہر حال میں دوپہر تک ان کاموں سے فراغت حاصل کرنی تھی۔ اس لیے وہ پھرکی بن گئی۔ ابھی سیڑھیوں پہ پوچا لگا رہی ہے تو ابھی جالے اتار رہی ہے۔ ابھی کچن کی کیبنٹ خالی کر کے صاف کر رہی ہے تو ابھی کپڑے دھو رہی ہے۔ ساتھ ساتھ کھانا بھی بن رہا تھا۔ پر شکوہ خانم نے اس کی پھرتیاں دیکھ کے پوچھ ہی لیا۔

"کیا ہو گیا ہے بیٹا۔ سکون سے... مشین کیوں بن رہی ہو؟"

"آپ نہیں جانتیں... مہرماما نے کتنی لمبی لسٹ بتائی ہے کاموں کی۔"

"ہاں تو کون سی نئی بات ہے اور وہ تو ابھی شام ہونے تک دونوں لڑکیوں کے ساتھ نکل جائے گی۔ میلے کے لیے اور ظاہر ہے رات کو دیر سے لوٹے گی۔ تم آرام سے کام کرتی رہنا۔"

"نہیں... مجھے شام سے پہلے پہلے فارغ ہونا ہے۔"

اس کے ہاتھ اور تیزی سے چلنے لگے۔

"کیوں، شام سے پہلے کیوں؟" وہ ٹھٹکیں تو بیٹا ذرا سنبھل گئی۔

"وہ... دراصل... ایک بہت اچھی بک ملی ہے مجھے اسٹور روم کی صفائی کرتے ہوئے' وہ پڑھوں گی' وہ بھی روم بند کر کے' مزا آتا ہے نا اکیلے میں پڑھنے کا۔"

"ہاں... یہ تو ہے۔" وہ مسکرائیں۔ "چلو... شکر ہے تم نے بھی کوئی ڈھنگ کا کام کرنے کا سوچا... میں تمہیں ڈسٹرب نہیں کروں گی۔"

✲ ✲ ✲

میلے میں ابھی شام کی سیاہی پوری طرح نہیں پھیلی تھی۔ حد تا حد لی سی گرمیں روشنیاں اپنا راستہ بنا رہی تھیں۔

ایمی کی نظریں کھانے پینے کی انواع و اقسام کی چیزوں پہ بھٹک رہی تھیں تو زینی کپڑوں اور بننے سنورنے کے دیگر لوازمات کو للچا کے دیکھ رہی تھی۔ مہر اپنی دوست سمارا کے اسٹال پہ بھوٹانی محنت کش عورتوں کے ہاتھ کی بنی مصنوعات کا جائزہ لے رہی تھی۔ جن سے سستے داموں محنت کروا کے سمارا یہ مصنوعات بڑے مہنگے داموں نیپال' سری لنکا اور بھارت جیسی بڑی مارکیٹوں تک بھیجا کرتی تھی۔ اس نے یہ گر اپنے مرحوم شوہر سے سیکھے تھے۔

"کتنا خوب صورت ہیٹ ہے۔" مہر نے تنکوں سے بنا ہیٹ چھوا۔

"تم لے لو... تم پہ سوٹ کرے گا۔" سرخ گھنگھریالے بالوں والی سمارا نے ایک کاروباری سی مسکراہٹ کے ساتھ پیش کش کی۔ جس سے مہر ہرگز ہرگز خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہوئی۔ وہ جانتی تھی سمارا کے "لے لو" سے مراد ہے "خرید لو۔"

"نہیں... میں لے کر کیا کروں گی... ساڑھی کے ساتھ ہیٹ کتنا مضحکہ خیز لگے گا۔"

"یہ چٹائی دیکھو' ہاتھ کی بنی ہے۔"

"ہوں..." مہر نے چٹائی کی بنت سے زیادہ اس سے لگے ٹیگ کو زیادہ بغور سے دیکھا اور پھر دلچسپی ظاہر کی۔

"کام بہت بڑھ گیا ہے مہر" سمارا نے اترا کے کہا۔ "مجھ سے تو اب سچ پوچھو تو سنبھالا بھی نہیں جا رہا۔"

"تم نے بتایا تو تھا کہ تمہارے سسر نے تبت سے کسی کو بھیجا ہے تمہارے پاس۔"

"ہاں... مگر سسرالی رشتے داروں پہ میں اتنی جلدی اعتبار نہیں کر سکتی۔" وہ بھی اس صورت میں جبکہ میرے شوہر کے ساتھ بھی میرے تعلقات خاص اچھے نہ رہے ہوں۔"

مہر کو اس کے شوہر اور سسرال والوں کے تذکروں میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس لیے وہ گردن گھما کے اپنی لڑکیوں کو دیکھنے لگی۔ زینی انڈین اسٹال سے مہندی لگوا رہی تھی اور ایمی کسی ایرانی اسٹال پہ کھڑی ان کی

مٹھائیاں چیک کر رہی تھی۔

✲ ✲ ✲

بیٹا اپنے بالوں کی مانگ نکالے پنوں کی مدد سے جھومر سجا رہی تھی۔ جو اس نے مہر کے کسی پرانے صندوقچے سے نکالا تھا۔ چاندی کا جھومر... جو گلا پڑ رہا تھا۔ بیٹا جانتی تھی۔ لیموں یا سرکے سے چمکا کے اسے نئے جیسا کیا جا سکتا ہے۔ مگر اس نے ایسا کرنے کی قطعاً "زحمت" نہیں کی تھی۔ کاجل اناڑی پن سے بہت زیادہ تھوپ لیا تھا اور ابروؤں کے اوپر میرون نیل پالش سے نقطے سے بھی لگا رکھے تھے۔ یہ اس نے مہر کی شادی کی تصویروں میں دیکھا تھا۔ وہ کسی بنگالی مشاطہ سے تیار ہوئی تھی اور تب شاید وہاں کی دلہنیں ایسے ہی افشاں اور نیل پالش کی مدد سے چہرے پہ گل کاریاں کیا کرتی تھیں۔ ماتھے پہ بڑی سی لہو رنگ بندیا... ہونٹوں پہ نارنجی رنگ کی لپ اسٹک تھوپنے کے بعد اس نے غور سے اپنا جائزہ لیا تو وہ ٹھٹک سی گئی۔

"یہ... یہ کیا ہے؟" الجھن بھرے انداز میں وہ یاد کرنے لگی کہ یہ عجیب و غریب روپ اسے کس کی یاد دلا رہا ہے۔ مگر دھند نہ چھٹ سکی۔

ہندو دیو مالائی کرداروں والا لباس... زرق برق سجاوٹ کے ساتھ... ویسے ہی بندھے بال۔

"چلو... اچھا ہے۔ ایسے کوئی پہلی نظر میں مجھے پہچان بھی نہیں سکے گا۔"

اس نے بے فکری سے سوچا اور کھڑکی سے کود کے پچھلے راستے باہر نکلنے لگی۔

پر شکوہ خانم اپنے کمرے میں کتاب پڑھتے ہوئے اس اطمینان میں تھیں کہ آج ان کی پیاری پوتی بھی مطالعے میں مگن ہے۔

✲ ✲ ✲

"yupeeee"

بیٹا نے میلے کا گھوم گھوم کے جھوم جھوم کے جائزہ لیتے ہوئے خوشی سے نعرہ لگایا۔

اس کے پاس ایک nguttrain (بھوٹانی

کرنسی) نہیں تھا... مگر وہ ان سب سے زیادہ چہک رہی تھی اور ان سب سے بڑھ کر نہال تھی جو جیبیں بھر کے یہاں آئے تھے۔

وہ چوڑیاں نہیں خرید سکتی تھی۔

پکچا (گول گپے) نہیں کھا سکتی تھی۔

مہندی نہیں لگوا سکتی تھی۔

مگر وہ اس سرخ روایتی لباس والی رقاصہ کا لوک رقص تو دیکھ سکتی تھی۔ جو مجمع کے درمیان بڑی مہارت کے ساتھ اپنے فن کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

اس کا بھاری بھر کم لباس بیٹا کو پہننا پڑ جاتا تو شاید اس سے دو قدم چلنا بھی دوبھر ہوتا۔ اسی لیے وہ رشک سے اس کے نرت بھاؤ دیکھ رہی تھی۔

رقص دیکھنے والے مجمع کی اکثریت رقاصہ کے بجائے جب بیٹا کے عجیب و غریب لباس اور حد سے زیادہ نمایاں ہوتے میک اپ پہ مبذول ہونے لگی تو بیٹا وہاں سے کھسک گئی۔ اب وہ شعبدے دکھانے والے کے کمال دیکھنے میں مگن تھی۔

اس سے ذرا فاصلے پہ ایمی آسمانی جھولے میں پھنسی اوپر کی جانب جا رہی تھی۔ بیٹا کی ایک جھلک دیکھتے ہی وہ بری طرح چونکی۔

"بیٹا؟"

اتنے میں جھولا گھوم گیا۔ اب ایمی کی پشت بیٹا کی جانب تھی۔ جھولے کی نشست میں بری طرح پھنس کے بیٹھے ہونے کی وجہ سے وہ گھوم کے اسے دوبارہ غور سے دیکھ بھی نہیں سکتی تھی اور جب تک جھولا مڑ کے دوبارہ پہلی والی حالت میں آیا۔ بیٹا کسی چھلاوے کی طرح ایک بار پھر غائب ہو چکی تھی۔

"کہاں گئی! بالکل بیٹا جیسی ہی تھی وہ۔ اگر اتنا رنگ روغن تھپ رکھا ہوتا چہرے پہ۔"

زینی کسی اور اسٹال پہ مہر کو زچ کیے دے رہی تھی۔

"ماما... پلیز... لے دیں نا۔"

"بہت مہنگا ہے زینی... اور تمہارے پاس پہلے سے بہت کپڑے ہیں۔"

"ہنہ... ماما..."

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ ٹھنک کے ناراضی دکھانے لگی کہ دور کھڑی یشا پہ نظر پڑ گئی۔ جو غبارے والے کو ترسی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس کے ہاتھ سے ایک غبارہ چھوٹ کے ہوا کے دوش پہ دور جانے لگا تو یشا لپک کے اسے پکڑنے گئی۔

"ماما۔۔۔ وہ دیکھیں' وہ یشا ہے نا؟"

"یشا؟ وہ یہاں کیسے؟"

مہر کی تمام حسیات چوکس ہو گئیں۔ اس کی عقابی نظریں ہجوم میں اسے ڈھونڈنے لگیں۔

"میں نے ابھی دیکھا۔۔۔ وہ کچھ کچھ یشا جیسی ہی تھی۔"

"اوہو۔۔۔ کچھ کچھ لگ رہی ہو گی نا۔۔۔ میں سمجھی تم نے واقعی یشا کو دیکھ لیا ہے۔ ارے۔۔۔ یہ ایمی کو کیا ہوا؟"

دور سے ایمی کو جھولے سے اترتے اور الٹیاں کرتے دیکھ کے وہ پریشانی سے اس جانب بڑھی۔

"اتنا کھاؤ گی تو چکر تو آئیں گے نا جھولے پہ۔"

زینی نے ناک سکوڑتے ہوئے اسے جھاڑا' جس کی حالت ابتر ہو رہی تھی۔

"چکر تو مجھے یشا کو دیکھ کے آئے تھے۔"

"یشا۔۔۔" اب کے مہر واقعی تشویش میں مبتلا ہو گئی۔ یشا کو بھی محسوس ہو گیا تھا کہ وہ نظروں میں آ چکی ہے۔ ساری تفریح پھیکی پڑ گئی تھی۔ وہ نظر بچا کے چلتی۔۔۔ چھپتی چھپاتی ایک خیمے کے پاس رک گئی۔ کسی سری لنکن جادوگر کا خیمہ تھا۔ بغیر کچھ سوچے سمجھے وہ اندر گھس گئی۔

"واؤ۔۔۔"

خیمے کے اندر کا پراسرار اور خواب ناک ماحول اس کی فطرت کو بے حد بھایا۔

سیاہ پردے۔۔۔ سرخ قمقمے۔۔۔ سناٹا اور دیواروں پہ لٹکے عجیب و غریب نقوش والے مجسمے۔

ایک میز پہ رکھا ڈھیر سارا انانوس سا سامان جو غالباً" شعبدے دکھانے کے کام آتا تھا اور ایک پنجرے میں مقید سفید توتا۔

یشا نے کھونٹی سے لٹکا جادوگر کا سیاہ چغہ اتارا اور پہن لیا۔ ایک کرسی پہ رکھا سیاہ چمڑے کا ہیٹ بھی سر پہ جما لیا۔ حالانکہ اس میں سے اٹھتی بدبو سے اس کا جی الٹنے لگا تھا۔ اب وہ مختلف شیشیاں وغیرہ اٹھا اٹھا کے دیکھنے لگی۔ ایک میں سے سرمئی پاؤڈر کے قدرے موٹے ذروں والا سفوف نکال کے ہتھیلی پہ ڈالتے ہی اس کے کہانی ساز ذہن نے کروٹ بدلی۔

"شوں شوں۔۔۔ زوں زوں۔" اب یشا جادو کے زور سے اس سفید توتے کو اپنے شہزادے کا روپ دے گی۔ سفید کپڑوں والا شہزادہ' جو سفید گھوڑے پہ سوار روز رات یشا کے خوابوں میں آتا ہے اور اسے اپنے سنگ گلابی پھولوں والی وادی میں لے جاتا ہے۔ جہاں سرخ پتھروں سے بنی آبشاریں ہیں۔ جن سے پگھلی ہوئی چاندی بہتی ہے اور جہاں کی جھیل میں اتنی نیلاہٹ ہے' جتنی سنڈریلا کی آنکھ کی پتلی میں ہے اور جہاں بادلوں کے گولے ہاتھ سے اتنے ہی فاصلے پہ ہوتے ہیں جتنے فاصلے پہ انگور کے خوشے میرے کمرے کی کھڑکی سے۔۔۔ شوں۔۔۔ شوں۔۔۔ زوں۔۔۔ زوں۔۔۔ سفید توتے۔۔۔ اب تم سفید شہزادے کا روپ دھار کے یشا کو اپنے سفید گھوڑے پہ اس وادی میں لے جانے والے ہو۔ شوں۔۔۔ شوں۔۔۔ زوں۔۔۔ زوں۔۔۔

وہ آنکھیں بند کیے خواب ناک سی اور بھاری آواز بنائے جادو کرنے کی اپنی سی سعی کر رہی تھی۔ جب مائر خیمے کے آگے سے گزرتے ہوئے ان الفاظ کو سن کے مارے اشتیاق کے اندر قدم رکھ بیٹھا۔

"شوں شوں۔۔۔ زوں زوں۔"

یشا نے بند آنکھوں کے ساتھ اپنی مٹھی چہرے کے سامنے کی جس میں سفوف بند تھا اور اسے کھولتے ہوئے زور کی پھونک ماری۔ سارا سفوف ہوا میں بکھر گیا اور مائر کے چہرے کے آگے غبار سا چھا گیا۔

وہ چھینکنے لگا تو یشا نے فٹ سے آنکھیں کھول دیں اور مارے تحیر کے گم صم ہو گئی۔

سفید لباس میں وہ بانکا سجیلا شہزادہ اس کے سامنے تھا' جسے وہ اکثر خوابوں میں دیکھا کرتی تھی۔ اگرچہ اس

کے نقوش چہرہ واضح نظر نہ آنے کی وجہ سے وہ کبھی پہچان نہیں پائی تھی۔ مگر وہ ہو بہو ایسا ہی ہو گا۔

کھڑی ستواں ناک۔۔۔ بڑی مغرور سی۔

سنہری دمکتی رنگت۔

نفیس مسکراہٹ۔

کانچ سی آنکھیں۔

خوشبو میں ڈوبا وجود۔ مائر دونوں ہاتھوں سے غبار پرے ہٹاتا مسلسل چھینک رہا تھا۔

" what the hell do this "

یشا ایک دم جیسے ہوش میں آگئی اور اس سے پہلے کہ مائر اس افتاد سے نپٹ کے اس پہ توجہ دیتا' وہ یہاں سے بھی کھسک گئی۔

☆ ☆ ☆

رات کے سناٹے میں فون کی گھنٹی کی کرخت آواز اور بھی کریہہ لگ رہی تھی۔ پر شکوہ خانم کا کمرا ہال سے خاصا دور تھا۔ مگر یہ آواز انہیں بھی نیند سے بیدار کر گئی۔ بمشکل اپنی وہیل چیئر دھکیلتی وہ کمرے سے نکلیں اور تعجب سے نیچے جھانک کر بڑبڑائیں۔

"کب سے فون بج رہا ہے۔ مہر اور ایمی' زینی تو گھر پہ نہیں ہیں۔ یشا کی نیند کب سے اتنی گہری ہونے لگی کہ وہ فون کی آواز پہ بھی نہیں اٹھی۔"

اب ان کی وہیل چیئر کا رخ یشا کے کمرے کی جانب تھا۔ دروازہ کھول کے انہوں نے اندر جھانک کر پکارا۔

"یشا!" اور دھک سے رہ گئیں۔ کمرا خالی تھا اور کھڑکی کھلی تھی۔ "کہاں گئی یہ لڑکی؟"

☆ ☆ ☆

"کوئی فون نہیں اٹھا رہا۔" مہر نے فون کان سے ہٹا کے کہا۔ غصے اور تملاہٹ سے اس کا برا حال تھا۔

"گرینی تو یشا کی ہیلپ کے بغیر نیچے آ ہی نہیں سکتیں فون سننے۔"

یشا چلتے چلتے ٹھٹک کے رکی۔ انجانے میں وہ بالکل ان کے عقب تک پہنچ گئی تھی۔

"اس کا ایک ہی مطلب ہے کہ یشا گھر پہ نہیں ہے' بلکہ یہیں کہیں ہے۔"

"چلو ڈھونڈتے ہیں اسے۔"

"نہیں۔۔۔ یہاں اسے ڈھونڈنے میں وقت ضائع کرنے کے بجائے ہمیں جلد از جلد گھر پہنچنا چاہیے۔" مہر نے زینی کا آئیڈیا مسترد کر دیا۔

"کب تک یہاں گھومے گی' کبھی تو واپس لوٹے گی اور اگر وہ واقعی یشا ہے تو آج اس کی خیر نہیں ہے۔"

یہ سن کے یشا کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور وہ تیزی سے باہر کو جانے والے راستے کی جانب مڑی۔

"میں جتنی جلدی بھی نکلوں۔۔۔ ان سے پہلے تو نہیں پہنچ سکتی اور پھر میرا وہ حال ہو گا کہ۔۔۔ سب سے زیادہ ڈر تو گرینی سے ہے' پھر ماما تو زیادہ سے زیادہ ماریں گی۔۔۔ وہ ٹائم کھانا نہیں دیں گی' مگر گرینی کی ناراضی۔۔۔ اوہ نو۔۔۔"

وہ مہر کی پرانی کھٹارا سی فوکسی کے سامنے رکی اور پھر سر سے پن نکالتے ہوئے گھٹنوں کے بل نیچے بیٹھ گئی۔

☆ ☆ ☆

"اوہ مام۔۔۔ it is hell barring "

مائر ماتھے پہ شکن لیے لہجے میں جی بھر کے کوفت اور بے زاری سمیٹے فون پہ بات کرتا پارکنگ کی طرف آ رہا تھا۔

"سوری۔۔۔ میں آپ کا ویٹ نہیں کر سکتا یہاں۔۔۔ میں واپس آ رہا ہوں۔"

اپنی کار کے نزدیک آ کے اس نے فون جیب میں رکھا اور ڈرائیونگ سیٹ کی جانب جاتے جاتے بری طرح چونکا۔

"اوہ۔۔۔ نو۔۔۔ ڈیم اٹ۔"

اس کا ٹائر پنکچر تھا۔

"ہو گیا۔۔۔ شاباش۔"

یشا کی آواز پہ وہ پلٹا۔۔۔ وہ فوکسی کے نزدیک بیٹھی اس کا ٹائر پنکچر کرنے کے بعد ہاتھ جھاڑتی اٹھ رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اوہ۔ ہیلو۔"

"شش۔ چپ۔" میشا نے ہونٹوں پہ انگلی رکھ کے اسے چپ کرایا۔ "کسی کو بتانا نہیں۔ چپ۔"

"تم نے میرا ٹائر کیوں پنکچر کیا ہے؟"

اس کے برہم سے سوال پہ میشا کھلکھلا کے ہنس دی۔

"تمہارے ٹائر بھی ہیں؟ مجھے لگا' تم عام انسان ہو اور دو عدد ٹانگوں سے کام چلا لیتے ہو گے۔"

"میرا مطلب ہے۔ میری کار کے ٹائر۔" وہ سٹ پٹا گیا۔

"یہ تمہاری کار نہیں ہے' ایسی پھٹیچر کار پورے thimphu میں صرف ایک ہی ہے اور مجھے پتا ہے کس کی ہے۔"

"میں اس کی بات کر رہا ہوں۔" اس نے اپنی کار کی جانب اشارہ کیا۔ اس کے ٹائر کیوں پنکچر کیے تم نے؟"

"میں کیوں کروں گی' پاگل ہوں کیا؟"

"اور اس کے کیوں کر رہی ہو۔ پاگل ہو کیا؟"

"اس کے پنکچر نہ کرتی تو ہاں۔ پاگل ہو ہی جاتی۔ مگر تمہارے ٹائر۔ میرا مطلب ہے تمہاری کار کے ٹائر پنکچر کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے میرے پاس۔"

"اس کی وجہ ہے؟"

"ہاں ہے نا' راستے میں بتاتی ہوں؟" وہ اس کا بازو تھام کے آگے لے جاتے ہوئے احتیاطاً پیچھے مڑ کے دیکھنے لگی۔ کہیں سے مہر آتو نہیں رہی۔

"راستے میں؟" اس کی بے تکلفی پہ حواس باختہ مائر نے بازو چھڑا کے پوچھا۔

"ہاں۔ تم مجھے میرے گھر تک چھوڑ دو' اتنی رات کو میں اکیلی کیسے جاؤں گی۔"

"مگر میرے ٹائر۔ میرا مطلب ہے۔ میری کار کے ٹائر پنکچر ہیں۔ میں تو خود یہ سوچ رہا ہوں کہ اب واپس کیسے جاؤں۔"

"ہم ایک ایسی چیز سے واپس جائیں گے جس کے ٹائر پنکچر کبھی ہوتے ہی نہیں' پوچھو کیوں؟"

"کیوں؟" مائر کو اس کی بے ربط' بے تکی گفتگو میں دلچسپی محسوس ہو رہی تھی۔

"کیونکہ اس کے ٹائر ہوتے ہی نہیں۔" وہ کھلکھلا کے ہنس دی تو مائر کے چہرے پہ بھی تبسم کرن کی طرح پھوٹ پڑا۔

"ایسی زبردست چیز تمہارے پاس ہے تو تم اکیلی کیوں نہیں چلی جاتیں۔" اس بار وہ قدرے نرم لہجے میں بولا۔

"مجھے اکیلے جاتے ڈر لگتا ہے نا۔ تم چلو گے نا میرے ساتھ؟"

اس نے اپنا ہاتھ سامنے پھیلایا تو مائر بے ساختہ اسے تھام بیٹھا اور کسی سحر کے عالم میں اس کے پیچھے کھنچتا چلا گیا۔ چھوٹی سی پہاڑی عبور کر کے وہ اسے جھیل کے کنارے لے آئی۔ جھیل کے اس طرف سرخ قلعی کے میناروں والا مندر رات کے اندھیرے میں ہولناک سا لگ رہا تھا۔ مگر چاند کی چاندنی جھیل کے پانی کو پگھلی ہوئی چاندی کی صورت بہتا دکھا رہی تھی۔

مائر نے ایک آدھ بار دن کے وقت اس جھیل کو سرسری سا دیکھا تھا۔ مگر اس وقت اس کا حسن دیکھ کے وہ مبہوت سا رہ گیا۔

"اس پہ جائیں گے ہم۔" میشا نے کشتی کی ڈور کھولتے ہوئے کہا۔ "یہ شارٹ کٹ ہے۔ میرا گھر پندرہ' سولہ منٹ میں آجائے گا اور جو ایڈریس تم بتا رہے ہو' وہ میرے گھر سے آگے ہے۔ بس کوئی آٹھ' دس منٹ اور لگیں گے۔"

"مگر مجھے یہ بوٹ چلانا نہیں آتی۔"

"مجھے تو آتی ہے نا۔ تمہیں کون کہہ رہا ہے چلانے کو۔ تم بس مجھے کمپنی دو' رات کے وقت مجھے پانی سے بہت ڈر لگتا ہے' آہو بھی نا۔"

اس نے اپنا لباس دونوں ہاتھوں کی چٹکیوں سے تھام کر ذرا سا اوپر کیا اور کشتی میں کود گئی' پھر اپنا ہاتھ بڑھا کے اسے بھی آنے کی دعوت دی۔

مائر اس کا ہاتھ تو تھام بیٹھا' مگر قدم بڑھاتے ہوئے جھجک سا رہا تھا۔

"اوفوہ۔ آؤ بھی۔ نخرے کیوں کر رہے ہو؟"

میشا نے اسے زور کا جھٹکا دے کر اندر کی جانب کھینچا۔ جس سے کشتی ایک بار تو ڈگمگا سی گئی۔

"اوہ۔" مائر ڈولتے ہوئے اس کے کاندھے تھام کر سہارا لے بیٹھا۔ ہلکا سا ہراس اس کے چہرے پہ نظر آرہا تھا۔ جسے دیکھ کے میشا اپنے مخصوص انداز میں کھلکھلا اٹھی۔

"ڈر گئے؟ اور میں سمجھی تم میرا ڈر دور کرو گے۔"

☆ ☆ ☆

مہر شدید غصے کی حالت میں اپنی فوکسی کے پاس کھڑی تھی' جس کو مکینک پنکچر لگا رہا تھا۔ وہ مکینک جو خاصی تلاش بسیار کے بعد دستیاب ہوا تھا۔

"یہ بھی اسی وقت پنکچر ہونا تھا۔"

"مجھے بھوک لگی ہے ماما!" امی کے منمنانے پہ پھوپھیں مار کے مہندی سکھاتی زینی اس پہ الٹ پڑی۔

"چپ کرو تم۔ سارا میلہ ہڑپ کر گئی ہو' اب بھی بھوک۔ ماما۔ ایک بار پھر فون کر کے دیکھیں۔"

"کتنی بار تو کیا ہے۔"

مہر نے کوفت سے کہنے کے بعد مکینک کو گھرکا۔

"جلدی کرو' ایک پنکچر لگانے میں اتنی دیر۔"

"ماما! اگر وہ میشا ہی تھی تو کہیں ہم سے پہلے گھر نہ پہنچ جائے۔"

"ایک دفعہ گھر جاتے ہیں۔ پھر۔ پتا چل جائے گا۔"

☆ ☆ ☆

مائر کا ڈر اب کافی کم ہو چکا تھا۔

وہ مکمل طور پہ جھیل کے پراسرار حسن۔ چاندنی رات کے سحر۔ اور میشا کی گنگناہٹ کے ترنم میں کھویا ہوا تھا۔ جو چپو چلاتے ہوئے مقامی زبان میں کچھ گا بھی رہی تھی۔

مگر جیسے ہی کشتی ایک بار پھر ذرا سا ڈگمگائی' وہ ڈر گیا اور دونوں ہاتھوں سے کشتی کو تھام لیا۔ جسے دیکھ کے میشا کی گنگناہٹ پھر سے کھلکھلاہٹ میں بدل گئی۔

پیارے بچوں کے لئے

پیاری پیاری کہانیاں

بچوں کے مشہور مصنف

محمود خاور

کی لکھی ہوئی بہترین کہانیوں پر مشتمل ایک ایسی خوبصورت کتاب جسے آپ اپنے بچوں کو تحفہ دینا چاہیں گے۔

ہر کتاب کے ساتھ 2 ماسک مفت

قیمت -/300 روپے

ڈاک خرچ -/50 روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کتنا ڈرتے ہو تم؟"
"میں اصل میں تم سے ڈر رہا ہوں۔"
"مجھ سے... کیوں؟"
"یہ تمہارا آؤٹ فٹ... یہ میک اپ... یہ سب بہت عجیب لگ رہا ہے۔ مجھے ڈر ہے تم کوئی witch (جادوگرنی) نہ نکل آؤ۔"
اس کا انداز سراسر مذاق اڑانے والا تھا۔ مگر بیشا نے اسے خاصی سنجیدگی سے لیا۔
"کوئی نہیں جی... جادوگرنیاں کوئی اتنی حسین ہوتی ہیں؟"
"تو تم حسین ہو؟ انٹرسٹنگ۔"
"اور کیا؟ اتنی زیادہ۔"
"تو اپنے چہرے کو اتنے عجیب و غریب طریقے سے چھپا کیوں رکھا ہے تم نے... مجھے اس اندھیرے میں صرف تمہارے ماتھے کا تلک... یہ گول گول سرخ دائرے... گندے سے طریقے سے لگی لپ اسٹک اور خطرناک حد تک پھیلا کاجل ہی نظر آرہا ہے۔ لگتا ہے تم نے اپنی ٹیڑھی میڑھی آنکھوں... لمبی ناک یا چہرے کے کسی اور نقص کو چھپانے کے لیے یہ سب کیا ہے؟"
وہ جان بوجھ کے اسے اکسا رہا تھا۔ اس بہروپ بھرنے کی وجہ جاننا چاہتا تھا۔
"جی نہیں... جن کے چہرے بہت زیادہ حسین ہوں وہ بھی خود کو چھپا کے رکھتے ہیں' تاکہ کسی کی نظر نہ لگ جائے ان کو اور ان کے حسن سے کسی کا دماغ نہ خراب ہو جائے۔"
"کس نے یہ خوش فہمی دلا دی ہے تمہیں؟"
"سب ہی کہتے ہیں کہ میں بہت سویٹ اور بہت ہی کیوٹ ہوں۔ ارے... میرا گھر آنے والا ہے۔"
وہ کشتی روک کے اٹھ کھڑی ہوئی۔
"کہاں ہے گھر؟ مجھے تو یہاں کوئی گھر نظر نہیں آرہا۔"
"بس... پاس ہی ہے۔ مجھے یہاں سے پیدل جانا ہوگا۔"
"اور میں؟" وہ گھبرا گیا۔
"تم کشتی کو سیدھا آگے لے جاؤ" آٹھ' دس منٹ کے بعد کیپ پوسٹ نظر آئے گی۔ وہاں روک کر اتر جانا... رائٹ ٹرن لوگے تو سامنے وہ روڈ ہے' جس پہ تمہارا گھر ہے۔"
وہ جاتے جاتے جلدی جلدی اسے ہدایات دینے لگی۔
"ارے... مگر... سنو تو... لڑکی... مجھے کشتی چلانا نہیں آتی۔"
"وہ میرا مسئلہ نہیں ہے... بائے... بائے۔"
وہ بھاگتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ ڈر تھا' وہ اس کے پیچھے نہ آجائے اور گھر تک کا راستہ نہ دیکھ لے۔ کیا پتا مہرماں سے شکایت لگانے پہنچ جاتا۔
"اوہ گاڈ... اب کیا کروں؟"
ماثر نے پریشانی سے ادھر ادھر دیکھا۔
رات کی تاریکی... دور' دور تک کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔ وہ گھبرا کے اٹھا تو کشتی کے ڈگمگا جانے پہ اس کی گھبراہٹ میں اضافہ ہو گیا۔ مگر پھر اس نے خود کو ہمت دلائی۔
"کیا ہو گیا ماثر... ذرا سی لڑکی اتنی دیر تک اکیلی چلاتی رہی ہے۔ تم بھی کوشش کر کے دیکھ لو۔"
اس نے چپو سنبھالے تب ہی اس کی نظر کشتی میں گرے بُندے کی جانب گئی۔
ماثر نے جھک کے اسے اٹھا لیا... چاندی کے بُندے میں لگے سبز نگینے سے شعاعیں پھوٹ رہی تھیں... ماثر کے ہونٹوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ آئی اور اس نے بُندے کو ہتھیلی میں چھپا کے زور سے مٹھی بند کر لی۔

☼ ☼ ☼

بیشا چوری چھپے' دبے پاؤں گھر کے اندر داخل ہوئی اور دائیں بائیں چوکس نظروں سے دیکھتی... سینڈل اتار کے ہاتھ میں پکڑے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ آخری سیڑھی پہ پہنچ کے وہ ٹھٹک کے رکی۔ کیونکہ سامنے پر شگوہ خانم کی وہیل چیئر نے اس کا راستہ روک لیا تھا۔

"گرینی!" دونوں ہی ایک لمحے کے لیے سکتے کے عالم میں آگئی تھیں۔
بیشا ڈر کے مارے۔
اور پر شگوہ خانم تعجب کے مارے۔
دونوں پھٹی پھٹی آنکھوں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہی تھیں۔
"بیشا!" پر شگوہ خانم کے لہجے میں حیرت کے ساتھ ساتھ بے پناہ بے یقینی بھی تھی۔ "یہ سب کیا ہے بیشا؟"
اچانک ان کی حیرت پہ غصہ غالب آگیا اور وہ زور سے چلائیں... غالباً" سالوں کے بعد کسی نے ان کی اتنی بلند آواز سنی تھی۔
"سوری... گرینی... وہ میرا بہت دل چاہ رہا تھا۔"
"کیا مطلب ہے' دل چاہ رہا تھا؟ یہ فضول خیال تمہارے دماغ میں آتے ہی کیوں ہیں؟"
"گرینی... سوری ناں۔" وہ سہم سی گئی' ان کا اتنا شدید رد عمل دیکھ کے۔
"میں بھی آپ سے جھوٹ بول کے نہیں جانا چاہتی تھی۔ مگر آپ نے منع کر دیا تھا تو میں کیا کرتی۔ میرا بھی تو دل چاہتا ہے گھومنے پھرنے کو' مزے کرنے کو۔ آپ کیوں مجھے بند کر کے رکھنا چاہتی ہیں۔"
"میں تمہارے جھوٹ بول کے جانے پہ اتنی ناراض نہیں ہوں بیشا... جتنا اپ سیٹ میں تمہارے اس ڈریس اور حلیے کو دیکھ کے ہوں۔ کیوں بنایا تم نے یہ حلیہ؟ کیوں اپنایا اس روپ کو؟ کیوں؟ کیوں؟"
شدت جذبات و غضب سے ان کی آواز پھٹ سی گئی۔
"میرے پاس کوئی اچھا ڈریس بھی تو نہیں ہے۔ میرا بھی دل چاہتا ہے اچھے اچھے کپڑے پہننے کو۔ ہاں ٹھیک ہے میں نے چوری کی' سب کی کچھ نہ کچھ چیزیں غائب کیں' مگر اس لیے کیونکہ مجھے یہ ڈریس بنانا تھا۔"
"آخر یہ ہی کیوں؟ ایسا لباس ہی کیوں بنایا تم نے؟ آخر تم کیوں نہیں' وہ سب بھول۔"
دکھ بھرے لہجے میں کہتے کہتے وہ چپ ہو گئیں۔

ماہنامہ کرن
جولائی 2012 کے شمارے کی ایک جھلک
ادارہ "خالد انعم" سے شاہین رشید کی ملاقات،
ادارہ "صدیق عسبانی" دوکے پیارے کے ساتھ،
"آواز کی دنیا سے" کے ساتھ "منقلع علی عسکری" کی باتیں،
"مجھے ہے حکم اذاں" میں مصنف "انیلہ نکوی" اپنے بارے میں کیا کہتی ہیں،
"در دل" نبیلہ عزیز کا سلسلے وار ناول،
"دست کوزہ گر" فوزیہ یاسمین کا سلسلے وار ناول،
"نایاب ہیں ہم" شفق افتخار کا مکمل ناول،
"میں تنہا تم ساگر" فرح بخاری کا مکمل ناول،
"زخم تازہ کی رازداں بارش" رخسانہ نگار کا ناولٹ،
"وہ اک پری ہے" رخسانہ محمود خاری کا دلچسپ ناولٹ،
"یہ میری بھول تھی" فائزہ گل کا ناولٹ،
"اعتبار حاصل زیست" سیدہ نمک کا ناولٹ،
فرزانہ احمد ملک' حمیرا فرخ' انور' شمراوی عباس' نائلہ رزاق اور دیگر کے افسانے اور دلچسپ مستقل سلسلے
اس شمارے کے ساتھ کرن کتاب
کرن کتاب کرن کے ہر شمارے کے ساتھ علیحدہ سے مفت پیش خدمت ہے۔ استفادہ کیجئے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیونکہ یشا ان کی ادھوری بات کا مفہوم جاننے کے لیے نیم وا لب لیے ان کو تک رہی تھی۔

"جلدی کرو، کپڑے بدل کے آؤ۔ مجھے دو یہ لباس، ایک منٹ سے بھی پہلے۔ آئندہ میں تمہیں اس طرح کے حلیے میں نہ دیکھوں اور فوراً" اسے پیشتر اپنا منہ دھو کے آؤ۔"

اور جب تک یشا رگڑ رگڑ کے اپنے منہ سے وہ رنگ اتار کے آئی گرینی احاطے میں موجود اس لباس کو مٹی کا تیل چھڑک کے دیا سلائی دکھا چکی تھیں۔

وہ چپ چاپ سنجیدہ سی شکل بنا کے ان کے برابر کھڑی ہو گئی اور آگ کے لپکوں پہ نظر جمادی۔

مہر آپی اور زینی کے ساتھ بڑی شتابی سے اندر داخل ہوئی تھی۔ مگر احاطے کے عین وسط میں الاؤ دہکتا دیکھ کے وہیں تھم گئی اور سب سے پہلے یشا کو تیز نظر سے گھورا۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟"

"دیکھ رہی ہیں۔ رو رہی ہوں۔" "کیوں؟" زینی نے تنک کے پوچھا۔

"جتنا کام تمہاری ماں اسے سونپ کے گئی تھی اس کے بجائے تمہیں کرنا پڑتا تو تم بھی رو رہی ہوتیں۔"

اس بار جواب پر شکوہ خانم کی جانب سے آیا۔ جسے نظر انداز کرتے ہوئے مہر نے بدستور شک بھری نظریں یشا پہ جما کے پوچھا۔

"کام کیے بھی ہیں۔۔۔ یا؟"

"آپ جا کے چیک کر لیں۔ ایک ایک کام کر کے گئی تھی میں۔" بے ساختہ کہتے ہی اس نے زبان کی نوک دانتوں تلے دبالی۔

"کہاں؟ کہاں گئی تھیں تم؟"

"میرے ساتھ اسٹور روم کی صفائی کرنے گئی تھی اور اسے کہاں جانا تھا۔"

پر شکوہ خانم نے مہر کی تشفی کرائی۔ جو بہر حال ابھی نہ ہوئی تھی۔ کیونکہ وہاں سے سوال پہ سوال نشر ہونا تھا۔

"اور یہ کیا جلایا جا رہا ہے؟"

"بتایا تو ہے اسٹور روم کی صفائی کروائی ہے، کچھ فالتو سامان نکلوایا ہے وہ ضائع کر رہی ہوں۔"

"ماما نے اتنے فون کیے کوئی فون کیوں نہیں اٹھا رہا تھا۔"

"ہم اسٹور روم میں تھے۔ وہاں تک کیسے آواز جاتی۔"

"آخر یہ اسٹور روم میں رات کے وقت جانے کی کیا تک تھی۔" مہر خود بھی زچ ہو رہی تھی ان کو بھی کر رہی تھی۔

"تم تینوں ماں بیٹیوں کو سوال در سوال کرنے کے علاوہ کوئی کام نہیں ہے۔ میرا گھر ہے۔ میرا جب دل چاہے گا، جہاں چاہے گا، صفائی کراؤں گی، تمہیں خیال نہیں ہے ان سب باتوں کا تو کیا مجھے بھی نہیں ہو گا، خبردار جواب کوئی اور سوال کیا تو چلو یشا! مجھے اندر لے چلو۔ میں تھک گئی ہوں کام سے کم اور اس تفتیش سے زیادہ۔ تم بھی شام سے میرا سایہ بنی ہو۔ اب چل کے آرام کر لو۔"

یشا مسکین سی شکل بنائے ان کی وہیل چیئر اندر لے جانے لگی۔ مہر وہیں کھڑی ذرا غیر مطمئن سے انداز میں انہیں دیکھ رہی تھی۔

"مطلب وہ کوئی اور تھی جو ہمیں وہاں ملی؟ بس ذرا ذرا یشا جیسی تھی۔"

ایمی نے مشکے جیسا سر ہلایا اور زینی نے سوال کیا۔

"آپ کو کیا لگتا ہے ماما؟"

"مجھے نہ اس لڑکی پہ اعتبار ہے، نہ تمہاری گرینی پہ۔"

"تو آپ نے کچھ کہا کیوں نہیں؟"

"تمہاری گرینی سے کوئی بحث کر سکتا ہے بھلا اور میرے پاس ثبوت بھی تو نہیں ہے۔"

"میرا خیال ہے ماما۔ ہمیں ہی غلط فہمی ہوئی ہے، وہ وہاں ہوتی تو یہاں پہ سب کام کون کرتا۔ اور ہم سے پہلے وہ واپس کیسے پہنچتی۔" ایمی جلدی مطمئن ہونے والوں میں سے تھی۔

☆ ☆ ☆

دن میں جب ایمی اور زینی کالج میں تھیں۔۔۔ یشا اسی طرح دبے پاؤں وہ سب چیزیں رکھنے ان کے کمرے میں گئی۔۔۔ جیسے لینے گئی تھی۔

"یہ ایمی مولی کی پازیب۔۔۔ یہ زینی سڑیلی کا کلپ۔۔۔ یہ آئی لائنر۔"

الماری کھول کے دراز میں رکھتے ہوئے وہ احتیاطاً" مڑ مڑ کے ادھ کھلے دروازے کی جانب بھی دیکھ رہی تھی کہ مہر نہ آجائے۔

"اور یہ زینی کے بُندے "ارے" اس کے ساتھ کا دوسرا کہاں گیا۔"

بندے رکھتے ہوئے وہ چونکی۔۔۔ وہ بس ایک ہی تھا۔ سبز نگ والا چاندی کا بندا۔

"اوفوہ۔ شاید گرا آئی ہوں۔۔۔ مصیبت۔۔۔ چلو۔۔۔ یہ ایک ہی رکھ دیتی ہوں۔ وہ تو پتا نہیں اب کہاں ہو گا۔"

☆ ☆ ☆

مائر کی آنکھوں میں ابھی تک نیند کا خمار تھا۔ رات جھیل کے راستے سے واپس آنا اور خود کشتی چلا کے آنا اس کے لیے ایک نیا، مگر تھکا دینے والا تجربہ تھا۔ رات بہت دیر سے نیند آئی تھی۔ مگر کچی نیند جاگنے کے باوجود وہ خود کو بڑا ہشاش بشاش محسوس کر رہا تھا۔

فرانسیسی طرز کے بنے دریچے سے آتی نرم گرم شعاعوں نے اس کے سنہری گندم کے خوشوں کی رنگت والے چہرے پر ایک نکھار سا روشن کر دیا تھا۔ وہ ہونٹوں پہ ہلکی ہلکی محظوظ ہونے والی مسکراہٹ کے ساتھ باہر دیکھنے لگا۔ جہاں ٹیولپس روز قطار در قطار بہار دکھا رہے تھے۔ انگڑائی لیتے ہوئے وہ اٹھا تو کچھ ہلکا سا اس کے پیروں پہ دھم سے آن گرا۔ اس نے جھک کے دیکھا۔

وہی سبز نگ والا چاندی کا بندا تھا۔

وہ مسکرا دیا۔ اسے یشا کی باتیں نئے سرے سے یاد آنے لگیں۔

"ارے۔۔۔ ڈر گئے۔۔۔ اور مجھے لگا تم میرا ڈر دور کرو گے۔"

وہی بے ساختہ کھلکھلاہٹ۔

مائر نے بندا اٹھا کے اپنی ہتھیلی پہ رکھ لیا۔

"سب کہتے ہیں۔۔۔ میں بہت سویٹ اور کیوٹ ہوں؟" مائر کی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہوئی۔

"ضرور ہو گی۔۔۔ جس کی باتیں اتنی سویٹ اور کیوٹ ہیں، وہ خود کیسی ہو گی۔"

اس نے ذرا دیر کے لیے آنکھیں بند کر کے اسے تصور کرنا چاہا۔ مگر ایک بھی نقش واضح طور پہ ذہن میں نہیں ابھر رہا تھا۔ ایک تو رات کی سیاہی، دوسرا اس کا عجیب و غریب سوانگ۔

"مگر تم جو بھی تھیں۔۔۔ تھیں بہت دلچسپ اور صاف اور شفاف بھی، کیسے ڈھونڈوں تمہیں، کیا اس بُندے کے سہارے۔"

وہ ہتھیلی پہ رکھے بُندے کو تکنے لگا۔

اور دور کہیں جھیل کے اس پار کا ہی زندہ اینٹوں سے بنی خوردو جھاڑوں میں چھپی اس عمارت کے سب سے پچھلے کمرے میں کھڑی یشا دیوار پہ بنی اس پینٹنگ کو سحر کے عالم میں تک رہی تھی۔ جہاں ایک شہزادہ شیشے کی سینڈل ہاتھ میں لیے اپنی سینڈریلا کو ڈھونڈ رہا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے بہنوں کے لیے ایک اور ناول
کوئی ایسا اہل دل ہو
نبیلہ عزیز
قیمت۔۔۔ -/250 روپے
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37- اردو بازار، کراچی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

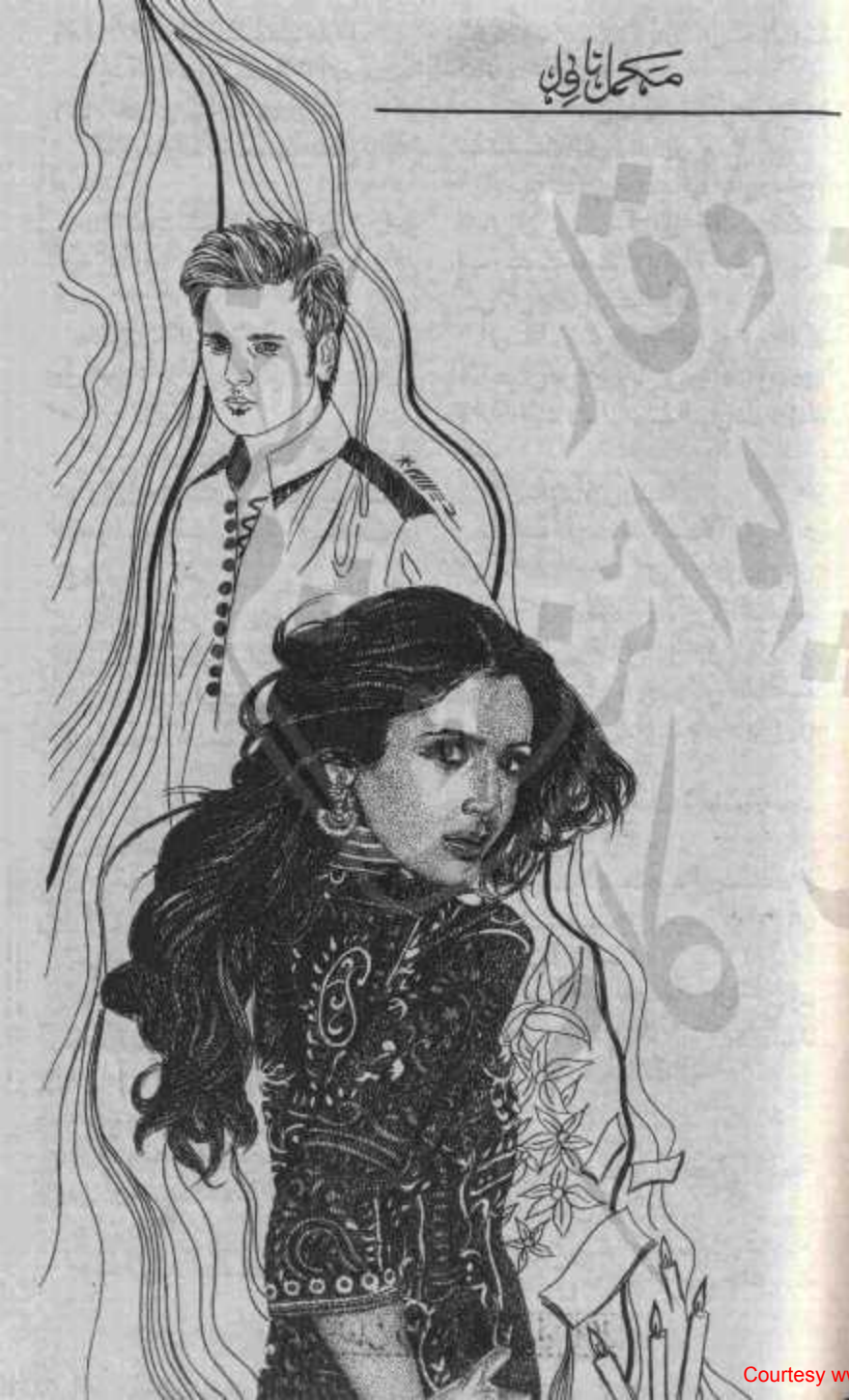

مکمل ناول

مریم عزیز

زندگی کی وہ گردش نہ تھی

"ایک تو میں اس لڑکی کی سونے کی عادت سے سخت پریشان ہوں۔ پتا نہیں کیسے اتنا سو لیتی ہے۔"

زاہدہ غصے سے بڑبڑاتی ہوئی اندر داخل ہوئیں تو اسائنمنٹ بناتی رمشا نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"کس کی بات کر رہی ہیں امی!"

"نمرہ کے علاوہ اور کون ہے اس گھر میں جسے سونے کے علاوہ اور کوئی کام نہیں۔"

رمشا ہنس پڑی۔ "کیا ہو گیا امی! بے چاری سوتی ہی تو ہے۔"

زاہدہ نے غصے سے اسے دیکھا۔ "جاؤ جا کر اسے اٹھاؤ، اس سے پہلے کہ میں اسے جوتیاں لگا کر اٹھاؤں۔"

ان کے دھمکی آمیز انداز پر وہ ابرو اچکاتی کھڑی ہو گئی۔ رمشا کمرے میں داخل ہوئی تو وہ گہری نیند میں تھی۔ اس کے دو، تین دفعہ آواز دینے پر بھی جب وہ ٹس سے مس نہ ہوئی تو رمشا نے اسے جھنجھوڑ ڈالا۔

"کیا ہوا؟" اس اچانک افتاد پر وہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھی۔

"ابھی تو کچھ نہیں ہوا، لیکن ابھی اگر تم نہ اٹھیں تو بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ چلو شاباش اٹھو۔ امی کا میٹر گھوم چکا ہے۔" رمشا نے اسے پچکارنے کے ساتھ اس کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہاتھ تھام کر اسے کھڑا ہونے کے لیے سہارا دیا۔
"ایک تو امی کو میری ہر بات پر اعتراض ہوتا ہے۔" بالوں کو کیچر میں سمیٹتے ہوئے وہ بڑبڑائی۔
"غلط امی کو صرف تمہارے زیادہ سونے پر اعتراض ہوتا ہے۔"
دروازے سے نکلتے نکلتے بھی رمشا کہنا نہیں بھولی تھی۔ نمرہ بھی برا سا منہ بنا کر اس کے پیچھے باہر نکل آئی۔
وہ لاؤنج میں داخل ہوئی تو پہلا سامنا زاہدہ کی گھورتی ہوئی نظروں کا کرنا پڑا۔ وہ خاموشی سے سامنے والے صوفے پر جا کر بیٹھ گئی۔
"تم نے دنیا میں کوئی کام کرنا ہے یا نہیں۔ حد ہوتی ہے کسی چیز کی۔ ہر وقت نیند۔ نیند میں نے تم سے کہا تھا سعدیہ آنے والی ہے' بریانی بنانی تھی۔ کچن کے اور کتنے کام ہیں' لیکن نہیں۔ تمہارے کان پر تو جوں ہی نہیں رینگتی۔" اور سر جھکائے نیند کو بھگاتی نمرہ نے سسرال کے خیال سے ہی جھرجھری لی تھی۔
"یہ جو تمہارے طریقے ہیں' آگے سسرال جا کر جوتیاں کھاؤ گی۔ لوگوں نے یہی کہنا ہے ماں نے کچھ نہیں سکھایا۔"
"چلو' ابھی منگنی تک ہوئی نہیں۔ امی نے نہ صرف مجھے سسرال بھیج دیا' بلکہ جوتیاں بھی لگوا دیں۔" وہ تصور میں خود کو سسرال کی جوتیاں کھاتے دیکھنے لگی۔
"اب یوں ٹکر ٹکر میرا منہ کیوں دیکھ رہی ہو۔ بنا لو کچھ کھانے کو۔ پتا بھی ہے اپنے بہنوئی کی عادت کا پھر بھی۔ اور ہاں۔" اسے اٹھتا دیکھ کر وہ بولیں۔ "منہ پر پانی ڈال لو تاکہ تھوڑا ہوش آئے۔" اب کے وہ تیزی سے لاؤنج سے باہر نکلی تھی۔
بریانی کو دم دے کر وہ فریج سے سلاد کے لیے چیزیں نکال رہی تھی۔ جب رمشا اندر داخل ہوئی۔
"ہو گئی تیاری؟"
نمرہ نے فریج بند کر کے غصے سے اسے دیکھا۔
"ہاں ہو گئی۔ تم یہ دیکھنے آئی ہو؟" اس کے جلے ہوئے انداز پر رمشا کی ہنسی نکل گئی۔
"نہیں۔ تمہاری ہیلپ کرنے آئی ہوں۔" نمرہ نے چڑنے کے انداز میں ٹرے شلف پر رکھی تھی۔
"جب سب کام ہو جاتا ہے تب آ جاتی ہو۔ کسی کو احساس ہی نہیں میرا۔ کام والی سمجھا ہوا ہے مجھے۔ اب تو مجھے لگنے لگا ہے' میں امی کی سگی بیٹی نہیں۔ پتا نہیں ترس کھا کر کہاں سے اٹھایا تھا۔"
اس کے اتنے دکھی بیان پر بھی پاس کھڑی رمشا کے تاثرات میں کوئی تغیر رونما نہیں ہوا تھا۔ اپنی بات کا خاطر خواہ اثر نہ دیکھ کر نمرہ نے افسوس سے رمشا کو دیکھا۔
"میں نے کچھ بکواس کی ہے؟"
رمشا نے تسلی سے شامی کباب کا آخری ٹکڑا منہ میں رکھ کر اسے دیکھا۔ "سن لی تمہاری بکواس اور تمہیں کچھ سمجھانے کا فائدہ تو ہے نہیں' کیونکہ ہر دفعہ کھانا پکانے کے بعد تمہاری اس قسم کی جذباتی تقریر سننے کی میں عادی ہو چکی ہوں اور یہ ترس کھا کر اٹھائے جانے والی بات ذرا امی کے سامنے جا کر کہو' بتائیں گی تمہیں۔"
رمشا کی دھمکی کا ٹھیک ٹھاک اثر ہوا۔ وہ برا سا منہ بنا کر دوبارہ کام میں لگ گئی تھی۔
"کباب بڑے اچھے بنے ہیں۔" پلیٹ سے دوسرا کباب اٹھاتے ہوئے رمشا چڑانے والے انداز میں بولی تو نمرہ تڑپ کر مڑی۔
"اللہ کرے تم یہ کباب کھا کر موٹی بھینس بن جاؤ۔" اس کے کوسنے پر رمشا قہقہہ لگا کر باہر نکل گئی جبکہ وہ سارا غصہ برتنوں پر نکالنے لگی۔

☆ ☆ ☆

"اوہ! تو بڑے بڑے لوگوں کو وقت مل گیا کہ وہ ہم غریب لوگوں سے مل لیں۔"
جوں ہی اس نے ڈائننگ روم میں قدم رکھا' ظرافت بھائی کی طنزیہ آواز اس کی سماعتوں سے

ٹکرائی۔ اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا لیکن اس کے باوجود وہ ایک جبری مسکراہٹ ہونٹوں پر لے آئی۔
"ایسی بات نہیں ظرافت بھائی! کام کی وجہ سے حلیہ خراب ہو رہا تھا۔ بس چینج کرنے گئی تھی۔"
"تو تمہارے کہنے کا مطلب ہے ہماری وجہ سے تم سارا دن کچن میں مصروف رہیں۔ بھئی اتنی مصیبت تھی تو بتا دیتیں۔ ہم آتے ہی نہیں۔"
نمرہ نے بے بسی سے اپنی ماں کو دیکھا' جنہوں نے آنکھ کے اشارے سے اسے بولنے سے منع کر دیا تھا۔
"ظرافت بیٹا! اتنی تھوڑی بریانی ڈالی ہے تم نے اور لو نا۔ اور یہ کباب لو۔"
زاہدہ کے کہنے پر نمرہ نے ان کی پلیٹ کا جائزہ لیا۔ جہاں پہلے سے چاول اور چکن کا پہاڑ بنا تھا۔ وہ گہرا سانس لے کر کرسی پر بیٹھ گئی اور مسکرا کر اپنی بہن کو دیکھا۔ جس کے چہرے پر حسبِ معمول ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ پھر اس نے نظریں رمشا کی طرف گھمائیں' جس کے ماتھے کے بل وہ با آسانی دیکھ سکتی تھی' وہ جانتی تھی' وہ کتنے ضبط سے بیٹھی ہے۔
"اور آنٹی جی! ہمارے سالے صاحب اور ان کی زوجہ محترمہ نظر نہیں آ رہیں۔" جب کافی دیر تک کوئی بات ان کی گرفت میں نہیں آئی تو انہوں نے نیا نکتہ اعتراض نکال لیا۔
"بیٹا! وسیم دلہن کے ساتھ اس کے میکے گیا ہوا ہے۔"
ظرافت بھائی کا ایک قہقہہ گونجا تھا۔ رمشا نے ناگواری سے انہیں دیکھا۔
"جب بھی آؤ' وسیم صاحب وہیں پائے جاتے ہیں۔ کہیں گھر داماد بننے کی تیاری تو نہیں ہو رہی۔"
اپنے گھٹیا مذاق سے وہ خود ہی محظوظ ہو کر ہنس رہے تھے۔ جبکہ باقی افراد بالکل خاموش تھے۔
"رمشا بیٹا! آئس کریم لے آؤ۔" زاہدہ کب سے رمشا کو دیکھ رہی تھیں اور جانتی تھیں' کسی بھی وقت اس کا ضبط جواب دے سکتا ہے۔ اس لیے انہوں نے اسے اٹھا دیا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ خود بھی اس کے پیچھے آئی تھیں۔ وہ کرسٹل باؤل پٹخنے کے انداز میں ٹرے میں رکھ رہی تھی۔ رمشا نے ایک ناراض نظر ان پر ڈالی۔ اس سے پہلے وہ اسے کچھ کہتیں' گھبرائی ہوئی سعدیہ اندر داخل ہوئی تھی۔
"امی! جب وسیم کو پتا تھا میں اور ظرافت آ رہے ہیں تو کیا ضرورت تھی اسے رخسانہ کو لے کر جانے کی۔ ایک دن صبر نہیں ہو سکتا تھا اس سے۔ اب گھر جا کر ان کی طنزیہ گفتگو شروع ہو جائے گی اور ساتھ ان کی بہنیں بھی شروع ہو جاتی ہیں۔" آخر میں وہ روہانسی ہو گئی تھی۔
رمشا نے غصے سے سعدیہ کو دیکھا۔
"آپا! جب تمہیں پتا ہے تمہارے سر تاج کا مذاق اتنا شاہانہ ہے تو کیوں اسے لے کر یہاں آتی ہو۔"
"دیکھ رہی ہیں امی! اب شادی ہو جانے کا مطلب یہ تو نہیں کہ اس گھر پر میرا حق ختم ہو گیا۔ یہاں نہ

خواتین کے لیے خوبصورت تحفہ
خواتین کا کمپلیٹ انسائیکلوپیڈیا
کا نیا ایڈیشن قیمت -/750 روپے
کے ساتھ کھانا پکانے کی کتاب
کھانا خزانہ
قیمت -/250 روپے بالکل مفت حاصل کریں۔
آج ہی -/800 روپے کا منی آرڈر ارسال فرمائیں۔
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی
فون نمبر: 32216361

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اوں تو کہاں جاؤں؟" سعدیہ تڑپ کر بولی۔
"رمشا! تم چپ رہو۔" زاہدہ نے غصے سے رمشا کو دیکھا۔ "بڑی بہن ہے تمہاری۔"
"پتا ہے مجھے، پر آپ انہیں کیوں نہیں سمجھاتیں کہ دنیا میں سارے مسئلے صرف ان کے ساتھ نہیں۔ ہم بھی اسی دنیا میں رہتے ہیں۔ ہمارے ساتھ بھی سو مسائل ہیں۔" کہہ کر وہ رکی نہیں تھی۔
جبکہ سعدیہ کے آنسوؤں میں روانی آگئی تھی۔
"اسے میرا یہاں آنا برا لگتا ہے تو میں آئندہ نہیں آؤں گی۔"
"ارے!" زاہدہ نے اسے گلے لگالیا۔ کیوں نہیں آؤ گی۔ تمہارے باپ کا گھر ہے۔ تمہاری ماں ابھی زندہ ہے اور رمشا کی باتوں کو دل پر مت لیا کرو۔ وہ تم سے بہت پیار کرتی ہے۔ تمہیں پریشان دیکھتی ہے تو بس ایسے بول جاتی ہے۔ ورنہ تم سے بہت پیار کرتی ہے۔" وہ اسے ساتھ لگائے تسلیاں دینے لگیں۔

☼ ☼ ☼

برتن دھو کر جب وہ کمرے میں آئی تو اس کا خیال تھا، نمو سو گئی ہوگی، لیکن اسے جاگتے دیکھ کر وہ حیران ہوئی۔
"تم سوئیں نہیں؟"
"نہیں، کچھ سوچ رہی تھی۔" نمو نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔
"سعدیہ باجی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ شادی سے پہلے وہ کتنی بولڈ اور باتونی ہوا کرتی تھیں۔ کتنی رونق ہوتی تھی ہمارے گھر میں ان کی وجہ سے۔ اب تو میں جب بھی انہیں دیکھتی ہوں، وہ والی سعدیہ باجی لگتی ہی نہیں۔ ان کے چہرے پر جو مسکراہٹ ہوتی ہے، وہ بھی اجنبی لگتی ہے اور وہ ظرافت بھائی۔" اس نے منہ بنایا۔ "ان کا صرف نام ہی ظرافت ہے۔ ورنہ جتنی ان میں کڑواہٹ ہے۔ کریلا بھی ان سے بہتر ہوگا۔"
سنجیدگی سے اس کی باتیں سنتی رمشا اس کی مثال پر مسکرادی تھی۔ نمو نے ناراضی سے اسے دیکھا۔
"اس میں ہنسنے والی کیا بات ہے۔ میں سچ کہہ رہی ہوں۔ تم نے کبھی ان کا ایک ایسا جملہ سنا جس میں طنز نہ ہو۔ سعدیہ باجی بے چاری اسی لیے ایسی ہوگئی ہیں۔ کبھی کبھی تو مجھے ڈر لگتا ہے کہیں امی ہمارے لیے بھی ظرافت بھائی جیسا نمونہ نہ پسند کرلیں۔"
اب کی بار رمشا کھلکھلا کر ہنس پڑی۔
"تم سے تو بات کرنا فضول ہے۔ میرا ہی دماغ خراب ہے۔" نمو نے غصے سے اس کی طرف کروٹ بدل لی۔
"بے وقوفوں کی طرح مت سوچا کرو۔" کچھ دیر بعد اس نے رمشا کی سنجیدہ آواز سنی۔
"امی ہماری دشمن نہیں جو ایسا سوچیں گی۔ سعدیہ باجی کے لیے انہوں نے اچھا ہی سوچا تھا۔ امی کو کیا پتا تھا کہ ظرافت بھائی کا مزاج ایسا ہے۔ ماں باپ اولاد کے لیے سب کچھ کرتے ہیں۔ صرف قسمت نہیں بدل سکتے اور مجھے تو کبھی کبھی سعدیہ باجی پر بہت غصہ آتا ہے۔ اتنے بھی جابر اور ہلاکو ٹائپ نہیں ظرافت بھائی اور نہ ڈریکولا کے خاندان سے تعلق ہے ان کی نندوں کا۔ میں ان کی جگہ ہوتی تو کب کا ان کی نندوں کو ٹھیک کرچکی ہوتی۔ بجائے اس کے کہ وہ اپنا مسئلہ خود حل کریں، یہاں آکر امی کو اپنے دکھڑے سنا کر اور پریشان کرجاتی ہیں اور تم صرف سعدیہ باجی اور ظرافت بھائی کے بارے میں سوچتی ہو، جبکہ میں بھابھی اور بھائی کے بارے میں بھی سوچتی ہوں۔ ایک ہی تو ہمارا بھائی ہے۔ اس کی شادی کے حوالے سے کتنے ارمان تھے اور سب ارمانوں پر پانی پھیر کر رکھ دیا ہمارے بھائی نے۔ خود ہی شادی کرلی۔ یہاں تک بھی ٹھیک تھا۔ زندگی انہوں نے گزارنی ہے، جیسی ان کی خوشی، لیکن جس کو وہ اس گھر میں لے کر آئے ہیں، کم از کم اس کو یہ تو بتادیں، یہ میری ماں ہے، کتنی مشکل سے اس نے ہمیں پالا ہے۔ ان کی عزت تو کروا سکتے ہیں۔ جب سے شادی ہوئی ہے، کتنا عرصہ یہاں پر رہی ہیں۔ نہ خود رہتی ہیں اور نہ بھائی کو رہنے دیتی ہیں۔ اوپر سے ان کے رشتے دار۔ بے انتہا برے لگتے ہیں مجھے۔ لگتا ہی

نہیں ہے کسی شریف خاندان سے ان کا تعلق ہوگا۔"
رمشا کے کڑوے لہجے پر نمو نے بھی برا سا منہ بنایا۔ بھابھی کے گھر والے اسے بھی اچھے نہیں لگتے تھے۔ خاص طور پر ان کا بھائی۔ عجیب گھٹیا انداز تھا اس کا دیکھنے کا اور گفتگو بھی اتنی ہی فضول کرتا تھا۔
"چلو اب سو جاؤ، تم نے تو صبح کالج جانا نہیں، پر مجھے جانا ہے۔" رمشا نے کہنے کے ساتھ لائٹ آف کردی اور اس کے قریب آکر لیٹ گئی۔

☼ ☼ ☼

"نمرہ!" وہ دھلے ہوئے کپڑوں کی ٹوکری لیے چھت پر جارہی تھی، جب رخسانہ کی آواز پر رک گئی۔ "ذرا دو گلاس جوس تو میرے کمرے میں دے جانا۔"
رخسانہ کے آرڈر پر اس نے — اپنے ہاتھ میں تھامی ٹوکری کو دیکھا اور گہری سانس لے کر ٹوکری زمین پر رکھ دی اور کچن کی طرف آگئی۔
"دو قدم کے فاصلے پر کچن ہے، لیکن مجال ہے، جو قدموں کو تھوڑی سی زحمت بھی دے دی جائے۔"
ٹرے میں گلاس رکھتے ہوئے وہ مسلسل بڑبڑا رہی تھی اور جب دستک دے کر وہ اندر داخل ہوئی تو سامنے بیڈ پر نیم دراز بھابھی کے بھائی کو دیکھ کر اس کا دل چاہا کہ کاش! اس کو چھو منتر آتا اور وہ پلک جھپکتے میں غائب ہوجاتی۔
اس پر نظر پڑتے ہی وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور جس طرح اس کو دیکھ کر مسکرایا، نمو کا دل چاہا اسے جلا کر خاکستر کردے۔ وہ ٹرے ٹیبل پر رکھ کر مڑنے لگی تھی۔ جب اس نے اسے کہتے ہوئے سنا تھا۔
"رخسانہ! تمہارے سسرال میں گھر آئے مہمان کو سلام کرنے کا رواج نہیں ہے۔"
نمو کی مٹھیاں بھنچ گئی تھیں۔ جانتی تھی کسے سنایا جارہا ہے۔ وہ نظر انداز کرکے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔
"ابھی دور سے آیا ہوں۔ خالی جوس پر ہی ٹرخادو گی۔ کچھ کھانے کو بھی منگوالو۔"
"نمرہ! ذرا چائے کے ساتھ کباب اور رول بھی لے آنا۔"
نمو تلملاتی ہوئی باہر آگئی۔
رخسانہ پتا نہیں زوار کو کون سے قصے سنا رہی تھی، لیکن اس کی پُرسوچ نظریں دروازے پر جمی تھیں، جہاں سے وہ گئی تھی اور جہاں سے ابھی اسے آنا تھا۔
"تمہاری ساس اور تمہاری وہ دوسری خونخوار نند کہاں ہیں؟"
اپنی رام کہانی کے جواب میں یہ سوال سن کر وہ بدمزا تو ضرور ہوئی تھی، لیکن کہا کچھ نہیں۔
"رمشا تو کالج گئی ہے اور ساس صاحبہ گئی ہیں کسی کی مزاج پرسی کرنے۔" اس نے کافی بے زاری سے ان کا ذکر کیا۔
"ہوں۔" اس نے ہنکارا بھرا، جوس کا آخری گھونٹ لے کر گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور کھڑا ہوگیا۔
"تم کہاں جارہے ہو؟" رخسانہ نے قدرے حیرت سے اسے دیکھا۔
"ایسے ہی سوچ رہا ہوں۔ گھر کا چکر لگالوں۔"
رخسانہ کے ماتھے پر بل پڑ گئے تھے۔
"آرام سے بیٹھ جاؤ زوار!"
"کیوں؟"
"کیوں کیا میں جانتی نہیں کیا کہ تم چکر لگانے جارہے ہو یا چکر چلانے۔"
وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ "جب جانتی ہو تو روک کیوں رہی ہو۔"
"اس لیے کہ تم اس وقت وسیم کے گھر میں ہو اور وہ وسیم کی بہن ہے۔ اگر وسیم کو پتا چل گیا نا۔" اس نے آگے بات ادھوری چھوڑ دی۔
"وہ! میں ڈر گیا۔" اس نے ڈرنے کی ایکٹنگ کی تو رخسانہ نے ناگواری سے اسے دیکھا۔
"یہ تم وسیم کی دھمکی اسے دینا جو وسیم کو نہ جانتا ہو اور وسیم تمہارا کیا کرلے گا۔ کاٹھ کا الو بنایا ہوا ہے تم نے، جو کہتی ہو، آنکھ بند کرکے یقین کرلیتا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم اس کی بہن کو تنگ کرو۔"

"تنگ کہاں کر رہا ہوں۔" وہ اپنے گلے میں پڑی چین کو گھماتے ہوئے بولا۔

"تو؟" رخسانہ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"دل آگیا ہے اس پر۔" رخسانہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑی تھی۔ زوار نے غصے سے اسے دیکھا۔

"ہنسنے والی کیا بات ہے؟"

"تمہارا دل تو ہر دوسرے دن کسی نہ کسی پر آرہا ہوتا ہے۔"

"ہاں! لیکن اس سے میں نے شادی کرنے کا سوچا ہے۔"

"کیا؟" اب کی بار رخسانہ کو صحیح معنوں میں جھٹکا لگا تھا۔ "دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا۔" رخسانہ ایک دم بیٹھے سے کھڑے ہو گئی تھی۔

"بالکل ٹھیک ہے اور بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے اور تم میری مدد کرو گی یہ شادی کروانے میں۔"

"میں!" رخسانہ نے اپنے سینے پر انگلی رکھ کر کہا۔ "کوئی نہیں مانے گا۔ اس گھر کے لوگ مجھے پسند نہیں کرتے اور تمہاری ریپوٹیشن بھی خیر سے کافی اچھی ہے۔" وہ طنزیہ انداز میں اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"اسی لیے تو تم سے کہہ رہا ہوں، تم تو اگر وسیم کو مناؤ گی تو آدھے سے زیادہ مسئلہ تو یہیں حل ہو جائے گا۔ اور اس کے گھر والے اس کی بات نہ مان کے جائیں گے کہاں۔"

رخسانہ نے گہری سانس لی جس کا مطلب تھا وہ قائل ہو گئی ہے۔

"پر تمہیں اس میں نظر کیا آیا ہے، جو ساری دنیا کی لڑکیاں چھوڑ کر تم اس سے شادی کرنے کو تیار ہو گئے ہو۔"

"پیورٹی! خالص پن ہے اس کی ذات میں۔ بڑی معصوم سی ہے اور میرے جیسے بندے کے لیے ایسی ہی لڑکی چاہیے۔ جو مجھ سے میرے دن رات کا، میرے کام کا حساب نہ مانگے۔ میں بے شک باہر دس لڑکیوں کے ساتھ راہ و رسم رکھوں، لیکن وہ بس میرے لیے ہو۔"

رخسانہ نے تالی بجا کر داد دی۔

"کیا سوچ ہے، تو سوچو سے کھا کر بلی حج کو چلی۔ کیا تمہیں لگتا ہے تم جیسے کریکٹر لیس انسان کو اتنی نیک شریف لڑکی مل سکتی ہے؟" زوار کے جبڑے بھنچ گئے تھے۔ پھر جیسے غصے پر قابو پا کر وہ مسکرایا۔

"جب تمہارے جیسی پچاس برائے فرینڈز رکھنے والی کو وسیم جیسا شوہر مل سکتا ہے تو مجھے نمرہ جیسی بیوی کیوں نہیں۔"

"زوار!"

رخسانہ غصے کے مارے چیخ پڑی تھی۔

"ریلیکس مائی ڈیئر سسٹر! جیسا کہو گی ویسا سنو گی۔ آخر کو میں تمہارا ہی بھائی ہوں۔"

اس سے پہلے وہ کوئی جواب دیتی نمرہ ٹرالی گھسیٹتے ہوئے اندر داخل ہوئی۔ ٹرالی رکھ کر وہ ایک سیکنڈ کا انتظار کیے بغیر واپس مڑ گئی۔ مبادا کچھ اور نہ فرمائش کر دی جائے اور پھر تب تک باہر نہیں نکلی، جب تک وہ چلا نہیں گیا اور زاہدہ گھر واپس نہیں آگئیں۔

☼ ☼ ☼

"خدا کا واسطہ ہے نمرہ اب آبھی جاؤ اور کتنا تیار ہو گی۔ ہم اسپتال جا رہے ہیں، کسی فنکشن میں نہیں۔" اسے مسلسل آدھے گھنٹے سے آئینے کے آگے کھڑے دیکھ کر رمشا اکتا کر بولی۔ نمرہ کنگھی رکھ کر اس کی طرف مڑی۔

"پتا ہے مجھے کہ ہم اسپتال جا رہے ہیں، لیکن کتنی بڑی خوشی کے لیے جا رہے ہیں۔ یہ تمہیں پتا ہے؟ ہم اپنے بھانجے کو دیکھنے جا رہے ہیں۔" اس کی خوشی دیکھ کر رمشا مسکرا دی۔

"وسیم بھائی ابھی تک نہیں آئے۔" رمشا نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ تب ہی باہر بیل بجی تھی۔

"آگئے بھائی!" نمرہ دوڑ کر باہر کی طرف بڑھی تھی۔ رمشا نے سب دروازے لاک کیے اور جب وہ لاؤنج کا دروازہ بند کر کے برآمدے میں آئی تو نمرہ کے ساتھ کھڑے نبیل کو دیکھ کر اس کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ اس کے مسلسل دیکھنے پر اسے سلام کرنا پڑا تھا۔ لیکن اس کے روکھے انداز کے باوجود کافی پرجوش انداز میں اس کے سلام کا جواب دے کر وہ باہر نکل گیا تھا۔ نمرہ بھی اس کے پیچھے بڑھی تھی، جب اس نے نمرہ کا دوپٹا کھینچ کر اسے روکا تھا۔

"اسے کس نے بلایا ہے؟"

"امی نے بھیجا ہے انہیں۔"

"امی کو کوئی اور نہیں ملا تھا۔" اب کے وہ غصے سے بولی۔

"وہ ہمارے نوکر نہیں ہیں۔ شکر کرو آگئے ہیں۔" رمشا کے غصیلے انداز پر وہ جتاتے ہوئے بولی۔

"ویسے تمہیں پرابلم کیا ہے نبیل بھائی سے۔ اتنے اچھے تو ہیں۔" رمشا نے کھا جانے والی نظروں سے نمرہ کو دیکھا۔

"اس کے برے ہونے کے لیے یہ حوالہ کافی نہیں کہ وہ ظرافت بھائی کا بھائی ہے۔"

نمرہ نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا جب رمشا نے اسے ٹوک دیا۔

"تم پلیز اپنی چونچ بند ہی رکھو۔ پہلے ہی میرا موڈ آف ہو گیا ہے۔"

نمرہ برا سا منہ بنا کر گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔ جہاں نبیل کار کا اگلا دروازہ کھولے ان کا منتظر تھا۔ نمرہ جانتی تھی، یہ دروازہ کس کے لیے کھولا گیا ہے اور وہ یہ بھی جانتی تھی، رمشا کبھی نہیں بیٹھے گی۔

اس سے پہلے کہ رمشا کوئی سخت بات کہہ کر ماحول کو خراب کرتی، وہ اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ نبیل نے ایک خاموش نظر پیچھے رمشا پر ڈالی اور ڈرائیونگ سیٹ پر آکر بیٹھ گیا۔ سارا راستہ خاموشی سے کٹا تھا۔

جب وہ اسپتال پہنچے تو وہاں زاہدہ کے علاوہ ظرافت بھائی، ان کی والدہ اور دونوں بہنیں بھی موجود تھیں۔ سب کو سلام کر کے وہ دونوں سعدیہ کے پاس لیٹے بچے کی طرف آگئیں۔

"کتنا پیارا ہے۔ بالکل مجھ پر گیا ہے۔" رمشا نے فوراً اسے گود میں اٹھا لیا۔

"تم پر گیا ہوتا تو پیارا نہ ہوتا۔" نمرہ نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

تب ہی زاہدہ اس کے قریب آکر سرگوشی میں بولیں۔

"وسیم کو فون کیا تھا؟"

"میں نے فون کیا تھا۔ بھائی کہہ رہے تھے بھابھی کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ وہ شام کو آئیں گے۔" نمرہ کے جواب پر زاہدہ کے چہرے پر پریشانی جھلکنے لگی۔

"تم کہاں چلے گئے تھے؟" سعدیہ کی ساس کی تیز آواز پر تینوں مڑ کر پیچھے دیکھنے لگے، جہاں نبیل کھڑا تھا۔

"نبیل کو میں نے ہی بھیجا تھا بچیوں کو لانے کے لیے۔" زاہدہ نے کچھ شرمندہ ہو کر وضاحت دی۔

"تمہیں پتا نہیں تھا، بہنوں نے گھر جانا تھا۔"

"میں آگیا ہوں نا، اس میں اتنا شور کرنے والی کیا بات ہے۔" جواباً وہ اکھڑے ہوئے لہجے میں بولا تو کمرے میں محسوس کی جانے والی خاموشی چھا گئی۔

"نبیل بھائی! آپ نے دیکھا اپنا بھتیجا، کتنا پیارا ہے۔"

ماحول کے تناؤ کو کم کرنے کے لیے نمرہ نے ہشاش لہجے میں نبیل کو مخاطب کیا۔ تو وہ مسکراتا ہوا رمشا کے پہلو میں آکر کھڑا ہو گیا، جو بچے کو اٹھائے کھڑی تھی۔ اس کے یوں قریب کھڑے ہونے پر اس نے جز بز ہو کر نمرہ کو دیکھا، جس کے چہرے پر دبی دبی سی مسکراہٹ تھی۔ نبیل کی بہنوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو اشارہ کیا تھا۔ رمشا کی غیر ارادی نظر ان پر پڑی تھی اس نے تیزی سے بچے کو نمرہ کی گود میں دیا اور خود سعدیہ کے قریب جا کر بیٹھ گئی۔

کچھ دیر بعد جب نبیل اپنی بہنوں کو لے کر چلا گیا تو اس کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑے۔

☼ ☼ ☼

وہ سڑک کے کنارے یوں کھڑی تھی، جیسے بصارت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے محروم ہو۔ اس وقت اسے نہ دکھائی دے رہا تھا نہ سنائی دے رہا تھا۔ اس کے قریب گاڑی کا ہارن بجا تو وہ چونک کر حواسوں میں آئی۔ اردگرد نظر ڈالنے پر اسے احساس ہوا' کئی لوگ اس کی طرف متوجہ ہیں۔ وہ جلدی سے سڑک پار کرنے لگی' جب ایک گاڑی بڑی تیزی سے اس کی طرف بڑھی۔ اس کے حواس اتنے منتشر تھے کہ وہ نہ آگے جاسکی اور نہ پیچھے مڑسکی۔ اگر کار ڈرائیور بروقت گاڑی نہ روکتا تو وہ اس وقت اوپر پہنچی ہوتی۔

"محترمہ! دماغ خراب ہے آپ کا۔ خودکشی کے لیے آپ کو میری ہی گاڑی ملی تھی۔"

وہ جو کوئی بھی تھا' گاڑی کی کھڑکی سے سر نکال کر اس پر برس رہا تھا اور وہ بند آنکھوں کے ساتھ خود کو یہ یقین دلانے میں مصروف تھی کہ وہ زندہ ہے۔

"بیٹا! آپ ٹھیک ہو' چوٹ تو نہیں آئی آپ کو؟" ایک شفیق آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تو اس نے جھٹکے سے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ جیسی شفیق آواز تھی' ویسا ہی شفیق چہرہ اس کے سامنے تھا۔

"چوٹ آئی ہے بیٹا؟" اب کے انہوں نے پریشانی سے اس کی آنکھوں کے آنسو دیکھے۔

نمو کا سر بے ساختہ نفی میں ہلا۔

"پھر ایسے کیوں رو رہی ہو؟" نمو ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا بتائے یا نہیں۔

"بولو بیٹا! شاید میں تمہاری کوئی مدد کرسکوں۔" عام حالات میں شاید وہ کبھی یہ بات نہ کرتی' لیکن اس وقت وہ اتنی پریشان تھی کہ اپنا پرسنل میٹر ان سے ڈسکس کرنے لگی تھی۔

"وہ آنٹی! میری سسر یہاں سامنے والے اسپتال میں ایڈمٹ ہیں۔ میں ان کی میڈیسن لینے آئی تھی۔ میرے سویٹر کی جیب میں پانچ ہزار کا نوٹ تھا۔ دکان پر جاکر نکالنے لگی تو نوٹ غائب تھا۔" آخر میں پھر اس کی آواز بھرا گئی۔

"اوہ!" انہوں نے سن کر افسوس کا اظہار کیا۔

اس سے پہلے وہ مزید کچھ کہتیں' گاڑی کا ہارن بجا تھا۔ ان دونوں نے مڑ کر گاڑی کی طرف دیکھا۔ وہ لڑکا جو کچھ دیر پہلے اس پر چلا رہا تھا' اب غصے سے ہارن دے رہا تھا۔ سامنے کھڑی عورت نے جلدی سے اپنے کندھے سے لٹکے بیگ کی زپ کھولی اور اس میں ہزار ہزار کے نوٹ نکالے اور گن کر اس کی طرف بڑھائے۔ اب حیران ہونے کی باری نمو کی تھی۔ اس کے ہاتھ بڑے بے ساختہ انداز میں پیچھے کی طرف گھومے تھے۔

"رکھ لو بیٹا! تمہارے پاس جب ہوں مجھے واپس کردینا۔"

"لیکن آنٹی! میں یہ کیسے لے سکتی ہوں۔ آپ مجھے جانتی نہیں اور نہ میں۔" وہ اتنی مہربانی پر بوکھلا کر رہ گئی تھی۔

"میں جانتی ہوں تم کیا کہنا چاہتی ہو۔ یہ میرا نمبر ہے' جب دل چاہے واپس کردینا۔"

زبردستی نوٹ اس کے ہاتھ میں تھما کر اس کا گال تھپتھپا کر گاڑی میں بیٹھ گئیں۔ وہ وہیں پتھر بنی کھڑی رہ گئی۔ ہوش تب آیا' جب گاڑی زن سے اس کے قریب سے گزر گئی۔

☆ ☆ ☆

رمشا غصے سے اسے گھور رہی تھی اور وہ نظریں چراتے ہوئے کبھی دائیں طرف اور کبھی بائیں طرف دیکھ رہی تھی۔

"تم اس وقت ہوش میں تو تھیں ہے؟ کسی بھی راہ چلتے نے اگر تمہیں پیسے پکڑا دیے اور تم نے پکڑ لیے۔ فقیرنی ہو تم؟" رمشا کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کے منہ پر تھپڑ لگادے۔

"میں کیا کرتی رمشا! مجھے اس وقت کچھ سمجھ میں ہی نہیں آرہا تھا۔ وہ پانچ ہزار روپے مجھے شرافت بھائی نے دیے تھے۔ اگر میں جاکر کہتی کہ مجھ سے گم ہوگئے ہیں تو تمہیں کیا لگتا ہے' وہ میرا یقین کرتے؟ الٹا انہوں نے میرے ساتھ ساتھ سعدیہ باجی کی بھی بے عزتی کردینی تھی۔"

"وہ سب تو ٹھیک ہے' مگر تم مجھے یہ بتاؤ۔ تم نے جو کیا' وہ ٹھیک ہے۔ آج کل کوئی زمانہ ہے کسی پر یقین کرنے کا۔ اف! مجھے تو یہ سوچ کر شرمندگی ہو رہی ہے کہ تم نے ایک غیر عورت کو اپنی دکھی داستان سنا کر پیسے لے لیے۔ یہ بات میں امی کو بتاؤں تو ابھی تمہیں دس جوتیاں لگا کر ایک گنیں گی۔" نمو نے برا سا منہ بنایا۔

"تمہیں یہ سب اس لیے نہیں بتایا کہ تم لیکچر دینا شروع کردو۔" وہ گود میں رکھا کشن قالین پر پٹخ کر باہر نکل گئی۔ جبکہ رمشا نے بے اختیار اپنا ماتھا پیٹ ڈالا۔

☆ ☆ ☆

چوتھی دفعہ جب اس نے ریسیور واپس کریڈل پر رکھا تو رمشا کا ضبط جواب دے گیا۔

"تمہیں آخر تکلیف کیا ہے نمو! یہ چوتھی دفعہ ہے' جب تم نے آدھا نمبر ملا کر فون بند کردیا ہے۔"

نمو نے بے بسی سے اس کی شکل دیکھی۔ "میری سمجھ میں نہیں آرہا کیا بات کروں۔ مجھے تو ان کا نام بھی نہیں پتا۔" رمشا نے گہری سانس لے کر اسے دیکھا۔

"کبھی کبھی مجھے تم پر ترس آتا ہے نمو! کیا بنے گا تمہارا۔ امی ٹھیک کہتی ہیں۔ سسرال میں خوب نام روشن کروگی ہمارا۔"

"تم پھر شروع ہوگئیں۔ لیکچر دینا' باتیں کرنا آسان ہے' تم کرلو بات۔"

"میں کیوں کروں' میں نے لیے تھے پیسے؟" رمشا چمک کر بولی۔

"رمشا! ایسا کرتی ہوں' پیسے واپس ہی نہیں کرتی۔ انہیں کیا پتا میں کون ہوں' میرے پانچ ہزار بھی بچ جائیں گے۔" اس نے بچوں کی طرح تالی بجا کر کہا تو رمشا نے افسوس سے سر ہلایا۔

"اللہ تعالیٰ کو جواب نہیں دینا تم نے۔" یہاں آکر نمو ڈھیلی پڑ گئی۔ اس نے پہلے آنکھیں بند کرکے منہ ہی منہ میں کچھ پڑھا اور پھر پورا نمبر ڈائل کرکے ریسیور کان سے لگایا۔ تین بیلز ہوچکی تھیں اور ہر بیل کے ساتھ اس کی دھڑکن ہوتی جارہی تھی۔ پانچویں بیل پر فون اٹھالیا گیا۔ بھاری مردانہ آواز سن کر آواز اس کے حلق میں پھنس کر رہ گئی۔

"کون ہے بھئی بول بھی دو۔" مسلسل ہیلو کرنے پر اب وہ شخص جھنجلا کر بولا تھا۔ ہلکا سا کھنکارنے کے بعد اس نے سلام کیا تھا اور جواب سنے بغیر سوال کر ڈالا تھا۔

"میں آنٹی سے بات کرسکتی ہوں۔" دوسری طرف ایک پل کے لیے خاموشی چھا گئی تھی۔

"ایکچوئیلی مجھے ان کا نام نہیں معلوم۔"

"دیکھیں! جب آپ کو پتا ہی نہیں کہ آپ کو کس سے بات کرنی ہے تو میں کس سے بات کرواؤں۔ آپ کو تو شاید یہ بھی نہیں پتا کہ کس نے فون کس کو کیا ہے آپ نے؟" اب کے نمو نے گھبرا کر رمشا کو دیکھا جو پتا نہیں اسے اشارے سے کیا سمجھا رہی تھی۔

"دیکھیں۔"

"عجیب باتیں کررہی ہیں آپ۔ اب فون میں سے کیسے دیکھوں آپ کو؟"

"چچ۔" اب کے نمو جھنجلا کر بولی۔ "میرا مطلب ہے آپ آنٹی سے کہیں کہ میرا فون ہے۔"

"میرا کون؟"

"اف!" نمو کی مٹھیاں بھینچ گئی تھیں۔

"میں نے آنٹی سے پانچ ہزار لیے تھے۔ وہ انہیں واپس کرنے ہیں۔ آپ میری ان سے بات کروائیں۔" اس نے جلدی سے بات مکمل کی۔ مبادا وہ پھر کوئی بات پکڑ کر نہ بیٹھ جائے۔ دوسری طرف سے جواباً اتنا بلند قہقہہ سنائی دیا تھا کہ اسے ریسیور کان سے ہٹانا پڑا۔

"اچھا تو آپ وہ ہیں۔" اس نے وہ پر اچھا خاصا زور دیا تھا' جبکہ نمو بھی سمجھ گئی کہ وہ کون ہے۔

"آپ ذرا آنٹی کو بلادیں۔ پلیز!" اب کے وہ ذرا غصے سے بولی تو دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔ کچھ دیر بعد جو آواز اسے سنائی دی' وہ تین دن گزرنے کے بعد بھی اسے پہچان گئی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"السلام علیکم آنٹی! میں بول رہی ہوں' وہ اس دن اسپتال کے باہر آپ سے ملی تھی۔ آپ نے مجھے پانچ ہزار دیے تھے۔"

"وعلیکم السلام بیٹا! میں نے پہچان لیا آپ کو۔ کیسی ہیں آپ؟"

"میں ٹھیک ہوں آنٹی! مجھے آپ کے پیسے واپس کرنے ہیں۔ پلیز آپ مجھے اپنے گھر کا ایڈریس بتا دیں۔ میں آپ کو بھجوا دوں گی۔" دوسری طرف سے ان کی ہنسی سنائی دی تھی۔

"آپ نے اس لیے فون کیا ہے؟"

"جی!" نمرہ کچھ نروس ہو کر بولی۔

"میں آپ سے پیسے لوں گی' لیکن ایک شرط ہے۔"

"جی؟" شرط کا سن کر اس نے گھبرا کر رمشا کو دیکھا۔

"پیسے دینے آپ کو خود آنا ہوگا۔"

"لیکن آنٹی!" وہ پریشانی سے بولی۔ اس کی پریشانی شاید وہ بھی بھانپ گئی تھیں۔

"بیٹا! آپ ٹینشن نہ لیں۔ میں صرف آپ سے ملنا چاہتی تھی۔ اگر آپ نہیں آنا چاہتیں تو کوئی بات نہیں۔"

"نہیں آنٹی! ایسی بات نہیں آپ مجھے ایڈریس بتائیں' میں آجاتی ہوں۔" اور غور سے سنتی رمشا نے اپنا سر پیٹ لیا۔

اس کے ریسیور رکھتے ہی وہ غصے سے اسے گھورنے لگی۔ "اب تم ان کے گھر جاؤ گی۔"

"تو کیا کروں۔ وہ کہہ رہی ہیں گھر آؤ۔"

"او میرے خدا! کیا کروں میں تمہارا..... نمرہ!" انہوں نے کہا اور تم چل دو گی' پتا نہیں وہ کون ہیں۔ کیا مقصد ہے ان کا تمہیں بلانے میں۔ آج کل کوئی سو روپے کسی کو ادھار نہیں دیتا اور انہوں نے تمہیں جانے پہچانے بغیر پانچ ہزار دے دیے اور اب گھر بلا رہی ہیں۔ تمہیں پتا ہے نا آج کل کتنا فراڈ ہو رہا ہے۔"

"رمشا! وہ ایسی نہیں لگتیں۔" نمرہ سری ہوئی آواز میں بولی۔

"کسی کی بھی شکل سے تم اندازہ نہیں کر سکتیں کہ وہ کیا ہے۔" کہہ کر رمشا کھڑی ہو گئی تھی۔

"رمشا پلیز! اب میں نے کہہ دیا ہے۔ تم میرے ساتھ چلو۔ ہم گیٹ پر پیسے پکڑا کر آجائیں گے۔" رمشا غصے سے پلٹی۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا نمرہ! ایڈریس انہوں نے تمہیں بتا دیا۔ منی آرڈر کر دو۔ میں نہیں جانے والی اور اگر تم نے مزید بکواس کی تو میں امی کو بتا دوں گی۔" رمشا غصے سے بولتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

☼ ☼ ☼

پانچویں گھر کا دروازہ بھی جب ان پر بند ہوا تو اس نے ڈرتے ڈرتے رمشا پر نظر ڈالی۔ جس کا چہرہ غصے کے مارے لال ہو رہا تھا۔

"رمشا!" اس نے بے چارگی سے اسے پکارا۔

"شٹ اپ! غلطی میری ہے' جو تمہارے آنسوؤں کو دیکھ کر جذباتی ہو گئی اور اس پاگل پن میں تمہارا ساتھ دینے کے لیے تیار ہو گئی۔ اب پچھلے ایک گھنٹے سے خوار ہو رہے ہیں۔ اوپر سے نام تک نہیں پوچھا تم نے۔"

وہ پہلے ہی پریشان ہو رہی تھی' اوپر سے رمشا کا غصہ۔ اس نے ایک دم رونا شروع کر دیا۔

"خدا کے لیے نمرہ! بند کرو یہ بچپنا۔ سڑک پر کھڑے ہو کر رونا شروع کر دیا ہے تم نے۔ ایک تو غلطی کرتی ہو اوپر سے روتی ہو۔ چلو! یہ آخری گیٹ ناک کر کے دیکھ لیتے ہیں' یہ نہ ہو تو بس پھر گھر چلتے ہیں۔"

رمشا نے بیل دی تو نمرہ نے آنکھیں بند کر لیں اور جتنی دعائیں اسے یاد تھیں' وہ سب پڑھ ڈالیں۔ گیٹ کھلنے پر اس نے تیزی سے آنکھیں کھولیں۔ عام حالات میں یہ چہرہ دیکھ کر اسے کوئی خوشی نہ ہوتی' لیکن اس وقت اس کا دل چاہ رہا تھا' وہ خوشی کے مارے رمشا کے گلے لگ جائے۔ آنے والے نے پہلے سوالیہ

نظروں سے رمشا کو دیکھا۔ اس سے پہلے کہ وہ رمشا سے کچھ پوچھتا' اس کی دوسری نظر نمرہ پر پڑی تھی۔ شناسائی کے علاوہ کوئی اور تاثر بھی تھا' جو اس کے چہرے پر آیا تھا۔

"رمشا! یہ وہی ہے۔" نمرہ نے ایک دم جذباتی ہو کر اس کا بازو دبوچا۔ اس کی اس جذباتی حرکت پر رمشا نے بوری آنکھیں کھول کر اسے گھورا تو نمرہ نے شرمندہ ہو کر اس کا بازو چھوڑ دیا۔

"آنٹی سے ملنا ہے۔"

اسے یوں ہی گیٹ کے آگے دیوار کی طرح کھڑے دیکھ کر نمرہ کو کہنا پڑا۔ اس کے پیچھے ہٹتے ہی وہ دونوں تیزی سے اندر داخل ہوئیں اور وہ آنٹی جیسے ان کے انتظار میں تھیں۔ اتنے تپاک سے ملیں۔ نمرہ تو نمرہ رمشا بھی اپنے دیے ہوئے بیانات کو یاد کر کے شرمندہ ہو گئی۔

ان کے بہت منع کرنے کے باوجود انہوں نے چائے پر اچھا خاصا اہتمام کر لیا تھا۔ نمرہ نے ایک ناراض نظر رمشا پر ڈالی' جو پچھلے آدھے گھنٹے سے نہ صرف باتیں کر رہی تھی بلکہ قہقہے لگا رہی تھی۔

"آنٹی! یہ اتنی بے وقوف ہے' آپ سے اتنی بڑی مدد لے لی مگر آپ کا نام تک نہ پوچھا۔ بس پیسے تھام لیے اور اس دن فون کیا تو بھی آپ کا نام نہیں پوچھا۔ اس کی اس طرح کی بے وقوفیوں کی وجہ سے امی بھی پریشان رہتی ہیں۔ وہ تو اس کی قسمت اچھی ہے کہ آپ اچھی ہیں ورنہ اگر کوئی بُرے لوگ مل جاتے تو۔" رمشا کے سیاسی بیان پر نمرہ نے دانت پیس کر اسے گھورا۔

"نہیں بیٹا! نمرہ بے وقوف نہیں معصوم ہے۔ اس کی یہی بات تو مجھے اچھی لگی تھی۔ آج کل کے دور میں اتنی سادگی کہاں دیکھنے کو ملتی ہے۔"

اپنی اتنی تعریف پر نمرہ بے اختیار خوش ہو گئی تھی۔ یہ پہلی بار تھا جب کوئی اسے سمجھا تھا۔ اس کی معصومیت کو بے وقوفی کا نام نہیں دیا گیا تھا۔

"اور بیٹا! آج کل جیسا دور جا رہا ہے وہاں کسی کی اچھی نیت کو بھی مشکوک نظروں سے ہی دیکھا جاتا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے میں اپنے بیٹے سے یہی بات کر رہی تھی۔ وہ بھی یہی کہہ رہا تھا کہ میں آپ پر اور اس لڑکی پر حیران ہوں۔ اس نے کیسے بلا جھجک آپ کو اپنی پرابلم بتا دی اور آپ نے کیسے بے دھڑک اس کی مدد کر دی اور اگر وہ آپ کے پیسے لوٹانے واپس نہ آتی تو میں نے اس سے کہا۔ مجھے پورا یقین ہے' میرا دل کسی کو پہچاننے میں دھوکا نہیں کھا سکتا اور دیکھ لو! نمرہ میرے سامنے ہے۔"

انہوں نے بڑے پیار سے نمرہ کو دیکھا تو وہ نروس ہو کر رمشا کو دیکھنے لگی۔ رمشا بھی اسے دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

"آنٹی آپ گھر میں اکیلی ہوتی ہیں؟" رمشا نے خاموشی محسوس کر کے سوال کیا۔

"ہاں!" انہوں نے گہری سانس لی۔ "میں اور بس میرا بیٹا معیز۔"

"اور آپ کے شوہر؟" اب کے نمرہ نے پوچھا۔

"معیز پندرہ سال کا تھا جب ان کی ڈیتھ ہو گئی۔" ان کے لہجے میں افسردگی محسوس کر کے رمشا نے بات بدل دی۔

"اچھا آنٹی! اب ہمیں اجازت دیں۔"

"بیٹا تھوڑی دیر اور بیٹھتیں۔ اچھا لگ رہا تھا تم لوگوں کی وجہ سے۔"

"آنٹی! اچھا تو ہمیں بھی لگا آپ سے مل کر' لیکن امی کو ہم بازار کا کہہ کر آئے ہیں اور اب شام ہونے والی ہے۔"

"کوئی بات نہیں' میں تم لوگوں کو چھوڑ آتی ہوں۔ اسی بہانے تمہارا گھر بھی دیکھ لوں گی۔" انہوں نے مسکرا کر دونوں کے چہرے دیکھے۔

"معیز!" انہوں نے اپنے بیٹے کو آواز دی۔

سارا راستہ رمشا اور آنٹی باتیں کرتے رہے' جبکہ وہ یہی سوچ کر ہولتی رہی' اگر امی کو پتا چل گیا کہ وہ کسی غیر کے ساتھ اس کی گاڑی میں آئے ہیں تو کیا حشر ہوگا اور اگر بھابھی نے دیکھ لیا تو۔ اس نے بے ساختہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جھرجھری لے کر سامنے دیکھا تو نظریں مرر پر جا پڑیں جہاں دو آنکھیں اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔ اس نے سٹپٹا کر پورا چہرہ کھڑکی کی طرف موڑ لیا۔

کار ان کے گھر کے دروازے کے آگے رکی۔ وہ دونوں اترنے لگی تھیں۔ جب انہوں نے آنٹی کی آواز سنی۔

"بیٹا! آپ نے ابھی بھی میرا نام نہیں پوچھا۔" ان کی آواز میں شرارت تھی۔ نمرہ تو شرمندہ ہوگئی تھی، جبکہ رمشا کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"آنٹی! آپ کا نام؟" اب کے وہ شرارت سے بولی۔

"تدسیہ اشتیاق نام ہے میرا۔" رمشا الوداعی کلمات کے ساتھ شکریہ ادا کرنے لگی تو اس نے دزدیدہ نظروں سے ڈرائیونگ سیٹ کی طرف دیکھا۔ وہاں بڑے اطمینان سے اس کا جائزہ لیا جارہا تھا۔ وہ گھبرا کر کوئی بات کیے بغیر اندر کی طرف بھاگی۔ کچھ دیر بعد رمشا تیزی سے اس کے پیچھے آئی۔

"نمرہ! تم عقل کے ساتھ لگتا ہے تمیز بھی بیچ کر کھا گئی ہو۔ اخلاق نام کی بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ وہ ہمیں چھوڑنے گھر تک آئیں اور تم نے شکریہ تک ادا نہیں کیا۔"

"تم تو رہنے دو۔" نمرہ نے غصے سے اسے دیکھا۔ "یہاں تم نے مجھے کتنے لیکچر دیے تھے اور وہاں خود کیسے ہنس ہنس کر باتیں کررہی تھیں۔"

"تو برا کیا کیا۔ کتنی اچھی آنٹی تھیں۔"

"جب میں نے کہا تھا، تب تو تم نے کچھ اور کہا تھا۔"

رمشا نظریں چراتے ہوئے بولی۔ "تب میں ان سے ملی نہیں تھی۔"

"اچھا! تو سب عقل مند ہیں یہاں میں ہی بے وقوف ہوں۔ میں نے جب کہا وہ اچھی ہیں، تب کیا تھا؟"

"اچھا بابا معاف کردو مجھے، میرا بحث کا موڈ نہیں۔" کہہ کر وہ اندر کی طرف بڑھ گئی۔ جبکہ نمرہ کتنی دیر تک غصے میں وہیں کھڑی رہی۔

☼ ☼ ☼

کمرے میں داخل ہوتے ہی اس کی پہلی نظر روتی ہوئی رخسانہ پر پڑی۔ وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔

"کیا ہوا رخسانہ؟" اس کے پوچھنے کی دیر تھی۔ اس کے رونے کی رفتار میں مزید اضافہ ہوگیا۔

"رخسانہ! آخر ہوا کیا ہے۔ کچھ پتا بھی تو چلے۔" وہ جھنجھلا کر زور سے بولا۔

"وسیم! آپ مجھے بتائیں کیا حیثیت ہے میری اس گھر میں۔ ایک سال ہونے کو آیا ہے ہماری شادی کو لیکن ابھی تک اس گھر میں میری حیثیت نوکرانی سے زیادہ نہیں۔ اگر میں آپ کی امی کی پسند نہیں تو میرا قصور ہے۔ اگر آپ نے اپنی مرضی سے مجھ سے شادی کی ہے تو کیا یہ میری غلطی ہے۔ پسند کی شادی کرنا اتنا بڑا جرم ہے۔ مجھے پتا ہوتا تو کبھی آپ سے شادی نہ کرتی۔"

وسیم کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

"کسی نے تمہیں کچھ کہا ہے؟"

"چھوڑیں!" رخسانہ نے منہ موڑ لیا تھا۔ وسیم نے زبردستی اس کا رخ اپنی طرف کیا۔

"رخسانہ! بتاؤ کس نے کہا ہے؟"

"وسیم! میں سب کو خوش رکھنے کی کوشش کرتی ہوں، لیکن آپ کی امی اور بہنیں ہر وقت مجھ سے ناراض رہتی ہیں۔ میں باہر جاؤں تو سب اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلے جاتے ہیں۔ کمرے میں رہوں تو آپ کو اعتراض ہوتا ہے۔"

"امی نے کچھ کہا ہے؟" وسیم کے پوچھنے پر وہ سر جھکا کر اپنے ہاتھوں کی انگلیاں مروڑنے لگی۔

"کیا کہا ہے انہوں نے؟ رخسانہ! میں کچھ پوچھ رہا ہوں۔" اسے خاموش دیکھ کر وہ غصے سے بولا۔

"آپ کو پتا ہے نا، صبح سے میری طبیعت خراب ہے۔ امی کو بھی بتایا ہے میں نے، لیکن یہاں تو کسی کو میری پروا ہی نہیں۔ پتا نہیں کس کی دعوت کرنی ہے"

صبح سے اس کی تیاریاں ہورہی ہیں۔ اسی لیے میں نے زوار کو فون کیا کہ آکر مجھے ڈاکٹر کے پاس لے جائے۔ امی کو بتانے گئی کہ میں زوار کے ساتھ امی کی طرف جارہی ہوں تو منع کردیا انہوں نے۔"

آخر میں پھر وہ رونے لگی تو وسیم تیزی سے کھڑا ہوا اور اسی تیزی سے باہر نکل گیا۔ اس کے باہر نکلتے ہی رخسانہ نے مسکراتے ہوئے آنسو صاف کیے اور پاس پڑا موبائل اٹھا کر زوار کا نمبر ڈائل کیا۔

"ہیلو زوار! میں نے یہ کہنے کے لیے فون کیا تھا تم مت آنا۔ میں خود وسیم کے ساتھ آرہی ہوں۔"

"خیریت!" دوسری طرف سے اس نے پوچھا۔

"خیریت ہی ہے۔ مل کے بتاؤں گی۔" اس نے مسکرا کر فون بند کردیا۔

زوردار آواز کے ساتھ دروازہ کھلا تو ٹی وی دیکھتی نمرہ اور زاہدہ کی ٹانگیں دباتی رمشا نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا، جہاں غصے سے بھرا وسیم کھڑا تھا۔

"جب آپ جانتی تھیں کہ رخسانہ کی طبیعت ٹھیک نہیں تو پھر کیوں اسے آپ نے کچن میں جاکر کام کرنے کو کہا اور کیوں اسے اس کی امی کے گھر جانے سے منع کیا؟"

"میں نے کبھی اسے کوئی کام کرنے کو نہیں کہا۔ آج مجبوری تھی تو صرف کباب فرائی کرنے کو کہا تھا۔"

"ایسی کیا مجبوری تھی، گھر میں نمرہ اور رمشا موجود ہیں۔ کرنی کیا ہیں سارادن۔ ان سے کہتیں آپ۔ وہی نوکرانی نظر آتی ہے آپ کو۔"

"سارے کام نمرہ اور رمشا ہی کرتی ہیں۔ ابھی بھی سارا کام نمرہ کرکے آئی ہے۔ رمشا نے آج ہی سارے گھر کے کپڑے دھوئے ہیں۔ جس میں تمہارے اور تمہاری بیوی کے کپڑے بھی شامل ہیں اور رخسانہ کو اس لیے میکے جانے سے روکا تھا کہ کچھ لوگ رمشا کو دیکھنے آرہے تھے۔ وہ جاتی تو تمہارا جانا لازمی تھا۔ تم اس گھر کے اکلوتے مرد ہو اور بدقسمتی سے ان بچیوں کا باپ بھی نہیں۔ اس لیے مجبوراً تمہیں کہنا پڑتا ہے۔ تم دونوں موجود نہیں ہوتے تو لوگ طرح طرح کے سوال کرتے ہیں۔"

ان کی مکمل گفتگو پر کچھ لمحوں کے لیے وہ خاموش رہ گیا۔ گلا کھنکھار کر بولا۔

"بہرحال رخسانہ کو کام کاج نہ کہا کریں۔ اس نے پہلے بھی مجھ سے کافی دفعہ شکوہ کیا ہے۔ میں ہی اگنور کردیتا تھا۔ لیکن بار بار اگنور نہیں کرسکتا۔"

مڑ کر اس نے ایک نظر دونوں بہنوں پر ڈالی اور باہر نکل گیا۔

اس کے باہر نکلتے ہی نمرہ تیزی سے ماں کی طرف بڑھی اور انہیں بازو کے گھیرے میں لے کر ان کے آنسو صاف کیے لیکن ان کے آنسوؤں میں مزید روانی آگئی تھی۔ رمشا کے ماتھے کی شکنیں مزید گہری ہوگئی تھیں۔

"آپ کو صاف صاف بھائی کو سب بتانا چاہیے تھا۔ وہ بھائی کے کان بھر رہی ہے اور وہ آپ پر چیختے چلاتے ہیں۔ کون سا پہاڑ توڑنے کو کہہ دیا تھا اس مہارانی کو ساراد ن وہ کرتی کیا ہے۔"

اس کی آواز غصے کے مارے بلند ہوتی جارہی تھی۔ زاہدہ نے گھبرا کر اسے دیکھا۔

"خدا کے لیے رمشا! چپ کرجاؤ۔ کیوں مزید تماشا بنواؤ گی۔ تم جاؤ تیار ہوجاؤ۔ وہ لوگ آنے والے ہوں گے۔"

"مجھے نہیں ہونا تیار اور نہ ہی مجھے کسی سے ملنا ہے۔" وہ غصے سے کہتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی تو زاہدہ نے آنسو صاف کرتے ہوئے نمرہ کو دیکھا۔

"بیٹا! تم جاؤ۔ اسے سمجھاؤ۔ یہ تو روز کا مسئلہ ہے۔"

"امی! آپ پریشان نہ ہوں میں اسے سمجھاتی ہوں۔"

وہ انہیں دلاسا دے کر باہر نکل آئی۔ کمرے میں داخل ہوئی تو رمشا بیڈ پر دونوں ہاتھوں میں سر ڈالے بیٹھی تھی۔ وہ ہونٹ چباتے ہوئے اس کے قریب بیٹھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گئی۔اس سے پہلے وہ کچھ کہتی' رمشا نے سر گھما کر اسے دیکھا۔

"دیکھو! اگر تم مجھے کوئی نصیحت کرنے یا سمجھانے آئی ہو تو بے کار ہے۔"

"رمشا پلیز! تم کسی کا غصہ خود پر کیوں نکال رہی ہو۔" رمشا جھنجھلے سے کھڑی ہوئی۔

"حد ہوتی ہے کسی چیز کی۔جب سے وہ عورت ہمارے گھر آئی ہے۔ سکون برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ کبھی وسیم بھائی نے جواب دیا تھا امی کو۔اب دیکھو! اس نے کتنا بدگمان کر دیا ہے وسیم بھائی کو ہم سب سے۔مجھے تو اس کی پرابلم سمجھ میں نہیں آتی۔ کبھی ہم نے اس سے روایتی نندوں والا سلوک کیا؟" وہ نمرہ سے سوال کر رہی تھی۔

نمرہ اسے کیا جواب دیتی' وہ خود اس کی سب باتوں سے اتفاق کرتی تھی۔ لیکن اب اس کی حمایت کرنا اس کے غصے کو مزید بڑھاوا دینا تھا۔

"پلیز رمشا! تم اب اپنا موڈ خراب نہ کرو۔ تم جانتی ہو بھابھی یہ سب ہمیں تنگ کرنے کے لیے کرتی ہیں۔ تم اس طرح کرو گی تو وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گی اور امی پریشان ہوں گی۔امی کی خاطر پلیز اپنا موڈ ٹھیک کر لو۔"

رمشا کچھ دیر خاموشی سے کارپٹ کو گھورتی رہی جیسے ضبط کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔

"رمشا!" نمرہ نے اس کے ہاتھ تھام کر ملتجی انداز میں اسے پکارا تو وہ گہرا سانس لے کر مسکرا دی۔

"تھینک یو۔اب تیار ہو جاؤ۔میں کچن میں جا رہی ہوں۔" وہ مسکرا کر کہتی ہوئی باہر نکل گئی۔

☆ ☆ ☆

سارا کارنامہ سنانے کے بعد رخسانہ نے داد طلب نظروں سے دیکھا لیکن زوار کی آنکھوں میں غصہ تھا۔

"کیا ہوا' تمہیں اچھا نہیں لگا۔"

"نہیں بالکل نہیں۔" زوار قطعیت سے بولا۔

"اس بلاوجہ کے معرکہ کی کوئی تک نہیں بنتی تھی۔ گھر والوں کے ساتھ بگاڑ کر نہ صرف تم اپنی ریپوٹیشن مزید خراب کر رہی ہو بلکہ میری پوزیشن بھی کمزور کر رہی ہو۔"

رخسانہ نے برا سا منہ بنایا۔"اب تمہارا الو سیدھا کرنے کے لیے میں اپنا بنا بنایا کام نہیں بگاڑ سکتی۔مجھے ان لوگوں سے بنا کر رکھنے کی ضرورت نہیں میرا مطلب وسیم ہے اور وہ میرے قابو میں ہے۔بس جو تھوڑی بہت اسے اپنے گھر والوں کے لیے ہمدردی ہے۔وہ ختم ہو جائے تو میرا مقصد پورا۔ میرا ایک الگ گھر ہوگا۔ جہاں میں آزادی سے اپنی مرضی سے رہوں گی۔"

وہ چھت کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"تو تمہیں وہاں کیا تکلیف ہے' اب بھی تمہیں مکمل آزادی ہے۔وہ تین بے چاری عورتیں تمہیں کیا تکلیف دیتی ہیں۔" رخسانہ نے کھا جانے والی نظروں سے اپنے بھائی کو دیکھا۔

"میں دیکھ رہی ہوں زوار! دن بہ دن اس چڑیل کا جادو زیادہ ہی تمہارے سر پر چڑھ کر بولنے لگا ہے۔اپنی بہن کی خوشی تمہیں نظر نہیں آ رہی اور ان بے چاروں کی بے چارگی بڑی محسوس ہو رہی ہے۔"

رخسانہ کے جلے ہوئے انداز پر وہ قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔

"اب چڑیل تو نہ کہو اسے' اتنی معصوم اور خوب صورت ہے۔" وہ مسکرا کر بولا۔

رخسانہ نے ناگواری سے اسے دیکھا۔"ایک بات کہوں تم سے؟" رخسانہ نے بغور زوار کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں کہو۔" وہ اسی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"یہ نمرہ کا قصہ ختم کیوں نہیں کر دیتے۔دنیا میں خوب صورت لڑکیوں کی کمی تھوڑا ہی ہے۔اس سے زیادہ خوب صورت' حسین لڑکیاں تمہیں مل جائیں گی۔بلکہ کئی ایک دو کو تو میں بھی جانتی ہوں۔"

اس کی مسکراہٹ بڑی تیزی سے غائب ہوئی تھی۔"آج تم نے یہ بات کہہ دی ہے۔ آئندہ مت

کہنا۔نمرہ نہیں تو کوئی نہیں۔میرے لیے ساری خوب صورتی بس اس کی ذات میں ہے اور کوئی چہرہ چاہے کتنا ہی حسین کیوں نہ ہو۔میرے لیے اس کی کوئی اہمیت نہیں۔تم کچھ نہیں کر سکتیں تو صاف بولو' میں خود ہی کچھ نہ کچھ کر لوں گا۔" اس کی ناراضی دیکھ کر وہ کچھ گھبرا گئی تھی۔

"اب ناراض تو نہ ہو' میں نے بس ایسے ہی ایک بات کہی تھی۔میں وسیم سے بات کروں گی۔"

"ہوں۔ میں کچھ دنوں کے لیے دبئی جا رہا ہوں' میرے آنے تک بات کر لینا۔"

وہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گیا جبکہ رخسانہ نے غصے سے پاس پڑا کشن اٹھا کر دیوار پر دے مارا۔

☆ ☆ ☆

کباب تلنے کے لیے اس نے فرائنگ پین میں تیل ڈالا' جب ڈور بیل بجی تھی۔اس نے ایک نظر گرم ہوتے تیل کو دیکھا اور چولہا بند کر کے باہر کی طرف دوڑ لگائی۔وہ متوقع مہمانوں کی منتظر تھی لیکن دروازے کھلتے ہی سعدیہ اور نبیل کی شکل دیکھ کر وہی رک گئی۔

"ارے بھئی' اندر تو آنے دو۔" اسے یونہی دروازے کے سامنے کھڑے دیکھ کر سعدیہ نے ٹوکا تو وہ کھسیا کر پیچھے ہٹی۔ ننھے حمزہ کو اس نے سعدیہ کی گود سے لے لیا تھا۔

"امی کہاں ہیں؟" خالی لاؤنج دیکھ کر سعدیہ نے پوچھا۔

"اپنے کمرے میں ہیں۔" وہ حمزہ کو پیار کرتے ہوئے بولی۔

"یہ جلنے کی بو کہاں سے آ رہی ہے؟" نبیل کے پوچھنے پر اس نے حمزہ کو نبیل کی گود میں تھمایا اور کچن کی طرف بھاگی۔ فرائنگ پین میں پڑا تیل خشک ہو چکا تھا جبکہ فرائنگ پین جل کر سیاہ ہو چکا تھا۔

"کیا ہوا کچھ جل گیا؟" وہ سنک میں فرائنگ پین رکھ رہی تھی' جب اس نے نبیل کی آواز سنی۔

"نہیں۔بس تیل جلا ہے۔" اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

"ہوں!" نبیل نے نظریں گھما کر کچن کا جائزہ لیا۔

"کافی اہتمام کیا ہے تم نے۔کوئی خاص مہمان آ رہے ہیں؟" نمرہ نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"جی بالکل صحیح پہچانا آپ نے۔ مہمان آ رہے ہیں اور وہ بھی خاص الخاص مہمان۔"

"اچھا! اب کے نبیل بھی مسکرایا۔ایسے کون سے خاص مہمان ہیں؟"

"رمشا کو دیکھنے کچھ لوگ آ رہے ہیں۔"

وہ حلوے کے لیے بادام کاٹ رہی تھی۔اس نے نہیں دیکھا کہ نبیل کے ہونٹوں کی مسکراہٹ غائب ہو گئی ہے۔ مسلسل خاموشی پر نمرہ نے مڑ کر نبیل کو دیکھا جو فرش کو دیکھتے ہوئے نہ جانے کس سوچ میں گم تھا۔ نمرہ کے زور سے پکارنے پر وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"نبیل بھائی! کچن میں کافی دھواں ہے۔ آپ اسے باہر لاؤنج میں لے جائیں۔میں آپ کے لیے چائے اور کباب مل کر لاتی ہوں۔کھا کر بتائیے گا میں نے بنائے ہیں۔"

نبیل نے کوئی جواب نہیں دیا۔بس خاموشی سے کچن سے باہر نکل گیا۔اس نے رمشا کو لاؤنج میں داخل ہوتے دیکھا۔وہ کھلے بالوں کو کچھو میں جکڑتی ہوئی اپنے دھیان میں آ رہی تھی۔ اس کے بہت قریب پہنچ کر اس نے نظریں اٹھائیں۔اسے اتنے قریب دیکھ کر وہ بے ساختہ انداز میں رکی اور اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی ٹھٹک بھی گئی۔ کچھ تھا اس کے چہرے پر جو وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔اس نے حمزہ کو اس کی طرف بڑھایا۔

"بھابھی کو بتا دینا' میں جا رہا ہوں' ظرافت بھائی کو فون کر دیں۔میں انہیں لینے نہیں آ سکتا۔"

یہ کہہ کر وہ رکا نہیں تھا جبکہ رمشا کتنی دیر تک اس طرف دیکھتی رہی جہاں سے وہ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ حمزہ کے لیے دودھ گرم کر رہی تھی' جب آہٹ پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے مڑ کر دیکھا۔ دروازے میں نبیل کھڑا تھا۔ اس نے کچھ حیران ہو کر نبیل کو دیکھا۔

"کچھ چاہیے تھا نبیل؟"

"نہیں بس ایسے ہی پانی پینے آیا تھا۔" کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد وہ بولا تو وہ سر ہلا کر فیڈر میں دودھ ڈالنے لگی۔ وہ کچن سے باہر نکلنے لگی جب نبیل کی پکار پر رک گئی۔

"بھابھی! میں آپ سے بات کرنے آیا تھا۔" سعدیہ رک گئی اور پریشانی سے اسے دیکھنے لگی۔

"بھابھی! میں گھما پھرا کر بات نہیں کروں گا۔ میں رمشا سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور یہ چاہتا ہوں آپ میرا پروپوزل لے کر وہاں جائیں۔"

نبیل کی بات اس کے لیے اتنی غیر متوقع تھی کہ الفاظ کہیں گم ہو کر رہ گئے تھے۔

"میں نے کچھ غلط کہا؟" اسے یوں خاموش دیکھ کر وہ بولا تو وہ گڑبڑا کر جلدی سے بولی۔

"نہیں، مجھے کیا اعتراض ہوگا لیکن وہ آج۔" اس کی بات پوری ہونے سے پہلے وہ دوبارہ بولا۔

"مجھے پتا ہے آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔ اسی لیے تو آپ سے کہہ رہا ہوں۔" سعدیہ کے چہرے پر اب پریشانی جھلکنے لگی تھی۔

"کیوں بھابھی! کیا میں آپ کو اپنی بہن کے قابل نہیں لگتا؟"

"نہیں نبیل! ایسی بات نہیں لیکن کیا امی، آپا، باجی سب مان جائیں گی؟" اس نے اپنی ساس اور نندوں کا حوالہ دیا۔ "وہ لوگ کبھی نہیں مانیں گے۔" سعدیہ نے جیسے اسے جتایا تھا۔

"وہ لوگ نہیں مانیں گے تو ان کی مرضی۔ میرے لیے جس کی مرضی اہم ہے وہ رمشا ہے کیونکہ زندگی میں نے اس کے ساتھ گزارنی ہے۔" اب کی بار سعدیہ کچھ نہیں بولی۔

"آپ اپنے گھر بات کریں۔ میں امید کرتا ہوں۔ جواب ہاں میں ہی ہوگا۔" وہ کہہ کر رکا نہیں تھا سعدیہ کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔

☆ ☆ ☆

وہ چائے لے کر آئی تو رمشا حمزہ کو گود میں لیے کھلا رہی تھی جبکہ سعدیہ رمشا کو دیکھتے ہوئے گہری سوچ میں گم تھی۔ اس کے پیالی آگے بڑھانے پر بھی اس کی نظروں کے ارتکاز میں کوئی فرق نہ آیا تو نمرہ کو اسے پکارنا پڑا۔ اس نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر کپ تھام لیا۔

"کیا بات ہے باجی! آپ کچھ پریشان ہیں۔"

اس کے پوچھنے پر رمشا نے بھی حمزہ سے نظر ہٹا کر اس کا چہرہ دیکھا۔ ان دونوں کو متوجہ دیکھ کر سعدیہ نے خود کو وہ سب کہنے کے لیے تیار کیا جسے کہنے کے لیے وہ رات بھر جملے ترتیب دیتی رہی تھی اور اب پچھلے آدھے گھنٹے سے ہمت مجتمع کر رہی تھی۔

"دراصل میں امی سے ایک بات کرنے آئی تھی لیکن اس سے پہلے میں نے سوچا۔ میں تم سے بات کرلوں۔"

رمشا سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔

"کل نبیل میرے پاس آیا تھا۔ اس نے کہا وہ تم سے شادی کرنا چاہتا ہے۔"

غور سے سعدیہ کی بات سنتی نمرہ اپنی جگہ سے اچھل پڑی۔ اس نے مسکراتے ہوئے رمشا کی طرف دیکھا لیکن اس کے سپاٹ اور قدرے سخت تاثرات دیکھ کر اس کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔

"میں آج امی سے یہی بات کرنے آئی ہوں۔ سوچا تمہیں بھی بتادوں۔"

"امی سے اس سلسلے میں کوئی بھی بات کرنے کی ضرورت نہیں۔" رمشا کے دوٹوک انداز پر سعدیہ نے پریشانی سے اسے دیکھا۔

"کیوں؟"

"کیونکہ میں نبیل سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔"

"وہی تو پوچھ رہی ہوں کیوں؟"

"یہ آپ پوچھ رہی ہیں آپا! کیا میں نہیں جانتی کیا سلوک ہوتا ہے وہاں آپ کے ساتھ۔ یا ظرافت

بھائی کی عادت مجھے نہیں پتا اور پھر نبیل۔ وہ بھی ان ہی کا بھائی ہے۔ اسی گھر کا حصہ جہاں میں کبھی ایڈجسٹ نہیں ہو سکتی۔"

"میں مانتی ہوں میرے ساتھ ان لوگوں کا سلوک اتنا اچھا نہیں رہا لیکن حمزہ کی پیدائش کے بعد ظرافت بہت بدل گئے ہیں اور جہاں تک نبیل کی بات ہے، وہ شروع سے بہت مختلف ہے۔ اپنے والد کے بعد ظرافت ہی گھر کے بڑے تھے۔ شادی کے بعد ان کی امی کو لگتا تھا کہ کہیں وہ بدل نہ جائیں ان کی اور بہنوں کی حق تلفی نہ کرنے لگیں۔ ظرافت مجبور تھے لیکن نبیل! ذرا اور طرح کا ہے۔ اس نے خود تمہارا نام لیا ہے۔ صاف مطلب ہے، وہ تمہیں پسند کرتا ہے اور مجھے یقین ہے وہ تمہارا بہت خیال رکھے گا۔"

سعدیہ نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا اور دوبارہ بات شروع کی۔

"رمشا! اچھے رشتوں کا ملنا بہت مشکل ہے۔ نبیل گڈ لکنگ ہے۔ اچھی جاب پر ہے، دیکھا بھالا ہے اور سب سے بڑی بات تمہیں پسند کرتا ہے اور کیا چاہیے۔"

"آپا پلیز! میں نے آپ کو بتادیا۔ آپ بھی مجھے فورس نہ کریں۔" وہ حمزہ کو سعدیہ کی گود میں دے کر مزید بات کا موقع دیے بغیر کمرے سے باہر نکل گئی۔

سعدیہ نے جن نظروں سے نمرہ کو دیکھا، وہ سمجھ گئی تھی کہ ایک بار پھر رمشا کو سمجھانے کی ذمہ داری اس کے کندھوں پر آگئی ہے۔ اس نے گہرا سانس لے کر سعدیہ کے کندھے پر دلاسا دینے کے انداز میں ہاتھ رکھا اور جب کمرے میں آئی تو رمشا سر سے پیر تک چادر تانے سو رہی تھی یا نہیں لیکن اس کے انداز سے صاف ظاہر تھا کہ وہ بات نہیں کرنا چاہتی۔ نمرہ گہرا سانس لے کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆ ☆ ☆

وہ درخت کے نیچے کھڑی وین کا انتظار کر رہی تھی۔ جب چند قدم کے فاصلے پر ایک کار آکر رکی تھی۔ اس نے بالکل سرسری سی نظر سامنے ڈالی لیکن کار کا دروازہ کھول کر باہر نکلتے شخص کو دیکھ کر اس کی نظریں پلٹنا بھول گئیں۔ اگلے ہی پل وہ اس کے بالکل سامنے تھا۔

رمشا کو ذرا بھر امید نہ تھی کہ وہ یہاں پہنچ جائے گا۔

"مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔" اس کے سنجیدہ انداز پر رمشا نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"بولیں۔"

"مجھے تم سے جو بات کرنی ہے وہ یوں راستے میں کھڑے ہو کر نہیں ہو سکتی۔" اس نے کالج کی آتی جاتی لڑکیوں کو دیکھ کر کہا۔ "زیادہ وقت نہیں لوں گا۔"

رمشا کو متذبذب دیکھ کر وہ بولا تو وہ سر جھکا کر گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔ وہ بہت دیر تک سیدھی بیٹھی شیشے کے پار بھاگتی ٹریفک کو دیکھ رہی تھی۔ اسے نبیل کی خاموشی سے الجھن ہونے لگی تھی جو اسے بات کرنے کے لیے لایا تھا اور اب خاموش تھا۔ جب کافی وقت اسی خاموشی میں گزر گیا تو اس کی برداشت جواب دے گئی۔

"آپ نے کوئی بات کرنی تھی۔" رمشا نے چہرہ گھما کر جتاتے ہوئے انداز میں نبیل کو دیکھا۔

"تم نے مجھ سے شادی کرنے سے انکار کیوں کیا؟" نبیل نے سیدھا سوال کیا تھا۔ وہ بالکل حیران نہیں ہوئی تھی کیونکہ وہ اس سے اسی سوال کی توقع کر رہی تھی۔

"میرا خیال ہے اتنا تو مجھے حق ہے کہ میں اپنی شادی کے لیے ہاں یا ناں کہہ سکوں۔" گاڑی ایک جھٹکے سے رکی تھی۔ اس نے چونک کر نبیل کی طرف دیکھا۔ جس کے چہرے کے تاثرات کافی سنجیدہ تھے اور وہ جو کافی مطمئن بیٹھی تھی ایک دم گھبرا گئی۔

"ہے حق۔ لیکن میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ مجھے ریجیکٹ کیوں کیا؟" اس کے تند لہجے پر اس نے بے چینی سے اپنے ہاتھ مسلے۔

"میں نے آپ کو ریجیکٹ نہیں کیا۔ صرف اتنا کہا ہے کہ میں آپ سے شادی نہیں کر سکتی۔"

"وہی پوچھ رہا ہوں کیوں؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں اس بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔ آپ پلیز مجھے گھر چھوڑ دیں۔"

"مجھے میرے سوال کا جواب چاہیے۔ اس کے بغیر تم نہیں جاسکتیں۔" اس کے دھیمے تمیز انداز پر اسے غصے کے ساتھ رونا بھی آنے لگا تھا۔

"آپ میرے ساتھ زبردستی نہیں کرسکتے۔"

"میں کوئی زبردستی نہیں کررہا' صرف جواب مانگ رہا ہوں۔" رمشا نے کوئی جواب نہیں دیا تھا' چہرہ دوسری طرف موڑ لیا تھا۔

"کیا تم کسی کو پسند کرتی ہو؟" کچھ دیر بعد اس نے نبیل کی آواز سنی۔

"نہیں۔" وہ اسی طرح منہ موڑے بولی۔

"تو کیا تمہیں میں پسند نہیں؟" اب کی بار رمشا نے مڑ کر اس کا چہرہ دیکھا۔

"جی مجھے آپ پسند نہیں۔ آپ کے گھر والے' گھر کا ماحول کچھ پسند نہیں۔ آپ کے گھر میں سعدیہ باجی کے ساتھ جو سلوک ہوتا رہا ہے اس کے بعد بھی آپ توقع رکھتے ہیں کہ میں اس گھر کا حصہ بنوں گی۔ جس طرح ظرافت بھائی اور آپ کی بہنیں مل کر باجی کو ٹارچر کرتی ہیں۔ آپ چاہتے ہیں میرے ساتھ بھی ویسا ہی ہو اور میں بھی احساس کمتری کا شکار ہو کر ذہنی مریض بن جاؤں۔"

"میں یہ نہیں کہوں گا جو تم نے کہا غلط ہے۔ بے شک ایسا ہی ہوتا ہوگا لیکن پہلے میں یہاں نہیں تھا۔ مجھے کینیڈا سے آئے چند ماہ ہوئے ہیں۔ جو ہوا میں اسے بدل تو نہیں سکتا لیکن یہ کہہ سکتا ہوں آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔"

"ہونہہ!" رمشا نے سر کو جھٹکا دیا۔ "یہ سب کہنے کی باتیں ہیں۔" اس کے کہنے پر وہ مسکرا دیا تھا۔

"خیر تم جو بھی کہو میں صرف اتنا جانتا ہوں میں تم سے محبت کرتا ہوں اور مجھے بس تم سے ہی شادی کرنی ہے۔"

اور رمشا نے اتنی حیرت سے نبیل کو دیکھا' جیسے اس کے سر پر سینگ نکل آئے ہوں۔ ابھی کچھ ماہ ہوئے تھے کہ وہ ملے تھے۔ ایک دوسرے کو ٹھیک سے جانتے بھی نہیں تھے اور اسے یاد نہیں پڑتا تھا کہ اس نے کبھی نبیل سے آرام سے مسکرا کر بات کی ہو۔ اس کے اتنے برے رویے کے باوجود وہ اس سے محبت کرتا ہے۔ وہ حیران نہ ہوتی تو کیا کرتی۔

وہ کتنی دیر اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی' پھر خود ہی نظریں ہٹالیں۔ صرف ایک جملے کے بعد اس کے پاس جیسے کہنے کو کچھ بچا ہی نہیں تھا۔ اس کی خاموشی پر نبیل نے مزید کوئی سوال نہیں کیا تھا یوں سارا راستہ خاموشی میں کٹا تھا۔

وہ گاڑی سے اترنے لگی تھی جب نبیل نے اسے پکارا تھا۔

"میں نہیں جانتا رمشا! تمہیں میری باتوں پر یقین ہے یا نہیں لیکن میری تم سے ایک ریکوئسٹ ہے' تم ایک دفعہ نیوٹرل ہو کر میرے بارے میں سوچو۔"

رمشا نے کوئی جواب نہیں دیا تھا بس خاموشی سے کار سے اتر گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"کیا ہوا۔ آج دیر ہوگئی۔" وہ منہ ہاتھ دھو کر واش روم سے باہر آئی تو نمو اسی کے انتظار میں بیٹھی تھی۔

"ہاں۔!" وہ مختصر سا جواب دے کر بیٹھ گئی اور ہاتھوں کی انگلیوں سے اپنی کنپٹیوں کو دبانے لگی۔

"طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟" نمو نے تشویش سے اسے دیکھا۔

"ہوں بس سر میں درد ہے۔"

"کھانا کھاؤ پھر چائے کے ساتھ ٹیبلٹ دیتی ہوں۔"

"تم رہنے دو' میں لے لوں گی۔" نمو نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"کیا بات ہے رمشا! تم کچھ چھپا رہی ہو مجھ سے۔"

رمشا نے سر اٹھا کر سامنے بیٹھی اپنی ہمراز' بہن کو دیکھا اور فیصلہ کن انداز میں گہرا سانس لیا۔

"آج نبیل کالج آیا تھا۔" نمو حیران تو ہوئی لیکن

کوئی بھی سوال کیے بغیر خاموشی سے رمشا کو دیکھتی رہی۔

"اس نے کہا وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور شادی کرنا چاہتا ہے۔"

"ہوں پھر!" اب کے رمشا نے حیرت سے نمو کو دیکھا۔

"تمہیں حیرت نہیں ہوئی؟"

"اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔" نمو نے کندھے اچکا کر کہا۔

"نمو! محبت؟ وہ کیسے مجھ سے محبت کرسکتا ہے۔ میں نے تو کبھی اس سے اچھی طرح بات کرنا تو دور اسے دیکھا تک نہیں۔" اس کے استعجاب بھرے انداز پر نمو کھل کر مسکرائی۔

"یہی تو بات ہے رمشا! کہ تم نے کبھی انہیں دیکھا نہیں اگر کبھی غور سے ان کی آنکھوں میں دیکھتیں تو تمہیں خود ہی اندازہ ہوجاتا۔" رمشا نمو کو دیکھتے ہوئے سر نفی میں ہلانے لگی جیسے اسے جھٹلا رہی ہو۔

"پتا ہے' جب حمزہ پیدا ہوا تھا تو اسپتال میں تم اور نبیل بھائی ساتھ کھڑے اتنے اچھے لگ رہے تھے۔ میں نے دل سے دعا کی تھی تم دونوں کے لیے۔ اللہ تعالیٰ نے پوری بھی کردی۔ نبیل بھائی نے پروپوزل بھی بھجوادیا لیکن تم۔"

آخر میں نمو نے برا سا منہ بنایا لیکن رمشا نے کوئی جواب نہیں دیا تھا وہ غائب دماغی سے سامنے لگی تصویر کو دیکھ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

دروازے میں کھڑی شخصیت کو انہوں نے کافی حیرانی سے دیکھا تھا۔

"السلام علیکم!" اجنبی' خوش لباس اور خوش شکل عورت نے انہیں سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام۔ معاف کیجیے گا۔ میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔" زاہدہ کے معذرت خواہانہ انداز پر وہ مسکرادیں۔

"یقیناً" نہیں پہچانا ہوگا کیونکہ ہم لوگ پہلی بار مل رہے ہیں۔ کیا میں اندر آسکتی ہوں؟" ان کے اجازت مانگنے پر زاہدہ نے کچھ شرمندہ ہو کر راستہ دیا۔

"میرا نام قدسیہ ہے۔" اندر داخل ہو کر انہوں نے اپنا تعارف کروایا۔

"نمو!" رمشا اونچی آواز میں اسے پکارتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

"ہاں بولو!" وہ بالوں میں تیل کا مساج کرتی ہوئی بولی۔

"وہ قدسیہ آنٹی آئی ہیں۔" تیل کی بوتل اس کے ہاتھ سے چھوٹتے چھوٹتے بچی تھی۔

"وہ امی کے پاس بیٹھی ہیں اور تمہیں بلا رہی ہیں۔"

نمو کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا۔ اس نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبالیا۔

"پریشان کیوں ہو رہی ہو۔ اپنا حلیہ ٹھیک کرو اور ڈرائنگ روم میں آجاؤ۔ میں چائے لے کر آتی ہوں۔"

جب وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو بڑے خوشگوار ماحول میں باتیں ہو رہی تھیں۔ اس کی پہلی نظر قدسیہ بیگم پر پڑی۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرائی تھیں پھر تیزی سے اس کی نظریں ماں کے چہرے تک گئی تھیں۔ وہ بھی اسے دیکھ رہی تھیں۔ ان کے چہرے پر بھی نرم سی مسکراہٹ تھی۔ اس کے پریشان دل کو قدرے قرار ملا تھا۔

"لگتا ہے نمو نے اپنی آنٹی کو پہچانا نہیں۔" اس کو مسلسل دروازے میں کھڑے دیکھ کر وہ بولیں تو وہ کھسیا کر سلام کرتی ہوئی زاہدہ کے قریب جا کر بیٹھ گئی۔

"آپ بہت خوش قسمت ہیں زاہدہ بہن! جو آپ کے پاس نمو جیسی بیٹی ہے۔ سچ پوچھیں تو مجھے کبھی افسوس نہیں ہوا کہ میری کوئی بیٹی نہیں لیکن نمو کو دیکھ کر ایک کمی کا احساس ہوا کہ کاش! میری بھی نمو جیسی بیٹی ہوتی۔ کتنے دن سوچتی رہی اور پھر دماغ نے کہا کہ یہ تو اب بھی ہوسکتا ہے نمو اب بھی میری بیٹی بن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سکتی ہے۔"

وہ جو مسکراتے ہوئے اپنی تعریف سن رہی تھی، آخری جملے پر کچھ الجھ کر انہیں دیکھنے لگی۔ جو بہت پیار سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"نمرہ! تم نے بتایا نہیں کہ تمہاری ملاقات قدسیہ بہن سے ہوئی تھی۔"

زاہدہ کے سوال پر وہ پریشان ہو کر ماں کا منہ دیکھنے لگی۔ اس سے پہلے وہ کوئی جواب دیتی۔ قدسیہ بیگم نے اس کی مشکل آسان کردی۔

"بس اتفاقیہ ملاقات ہوئی تھی۔ ہمارے عزیز ایڈمٹ تھے اسپتال میں۔ ان کی عیادت کے لیے گئے تھے ہم، وہیں ہماری ملاقات نمرہ سے ہوئی۔"

ان کے بیان پر اس کی سانس بحال ہوئی تھی۔ وہ رسمی سی ملاقات اپنے اختتام تک خاصی بے تکلفی میں بدل چکی تھی۔ قدسیہ بیگم نے زاہدہ کو اپنے گھر آنے کی دعوت دی اور رخصت ہو گئیں۔ ان کے جانے کے بعد زاہدہ نے قدسیہ بیگم کی آمد کی وجہ بتائی تو حیرت کی شدت سے اس کا منہ کھل گیا۔ اس کی حالت دیکھ کر زاہدہ اور رمشا دونوں ہنس پڑے تھے۔

"منہ تو بند کرو پاگل!" رمشا نے ہنستے ہوئے اسے چپت لگائی تو وہ جھینپ کر ماں کو دیکھنے لگی جنہوں نے اسے ساتھ لپٹا لیا۔

"یہ پاگل نہیں میری بہت پیاری بیٹی ہے۔" ان کی بات پر رمشا نے شرارتی انداز میں ان کے کندھے سے سر ٹکائے نمرہ کو دیکھا۔

"پیاری تو ہے امی! پر انتہا درجے کی بے وقوف بھی ہے۔ میں تو آنٹی کی چوائس پر حیران ہوں۔ انہیں اچھا کیا لگا؟" اس کے ہونٹوں پر مسلسل شرارتی مسکان تھی۔

"امی! دیکھیں اسے۔" نمرہ نے شکایتی انداز میں زاہدہ سے کہا۔

"رمشا! تنگ مت کرو اسے۔" انہوں نے رمشا کو ٹوکا تھا۔ "اور ویسے بھی ہیرے کی پہچان جوہری کو ہی ہوتی ہے۔ اور میری بیٹی ہیرا ہے ہیرا۔"

نمرہ نے زبان نکال کر رمشا کو چڑایا، جو قہقہہ لگا کر ہنس پڑی تھی۔

"دیکھیں امی! کیسے خوش ہو رہی ہے۔" رمشا نے مسکراتی ہوئی نمرہ کی طرف اشارہ کیا تو انہوں نے مسکرا کر اس کا ماتھا چوما۔

"اللہ تعالیٰ تم دونوں کو اپنے گھروں میں آباد رکھے۔ کہاں میں رمشا کے بارے میں سوچ رہی تھی اور اللہ نے بیٹھے بٹھائے تم دونوں کے اتنے اچھے رشتے بھیج دیے۔" ان کا چہرہ ان کی سچی خوشی کی غمازی کر رہا تھا۔

"قدسیہ بیگم انوائٹ کر کے گئی ہیں۔ وسیم آتا ہے تو اس سے بات کر کے ان کے گھر کا پروگرام بناؤں گی۔" وہ رمشا سے کہہ رہی تھیں جبکہ نمرہ سر جھکائے اپنے ناخنوں سے کھیل رہی تھی۔

"رات بہت ہو گئی ہے، سو جاؤ اب تم دونوں۔" وہ اٹھتے ہوئے بولیں۔ ان کے باہر نکلتے ہی رمشا بول پڑی۔

"مجھے تو ان پر اور ان کے بیٹے پر ترس آ رہا ہے، چہ چہ۔" رمشا نے باقاعدہ افسوس کا اظہار کیا تھا تو نمرہ نے پاس پڑا تکیہ اٹھا کر اسے دے مارا، جسے کیچ کرنے کے بعد وہ پھر ہنسنے لگی تھی۔

"یہاں سب اپنی مرضی کرتے ہیں۔ مجھ سے کسی نے پوچھنے کی زحمت ہی نہیں کی۔ خود ہی سب طے کر لیا ہے۔"

"ہوں!" رمشا کے ہنکارا بھرنے پر نمرہ نے چونک کر اسے دیکھا جو پاؤں میں سلیپر ڈال رہی تھی۔

"کہاں جا رہی ہو؟" اسے دروازے کی طرف بڑھتا دیکھ کر نمرہ نے حیرت سے پوچھا۔

"امی کو بتانے کہ تمہیں یہ رشتہ پسند نہیں۔"

"رمشا!" وہ چیخی۔ "میں نے یہ کب کہا۔"

"تو پھر پسند ہے؟" رمشا نے زیر لب مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔

"دفع ہو جاؤ۔" وہ جا کر بیڈ پر لیٹ گئی تھی۔

"بتاؤ۔" رمشا اس کے قریب جا کر بولی تو اس نے تکیہ منہ پر رکھ لیا۔

"رمشا! مجھے تنگ مت کرو، نیند آ رہی ہے مجھے۔"

"نیند آ رہی ہے یا معیز کے سپنے دیکھنے لگی ہو۔"

"بکو مت۔" وہ تکیے میں منہ دیے ہوئے بولی تو رمشا ہنستی ہوئی اس کے پہلو میں لیٹ گئی۔

"تم بھی دیکھو رمیض کے سپنے۔"

نمرہ کے کہنے پر اس نے مسکراتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔ اگلے ہی پل اس نے جھٹکے سے آنکھیں کھول دیں۔ اس کی مسکراہٹ سمٹ گئی تھی۔ بند آنکھوں کے پیچھے کوئی اور ہی مسکرا رہا تھا۔

"نبیل!" وہ حیرانی سے بڑبڑائی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ غصے سے سارے کمرے میں چکراتی پھر رہی تھی۔ تقریباً ایک گھنٹہ پہلے زاہدہ بیگم اس کے کمرے میں آئی تھیں۔ یہ کہنے کہ وہ رشتہ دیکھنے جا رہی ہیں۔ وہ ان کے ساتھ چلے۔ اس نے تفصیل سنے بغیر طبیعت کی خرابی کا بہانہ کر کے جانے سے انکار کر دیا۔ اگر اسے ذرا سا بھی اندازہ ہوتا کہ وہ اکیلی نہیں، وسیم کے ساتھ جا رہی ہیں تو وہ کبھی بھی انکار نہ کرتی۔ وہ دونوں ماں بیٹا ایک ساتھ گئے تھے۔

پتا نہیں راستے میں کیا کیا پٹیاں پڑھا رہی ہوں گی۔ یہ خیال اسے غصہ دلانے کو کافی تھا اور زیادہ غصہ اسے وسیم پر آ رہا تھا۔ اس نے اسے بتانے کی زحمت تک نہیں کی۔

وہ ہاتھ مسلتی کتنی دیر گھڑی کو دیکھتی رہی۔ پھر کچھ سوچ کر باہر آ گئی۔ نمرہ اور رمشا دونوں لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھیں۔ وہ دونوں کسی ڈرامے پر تبصرہ کرتے ہوئے اتنی مگن تھیں کہ اس کی وہاں موجودگی کا نوٹس ہی نہ لیا۔

"اچھا ہے اس کا رشتہ ہو جائے اور یہ جائے۔ قینچی کی طرح تیز زبان ہے۔" ہنستی ہوئی رمشا کو دیکھ کر رخسانہ نے منہ بنایا اور پھر اس کی نظر نمرہ پر ٹھہر گئی ساتھ ہی زوار کی خواہش بھی ذہن میں آ گئی۔

"آخر کیا ہے اس لڑکی میں۔" اس نے بغور نمرہ کو دیکھا۔ "بالکل سادہ سی تو ہے۔" اس کے ذہن میں اور بہت سی لڑکیاں آئیں جو زوار میں دلچسپی رکھتی تھیں۔ نمرہ سے کئی درجہ حسین، طرح دار اور دولت مند۔ اس نے ایک بار پھر اسے دیکھا۔

اس کے نقوش خوبصورت ہیں لیکن وہ تو رمشا کے بھی ہیں ہاں! کچھ دیر بعد جیسے وہ کسی نتیجے پر پہنچی۔ اس کی معصومیت... اس کے چہرے پر ایک خاص نرمی اور ملاحت تھی جو اسے سب سے نمایاں کرتی تھی۔ وہ شاید یونہی کھڑی جائزہ لیتی رہتی لیکن گاڑی کے مخصوص ہارن پر وہ چونکی اور تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھی۔ وسیم جب کمرے میں داخل ہوا وہ بازو آنکھوں پر رکھے لیٹی تھی۔

"اب طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟" وسیم کے پوچھنے پر اس نے آنکھوں سے بازو ہٹا کر اسے دیکھا تھا۔

"آپ کو اپنی مصروفیت میں یاد رہا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں۔"

"کیا مطلب؟" وسیم باتھ روم کی طرف جاتے جاتے رک گیا۔

"مطلب یہ کہ آپ چلے گئے۔ جانے سے پہلے آپ نے ایک دفعہ زحمت نہیں کی کہ مجھے بتا دیں۔ آپ نے ضروری نہیں سمجھا کہ مجھے بھی ساتھ لے جائیں۔"

"امی نے تم سے پوچھا تو تھا۔"

"ہاں۔ جس دل سے پوچھا تھا۔ مجھے پتا ہے صاف لگ رہا تھا کہ وہ مجھے لے جانا نہیں چاہتیں۔" وسیم کوئی جواب دیے بغیر باتھ روم چلا گیا۔

رخسانہ نے غصے سے باتھ روم کے بند دروازے کو دیکھا۔ مگر وسیم کے باہر آنے تک اپنا غصہ کنٹرول کر چکی تھی۔

"کر آئے آپ لوگ رمشا کی بات پکی؟"

وسیم نے کچھ حیرت سے اسے دیکھا۔ "ہم نمرہ کے رشتے کے لیے گئے تھے۔"

"کیا؟" رخسانہ کو لگا، اسے سننے میں غلطی ہوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔
"وہ کس کے؟"
"ارے بابا نمو کے۔"
"یہ نمو کا رشتہ کہاں سے آگیا۔ بات تو رمشا کی چل رہی تھی۔"
"ہاں رمشا کی بھی چل رہی ہے۔ امی نے کل بتایا تھا کہ ایک خاتون نمو کا رشتہ لے کر آئی تھیں۔ اسپتال میں نمو سے ملی تھیں وہ۔ امی کو اچھی لگیں۔ آج ہم ان کے گھر گئے تھے۔ کافی ویل آف فیملی ہے۔ ایک ہی بیٹا ہے ان کا اپنا بزنس ہے۔ مجھے تو وہ لوگ پسند آئے اسی لیے تو امی نے تمہیں بھی ساتھ چلنے کو کہا تھا۔"
رخسانہ کو تو جیسے مرچیں سی لگ گئیں تھیں۔
"سب کچھ آپ دونوں بالا ہی بالا طے کر آئے۔ نہ کچھ بتایا نہ کچھ پوچھا۔ اب بھی بتانے کی کیا ضرورت تھی، شادی والے دن بتاتے۔"
اس کے طیش بھرے انداز کو وسیم نے حیرت سے دیکھا۔
"اس میں اتنا غصہ کرنے والی کیا بات ہے۔ رمشا کی دفعہ میں تم نے کوئی انٹرسٹ شو نہیں کیا تھا۔ اسی لیے میں نے ہی امی سے کہا تھا کہ تمہیں بعد میں بتا دیں گے۔"
رخسانہ کا بس نہیں چل رہا تھا۔ وہ کیا کر ڈالے اسے واقعی وسیم کے علاوہ گھر کے لوگوں اور ان کے معاملات میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ لیکن بات یہاں نمو کی تھی۔ اس کے بھائی کی پسند کی۔ وہ بھائی جو اکلوتا تھا۔ اس کا میکہ "اس کا مان اور اسے ناراض کرنے کا وہ رسک بھی نہیں لے سکتی تھی۔ وسیم کی جتنی تنخواہ تھی اس میں تو بس گھر ہی چلتا تھا۔ اس کے خرچے اس کے نخرے تو زوار ہی اٹھاتا تھا اور اس کی ضدی طبیعت سے بھی وہ واقف تھی۔ اگر زوار نے نمو کا نام لیا تھا تو ضرور بات پسند سے زیادہ تھی اس نے تو اس لیے گھر میں بات نہیں کی تھی کہ رمشا بڑی تھی۔ ابھی رمشا کی بات کہیں طے نہیں ہوئی تو نمو کا کیا ذکر لیکن کیا پتا تھا کہ اندر ہی اندر کیا کھچڑی پک رہی ہے۔
اس نے نظر گھما کر وسیم کو دیکھا جو بیڈ پر نیم دراز ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ وہ پریشانی سے زوار کے بارے میں سوچنے لگی۔

☼ ☼ ☼

رمشا کو دیکھ کر سعدیہ پہلے حیران ہوئی اور پھر ایک دم خوش ہو کر اس کے گلے لگ گئی۔
"یوں اچانک!" اس سے الگ ہو کر سعدیہ نے پوچھا۔
"کیوں مجھے دیکھ کر آپ کو خوشی نہیں ہوئی؟" وہ مصنوعی ناراضی سے بولی تو سعدیہ نے پھر اسے گلے لگا لیا۔
"ارے پاگل! خوشی! اتنا اچھا لگ رہا ہے تمہیں دیکھ کر۔ تم سے کل بات ہوئی تھی لیکن تم نے آنے کا ذکر نہیں کیا۔"
"سوچا آپ کو سرپرائز دوں گی۔" اس کے ساتھ چلتے ہوئے رمشا نے کہا۔
"بڑا اچھا کیا۔" وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے لاؤنج میں داخل ہوئیں جہاں سعدیہ کی ساس ٹی وی دیکھ رہی تھیں۔ اس کے سلام کے جواب میں انہوں نے اسے خود سے لپٹا کر بڑے والہانہ انداز میں پیار کیا۔ رمشا کتنی دیر تک تو حیرت کے مارے مل ہی نہیں سکی۔ یہی سعدیہ کی ساس تھیں جن کے ماتھے کے بل ان کی آمد پر صاف دیکھے جاسکتے تھے اور آج اتنا پیار۔
"کیسی آئی ہو بیٹا!"
"جی وسیم بھائی چھوڑ کے گئے ہیں۔"
"اچھا اور گھر میں سب ٹھیک ہیں۔"
"جی!" اس نے جواب دے کر سعدیہ کو دیکھا جو پھل اس کے آگے رکھ رہی تھی۔
"سعدیہ! بہن کو اپنے کمرے میں لے جاؤ اور وہاں آرام سے بیٹھ کر باتیں کرو۔"
یہ دوسرا انقلاب تھا ورنہ پہلے تو سعدیہ کو اکیلے بیٹھنے کی اجازت نہ تھی۔ وہ اسی حیرانی کے ساتھ سعدیہ کے کمرے میں چلی آئی۔

"باجی! سب ٹھیک ہے نا آپ کی ساس اور اتنی مہربان۔" اس کی حیرانی پر سعدیہ ہنس پڑی۔
"ہاں بس سب نبیل کی وجہ سے ہے۔"
"اچھا۔" بہت ہلکا سا اس کے منہ سے نکلا تھا۔
"اچھا یاد آیا۔ تم نے اس رشتے سے انکار کیوں کیا؟ اتنے اچھے لوگ تھے پتا ہے امی کو کتنا افسوس ہے۔"
"ایسے ہی۔"
"ایسے ہی؟" سعدیہ نے آنکھیں پھیلا کر اسے دیکھا۔ "تمہیں پتا ہے اچھے رشتے کتنی مشکل سے ملتے ہیں اور تم نے ایسے ہی کہہ کر اتنے اچھے رشتے کو ٹھکرا دیا۔"
"باجی پلیز۔" اب کہ وہ اکتا کر بولی۔ "اسی بحث سے تنگ آکر میں آپ کے پاس آئی تھی اور آپ بھی وہی قصہ لے کر بیٹھ گئیں۔"
اس کے جواب پر سعدیہ خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔
"اتنے اچھے رشتے سے انکار کے پیچھے کوئی تو وجہ ہوگی۔" سعدیہ کے جتاتے ہوئے انداز پر بیڈ شیٹ کے ڈیزائن پر چلتی اس کی انگلی لمحہ بھر کے لیے رک سی گئی۔ "میں تمہاری بہن ہوں اگر تم مناسب سمجھو تو مجھ سے شیئر کر سکتی ہو۔"
رمشا نے نظریں اٹھا کر سعدیہ کا چہرہ دیکھا۔
"پتا نہیں باجی! میں خود نہیں جانتی کیوں کیا۔" وہ بے بسی سے بولی۔
"لیکن میں سمجھ گئی ہوں۔" اب کے سعدیہ مسکرا کر بولی تھی۔
رمشا نے چونک کر اسے دیکھا۔ "کیا؟"
"کچھ نہیں۔ تم یہ بتاؤ جو نمو کے لیے رشتہ آیا ہے وہ کیسا ہے؟"
"اچھے لوگ ہیں۔ قدسیہ آنٹی سے پہلے بھی مل چکی ہوں۔"
"اچھا کہاں؟" سعدیہ نے حیران ہو کر پوچھا۔ جواباً رمشا نے نمو کے مدد لینے سے لے کر ان کے گھر جانے تک کا سارا احوال سنا ڈالا۔ ساری بات سن کر سعدیہ ہنس پڑی۔
"اپنی نمو شروع سے ہی پگلی ہے۔ لیکن جو ہوا اسے قسمت کہتے ہیں۔ نمو خوش ہے؟" سعدیہ کے پوچھنے پر رمشا کھل کر مسکرائی۔
"اور رخسانہ وہ کیسی ہیں؟" رمشا نے گہرا سانس لیا۔
"وہ بھی ٹھیک ہیں۔ آج کل کچھ امن ہے۔ شاید انہیں کوئی ایشو نہیں مل رہا جس کو بڑھا چڑھا کر بھائی کے کان بھریں۔"
"اسے اس کے حال پر چھوڑ دو اور اس کے لیے ہدایت کی دعا کرو۔ اللہ تعالیٰ اچھے اچھوں کو سیدھا کر دیتے ہیں۔ میرے سسرال والوں کی مثال تمہارے سامنے ہے۔"
سعدیہ کے کہنے پر رمشا مسکرا دی۔ تب ہی دروازے پر ہونے والی دستک پر دونوں مڑ کر دیکھا۔
"بھابھی اجازت ہے۔" نبیل بولتا ہوا اندر آیا اور رمشا پر نظر پڑتے ہی پلٹنے لگا۔
"ارے نبیل آؤ۔" اسے مڑتا دیکھ کر سعدیہ جلدی سے بولی۔
"وہ میں حمزہ کو لینے آیا تھا۔"
"ہاں لے جاؤ۔" سعدیہ نے حمزہ کو اٹھاتے ہوئے کہا۔ اور اس دوران وہ مسلسل سر جھکائے اپنے پیروں کو دیکھنے میں مصروف تھی۔ نہ اس نے نبیل کو سلام کیا تھا اور نہ نبیل نے اسے مخاطب کیا۔ زبردستی جگائے جانے پر حمزہ گلا پھاڑ کر رونے لگا تھا۔ نبیل نے آگے بڑھ کر اسے گود میں اٹھا لیا تھا۔ "بیٹھو نبیل! میں تمہارے لیے چائے لے کر آتی ہوں۔"
"نہیں بھابھی!"
"مجھے رمشا کے لیے بھی چائے بنانی ہے تمہارے لیے بھی بنا دوں گی۔ تم ابھی آئے ہو ناں۔"
کہہ کر سعدیہ باہر نکل گئی اور کمرے میں وہ دونوں رہ گئے۔ مسلسل خاموشی پر اس نے نظریں اٹھا کر نبیل کو دیکھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ رمشا نے اپنی نظریں اس پر سے ہٹا کر دوبارہ اپنے پاؤں پر ٹکا دیں۔ کتنے ہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پل خاموشی سے گزر گئے اسے اب الجھن ہونے لگی تھی۔

"یہ کچھ کہتا کیوں نہیں۔" اس نے دانت پیستے ہوئے سوچا۔ اسی وقت سعدیہ ٹرالی دھکیلتے ہوئے اندر داخل ہوئی۔

"ارے تم دونوں اتنے خاموش کیوں بیٹھے ہو؟" سعدیہ کے مسکرا کے پوچھنے پر بھی ان دونوں کے زاویوں میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

"نبیل! تمہیں ایک زحمت دینی تھی۔"

"جی!" وہ چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے بولا۔

"مجھے اور رمشا کو شاپنگ پر جانا ہے اگر تم ہمیں ڈراپ کر دو۔"

"شاپنگ!"

"وہ منگنی کی شاپنگ کرنی ہے ناں۔"

"منگنی؟" اس نے دوہرانے کے ساتھ ایک غصیلی نظر رمشا پر ڈالی۔ "بہت مبارک ہو۔" اس کے طنزیہ انداز پر رمشا نے بڑی خاموش نظر اس پر ڈالی تھی۔

"ارے رمشا کی نہیں نمرو کی منگنی کی۔"

"اور وہ جو ان کے لیے پرپوزل آیا ہوا تھا۔" وہ پتا نہیں کیا جاننا چاہتا تھا۔

"ہاں وہ۔ رمشا نے منع کر دیا۔ میں ابھی تھوڑی دیر پہلے اس سے یہی پوچھ رہی تھی۔ یہاں تم شادی سے منع کر دیتے ہو وہاں رمشا منع کر دیتی ہے عجیب ہو تم دونوں۔"

سعدیہ کے معنی خیز بات پر ان دونوں کی نظریں بیک وقت ایک دوسرے کی طرف اٹھیں ان دونوں کو کچھ کہنا نہیں پڑا تھا۔ آنکھوں نے جیسے سب واضح کر دیا تھا۔ سعدیہ نے بغور دونوں کی شکلیں دیکھی تھیں۔

"نبیل! تم فریش ہو جاؤ پھر چلتے ہیں۔ میں حمزہ کو امی کو دے آتی ہوں۔"

وہ اٹھ کر باہر نکل گئی تو رمشا بھی کھڑی ہو گئی۔

"تم نے اس پرپوزل کو منع کیوں کیا؟" وہ رمشا کے بالکل سامنے کھڑے ہو کر پوچھ رہا تھا جبکہ ہونٹوں پر بڑی گہری مسکراہٹ تھی۔

"میری مرضی۔" وہ نظریں چراتے ہوئے بولی کیونکہ اس کی جتاتی ہوئی مسکراہٹ سے وہ اچھی خاصی کنفیوز ہو گئی تھی۔

"رمشا!" وہ اس کی سائیڈ سے ہوتی ہوئی باہر جانے لگی تھی جب اس کی آواز پر رک گئی۔

"میں امی اور بھابھی کو بھیجوں گا۔ مجھے یقین ہے، اب تم انکار نہیں کرو گی۔"

"آپ کو ایسا کیوں لگتا ہے کہ میں انکار نہیں کروں گی۔"

اب کے وہ کھل کر مسکرایا۔ "اس کا جواب تم اپنے آپ سے پوچھنا۔"

اس نے دھیرے سے کہا اور باہر نکل گیا۔ رمشا کھل کر مسکرا دی۔ نبیل کے ایک اظہار محبت نے اسے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ نہ صرف اس سے محبت کرتا ہے بلکہ عزت بھی کرتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسے یقین ہو چلا تھا کہ وہ اس کی عزت کروا بھی سکتا ہے۔ نبیل پر کسی اور کو فوقیت دینا نری بے وقوفی ہوتی۔ آج سعدیہ کے گھر جا کر اس کی تھوڑی بہت کشمکش بھی ختم ہو چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

"رخسانہ۔"

"کیا ہو گیا ہے۔" وسیم کے تیسری دفعہ پکارنے پر وہ جھنجلاتی ہوئی اندر آئی تھی۔

"کب سے آوازیں دے رہا ہوں۔ زوار کا فون ہے۔" اور فون کی طرف بڑھتے اس کے قدم رک سے گئے تھے۔

"ارے بھئی پکڑو" اتنی دور سے کال کر رہا ہے۔" رخسانہ نے بڑے مرے مرے انداز میں فون تھاما۔

"ہیلو سسٹر! کیسی ہو۔"

"ٹھیک ہوں تم سناؤ۔"

"میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔ کچھ دنوں تک آ رہا ہوں سوچا، تم سے پوچھ لوں، کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے۔"

اس کے انکار پر۔۔۔ وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ "پہلی دفعہ تم نے شکی ہے خیر یہ بتاؤ وہ کیسی ہے۔"

"کون۔" رخسانہ نے وزدیدہ نظروں سے وسیم کو دیکھا جو ڈائری پر جھکا پتا نہیں کون سے حساب کتاب میں مصروف تھا۔

"ارے تمہاری نند اور اپنی ہونے والی بیوی کا پوچھ رہا ہوں۔" جواباً وہ چہکتے ہوئے انداز میں بولا۔ مگر اس کے سپاٹ سے جواب پر وہ قدرے غصے سے بولا۔

"تم نے ابھی گھر میں بات نہیں کی؟"

"نہیں۔"

"کیوں۔" اب کے اس کے لہجے میں ہلکا ہلکا غصہ تھا۔

"کر لوں گی۔" وہ جھنجلا کر بولی۔

"ٹھیک ہے جلدی کرنا کیونکہ میں نے اس کے لیے ڈائمنڈ رنگ لی ہے اور اس کو پہنانے کے لیے بے چین ہوں۔"

رخسانہ نے کوئی جواب نہیں دیا تھا اور اس کی خاموشی کو پتا نہیں وہ کیا سمجھا ہنس کر بولا۔

"جیلس مت ہو تمہارے لیے بھی سیٹ لیا ہے۔ آخر میری بہن کی وجہ سے مجھے اتنی بڑی خوشی ملنے والی ہے۔ اگر تم وسیم سے شادی نہ کرتیں تو مجھے میری محبت مجھے کیسے ملتی۔" آخر میں وہ قہقہہ لگا کر بولا تو رخسانہ کی پریشانی میں کئی گنا اضافہ ہو گیا تھا۔

"او کے رکھتا ہوں۔ اللہ حافظ۔"

شکر تھا اس نے خود ہی فون بند کر دیا ورنہ اس کی اتنی خوشی محسوس کر کے رخسانہ کو آنے والے وقت سے خوف آ رہا تھا۔ وہ کتنی دیر تک موبائل ہاتھ میں لیے گم صم بیٹھی رہی۔

"کیا ہوا ایسے کیوں بیٹھی ہو۔" وسیم کی آواز پر اس نے چونک کر اسے دیکھا۔ "کیا کہا زوار نے۔" وسیم کے پوچھنے پر اس نے اسی گم صم انداز میں سر نفی میں ہلا کر الٹا اس سے سوال کر دیا۔

"آپ کیا کر رہے ہیں۔" رخسانہ نے اس کے ہاتھ میں پکڑی ڈائری کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"حساب لگا رہا ہوں نمرو کی منگنی میں ہونے والے خرچے کا۔ اتنا ہی رمشا کا بھی ہو گا۔ صرف منگنی پر لاکھوں کا خرچ آ رہا ہے۔ سوچ رہا ہو شادی پہ کیا بنے گا۔"

وہ پریشانی سے بالوں میں ہاتھ چلاتا ہوا بولا۔ تب ہی رخسانہ کے دماغ میں خیال آیا۔ "غریبوں میں شادیاں کریں گے تو ناک اونچی رکھنے کے لیے لاکھوں تو خرچ کرنے ہی پڑیں گے۔ اسی لیے تو اپنے اپنے ہوتے ہیں۔ وہ جوڑے کپڑوں میں بھی خوشی خوشی اپنانے کو تیار ہو جاتے ہیں۔"

"میں سمجھا نہیں۔" اس کے چہرے پر واقعی نا سمجھنے والی کیفیت تھی۔

"اس میں نہ سمجھنے والی کیا بات ہے۔ اگر ہم نمرو کی شادی زوار سے کر دیتے ہیں تو خرچہ ہی نہیں ہو گا۔ آپ کو تو پتا ہے زوار کے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ دل کا بھی کتنا سخی ہے اور پھر آپ کا دیکھا بھالا بھی ہے۔"

وسیم کے چہرے پر تذبذب کی کیفیت دیکھ کر مزید بولی۔

"اور یہ میری بھی خواہش ہے اور زوار کی بھی۔ ہمیں نمرو بہت پسند ہے میں تو آپ سے آنٹی سے بات کرنے والی تھی لیکن آپ لوگ چھپ چھپاتے سب طے کر آئے، مجھے بتایا بھی نہیں۔"

وہ روٹھے انداز میں بولی تو وسیم پر سوچ انداز میں ڈائری کے صفحے پلٹنے لگا۔

"آپ ایسے خاموش کیوں بیٹھے ہیں۔ جواب دیں مجھے۔"

"رخسانہ! تم نے مجھے عجیب مصیبت میں ڈال دیا ہے۔"

"کیوں اس میں مصیبت کیا ہے۔ آپ کو کوئی اعتراض ہے میرے بھائی پر۔" اب کے رخسانہ ماتھے پر بل ڈال کر غصے سے بولی تو وسیم گڑبڑا گیا۔

"مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ مجھے تو زوار پسند ہے۔ بلکہ اچھا ہی ہو گا اگر ایسا ہو جائے لیکن بات امی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی ہے۔ امی کو وہ لوگ پسند ہیں اور تقریباً بات بھی طے ہو چکی ہے۔"

"صرف بات ہوئی ہے، منگنی نہیں ہوئی اور اگر منگنی بھی ہوئی ہوتی تو کوئی بڑی بات نہیں۔ لوگوں کی منگنیاں ٹوٹتی نہیں کیا اور جہاں تک آنٹی کی بات ہے، اگر آپ آنٹی سے کہیں گے تو وہ ضرور مان جائیں گی۔"

اب کے وسیم کچھ نہیں بولا تھا۔

☼ ☼ ☼

ریسیور رکھتے ہی اس نے آنکھیں بند کر کے گہرا سانس لیا۔ لیکن جوں ہی اس نے آنکھیں کھولیں اسے جھٹکا لگا تھا۔ بالکل سامنے رخسانہ بھابھی کھڑی مشکوک نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"کس کا فون تھا۔"

"وہ رانگ نمبر تھا۔" ہاتھ مسلتے نمرہ بمشکل بولی تو رخسانہ کے چہرے پر بڑی طنزیہ مسکراہٹ آئی تھی۔

"یہ کیسا رانگ نمبر تھا، جس سے تم پچھلے پندرہ منٹ سے بات کر رہی تھیں۔" نمرہ نے تھوک نگل کر سر جھکا دیا۔ کوئی بہانہ نہیں سوجھا تھا۔ وہ ان کی چبھتی ہوئی نظروں سے بچنے کے لیے تیزی سے چلتی ہوئی اپنے کمرے میں آگئی۔ تھوڑی دیر پہلے معیز سے بات کرتے ہوئے وہ جس سرشاری میں مبتلا تھی، وہ یک دم غائب ہو گئی تھی۔ اب بس حواسوں پر رخسانہ بھابھی کی آر پار ہوتی نظریں سوار تھیں۔

☼ ☼ ☼

وسیم پریشانی اور گھبراہٹ کے ساتھ الماری سے کپڑے نکالتی رخسانہ کو دیکھ رہا تھا۔

"یہ تم کیا کر رہی ہو۔" ریحانہ نے ایک غصیلی نظر وسیم پر ڈالی اور دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔ وسیم نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے کپڑے چھین لیے تھے۔

"میں پوچھ رہا ہوں کیا کر رہی ہو تم۔"

"پیکنگ کر رہی ہوں۔"

"رخسانہ پلیز! سمجھنے کی کوشش کرو۔ اتنی سی بات پر کوئی ناراض ہو کر جاتا ہے۔" رخسانہ نے غصے سے وسیم کو دیکھا۔

"اتنی سی بات۔۔۔ اتنی سی بات نہیں ہے۔ میرے بھائی کے پروپوزل کو ریجیکٹ کر دیا ہے آپ نے۔ یہ میرے بھائی کی نہیں میری بھی بے عزتی ہے۔"

"امی نے انکار نہیں کیا۔ نمرہ کی مرضی نہیں تھی دراصل۔" اور کپڑے بیگ میں رکھتا رخسانہ کا ہاتھ رک گیا۔

"اوہ۔۔۔ مجھے پہلے ہی پتا تھا کہ آپ کی بہن کی مرضی نہیں ہوگی۔ یہ رشتہ جس طرح آیا تھا، مجھے تو تب ہی شک ہوا تھا۔ یوں ہی کوئی سڑک پر ملنے کے بعد منہ اٹھا کر رشتہ نہیں لے آتا۔ میں نے خود اپنے گناہ گار کانوں سے آپ کی بہن کو فون پر رومانس کرتے سنا ہے۔ یہاں آپ کی والدہ نے کوئی لیکچر نہیں دیا ہوگا۔ جب آپ نے مجھ سے شادی کی تھی، رمشا اور آنٹی نے کتنی باتیں سنائی تھیں۔ اب انہیں نظر نہیں آرہا کہ ان کی بیٹی کیا گل کھلا رہی ہے۔"

"رخسانہ۔۔۔" وسیم غصے سے بولا۔

"چلائیں مت، آپ سے زیادہ اونچی آواز میں بات کر سکتی ہوں۔" اس نے بیگ کی زپ بند کی اور بیگ اٹھا کر دروازے کی طرف بڑھی۔ وہ باہر نکلی تو زاہدہ دروازے کے قریب ہی کھڑی تھیں۔

"بیٹا! یوں ناراض ہو کر کوئی اپنا گھر چھوڑ کر جاتا ہے۔"

"یہ میرا گھر نہیں ہے اور کبھی اس گھر کے لوگوں نے مجھے اپنا سمجھا بھی نہیں۔"

"ایسا نہیں رخسانہ! میں نے کبھی تمہیں رمشا اور نمرہ سے الگ نہیں سمجھا۔"

"اگر ایسا ہوتا آنٹی تو آپ کبھی زوار کے رشتے سے انکار نہ کرتیں۔ کیا برائی ہے اس میں، یہی کہ وہ میرا بھائی ہے؟"

"نہیں بیٹا!" زاہدہ نے پیار سے اس کا بازو تھاما۔

"تو پھر انکار کی وجہ۔" اب کے زاہدہ نے بے بسی سے وسیم کو دیکھا جو نظریں چرا گیا تھا تو کب سے

خاموشی سے سنتی رمشا زاہدہ کے پہلو میں آکر کھڑی ہو گئی۔

"بھابھی! یہ رشتے دل کی آمادگی سے طے ہوتے ہیں، زور زبردستی سے نہیں۔ اگر ہم نمرہ کا رشتہ معیز سے طے کر رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ہم زوار کو برا کہہ رہے ہیں۔"

"تم لوگ کیا سمجھتے ہو مجھے اس سے کوئی مطلب نہیں اور جس کی دلی آمادگی سے یہ رشتہ ہو رہا ہے، وہ بھی مجھے پتا ہے۔"

رخسانہ نے ایک طنزیہ نظر کچن کے دروازے کے قریب کھڑی نمرہ پر ڈالی اور بیگ گھسیٹتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

☼ ☼ ☼

وہ لاؤنج میں داخل ہوا تو رخسانہ ریموٹ ہاتھ میں لیے ٹی وی کی طرف متوجہ تھی۔

"تم کب آئیں۔"

"ابھی تھوڑی دیر پہلے، تم سو رہے تھے۔"

"سب ٹھیک ہے؟"

"ہوں۔۔۔" رخسانہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

"ہاں۔۔۔ سب ٹھیک ہے۔"

"اچھا۔۔۔ مگر یہ بیگ؟" اس نے بیگ کی طرف اشارہ کر کے رخسانہ کو دیکھا۔

"میرا ہے۔ رہنے آئی ہوں۔" اب کے زوار پوری طرح اس کی طرف گھوم گیا۔

"تمہاری وسیم سے کوئی لڑائی ہوئی ہے؟"

"میں نے تمہارا پروپوزل دیا تھا۔ انہوں نے منع کر دیا۔" وہ کچھ دیر خاموش رہا۔

"وسیم نے منع کیا ہے؟" زوار کے پوچھنے پر اس نے سر نفی میں ہلایا۔

"نہیں۔۔۔ نمرہ نے۔ مجھے کسی نے بتایا کہ اس کا پروپوزل آیا ہے۔ وسیم اور آنٹی جا کر پسند بھی کر آئے ہیں۔ جب وسیم نے مجھے بتایا تو میں نے تمہارا ذکر کیا۔ انہوں نے تو کوئی اعتراض نہیں کیا، لیکن نمرہ نے۔"

اتنا کہہ کر وہ رک گئی۔ وہ تو مجھے بعد میں پتا چلا کہ یہ جو رشتہ ہو رہا ہے نمرہ پہلے سے اس لڑکے کو جانتی ہے اور اس لڑکے کی پسند پر یہ رشتہ آیا ہے۔ فون پر باتیں ہوتی ہیں اور تم اس کی معصومیت پر فدا تھے۔"

رخسانہ نے طنزیہ نظر زوار کے سیاہ پڑتے چہرے پر ڈالی اور پھر اس کے چہرے کے تاثرات پر اسے خود ہی اپنے طنزیہ لہجے کا احساس ہوا تو اٹھ کر اس کے قریب آگئی۔

"زوار پلیز! تم اپنا دل برا نہ کرو، میں تو پہلے بھی اس حق میں نہیں تھی۔ تم ہی قربان ہوئے جا رہے تھے اس کی معصومیت پر۔ دیکھ لی اس کی معصومیت، خود ہی اپنے لیے لڑکا بھی پسند کر لیا۔ خیر دفع کرو۔ میں اس سے زیادہ اچھی اور خوب صورت لڑکی سے تمہاری شادی کروا دوں گی۔"

لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا، نہ پچھلی دفعہ کی طرح غصہ کیا۔ بس خاموشی سے پلٹ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"رمشا! یہ دیکھو کیسا ہے۔" نمرہ نے ریک سے کاہی رنگ کا کام والا فراک نکال کر اسے دکھایا۔

"زبردست۔۔۔" رمشا کو وہ پہلی نظر میں ہی اچھا لگا تھا۔

"نبیل بھائی کو بھی دکھا دو۔ اگر انہیں پسند آتا ہے تو فائنل کر دو اور خدا کا واسطہ ہے! اب کچھ لے لو۔ چھ گھنٹے سے خوار ہو رہے ہیں اور تمہیں ایک ڈریس بھی پسند نہیں آیا۔"

"میرا نکاح ہے کوئی مذاق نہیں۔" رمشا نے مسکرا کر اس کا پھولا ہوا چہرہ دیکھا۔

"سنو! میں نے بھی ابھی شاپنگ بھی کرنی ہے اور دوسرا مجھے بھوک بھی لگی ہے۔"

"اچھا بابا تم کر لو اپنی شاپنگ اور کر کے یہاں آجانا، پھر کچھ کھاتے ہیں اوکے۔" وہ سر ہلا کر دوسرے سیکشن میں آگئی۔ وہ ریک میں لٹکے کپڑوں کو الٹ پلٹ کر رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رائل بلو شیفون کے فراک پر اس کا ہاتھ ٹھہر گیا تھا۔

"یہ رنگ تم پر سوٹ کرے گا۔" وہ بہت غور سے فراک دیکھ رہی تھی۔ جب اپنے پیچھے آتی آواز پر اس نے چونک کر پیچھے دیکھا اور زوار کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اس کی حیرت پر وہ کھل کر مسکرایا۔

"کیسی ہو۔" نمرہ نے کوئی جواب نہیں دیا تھا اور مڑ کر سوٹ دوبارہ ہینگ کردیا۔

"کیوں سوٹ پسند نہیں آیا۔ چلو کوئی بات نہیں ہم پر تو سب ہی رنگ اچھے لگتے ہیں۔"

"یہ دیکھو۔" اس نے ریک سے ایک گلابی سوٹ نکال کر اس کے سامنے کیا۔ نمرہ نے ایک نظر سوٹ پر ڈال کر قدم آگے کی طرف بڑھادیے۔ لیکن اگلے قدم پر اسے رکنا پڑا۔ اس کا بازو زوار کے ہاتھ میں تھا۔ اس کی جرات پر وہ پریشانی سے اسے دیکھنے لگی جو غصے سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں تم سے بات کررہا ہوں۔"

"ہاتھ چھوڑیں میرا۔" اس نے اپنا ہاتھ کھینچتے ہوئے کہا مگر وہ مزید اس کے قریب آگیا تو اس نے ہراساں ہوکر ارد گرد کسی کو مدد کے لیے تلاش کیا لیکن وہاں کوئی نہیں تھا۔

"ڈر کیوں رہی ہو تمہیں کھاتو نہیں جاؤں گا۔" اور جب تک تم میری بات سن نہیں لیتیں' تم یہاں سے نہیں جاسکتیں۔

نمرہ جو اس سے بازو چھڑوانے کے لیے زور لگا رہی تھی' رک گئی۔ کیونکہ اس کے انداز بتا رہے تھے کہ وہ واقعی اسے جانے نہیں دے گا۔

اپنی بے بسی پر اس کی آنکھ میں آنسو آگے تھے۔

"لڈ! تمہاری یہی بات مجھے اچھی لگتی ہے۔" اس کے ساکت ہوجانے پر وہ مسکرا کر بولا۔

"سنا ہے مجھ سے شادی کرنے سے تم نے انکار کیا ہے۔" وہ تم پر زور دے کر بولا تو نمرہ جو سر جھکائے اپنے پیروں کو دیکھ رہی تھی۔ دزدیدہ نظروں سے دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ نہ جانے سب لوگ کہاں چلے گئے تھے۔

اپنے بازو پر اس کے ہاتھ کا لمس اسے بری طرح چبھ رہا تھا۔ اس نے ایک بار پھر بے چین ہوکر اپنا بازو کھینچا۔

"ابھی میری بات پوری نہیں ہوئی۔" وہ اس کے بازو پر اپنے ہاتھ کا دباؤ بڑھاتے ہوئے بولا۔

"اگر تم نے اس وجہ سے انکار کیا ہے کہ میں تمہیں پسند نہیں تو۔ پھر ٹھیک ہے۔ تمہاری ناپسندیدگی بھی سر آنکھوں پر۔ میرے لیے میری پسندیدگی کافی ہے۔ چونکہ تم ایک مشرقی لڑکی ہو تو شادی کے بعد خود بخود مجھے پسند کرنے لگو گی' ہے نا۔"

وہ تھوڑا سا جھک کر اس کا چہرہ دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔

"مجھے جانا ہے۔" وہ روہانسی ہوکر بولی۔

"بات سنو نمرہ!" وہ ایک دم اتنی سنجیدگی سے بولا کہ وہ سب بھول کر اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"میں تمہیں اب سے نہیں تب سے پسند کرتا ہوں جب پہلی بار تمہیں دیکھا تھا۔ کہا اس لیے نہیں کہ میں تمہیں پرائر طریقے سے اپنانا چاہتا تھا۔ وہ سب کچھ جو تمہارے لیے سوچتا ہوں' وہ شادی کے بعد بتانا چاہتا تھا۔ مجھے جو بھی اچھا لگتا ہے میں اسے حاصل کرلیتا ہوں۔ میں چاہتا تو تمہیں بھی حاصل کرسکتا تھا لیکن تمہیں پانا چاہتا تھا تمہاری مرضی سے۔ اتنا انتظار میں نے صرف تمہاری محبت پانے کے لیے کیا اور تم نے کیا کیا۔"

اب کے اس نے اس کا بازو چھوڑ کر اسے کندھوں سے تھام لیا۔

"تم اگر اس وجہ سے انکار کرتیں کہ تمہیں میں اچھا نہیں لگتا تو مجھے بالکل برا نہیں لگتا لیکن تم نے کسی اور کو مجھ پر ترجیح دی۔ تمہیں کوئی اور اچھا لگتا ہے' یہ میری برداشت سے باہر ہے۔ یہ جو تمہارا چہرہ ہے نا۔" اس نے ایک ہاتھ سے اس کی ٹھوڑی پکڑی۔

"اس سے میں بہت محبت کرتا ہوں۔ اگر اس چہرے کو دیکھنے کا حق کسی اور کو دوگی تو یہ میری برداشت

سے باہر ہوگا۔

زوار نے اس کے چہرے سے ہاتھ ہٹالیا تھا لیکن وہ تو جیسے منجمد ہوکر رہ گئی تھی۔ زوار نے ایک گہری نظر اس کے سفید پڑتے چہرے پر ڈالی۔

"میں کبھی بھی تم سے اس طرح بات نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن تم نے مجھے مجبور کردیا۔"

وہ ایک دم اس کے قریب آکر کھڑا ہوگیا۔ یہاں تک کہ اس کی سانسیں اسے اپنے ماتھے پر محسوس ہونے لگیں لیکن ڈر نے اس کے حواس اس طرح سلب کرلیے تھے کہ وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکی۔ اس نے اس کے بازو کو حرکت میں آتے دیکھا اور پھر پیچھے ریک میں لگا وہ گلابی سوٹ اس کے سامنے تھا۔

"چلو۔" وہ اس کا بازو پکڑ کر بولا اور وہ کسی روبوٹ کی طرح اس کے پیچھے چل پڑی۔

"تھینکس فار یور کوآپریشن۔" باہر نکلتے ہی اس نے سیلز مین سے کہا اور ہزار کا نوٹ اسے تھمایا۔ نمرہ نے چونک کر پہلے زوار کو اور پھر اس سیلز مین کو دیکھا۔ اسے اب سمجھ میں آئی تھی کہ اتنی بڑی شاپ ہونے کے باوجود کوئی کیوں وہاں نہیں آیا تھا۔ اس نے آنکھ میں آنے والے آنسو کو روکنے کے لیے نچلا ہونٹ سختی سے دانتوں تلے دبایا۔

"سر! میرے لائق کوئی اور خدمت۔" وہ ہزار کا نوٹ تھامے زوار سے پوچھ رہا تھا۔

"بس یہ سوٹ پیک کروادیں۔" اس نے گلابی سوٹ اسے تھماتے ہوئے کہا۔

"نمرہ۔" پیچھے سے رمشا کی آواز پر وہ دونوں تیزی سے مڑے تھے۔

"کہاں تھیں تم' ڈھونڈ ڈھونڈ کر پریشان ہوگئے ہم لوگ۔" وہ واقعی اتنی پریشان تھی کہ اسے نمرہ کے ساتھ کھڑا زوار نظر نہیں آیا تھا اور کب سے ضبط کرتی نمرہ کا ضبط ٹوٹ گیا تھا۔ وہ رمشا کے گلے لگ کر رو پڑی تھی۔ پریشان رمشا حیران بھی ہوگئی تھی۔

"نمرہ کیا ہوا ہے۔" وہ اس کی پشت سہلاتے ہوئے بولی۔ تب ہی اس کی نظر زوار پر پڑی۔

"السلام علیکم۔" وہ مسکرا کر بولا۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں' میرا خیال ہے نمرہ کا بی پی لو ہوگیا ہے۔ میں شاپنگ کرنے آیا تھا۔ یہاں سے گزرا تو نمرہ پر نظر پڑی۔ میں ابھی حال احوال پوچھ رہا تھا کہ تم آگئیں۔" اتنے بڑے جھوٹ پر نمرہ نے روتے روتے ناراض نظر اس پر ڈالی تو وہ نبیل کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"اور بھئی نبیل! بہت مبارک ہو' عنقریب شادی شدہ ہونے والے ہو اور خوش قسمت ہو کہ جسے چاہا اسے پالیا۔" اس کی بات پر نبیل بے ساختہ مسکرادیا اور رمشا بھی مسکرادی تھی۔ جبکہ رمشا کے ساتھ لگی نمرہ نے ہونٹ بھینچ لیے۔

"مجھے لگتا ہے واقعی اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" نبیل نے اس کا سرخ پڑتا چہرہ دیکھ کر کہا۔

"گرمی بھی تو بہت ہے۔ رمشا نے بھی اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے اتفاق کیا۔

"چلیں میں آپ کو چھوڑ دوں۔"

"نہیں زوار! تھینک یو۔ نبیل ہمیں ڈراپ کردیں گے۔" رمشا کے کہنے پر وہ کندھے اچکا کر ان کے ساتھ چلنے لگا۔

"ہیلو۔" وہ گاڑی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ جب قریب سے آواز سن کر رک گئے۔ معیز کو دیکھ کر جہاں وہ سب حیران ہوئے تھے' وہیں نمرہ کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔

"کیسی ہیں آپ۔" اس نے رمشا سے پوچھنے کے بعد نمرہ کو دیکھا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔ آپ بتائیں آنٹی کیسی ہیں۔"

"وہ بھی ٹھیک ہیں۔ آپ۔" وہ جانے کیا کہنے جارہا تھا۔ زوار کو دیکھ کر چونک کر خاموش ہوگیا۔ ان تینوں نے اس کا چونکنا نوٹ کیا تھا۔ رمشا نے مڑ کر زوار کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔

"آپ دونوں جانتے ہیں ایک دوسرے کو؟"

"بہت اچھی طرح۔" رمشا کے پوچھنے پر زوار زور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دے کر بولا۔

"اوکے! میں چلتا ہوں۔" معیز ایک دم بوکھلا کر مزید بات کیے بغیر مڑ گیا۔

"یہ کون تھا؟" نبیل نے کچھ حیرت سے اس کی بوکھلاہٹ دیکھی۔

"یہ معیز تھا۔ بتایا تھا نا آپ کو نمرہ کے لیے اس کا پرپوزل آیا ہوا ہے۔" اب کے زوار نے چونک کر رمشا کو دیکھا اور اس کے بعد نمرہ کو' جو اسی طرف دیکھ رہی تھی' جہاں سے معیز گیا تھا۔ اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

☼ ☼ ☼

وہ بیڈ پر چت لیٹی کب سے چھت پر چلتے پنکھے کو گھور رہی تھی۔ دوپہر کے مناظر پوری جزئیات کے ساتھ اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم رہے تھے۔

اسے رہ رہ کر اپنی بزدلی پر غصہ آ رہا تھا۔ وہ کیوں اس کے سامنے کمزور پڑ گئی تھی۔ کیا ضرورت تھی اسے اس کی بکواس سننے کی اور پھر اس کی دھمکی۔۔۔ اس نے بے اختیار اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھک لیا۔ تب ہی اس کے تکیے کے نیچے رکھا موبائل بج اٹھا تھا۔ اس نے بڑی بے زاری سے موبائل نکال کر نمبر دیکھا مگر نمبر دیکھ کر اس کی بے زاری ہوا ہو گئی۔

"ہیلو کیسی ہو۔" دوسری طرف سے اس نے پوچھا تو وہ مسکرا دی۔

"ٹھیک ہوں۔"

"اچھا تمہاری آواز سے تو نہیں لگ رہا اور وہ دوپہر کو جب مال میں ملا تھا تو تب بھی تم مجھے ٹھیک نہیں لگی تھیں۔" وہ ٹھنڈی سانس لے کر رہ گئی۔

"آپ وہاں سے اتنی جلدی چلے کیوں گئے تھے۔" یاد آنے پر اس نے شکوہ کیا۔

"تو کیا کرتا تم پوری فوج کے ساتھ باہر نکلی تھیں۔ میں تو سمجھا تھا اکیلی آؤ گی۔ تھوڑی دیر ساتھ بیٹھیں گے۔ کچھ دل کی باتیں تمہیں سناؤں گا۔ لیکن۔۔۔"

اس کے افسوس بھرے انداز پر نمرہ کو بھی افسوس ہوا۔

"اچھا چھوڑو یہ بتاؤ وہ تمہارے ساتھ آدمی کون تھا۔" اس کا ذکر کرتے ہوئے نمرہ کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔

"وہ بھابھی کے بھائی ہیں۔"

"ہوں صرف بھابھی کے بھائی یا کچھ اور بھی۔" نمرہ کو اس کا لہجہ عجیب لگا۔

"آپ دونوں کو دیکھ کر تو لگا تھا آپ ایک دوسرے کو جانتے ہیں؟"

"ہاں جانتے تو ہیں بہت اچھی طرح سے۔"

"اچھا' وہ کیسے؟"

"یہ چھوڑو' بس یہ شخص مجھے بہت برا لگتا ہے۔" اور نمرہ نے پوری طرح اس سے اتفاق کیا۔

"وہ ہے ہی اس قابل کہ اس کو برا سمجھا جائے۔"

"کیوں۔۔۔" اب کہ معیز کی آواز میں تجسس تھا۔ نمرہ نے گہری سانس لی۔

"دراصل ان کا پروپوزل آیا تھا میرے لیے اور بھائی چاہتے ہیں کہ میں ان سے شادی کر لوں۔"

"تو کیا تم اس سے شادی کرانا چاہتی ہو؟"

"بالکل نہیں۔۔۔" وہ قطعی انداز میں بولی۔ "وہ۔۔۔ وہ شخص سخت ناپسند ہے مجھے۔"

"اور میں۔۔۔؟" اب کہ دوسری طرف سے مسکرا کر پوچھا گیا تھا۔ نمرہ کوئی جواب دیے بغیر مسکرا دی۔

"مجھ سے شادی کرو گی نا؟"

"جی۔۔۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے' اب اس بات پر قائم رہنا اور کیسے بھی حالات ہوں تم نے پیچھے نہیں ہٹنا' میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

"کیسے بھی حالات؟" اس نے پریشانی سے دوہرایا۔

"ہاں' میں نے ابھی تمہیں بتایا نا' میں زوار کو جانتا ہوں۔ وہ میرا بہت بڑا دشمن ہے اور مجھے نقصان پہنچانے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دے گا۔ ہو سکتا ہے وہ تمہیں یا تمہارے گھر والوں کو میرے

خلاف کرنے کے لیے غلط باتیں کرے۔ لیکن تم اس کا یقین مت کرنا۔ تمہیں مجھ پر یقین ہے نا نمرہ؟"

"جی۔۔۔" اس کے پوچھنے پر وہ الجھے ہوئے انداز میں بولی۔

"میں اب پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔ اگر تمہارے گھر والے نہ مانے تو تمہیں مجھ سے کورٹ میرج کرنی ہوگی۔" نمرہ کے سر پر دھماکا ہوا تھا۔

"اس کی نوبت نہیں آئے گی۔"

"نہ ہی آئے تو اچھا ہے' لیکن اگر ایسا ہوا تو تم میرا ساتھ دو گی نا؟" اس نے بمشکل اثبات میں جواب دیا۔

"آئی لو یو۔"

اس کی بھاری آواز پر اس نے فون بند کر دیا۔ وہ الجھ گئی تھی۔ دروازہ کھلنے پر اس نے تیزی سے سیل فون تکیے کے نیچے رکھا اور کروٹ بدل کر لیٹ گئی۔ وہ اس وقت کسی سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔

☼ ☼ ☼

رخسانہ جب اندر داخل ہوئی تو وہ بے چینی سے سارے کمرے میں چکراتا پھر رہا تھا۔

"زوار۔۔۔" اس نے چونک کر رخسانہ کو دیکھا۔ "تم سوئے نہیں ابھی۔"

لیکن وہ کوئی جواب دیے بغیر پھر چکر لگانے لگا۔ رخسانہ نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا' جو کافی پریشان لگ رہا تھا۔ اس سے پہلے وہ مزید کچھ پوچھتی اس کا موبائل بج اٹھا۔

"یہ نمبر کنفرم ہے؟" وہ دوسری طرف سے پوچھ رہا تھا۔ "اوکے تھینکس۔۔۔"

اس نے فون بند کر کے جلدی سے دوسرا نمبر ملایا۔ لب وہ فون کان سے لگائے شاید دوسری طرف سے فون اٹھائے جانے کا انتظار کر رہا تھا' جبکہ رخسانہ مسلسل الجھی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"زوار بات کر رہا ہوں۔" اس کے تعارف کروانے پر دوسری طرف سے قہقہہ سنائی دیا تھا۔

"بتانے کی ضرورت نہیں' میں پہچان گیا ہوں اور تمہارے ہی فون کا انتظار کر رہا تھا۔" اس کے جتاتے ہوئے انداز پر زوار کے ہونٹ بھنچ گئے تھے۔

"بولو کیوں فون کیا ہے۔"

"نمرہ سے دور رہو۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا تو معیز ہنس پڑا۔

"کیوں؟"

"اس سے تمہیں مطلب نہیں ہونا چاہیے۔" وہ طنزیہ انداز میں بولا۔

"تمہیں بہت تکلیف ہو رہی ہے معلوم ہوتا ہے بات کچھ اور ہی ہے۔ بڑی حیرت ہو رہی ہے زوار شاہ کو محبت ہو گئی اور وہ بھی ایسی لڑکی سے جو زوار سے محبت نہیں کرتی' بلکہ زوار شاہ کے سب سے بڑے دشمن سے شادی کرنا چاہتی ہے۔"

"بکواس بند کرواؤ اپنی۔" وہ ایک دم چیخ اٹھا۔

"اور چیخو زوار شاہ! بڑا سکون مل رہا ہے تمہاری چیخ سن کر۔"

"میں آخری دفعہ کہہ رہا ہوں' نمرہ سے دور رہو۔ ورنہ تمہارا وہ حشر کروں گا کہ تمہیں اپنی زندگی سے نفرت ہو جائے گی۔"

"پہلے بھی تم میرے ساتھ بہت برا کر چکے ہو' لیکن اب میری باری ہے' مجھے ہمیشہ اس لمحے کا انتظار رہا ہے کہ تمہیں تڑپتے دیکھوں۔ وہ لمحہ اب آ گیا ہے۔ میں تمہاری محبوبہ کا وہ حشر کروں گا کہ وہ اپنی زندگی سے نفرت کرنے لگے گی۔" اس کے لہجے میں سانپ کی سی پھنکار تھی۔

"اسے اس طرح اپنے جال میں پھنسایا ہے کہ اس کا نکلنا مشکل ہے۔ بچا سکتے ہو تو بچا لو۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔

"تم باز نہیں آؤ گے۔" زوار نے کافی سنجیدگی سے پوچھا۔

"مجھے کیوں کہہ رہے ہو' نمرہ سے کہو' وہ مجھ سے شادی سے انکار کر دے۔" معیز نے جیسے اس کی بے بسی کا مذاق اڑایا۔

"چہ چہ زوار شاہ! ایک لڑکی نے تمہیں میرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔"

اس سے زیادہ اس میں ضبط نہیں تھا۔ اس نے فون آف کر کے بیڈ پر پھینک دیا۔ رخسانہ جو خاموشی سے ٹیلی فون پر ان کی گفتگو سن رہی تھی۔ کافی حد تک سمجھ گئی تھی۔ "یہ وہی معیز ہے؟" رخسانہ کے پوچھنے پر اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"یہ جیل سے باہر کب آیا؟"

"پتا نہیں۔" وہ پریشانی سے بالوں میں ہاتھ چلاتا ہوا بولا۔

"نمرو کو روکنا ہوگا۔" وہ جیسے خود کلامی کے انداز میں بولا۔ رخسانہ نے کچھ حیرت سے اسے دیکھا۔

"جب وہ خود کنویں میں چھلانگ لگانا چاہتی ہے تو تم کیوں اسے بچانا چاہتے ہو۔ ٹھوکر کھائے گی تو اسے اندازہ ہوگا میرے بھائی کو ٹھکرا کر اس نے کیا کھویا ہے۔" زوار نے غصے سے اسے دیکھا۔

"رخسانہ! بے حسی کی کوئی حد ہوتی ہے۔ وہ صرف وسیم کی بہن نہیں میری محبت بھی ہے۔ میری محبت یعنی میری عزت۔"

رخسانہ قدرے شرمندہ ہو کر بولی۔ "تو تم کیا کرنے والے ہو۔"

"معیز کی باتوں سے لگتا ہے کہ وہ کافی حد تک نمرو کا برین واش کر چکا ہے۔ سو اس سے بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ وسیم کو یا آنٹی کو معیز کی حقیقت بتانی ہوگی۔ اس نے رخسانہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "اور تم کل تیار رہنا میں تمہیں چھوڑنے تمہارے گھر جاؤں گا۔"

رخسانہ نے گہرا سانس لے کر سر ہلایا۔ وہ خود بھی اب اپنے گھر جانا چاہتی تھی۔

☼ ☼ ☼

ان سب کے چہروں پر ناقابل یقین تاثرات تھے۔ وسیم نے پریشانی سے اپنی پیشانی کو مسلا تھا۔ جبکہ رمشا کے ذہن میں کل کا منظر ایک دم واضح ہوا تھا۔ جب زوار کو دیکھ کر معیز بوکھلا کر بھاگا تھا۔ سب سے زیادہ بری حالت زاہدہ کی تھی۔

"یا میرے مولا! اتنا بڑا دھوکا۔" ان کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے تھے۔ "کوئی اس طرح بھی دھوکا دیتا ہے۔ یوں بیٹیوں کی عزتوں سے کھیلتے ہیں اور اگر میں اپنی بچی ان لوگوں کو دے دیتی تو۔" وہ اس تصور سے ہی کانپ اٹھیں بلکہ وہاں موجود سب لوگ۔

"لیکن زوار! وہ تو یہ آنٹی وہ ماں ہو کر اس گھناؤنے کام میں اس کا ساتھ دیتی ہیں۔" رمشا کے سوال پر زوار طنزیہ انداز میں مسکرایا تھا۔

"وہ اس کی ماں نہیں ہے، بلکہ جرم کے اس کھیل میں اس کی پارٹنر ہے۔ وہ پہلے بھی اس طرح کئی لڑکیوں کی زندگیاں برباد کر چکے ہیں۔" کمرے میں محسوس کی جانے کی والی خاموشی چھا گئی تھی۔

"میں نے آپ کو یہ سب اس لیے بتایا ہے کہ آپ نمرو کو سمجھائیں کیونکہ مجھے نہیں لگتا وہ میری بات پر یقین کرے گی... اور اس کے فیوچر کو سیکیور کرنے کے لیے ضروری ہے آپ جلد از جلد اس کی شادی کر دیں۔"

اس کی تجویز پر وہ تینوں حیرانی سے اسے دیکھنے لگے۔

"بیٹا! اتنی جلدی کیسے کوئی اچھا رشتہ ملے گا۔" زاہدہ پریشانی سے زوار سے پوچھ رہی تھیں۔

"اگر آپ کو اعتراض نہ ہو اور اگر آپ کو مجھ پر بھروسا ہے تو میں آج ہی نمرو سے نکاح کرنے پر تیار ہوں۔" ان تینوں نے چونک کر زوار کا چہرہ دیکھا۔

☼ ☼ ☼

وہ کمرے میں داخل ہوئی تو ٹھٹک کر رہ گئی۔ سارا کمرا بکھرا پڑا تھا۔

"نمرو۔" وہ چیختی ہوئی اس کی طرف بڑھی جو ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی چیزیں پھینکنے لگی تھی۔ "کیا کر رہی ہو پاگل ہو گئی ہو۔"

"ہاں پاگل ہو گئی ہوں۔" رمشا نے حیرت سے اس کے بکھرے بالوں اور سوجی ہوئی لال آنکھوں کو دیکھا۔

"کس سے پوچھ کر زوار کے ساتھ میرا نکاح طے کیا

ہے۔"

"مجھے سخت نفرت ہے اس آدمی سے۔ کیا مجھے اتنا بھی اختیار نہیں کہ میں اپنی پسند کے شخص کے ساتھ شادی کر سکوں۔ وسیم بھائی نے اپنی پسند کی شادی کی۔ امی نے کچھ نہیں کہا۔ تم نے بھی امی کی پسند کے لڑکے کو ریجیکٹ کر کے نبیل بھائی کو پسند کیا۔ وہاں بھی کسی کو اعتراض نہیں ہوا۔ پھر میری دفعہ کیوں؟"

وہ اب روتے ہوئے گھٹنوں کے بل قالین پر بیٹھ گئی تھی۔

"ہم نے تمہاری پسند کو ترجیح دی تھی لیکن شاید تم نے سنا نہیں زوار نے کیا بتایا ہے معیز کے بارے میں۔ وہ ایک کریمنل ہے۔ جیل کاٹ کر آچکا ہے۔ اسمگلر ہے۔ لڑکیوں کو اسمگل کرتا ہے اور تم سے محبت کے لیے شادی نہیں کر رہا۔ تمہیں بیچنے کے لیے یہ شادی کا ڈھونگ کر رہا ہے۔"

رمشا نے ساری مروت بھلا کر اسے تلخ حقیقت بتا دی۔ لیکن اس وقت اس کی عقل پر پردہ پڑ چکا تھا۔

"جھوٹ بولتا ہے۔ وہ صرف مجھے حاصل کرنے کے لیے اور تم لوگوں کو معیز کے خلاف کرنے کے لیے جھوٹ بول رہا ہے۔ جو اس نے کہا تم لوگوں نے مان لیا۔ کسی نے اس سے پوچھا کہ معیز کے بارے میں اسے اتنی انفارمیشن کیسے ہے؟"

وہ اب سوالیہ نظروں سے رمشا کو دیکھ رہی تھی۔

"اسے کچھ پتا ہے تو وہ یہ سب کہہ رہا ہے نا۔ ورنہ اسے کیا فائدہ ہے۔" نمرو روتے ہوئے طنزیہ انداز میں مسکرا دی تھی۔

"فائدہ اسی کا ہے۔ معیز کا دشمن ہے وہ اور اگر تم لوگ میری شادی معیز سے نہیں کرنا چاہتے تو ٹھیک ہے مگر زوار سے بھی نہیں کرو۔" رمشا ہونٹ بھینچے اس کا ضدی انداز دیکھنے لگی۔

"تم ایسی تو نہیں تھیں۔" اس نے اب قدرے افسوس سے کہا۔ "زوار صرف تمہیں بچانے کے لیے اتنی جلدی نکاح کر رہا ہے۔"

"ہونہہ۔" وہ زہر خندہ انداز میں بولی۔ "اس کی شرافت بھی دیکھ چکی ہوں۔ کان کھول کر سن لو! میں معیز سے ہی شادی کروں گی۔" وہ ایک بار پھر قطعی انداز میں بولی تو رمشا غصے سے کھڑی ہو گئی۔

"اگر تمہاری عقل پر پردہ پڑ چکا ہے تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ باقی سب بھی اندھے ہو چکے ہیں۔ کل شام کو تمہارا نکاح زوار کے ساتھ ہے۔ اب چاہے تم رو کر گزارو یا ہنس کر یہ تمہاری مرضی ہے۔" رمشا کہہ کر باہر نکل گئی۔ جبکہ وہ پیچھے چیختی رہی اور آخر میں تھک کر رونے لگی۔

☼ ☼ ☼

اس نے مندی مندی آنکھوں سے گھڑی کی طرف دیکھا۔ رات کے تین بج رہے تھے۔ اس وقت کس کا فون ہو سکتا ہے۔ اس نے بڑبڑاتے ہوئے فون ریسیو کیا تو سسکی کی آواز سنائی دی تھی۔ وہ گہرا سانس لے کر رہ گیا۔

"نمرو بات کر رہی ہوں۔"

"پتا ہے بولو۔" اس کے روکھے لہجے پر دوسری طرف چند لمحوں کی خاموشی چھا گئی۔

"آپ نے اتنا بڑا جھوٹ بول کر جو گیم کھیلا ہے۔ میں اس میں آپ کو کامیاب نہیں ہونے دوں گی۔ معیز مجھے پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ آپ ان سے بدلہ لینے کے لیے ان پر ایسے ہی گندے الزامات لگائیں گے اور آپ نے ویسا ہی کیا۔"

"اور معیز صاحب نے یہ نہیں بتایا تمہیں کہ میں کس بات کا بدلہ لے رہا ہوں اس سے۔ کیا دشمنی ہے میری اس سے۔" ایک پل کے لیے وہ کوئی جواب ہی نہ دے سکی پھر تیزی سے بولی۔

"کیونکہ آپ ایک برے انسان ہیں اور میں آپ کو جتنا برا سمجھتی تھی آپ اس سے بھی زیادہ برے نکلے ہیں اور یہ یاد رکھیں اب میں کبھی بھی آپ سے شادی نہیں کروں گی، بے شک آپ مجھ پر تیزاب پھینک دیں۔"

"اور کچھ؟" اس کی ساری تقریر کے جواب میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جب وہ یہ بولا تو نمو بری طرح چیخ کر رہ گئی۔
"میں سچ کہہ رہی ہوں، میں آپ سے شادی نہیں کروں گی۔ میں گھر سے بھاگ جاؤں گی۔" ساتھ ہی فون بند ہو گیا۔
زوار بھی فون آف کر کے دوبارہ لیٹ گیا لیکن اب نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

☼ ☼ ☼

"کیا بات ہے، بڑے خوش لگ رہے ہو۔" قدسیہ بیگم نے چائے پیتے ہوئے بغور مسکراتے ہوئے معیز کو دیکھا۔
"بات ہی خوشی کی ہے۔" وہ ہاتھ میں پکڑا چمچہ گھماتے ہوئے بولا۔
"زوار شاہ یاد ہے آپ کو۔"
"اس کو کیسے بھول سکتی ہوں۔" وہ زہر خندہ انداز میں بولیں۔ "کیوں اب کیا ہوا ہے۔"
"ابھی تو کچھ نہیں ہوا، پر بہت کچھ ہونے والا ہے۔ میں ہمیشہ اس وقت کے انتظار میں رہا، جب اس سے بدلہ لے سکوں۔ لیکن اب تک اس کی کوئی کمزوری میرے ہاتھ نہیں آسکی۔ لیکن اب میں اس سے ایسا بدلہ لوں گا کہ ساری عمر یاد رکھے گا۔"
وہ بڑی دلچسپی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگیں۔ "زوار شاہ کو ایک لڑکی سے محبت ہو گئی ہے۔"
"تو؟" قدسیہ بیگم نے بھنویں اچکا کر پوچھا۔
"تو یہ کہ وہ لڑکی کوئی اور نہیں بلکہ نمو ہے۔"
قدسیہ کی مسکراہٹ سکڑ گئی تھی۔ "اور تم خوش ہو رہے ہو، جانتے ہو نا زاور کو پہلے بھی وہ ہمیں کافی نقصان پہنچا چکا ہے اور اب اگر اس نے تمہاری حقیقت نمو کو بتا دی تو جال میں پھنسی چڑیا اڑ جائے گی۔" وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔
"زوار یہ کوشش کر چکا ہے، بلکہ شام کو نکاح بھی کر رہا ہے نمو سے۔ لیکن ایسا کیسے ہو سکتا ہے جسے میں اپنی محبت کا جھانسا دوں اور وہ آسانی سے اس سے نکل سکے آج تک تو ایسا ہوا نہیں۔"

"مطلب؟" قدسیہ بیگم ناسمجھی سے اس کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ کو دیکھنے لگیں۔
"مجھے نمو کا فون آیا تھا کہ وہ میرے علاوہ کسی اور سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔"
"پھر؟" قدسیہ بیگم دلچسپی سے بولیں۔
"پھر یہ کہ اب میں اسے لینے جا رہا ہوں۔ میں سوچ رہا تھا کیسے اسے یہاں بلاؤں اور اب وہ خود ہی آرہی ہے بے وقوف۔ ہونے کے لیے تو میں یہ موقع کھو کر زوار کو کوئی موقع نہیں دینا چاہتا۔ آپ شیخ صاحب کو فون کر دیں کہ ایک گھنٹے میں پہنچ جائیں۔"
وہ ٹیبل سے چابیاں اٹھا کر سیٹی بجاتا ہوا باہر کی طرف بڑھ گیا۔

☼ ☼ ☼

اس نے شیشے سے جھانک کر دیکھا، وہ نیم جا چکا تھا۔ اس نے کچھ لمحے پر سوچ نظروں سے پارلر کے دروازے کو دیکھا اور گہرا سانس لے کر موبائل سے معیز کا نمبر ڈائل کر دیا۔ پندرہ منٹ بعد وہ اس کے سامنے تھا۔ گھر سے جب وہ نکلی تھی تو اسے کوئی ڈر یا خوف نہیں تھا لیکن جوں جوں گاڑی آگے بڑھ رہی تھی اس کی پریشانی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ ایک احساس ندامت تھا، جو مسلسل کچوکے لگا رہا تھا۔
"تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟"
معیز کے پوچھنے پر اس نے پیشانی کو انگلی سے دبایا تھا۔
"میں پوچھ رہا تھا زوار نے کیا کہا تھا میرے بارے میں۔"
یہی کہ آپ مجرم ہیں۔ لڑکیاں اسمگل کرتے ہیں اور سب جیسے اس کی بات پر ایمان لے آئے لیکن میں نے یقین نہیں کیا۔" کہنے کے ساتھ اس نے داد طلب نظروں سے معیز کو دیکھا، جس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی تھی۔ نمو نے ناسمجھی سے اس کی مسکراہٹ کو دیکھا۔ کار رکتے ہی اس نے حیرت سے اطراف پر نظر ڈالی۔

"یہ ہم کہاں آگئے ہیں۔"
"میرے دوست کا گھر ہے۔ اس نے یہاں قاضی اور گواہ کا انتظام کیا ہے۔"
وہ اترا تو وہ بھی الجھی الجھی سی اس کے پیچھے چلنے لگی۔ وہ ایک چھوٹا سا گھر تھا۔ اس نے سہمی سی نظر گھر کی خاموشی پر دیواروں پر ڈالی۔
"آنٹی کہاں ہیں۔"
"تم بیٹھو تو۔" اس نے کہنے کے ساتھ اسے ہلکا سا دھکا بھی دیا تو وہ جو اپنے ہی دھیان میں کھڑی تھی، لڑکھڑا کر صوفے پر گری۔ اس نے بے یقینی سے سامنے کھڑے معیز کو دیکھا، جو فون پر کوئی نمبر ملا رہا تھا۔
"جی شیخ صاحب! اِدھر ہیں آپ۔" وہ کسی سے پوچھ رہا تھا۔ "او کے جلدی آئیں میرے پاس ٹائم نہیں۔ اپنی امانت لے جائیں اور میری امانت مجھے سونپ جائیں۔"
دوسری طرف سے پتا نہیں کیا کہا گیا تھا۔ وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔
"کیا نہیں ہے۔ آپ دیکھیں گے تو مجھے داد دیے بغیر نہیں رہ سکیں گے۔" اس نے ایسی نظر سے نمو کو دیکھا کہ خوف کی ایک لہر اس کے پورے وجود میں سرایت کر گئی۔ کچھ غلط ہونے کا احساس الارم کی طرح اس کے ارد گرد بجنے لگا۔
"ہوں تو مس نمو! اس سے پہلے کہ میرے اور تمہارے راستے جدا ہو جائیں، تمہیں کچھ باتیں بتانا چاہتا ہوں تاکہ تمہارے دل میں کوئی افسوس نہ رہے۔ پہلی بات تو یہ کہ نہ تو یہاں کوئی قاضی آنے والا ہے، نہ میں تم سے شادی کر رہا ہوں۔ پہلے تم کو ٹریپ کرنا میرے بزنس کا حصہ تھا۔ بعد میں اس میں میرا بدلہ بھی شامل ہو گیا۔ جو کچھ زوار نے تمہیں میرے بارے میں بتایا تھا بالکل ٹھیک بتایا ہے۔ میرا بزنس بھی ہے اسمگلنگ۔ وہ بھی خوب صورت لڑکیوں کی۔ ابھی بھی میں نے تمہارا سودا ایک شیخ سے کیا ہے دس لاکھ میں۔"
نمو کے لیے یہ انکشاف اتنا اچانک اور جان لیوا تھا

دنیا بھر سے منتخب معیاری ادب
عمران ڈائجسٹ
جولائی 2012ء کے شمارے کی جھلک
تین سلسلے وار تحریریں
اس تاریخی کہانی میں آپ کو جہاں جنگوں کا احوال ملے گا، وہیں محبت کی لازوال داستان بھی نظر آئے گی۔ معروف مصنف اسلم راہی کے قلم سے
داسی
وہ دیوتاؤں اور دیویوں جیسے حسن کی مالک تھی...... اس کو نا جانے کون کون سی شکتیاں حاصل تھیں...... غزالہ جلیل راؤ کی تہلکہ خیز سلسلہ وار تحریر
فولادی
سرزمین پنجاب کی حسین وادی جہلم کا ایک سادہ لوح جوان، جو دشمن کے لیے ناقابل تسخیر "فولاد" بن گیا۔ ایم اے راحت کے قلم سے
اس کے علاوہ احمد صغیر صدیقی کی "برائے انصاف" ایم الیاس کی "زخمی شیرنی" صفدر شاہین کی "ہولناک ایڈونچر" محمد مقصود خان کی "حب الغم" حسن علی خان کی "ہم ذوق" وقار بن سعید کی "آمد و شد" دانش کمال کی "تحفۂ جاں" محمد صدیق طاہر کی "مریض کا قتل" صابر علی ہاشمی کی "بیکار معاش" اردو ادب سے انتخاب میں شوکت صدیقی کی "خان بہادر" ابراہیم جلیس کی "کالے چور کے نام" رام لعل کی "پہلا آدمی" سچی داستانوں میں ہما صفدر کی "پاگل نہ ہو جاؤں" نوازش شاہین کی "داغ دار" محمد سلیم اختر کی "شابو" اور آخری صفحات پر ایم اے راحت کے قلم سے معاشرتی ناول "زرگزشت"
آج ہی قریبی بک سٹال سے تازہ شمارہ حاصل کر لیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ اس کا سارا وجود برف کی طرح ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ صرف آنکھیں دیکھ اور کان سن رہے تھے۔ باقی سارا جسم مفلوج ہو گیا تھا۔

"آج سے پانچ سال پہلے میں ایک لڑکی کو اسی سلسلے میں دبئی لے کر جا رہا تھا۔ پتا نہیں کیسے اس لڑکی کو میری حقیقت پتا چل گئی تھی۔ میں جس ہوٹل میں ٹھہرا تھا' وہیں زوار بھی ٹھہرا تھا۔ پتا نہیں کیسے اس لڑکی کی زوار سے ملاقات ہوئی اور اس نے نہ صرف اس لڑکی کو بچا لیا بلکہ مجھے جیل بھی بھجوا دیا۔ اس کی وجہ سے مجھے جو لاکھوں کا نقصان ہوا سو ہوا۔ لیکن جو وقت میں نے جیل میں گزارا' وہ میں نہیں بھول سکتا اور جب مجھے پتا چلا زوار تم سے محبت کرتا ہے تو میں بتا نہیں سکتا' مجھے کتنی خوشی ہوئی۔ آج جب وہ نکاح کے لیے جائے گا اور تم نہیں ہو گی تو کیسے اس کی عزت کی دھجیاں اڑیں گی۔ کاش! میں اس وقت اس کا چہرہ دیکھ سکتا۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔

"تمہیں بچانے کی اس نے بہت کوشش کی۔ مجھے دھمکیوں بھرے فون کیے۔ لیکن افسوس وہ ہار گیا۔" وہ افسوس کرتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

"پہلے میرا ارادہ صرف تمہارا سودا کرنے کا تھا لیکن اب میں زوار کی عزت کو اپنے ہاتھوں سے پامال کرنا چاہتا ہوں۔"

نمرہ نے اس وقت پوری شدت سے اپنے مرنے کی دعا کی تھی۔ اس نے سختی سے آنکھیں بند کر لیں۔

"یا اللہ! اگر میں نے زندگی میں ایک نیکی کی ہے تو اس کے صدقے میری عزت کی حفاظت فرما۔"

"آنکھیں بند کر لینے سے بد قسمتی راستہ نہیں بدلتی۔" اس نے اپنے بہت قریب اس کی آواز سنی تھی۔ تب ہی باہر دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ معیز بدمزا ہو کر پیچھے ہٹا تھا۔

"یہ شیخ اتنی جلدی کیسے ٹپک پڑا۔" وہ جھنجلاتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔ وہ اسی طرح آنکھیں بند کیے پوری شدت سے اللہ سے مدد مانگ رہی تھی۔ باہر ایک دم بے تحاشا شور اٹھا تھا۔ بھاگتے قدموں کی آواز قریب سے آنے لگی تھی۔

"نمرہ!" قریب سے آتی جاتی پہچانی آواز اسے اپنا وہم لگی تھی۔

"نمرہ!" اب کسی نے اس کا چہرہ تھپتھپایا تھا۔ اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ اس نے دوبارہ آنکھیں بند کر کے کھولیں لیکن چہرہ نہیں بدلا تھا۔

"تم ٹھیک ہو؟" وہ پریشانی سے اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں پانی اکٹھا ہونا شروع ہو گیا حتیٰ کہ چہرہ دھندلا سا گیا۔

"نمرہ!" اس نے اس کا کندھا ہلایا۔ وہ ایک دم اس کے سینے سے لگ کر چیخ اٹھی تھی۔ وہ کافی دیر یونہی چیختی رہی پھر اس کی چیخیں آنسوؤں میں اور آنسو سسکیوں میں بدل گئے۔ اتنی دیر زوار یونہی ساکت اس کو ساتھ لگائے کھڑا رہا۔ یہاں تک کہ نمرہ نے خود ہی سر اٹھا کر اس کا چہرہ دیکھا۔

"سب ٹھیک ہے اب' آؤ۔" وہ آگے بڑھا تو نمرہ نے اس کی شرٹ مضبوطی سے تھام لی۔

زوار نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہ بری طرح ڈری ہوئی لگ رہی تھی۔ اس نے مضبوطی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ باہر پولیس کی گاڑیاں تھیں۔

"ماجد!" زوار کی آواز پر پولیس وردی میں ملبوس آدمی جو ایس ایس پی تھا۔ ان کے قریب آیا۔

"زوار! تم فکر مت کرو' بھابھی کو لے کر جاؤ میں ان لوگوں کو دیکھ لوں گا۔" "بھابھی۔۔۔ کہنے پر نمرہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

"ماجد! اب کی بار یہ چھوٹنا نہیں چاہیے۔ لوگوں کی عزتوں سے کھیلنے والے یہ لوگ معاشرے کا ناسور ہوتے ہیں۔ انہیں جتنی جلدی ختم کر دیا جائے' اتنا ہی اچھا ہے۔"

زوار نے غصے سے اس طرف دیکھا' جہاں معیز پولیس کے نرغے میں بیٹھا تھا۔

"شیخ بھی پکڑا گیا اور معیز کی وہ آنٹی بھی۔ مجھے لگتا ہے اس گروہ میں اور لوگ بھی ہیں۔ لیکن خیر میں دیکھ لوں گا تم بے فکر رہو اور بھابھی! آپ کو بھی گھبرانے کی

ضرورت نہیں۔" زوار نے اسے پتا نہیں کیا بتایا تھا جو وہ اسے بھابھی کہہ رہا تھا۔ وہ اسے لیے گاڑی میں بیٹھ گیا اور چپ چاپ ڈرائیو کرنے لگا۔ نمرہ نے بے چینی سے دو تین بار اس کی طرف دیکھا۔ وہ چاہتی تھی' وہ اس سے کچھ پوچھے' اسے ڈانٹے لیکن وہ بالکل خاموش تھا۔

"گھر میں کافی مہمان ہیں اور کسی کو کچھ پتا نہیں۔" گھر کے قریب پہنچ کر اس نے کہا تو نمرہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"میرا مطلب ہے کہ کسی کو کچھ کہنے اور بتانے کی ضرورت نہیں۔"

نمرہ کتنی دیر اسے دھندلی نظروں سے دیکھتی رہی۔

"تم تو پاگل لگ رہی تھیں؟" رمشا نے حیرت سے اس کے سادہ حلیے کو دیکھا تو گڑبڑا کر اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"راستے میں ہنگامہ ہو گیا تھا' پارلر کے شیشے بھی توڑ دیے ان لوگوں نے اسی لیے تو دیر ہو گئی۔ شکر کرو جان بچ گئی۔" پیچھے سے زوار نے آکر اس کی مشکل آسان کی۔

"اور اپنی بہن کو صرف اچھے کپڑے پہنا دو۔ یہ سادگی میں ہی مجھے اچھی لگتی ہے۔"

رمشا ہنس پڑی تھی جبکہ نمرہ ایک بار پھر زوار کی طرف دیکھنے پر مجبور ہو گئی تھی۔ نکاح نامے پر سائن کرتے ہی وہ اس بری طرح روئی تھی کہ سب پریشان ہو گئے تھے لیکن اس قدر ٹوٹ کر رونے کے پیچھے کیا وجہ تھی' صرف دو لوگ جانتے تھے۔ ایک وہ خود اور دوسرا زوار۔

☆ ☆ ☆

زاہدہ کب سے اسے دیکھ رہی تھیں جو پچھلے ایک گھنٹے سے مسلسل ایک ہی زاویے میں بیٹھی تھی جبکہ سامنے کھلے رسالے کا صفحہ تک نہیں پلٹا تھا۔

"نمرہ!" ان کی آواز پر بھی اس میں جنبش نہیں ہوئی تو وہ گھبرا کر اس کے قریب آگئیں۔

"جی امی!" اس نے چونک کر انہیں دیکھا تو انہیں جھٹکا لگا۔ وہ رو رہی تھی اور شاید اسے احساس بھی نہیں تھا۔

"کیا بات ہے میرے بچے! کیا ہوا ہے۔" وہ دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام کر پریشانی سے بولیں تو نمرہ ایک دم ان کے گلے لگ گئی۔

"امی پلیز! مجھے معاف کر دیں مجھ سے غلطی ہو گئی بہت بڑی غلطی ہو گئی۔" اس کا یوں رونا اور کسی غلطی کا اعتراف۔۔۔ زاہدہ کا دل انجانے خدشے پر تیز دھڑکنے لگا۔

"کیسی غلطی نمرہ!"

"امی! آپ وعدہ کریں آپ مجھے معاف کر دیں گی۔" وہ یونہی ان کے ساتھ لگے ہوئے بولی۔

"نمرہ! میرا دل بند ہو جائے گا۔ جلدی بول۔" پھر اس نے اٹکتے اٹکتے انہیں سب بتا دیا۔ اس کی پشت سہلاتا ان کا ہاتھ بالکل ساکت ہو گیا تھا۔ انہوں نے اسے خود سے الگ کر کے اس کا چہرہ دیکھا۔

"یہ غلطی نہیں گناہ ہے نمرہ! جو تم کرنے جا رہی تھیں۔ میں تمہیں جس دلدل میں گرنے سے بچانا چاہتی تھی تم اسی میں چھلانگ لگا رہی تھیں۔ اگر زوار وہاں نہ پہنچتا تو تم نے سوچا ہے کیا ہوتا تمہارے ساتھ۔" انہوں نے کہنے کے ساتھ اسے جھنجھوڑ ڈالا تھا۔

"نہ تم کسی قابل رہتیں اور نہ ہمیں کہیں منہ دکھانے کے قابل چھوڑتیں۔" انہوں نے جھٹکے سے اسے چھوڑا تو وہ لڑکھڑا کر رہ گئی۔ "تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟"

وہ اب دونوں ہاتھوں میں سر دیے پریشانی سے پوچھ رہی تھیں۔

"زوار نے منع کیا تھا مجھے۔" وہ روتے ہوئے بولی تو زاہدہ نے افسوس سے اس کا سر تھپتھپایا ہوا چہرہ دیکھا۔

"تم نے کوئی نیکی کی ہے جو تمہیں زوار جیسا شوہر ملا۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو تمہاری اتنی غلط حرکت کے بعد تمہیں اپنانا تو دور زمانے بھر میں رسوا کر دیتا مگر اس نے نہ صرف تمہاری عزت بچائی بلکہ تمہیں اپنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بام دیا بلکہ تمہیں تمہارے بھائی بہنوں اور دنیا کی نظروں میں بھی گرنے سے بچالیا۔"

نمو کے رونے میں شدت آگئی تھی۔ کیونکہ زوار کی محبت اور اس کی اعلا ظرفی کی تو وہ کب کی قائل ہوچکی تھی۔

"امی پلیز! مجھے معاف کردیں ورنہ میں اس بوجھ تلے مرجاؤں گی۔" وہ ایک بار پھر گڑگڑائی۔

"میں ماں ہوں تمہاری نمو! تمہاری سو غلطیاں معاف کرسکتی ہوں لیکن اب تمہیں معافی زوار سے مانگنی ہوگی۔ اس نے تمہیں معاف کردیا تو سمجھو میں نے تمہیں معاف کردیا۔" وہ کہہ کر رکی نہیں تھیں جبکہ وہ برستی نظروں سے کتنی دیر بند دروازے کو دیکھتی رہی۔

☆ ☆ ☆

"بھابھی! زوار نہیں آئے گا؟" رمشا نے کچن میں داخل ہوتی رخسانہ سے پوچھا تو نمو کے کان کھڑے ہوگئے۔

"کب سے اس کا نمبر ٹرائی کررہی ہوں، فون ریسیو نہیں کررہا۔ میسج کیا ہے دیکھو! آتا ہے یا نہیں۔"

سلاد بناتے نمو کے ہاتھ سست پڑگئے تھے۔ ان کے نکاح کو ایک مہینہ ہوگیا تھا اور پندرہ دن قبل اس کی اور رمشا کی شادی تھی۔ شادی کی ساری تیاریاں رخسانہ کررہی تھی اور جو یہ شادی کرنے کے لیے پاگل ہوا جارہا تھا، وہ منظر سے ہی غائب ہوگیا تھا۔

"تمہیں کیا ہوا، رو کیوں رہی ہو۔" رمشا کے حیرت سے پوچھنے پر رخسانہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

"نہیں وہ پیاز کاٹ رہی تھی نا۔" اس نے جلدی سے پیاز آگے کرلی پھر ایک دم سب چھوڑ کر جلدی سے کچن سے نکل گئی۔ کافی دیر بعد دوبارہ کچن میں آکر اپنا چھوڑا ہوا کام کرنے لگی تو رخسانہ نے کہا۔

"نمو پلیز! یہ کام بعد میں کرنا پہلے یہ جوس زوار کو دے آؤ۔ میرے کمرے میں بیٹھا ہے۔" اور نمو کو جیسے سکتہ ہوگیا تھا۔

"کیا ہوا۔" اسے یوں ساکت کھڑے دیکھ کر رخسانہ نے زیر لب مسکراتے ہوئے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے گلاس تھام لیا۔ باہر آئی تو زلیخا لاؤنج میں موجود تھیں۔

وہ نظریں چراتی کمرے کی طرف بڑھنے لگی۔ کمرے کی طرف بڑھتے اس کے قدم سست جبکہ دل کی دھڑکن بے حد تیز تھی۔

ایک وقت تھا، جب اسے اس کے سامنے جانے سے الجھن ہوتی تھی اور اب تو آنکھوں کو کب سے اس کا انتظار تھا۔

وہ دستک دے کر اندر آگئی وہ آرام کرسی پر آگے پیچھے جھولتے ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر چونکا۔ نمو نے سلام کرنے کے بعد گلاس اس کی طرف بڑھایا۔

"تھینکس۔" وہ گلاس تھام کر بولا۔ وہ وہیں کھڑی اسے دیکھتی رہی، جو اسے نظر انداز کرکے پوری توجہ سے ٹی وی اسکرین کو گھور رہا تھا۔

"آپ مجھ سے ناراض ہیں؟" پوری ہمت جمع کرکے اس نے یہ فقرہ ادا کیا تھا۔

"ہاں۔" آگے سے جواب اس کی توقع کے برعکس تھا۔ وہ ایک دم گھٹنوں کے بل اس کے سامنے بیٹھ گئی اور دونوں ہاتھ اس کے گھٹنے پر رکھ دیے۔

"مجھے معاف کردیں پلیز! مجھ سے غلطی ہوگئی۔" ساتھ ہی اس نے رونا بھی شروع کردیا۔ اس ردعمل کے لیے زوار تیار نہیں تھا، وہ بوکھلا گیا۔

"نمو پلیز۔"

"پلیز آپ مجھے معاف کردیں۔"

"اچھا بابا! اٹھو تو میں نے معاف کیا۔" وہ جلدی سے بولا۔

"نہیں ایسے نہیں، صحیح طریقے سے معاف کریں۔" زوار کی ہنسی چھوٹ گئی تھی۔

"یہ صحیح طریقہ کون سا ہوتا ہے۔" وہ کچھ نہیں بولی تھی۔ بس سر جھکائے روتی رہی تو زوار نے جھک کر اس کی پیشانی چوم لی۔ وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"اٹھو۔" وہ کھڑی ہوگئی۔

"بیٹھو۔" اس نے اس کا بازو پکڑ کر اسے اپنی ٹانگوں پر بٹھالیا۔

"اب بولو۔" وہ مسکرا کر اس کا بھیگا ہوا چہرہ دیکھنے لگا۔

"میں نے آپ سے اتنی بدتمیزی کی، برا بھلا کہا۔ آپ نے ایک دفعہ بھی مجھے کچھ نہیں کہا۔ اتنا بوجھ ہے میرے دل پر۔" اس کی آواز پھر بھرا گئی۔

"میں اتنی غلط حرکت کرنے جارہی تھی، مجھے ڈانٹتے، تھپڑ مارتے، کچھ تو کہتے... اگر اس دن آپ نہ آتے تو۔"

کہتے ہوئے اس کے آنسوؤں میں روانی آگئی۔ زوار نے مسکراتے ہوئے اس کے آنسو صاف کیے۔

"کیسے نہ آتا میری جان! جو بے وقوفی تم نے کی تھی اس کی توقع تھی مجھے تم سے۔ جب رات کو تم نے مجھے فون کرکے کہا تم بھاگ جاؤگی تب ہی مجھے شک ہوگیا تھا۔ ساری رات نہیں سویا۔ تم اگر دھیان دیتیں تو تمہیں اندازہ ہوتا، کوئی تمہارا پیچھا کررہا ہے۔ جب وسیم تمہیں پارلر چھوڑ کر گیا تھا، میں وہیں تھا اور جب تم سعود کی گاڑی میں بیٹھیں تب بھی میں وہیں تھا۔"

نمو بے ساختہ بول اٹھی تھی۔

"جب آپ سب جانتے تھے تو مجھے روکا کیوں نہیں، مجھے جانے کیوں دیا اس گھٹیا آدمی کے ساتھ۔"

"میں چاہتا تو ایسا کرسکتا تھا لیکن میں نے خود نہیں کیا۔ کیونکہ میں چاہتا تھا تم خود اپنی آنکھوں سے اس کا اصلی چہرہ دیکھو۔ کیونکہ جب تک تم خود نہ دیکھ لیتیں تم نے میرا تو یقین کرنا نہیں تھا۔ اور نہ تمہیں میری محبت کا اندازہ ہوتا۔"

نمو شرمندہ ہوکر رہ گئی۔ وہ بالکل ٹھیک کہہ رہا تھا۔

"خیر چھوڑو جو بھی ہوتا ہے اچھے کے لیے ہوتا ہے۔ ایسا نہ ہوتا تو کیا تم مجھ سے نکاح کے لیے مانتیں؟" اس نے مسکراتے ہوئے اس کی ناک دبائی تو وہ شرما کر مسکرادی۔

"اگر آپ مجھ سے ناراض نہیں تھے تو پھر آپ اتنے دنوں سے آئے کیوں نہیں اور فون بھی نہیں کیا۔"

"کیوں تم انتظار کررہی تھیں؟" وہ مسکراتے ہوئے بولا تو اس نے مسکرا کر سر ہلایا۔ وہ بے تحاشا خوش ہوگیا اور اس سے پہلے کہ وہ اپنی خوشی کا عملی مظاہرہ کرتا، وہ پھرتی سے اٹھ کر بھاگی۔

"کہاں جارہی ہو؟"

"معافی مانگنے آئی تھی۔ مانگ لی، اب جارہی ہوں۔" وہ کھلکھلا کر ہنستے ہوئے بولی۔

"کتنی دیر بھاگوگی تھوڑے دنوں کی بات ہے۔" وہ بھی اسی کے انداز میں بولا تو وہ ہنسی دباتی ہوئی باہر نکل گئی۔

اس کے انتظار میں بیٹھی زاہدہ نے چونک کر اسے دیکھا، جہاں سے وہ مسکراتی ہوئی اپنے دھیان میں آرہی تھی۔ اس کو یوں طمانیت سے مسکراتے دیکھ کر وہ بھی کھل کر مسکرادیں۔

☆

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے بہنوں کے لیے ایک اور ناول
میرے ندیم

قیمت -/275 روپے
رضیہ جمیل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نعیمہ ناز سلطان

ایک سوال

"یہ کیا کپڑوں کا جمعہ بازار لگا کر بیٹھی ہو؟" اپیا نے سنبعہ کو الماری سے دھڑا دھڑ کپڑے نکال کر بیڈ پر ڈھیر کرتے ہوئے دیکھا تو ٹوکے بغیر نہ رہ سکیں۔

"کپڑوں کی چھانٹی کر رہی ہوں' جو کپڑے پہننے کے نہیں ہیں' انہیں نکال کے رکھ دوں گی۔ عارف فلاحی اوارے میں دے آئیں گے۔ میں تو اکثر اپنے' عارف کے اور بچوں کے کپڑے' جوتے وغیرہ وہیں بھجواتی ہوں۔"

سنبعہ نے اپنے ریشمی کام دار جوڑے ایک ایک کر کے تہہ کرنے شروع کر دیے اور سوتی ملبوسات ایک طرف رکھنے لگی۔ مختلف تقاریب میں بنائے گئے کئی ریشمی جوڑے اب آؤٹ آف فیشن ہو چکے تھے اور گھر میں وہ پہنے نہیں جا سکتے تھے۔ سوتی ملبوسات وہ نکالے تھے جو کئی بار پہن کر اور دھل دھل کر اپنی آب و تاب کھو چکے تھے۔ یہی حال عارف اور بچوں کے کپڑوں کا تھا۔ اس نے جلدی جلدی سب سمیٹ کر بڑے بڑے شاپرز تیار کر کے ایک طرف رکھ دیے۔

"سارے ہی نکال دیے تم نے؟" اپیا نے شاپرز کو بغور دیکھا۔

"نہیں! ابھی بھی باقی ہیں کچھ کپڑے۔ اب اگلے سال دیکھوں گی۔ ابھی تو وہ تین بار پہننے کے قابل ہیں یہ سب تو اس لیے نکال دیے کہ عون کی شادی پر سب کے نئے نئے جوڑے بنیں گے۔ وہ بھی کم از کم تین تین تو بنیں گے ہی' اتنے کپڑے رکھنے کی جگہ نہیں ہے الماری میں' اسی لیے پہلے کا کچرا نکال دیا۔ اب نئے کپڑوں کی جگہ بن گئی۔" سنبعہ آرام سے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"بڑا خرچہ کر رہے ہیں بھائی صاحب' عون کی شادی پر۔" اپیا نے تبصرہ کیا۔

"ظاہر ہے' پہلی شادی ہے' پھر بیٹے کی ہے' خرچہ تو ٹھیک ٹھاک کریں گے ہی۔" سنبعہ کے لہجے میں خود بخود تفاخر ابھر آیا۔

"ہاں بھئی وہ کر سکتے ہیں یوں کھلا خرچ' آخر کو سرکاری افسر ٹھہرے۔ ہم جیسے تھوڑی ہیں کہ دانتوں سے پکڑ پکڑ کر ایک ایک پائی خرچ کرتے ہیں' پھر بھی مہینے کے آخر میں ادھار کا منہ دیکھنا پڑ جاتا ہے۔" اپیا نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

"چھوڑیں نا اپیا! یہ بتائیں شادی پہ کیسے کپڑے بنائیں گی؟ میں نے تو ابھی سے اپنے کپڑوں کے رنگ اور ڈیزائنز سوچ لیے ہیں۔ جیسا سوچا ہے' ویسے ہی لاؤں گی' چاہے کتنے ہی مہنگے پڑیں۔" سنبعہ کے لہجے میں بڑا جوش و خروش تھا۔

"دیکھو! جیسی گنجائش ہو گی' ویسے ہی تیاری کر لیں گے۔ اپنی چادر دیکھ کر ہی پاؤں پھیلانے پڑتے ہیں۔" اپیا نے حسرت زدہ لہجے میں کہا۔

ایسا نہیں تھا کہ وہ کوئی بہت ہی غریب غرباء قسم کے گھر سے تعلق رکھتی تھیں یا شوہر کی آمدنی بہت کم تھی۔ اچھی خاصی ٹھیک ٹھاک آمدنی تھی۔ بس یہ ہے کہ وہ ہر وقت اپنا موازنہ اپنے شادی شدہ بہن بھائیوں سے کرتی تھیں' جو ان کی نسبت زیادہ خوش حال تھے۔ لہٰذا یہ موازنہ انہیں ہر وقت پیسے کی تنگی کے گلے شکوے میں ہی مصروف رکھتا تھا۔

عون کی شادی کی تاریخ کیا ٹھہری' سنبعہ کے پاؤں میں تو گویا پہیے لگ گئے' بازاروں کے چکر اور شاپنگ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ ہر شے اعلا سے اعلا بہتر سے بہترین۔ ہزاروں روپے اس نے ان تیاریوں میں پھونک ڈالے تھے اور یہی وجہ تھی کہ شادی کی ہر ہر تقریب میں وہ اس کا شوہر اور بچے سب سے نمایاں اور الگ ہی دکھائی دے رہے تھے۔

"بہت خوب صورت جوڑے بنوائے ہیں تم نے۔ جیولری کا بھی کوئی جواب نہیں۔" اس کی کزن مہر آپا نے بے حد فراخدلی سے ولیمہ والے دن اس کی تعریف کی۔

"تھینک یو آپا!" سنبعہ فخر سے مسکرا دی۔

"اتنے مہنگے کپڑے بنا تو لو' پھر یہی ہو کہ آؤٹ آف فیشن ہو جائیں تو پہننے میں نہیں آتے' بس وارڈ روب بے کار میں بھری رہتی ہے۔" ان کی ٹیبل پر بیٹھی ایک دوسری کزن شازیہ نے تبصرہ کیا۔

"اب اگر یہ سوچ لیں تو کوئی بھی اپنی مرضی اور پسند کے کپڑے ہی نہ بنائے۔ کیا فائدہ دل کو مارنے کا۔ میں تو بھئی جی بھر کے اپنے ارمان پورے کرتی ہوں۔ جب کپڑے آؤٹ آف فیشن ہو جائیں یا ہمارے پہننے کے قابل نہ رہیں تو اللہ نام پر نکال دیتی ہوں۔ غریبوں کے لیے تو وہ پھر بھی اچھی کنڈیشن میں ہی ہوتے ہیں۔ کوئی پہنتا ہے تو ہمیں ثواب ہی ملتا ہے۔" سنبعہ نے بغیر منہ بنائے شازیہ کے تبصرے کے جواب میں کہا۔

"ہاں' یہ تو ہے۔ میں بھی سال کے سال اپنے اور گھر والوں کے پرانے جوڑے نکال کر کسی نہ کسی کو دے دیتی ہوں۔ جب پہننے نہیں تو کیا فائدہ سنبھال سنبھال کر رکھنے کا۔ اللہ نام پہ کسی کو دے کر نیکی ہی کما لو۔"

مہر آپا نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ پھر کچھ دیر بعد ان کی گفتگو کا رخ دولہا اور دلہن کے ملبوسات زیورات اور دوسری تیاریوں کی طرف مڑ گیا۔ بڑے جوش و خروش سے سب کے تبصرے جاری تھے۔

ولیمہ سے فارغ ہو کر رات کو سنبعہ بھائی کے گھر میں رک گئی تھی۔ اگلے دو دن بچوں کے اسکول کی چھٹیاں تھیں۔ اتوار کی رات شوہر لینے آ جاتے۔

ولیمہ کے اگلے دن دلہن اپنے رواج کے مطابق

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میکے چلی گئی۔ تھکے ہوئے میزبانوں اور مہمانوں سب کی صبح دوپہر میں ہوئی تھی۔ بیٹ پوجا سے فارغ ہو کر سب کے سب لاؤنج میں بیٹھے شادی پر تبصرے کر رہے تھے۔

"ارے ہاں سنیعہ! تمہارا اور اپیا کا پسناوئی کا جوڑا آیا رکھا ہے۔ یاد سے لے جانا۔ میں ابھی نکال دیتی ہوں۔" بھابھی کو اچانک کچھ یاد آیا تو وہ سنیعہ اور اپیا دونوں سے مخاطب ہوئیں۔

"اپنے بھی دکھایئے! کیسے جوڑے آئے ہیں؟" سنیعہ پرجوش ہو گئی۔

"ہاں ہاں! سارے جوڑے منگوا رہی ہوں۔ آرام سے دیکھ لو۔" بھابھی مسکرائیں۔

جوڑوں کی پیکنگ کھلنا شروع ہوئی اور سب کے تبصرے بھی۔ بھیا اور بھابھی کے سوٹ تو قیمتی تھے مگر سنیعہ کو ان کے رنگ پسند نہیں آئے۔

"کیسے عجیب عجیب کلر کے سوٹ دیے ہیں۔ کم سے کم کلر تو اچھے لینے چاہیے تھے۔ آخر خاص الخاص رشتہ ہے، سمدھن اور سمدھی کا۔" سنیعہ نے منہ بنایا۔

باقی گھر والوں کے سوٹ بھی اسے بس عام سے ہی لگے۔ اپیا کا سوٹ تو بالکل گزارے لائق تھا۔ اس نے منہ پھاڑ کر اپنے خیالات با آواز بلند بیان بھی کر دیے۔

سب سے آخر میں اس کے جوڑے کی پیکنگ کھلی دیکھتے ہی وہ چیخی۔

"ہائے بھابھی! یہ سوٹ تو میں نے دو سال پہلے عروبہ کی منگنی میں بنایا تھا۔ بالکل یہی کلر۔ یہی ڈیزائن۔ یاد ہے آپ کو؟"

"ہاں! کچھ دیکھا دیکھا تو لگ رہا ہے۔" ذہن پر زور ڈالتے ہوئے بھابھی نے غور سے جوڑا دیکھا۔

"ابھی ایک دو مہینے پہلے تو اس سوٹ کو میں نے اللہ نام پر دیا ہے۔ اب کون پہن رہا ہے یہ کلر اور یہ ڈیزائن۔ لوگ بھی پتا نہیں کیسے دل کے ہوتے ہیں۔ بھئی! آپ اپنے سمدھیانے میں کوئی تحفہ دے رہے ہیں وہ بھی پسناوئی۔ ذرا دل بڑا کر کے اچھا جوڑا دے دیں۔ آخر ہم بھی لڑکے کی پھپھو ہیں۔ کوئی ایرے غیرے تو نہیں ہیں۔ پسناوئی میں کوئی ایسے جوڑے دیے جاتے ہیں کہ بس سر پر سے بوجھ اتار کر دوسرے کے منہ پر مار دیا۔" سنیعہ کو اپنا جوڑا دیکھ کر شدید غصہ آرہا تھا۔

"چھوڑو! ہر ایک کا دل اتنا بڑا نہیں ہوتا کہ جو اپنے لیے پسند کریں، وہی دوسرے کے لیے بھی کریں دوسروں کو تو لوگ ایسے ہی ٹرخا دیتے ہیں۔" اپیا نے بھی جلے دل کے پھپھولے پھوڑے۔

"خود تو ہر تقریب میں پانچ پانچ ہزار کے جوڑے پہنے ہوئے تھیں۔ دینے کی باری آئی تو پتا نہیں کہاں سے سستے سستے، آؤٹ آف فیشن جوڑے خرید کر دے دیے۔ توبہ ہے! بہت ہی کنجوس ہیں ان کے سسرال والے۔" سنیعہ کا پارہ کسی طور نیچے آنے پر راضی نہیں تھا۔

"چلو! اب غصہ تھوک دو۔ جو بھی آیا ہے اسے ہی لے جاؤ۔" بھابھی نے نرم اور مصالحت آمیز انداز میں اس کا پارہ نیچے کرنے کی کوشش کی۔

"میں کیا کروں گی اس کا، جب پہننا ہی نہیں ہے۔ اللہ نام پہ اپنی ماسی کو دے دوں گی۔ بے چاری خوش ہو جائے گی۔ ہمیں ثواب مل جائے گا۔" سنیعہ کے تیوری کے بل کچھ کم ہونے لگے۔

"چلو بھئی عینی! پھپھو کے لیے کچھ ٹھنڈا لے آؤ تاکہ ان کا غصہ ٹھنڈا ہو۔" بھابھی عادت، مزاج کی بہت اچھی تھیں، مسکراتے ہوئے بیٹی سے کہنے لگیں۔

"ابھی لاتی ہوں۔" عینی فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مجھے جوڑے کا کوئی لالچ نہیں ہے۔ اللہ کا شکر ہے، بہت کپڑے ہیں میرے پاس۔ بس یہ ہے کہ بندہ اتنے قریبی رشتے اور تعلق میں کسی کو کچھ دے تو ڈھنگ کا دے، ورنہ نہ دے۔" سنیعہ نسبتاً نرم لہجے میں بولی۔

"چلو! چھوڑو ان باتوں کو۔ کوئی اور بات کرو۔" بھابھی نے موضوع بدلا اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگیں۔

☼

خواتین اور دوشیزاؤں کیلئے اپنی طرز کا پہلا ماہنامہ

خواتین ڈائجسٹ

جولائی 2012 کے شمارے کی ایک جھلک

- "جو بچے ہیں سنگ سمیٹ لو" فرحت اشتیاق کا مکمل ناول،
- ایک حساس اور چونکا دینے والے موڑ پر،
- "ایک رات کی بات" نایاب جیلانی کا مکمل ناول،
- "احساس زیاں جب ہوا" مقدس مشعل کا مکمل ناول،
- مہوش کنول اور راحت جبیں کے ناولٹ،
- سعدیہ حمید چودھری، نازیہ کنول نازی، نعیمہ ناز سلطان اور کنیز نبوی کے افسانے،
- FM-105 کی آر جے "ہما کاشف" سے باتیں،
- معروف ٹی وی فنکار "نعمان اعجاز" سے ملاقات،
- کرن کرن روشنی، نفسیاتی ازدواجی الجھنیں اور دیگر دلچسپیاں،

خواتین ڈائجسٹ جولائی 2012 کا شمارہ آج ہی خرید لیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

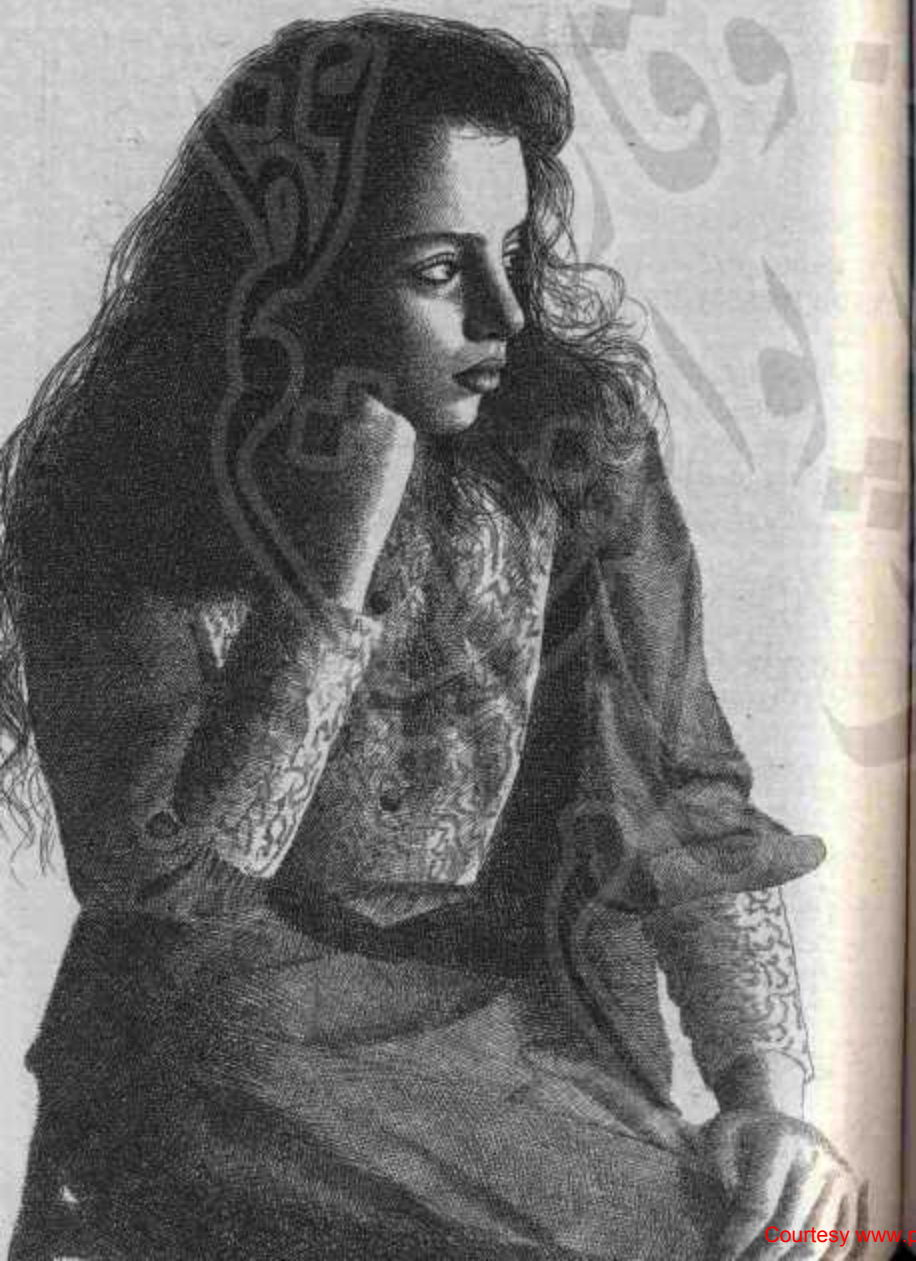

جنت کے پتے

سلیمان صاحب کے دو بچے ہیں' حیا اور روحیل۔ روحیل پڑھائی کے سلسلے میں امریکہ گیا ہوا ہے۔ حیا سلیمان کو یورپی یونین نے اسکالرشپ کے لیے منتخب کیا۔ اب وہ پانچ ماہ کے لیے ترکی جارہی ہے۔ حیا سلیمان کا ایک برس کی عمر میں سبین پھپھو کے آٹھ سالہ بیٹے جہان سکندر سے نکاح ہوچکا ہے۔ سبین پھپھو ترکی میں رہتی ہیں۔ بائیس سال پہلے ہونے والے نکاح کو سب جیسے بھول چکے ہیں مگر حیا کے لیے وہ رشتہ بہت اہمیت رکھتا ہے۔

تایا فرقان کے بیٹے داور کی مہندی کے فنکشن میں حیا اور ارم (تایا فرقان کی بیٹی) کے ڈانس کی ویڈیو کوئی انٹرنیٹ پر چلا دیتا ہے۔ حیا بدنامی کے خوف سے سائبر کرائم سیل سے رابطہ کرتی ہے۔ وہاں میجر احمد سے میٹنگ ہوتی ہے۔ حیا کے شکایت کرنے پر وہ ویڈیو ہٹا دیتا ہے۔

تایا فرقان' سلیمان صاحب حیا کے نکاح کو بھول کر اس کی شادی اپنے دوست کے بیٹے ولید لغاری سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ وہ ولیمہ والے دن حیا سے بے ہودگی کرتا ہے تو ایک خواجہ سرا ڈولی اس کی عزت بچاتا ہے۔ یہ خواجہ سرا حیا کو اکثر اہم مواقع پر ملتا رہتا ہے۔

حیا کے ساتھ اس کی کالج فیلو خدیجہ عرف ڈی جے ترکی جارہی ہے۔ وہ دونوں بہت جدوجہد کرکے پاسپورٹ اور ویزا بنواتی ہیں۔ دونوں کی دوستی ہوجاتی ہے۔

اسلام آباد جاتے ہوئے فلائٹ میں انہیں عثمان شبیر ملتے ہیں۔ ابوظہبی ایئرپورٹ پر ایک حبشی فون بوتھ پر ان کی مدد کرتا ہے۔ چغتائی اور احمت انہیں ترکی میں ریسیو کرتے ہیں۔ پھر ترک لڑکی ہالے ہاسٹل تک ان کی رہنمائی کرتی ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ترک روایت کے مطابق خدیجہ اور حیا کی سنز عبداللہ اپنے گھر دعوت کرتی ہیں جو حیا کو پاشا کے متعلق بتاتی ہیں۔ سبانے حیا کو جہان کے گھر لے جاتی ہے۔ جہان سکندر سرد مزاجی سے حیا سے ملتا ہے جبکہ سین پھپھو محبت سے ملتی ہیں۔ جہان کے گھر میں حیا کو پھر سفید پھول ملتے ہیں جس پہ جہان خفا ہوتا ہے۔

جہان نے حیا سے بات کرتے ہوئے ماضی کی یادوں کو دہرایا تب حیا کو پتا چلا کہ جہان کو اس کا اور اپنا نکاح یاد ہے۔ جہان نے اسے بتایا کہ اس کا باپ ملک کا غدار ہے اور اسے اس پر شرمندگی ہے۔

ویلنٹائن کی رات حیا کو حسب معمول سفید پھول ملے تو اس کے دوست معتصم نے محسوس کیا کہ کاغذ کے کنارے پر لیموں کا رس لگا ہوا ہے۔ اس نے ماچس کی تیلی جلا کر کاغذ کو تپش پہنچائی تو وہاں "اے آر پی" لکھا ہوا نظر آیا۔

حیا جہان سے ملنے گئی تو وہ ایک لڑکی کے ساتھ تھا۔ اس نے حیا کو نظرانداز کردیا۔ حیا ناراض ہو کر آگئی۔ جہان نے اسے منانے کے لیے ڈنر پہ مدعو کیا۔

حیا نے جہان کے ساتھ مل کر جزیرہ بیوک ادا کی سیر کا پروگرام بنالیا۔

وہ تینوں وہاں گئے تو حیا کو ایک بنگلے پر "اے آر پاشا" لکھا نظر آیا۔

جزیرے سے واپس لانے والی آخری فیری جارہی تھی۔ جہان اور ڈی جے اس میں سوار ہوگئے تو اسی وقت ایک بچہ حیا کا پرس جھپٹ کر بھاگا۔ حیا اس کے پیچھے گئی تو وہ اے آر پاشا کے بنگلے میں داخل ہوگیا۔ حیا اندر گئی تو دروازہ مقفل ہوگیا اور کسی شخص نے اسے عقب سے خوش آمدید کہا۔

بنگلے میں حیا کی ملاقات عبدالرحمن پاشا کی ماں سے ہوتی ہے۔ وہ حیا کو بتاتی ہے کہ پاکستان میں ایک چیریٹی شو میں عبدالرحمن پاشا نے حیا کو پہلی بار دیکھا تھا اور اسی رات پہلی مرتبہ وہ سفید پھول بھیجے تھے۔ میجر احمد سے پاشا نے ہی کہہ کر ویڈیو ہٹائی تھی۔ میجر احمد کرنل گیلانی کا بیٹا ہے جسے جہان کے ابا نے پھنسادیا تھا۔ عبدالرحمن پاشا حیا سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ حیا کہتی ہے کہ وہ شادی شدہ ہے اور عبدالرحمن سے قطعی شادی نہیں کرسکتی۔ پاشا کی ماں وعدہ کرتی ہے کہ پاشا آئندہ حیا کے راستے میں نہیں آئے گا۔ پاشا کی ماں حیا کا کچھ دے کر اسے جانے دیتی ہے۔ تایا فرقان کو ارم کے معاملے کی بھنک پڑجاتی ہے۔

حیا عبدالرحمن پاشا سے فون پر بات کرتی ہے کہ جہان کی اس طرح مدد کردے کہ اس کی ریسٹورنٹ کی مالکن اسے کچھ مہلت دے دے۔ پاشا مان جاتا ہے مگر کچھ ہی دیر بعد جہان کے ریسٹورنٹ پر توڑ پھوڑ کی خبر ملتی ہے۔ حیا سخت شرمندہ ہوجاتی ہے اور پچھتاتی ہے۔ ڈی جے کے سر میں درد اٹھتا ہے۔ حیا اسے اسپتال لے کر جاتی ہے مگر اسپتال میں ڈی جے انتقال کرجاتی ہے۔ اس کی میت کے ساتھ جہان اور حیا بھی پاکستان آجاتے ہیں۔

۵

پانچویں قسط

سرخ صنوبر کے اونچے درختوں کے درمیان ہوا سرسراتی ہوئی گزر رہی تھی۔ وہاں ہر سو گھنا جنگل تھا۔ اونچے درختوں کے پتے سنہری دھوپ کو مٹی تک پہنچنے نہیں دیتے تھے۔ وہ پہر کے وقت بھی ادھر ٹھنڈی میٹھی سی چھایا تھی۔

بہارے اسی چھایا میں ادھر ادھر بھاگتی پھول کے سفید پھول توڑ توڑ کر ٹوکری میں بھر رہی تھی۔ عائشے گل ایک درخت تلے زمین پہ بیٹھی سامنے پھیلے کپڑے پہ رکھے بہت سے سرخ جنگلی پھولوں کو دھاگے میں پرو رہی تھی۔ قریب ہی ایک درخت کا کٹا ہوا تنا گرا پڑا تھا۔

جب بہت سے پھول جمع ہوگئے تو وہ عائشے کے پاس آئی۔

"عائشے ــــ" سفید پھولوں سے بھری ٹوکری اس کپڑے پہ ایک طرف انڈیلتے ہوئے اس نے پکارا۔

"ہوں" اس نے ایک ہاتھ سے دھاگے میں سرخ پھول پروتے دوسرے ہاتھ سے سفید پھولوں کا ڈھیر نئے پھولوں سے ایک طرف سمیٹ دیا۔

"سفیر! تم سے لڑ کیوں رہا تھا؟" وہ خالی ٹوکری رکھ کر اس کے سامنے آلتی پالتی مار کے یوں بیٹھ گئی کہ اب دونوں کے درمیان پھولوں والا کپڑا بچھا تھا۔

"لڑ نہیں رہا تھا" اپنی بات سمجھانے کی کوشش کررہا تھا۔"

"مگر وہ اونچا اونچا کیوں بول رہا تھا؟" بہارے دونوں ہتھیلیوں پہ چہرہ گرائے الجھی الجھی سی پوچھ رہی تھی۔ گردن جھکا کر سوئی پھول میں ڈالتی عائشے نے مسکرا کر سر جھٹکا۔

"جب انسان دوسرے کی بات نہیں سمجھنا چاہتا تو وہ یونہی اونچا اونچا بولتا ہے۔ تمہیں پتا ہے نا وہ اس کے پیرنٹس نے اس کی شادی اس کی پاکستانی کزن سے طے کردی ہے اور وہ اس سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔"

"کیوں نہیں کرنا چاہتا؟"

"اس کی مرضی نہیں ہوگی!" اس نے سوئی کو پھول کی دوسری طرف سے نکال کر کھینچا۔ دھاگا کھنچتا چلا گیا۔ پھولوں کی لڑی لمبی ہوتی جارہی تھی۔

"شادی مرضی سے ہوتی ہے نا؟"

"ہاں!" وہ اب بہارے کے سفید پھولوں کو ہاتھ سے ادھر ادھر ٹٹول رہی تھی۔

"پھر جب میں بڑی ہوں گی تو میں عبدالرحمن سے شادی کروں گی۔"

پھولوں کو سمیٹتا اس کا ہاتھ رکا۔ اس نے ایک خفگی بھری نگاہ بہارے پہ ڈالی۔

"بری بات بہارے گل! اچھی لڑکیاں یوں ہر بات نہیں کرتیں۔"

"مگر میں نے عبدالرحمن کو کہہ دیا تھا۔"

وہ ایک دم ٹھٹک کر رک گئی اور بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"کیا کہا تم نے اسے؟"

"یہی کہ جب میں بڑی ہوں گی تو کیا وہ مجھ سے شادی کرے گا؟"

"تو اس نے کیا کہا؟"

"اس نے کہا، تمہیں ایسی بات کس نے سکھائی؟"

"پھر؟" وہ سانس روکے سن رہی تھی۔

"میں نے کہا ــ عا ــ عائشے گل نے!" روانی سے بولتی بہارے یک لخت اٹکی۔

"کیا؟" وہ ششدر رہ گئی۔ "تم نے اس سے جھوٹ بولا؟ تم نے وعدہ کیا تھا کہ اب تم جھوٹ نہیں بولو گی۔ خدایا! وہ کیا سوچتا ہوگا میرے بارے میں۔" اس نے تاسف سے ماتھے کو چھوا۔ بہارے نے لاپروائی سے شانے اچکائے۔

"مگر اسے پتا چل گیا تھا۔ اس نے کہا، عائشے گل اچھی لڑکی ہے اور مجھے پتا ہے، اس نے ایسا کچھ نہیں کہا ہوگا۔"

اس کی بات پہ عائشے کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ ایک بے اختیار سی مسکراہٹ اس کے چہرے پہ بکھر گئی۔ وہ ہولے سے سر جھٹک کر پھول اٹھانے لگی۔

"مگر تم نے جھوٹ نہیں چھوڑا نا۔"

"وعدہ، اب نہیں بولوں گی۔"

"ہر دفعہ اللہ سے وعدہ کرتی ہو۔ وہ ہر دفعہ تمہیں ایک اور موقع دے دیتا ہے مگر تم پھر وعدہ توڑ دیتی ہو۔ اتنی دفعہ وعدہ توڑو گی تو وہ تمہارے وعدوں کا اعتبار کرنا چھوڑ دے گا۔"

"آئندہ میں سچ بولوں گی، اب کی بار مضبوط والا وعدہ۔"

"چلو ٹھیک ہے۔" وہ مسکرادی۔ "اب تم نے ہمیشہ سچ بولنا ہے کیونکہ جب انسان بہت زیادہ جھوٹ بولتا ہے تو ایک وقت ایسا آتا ہے اس کے سچ کا بھی اعتبار نہیں رہتا۔"

پرندوں کا غول پھڑپھڑاتا ہوا ان کے اوپر سے گزرا۔ عائشے نے گردن اٹھا کر اوپر دیکھا۔ وہ پرندے یقیناً

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پورے ہیوک اوا کا چکر کاٹ کر اب سمندر کی طرف محو پرواز تھے۔

"عائشے گل!" چند لمحے ان پرندوں کے پنکھ کی مانند اڑ کر بادلوں میں گم ہو گئے تو بہارے نے پکارا۔

"بولو۔" وہ گردن جھکائے اپنی لڑی میں اب سرخ پھولوں کے آگے سفید پھول پرو رہی تھی۔

"تم تو ہمیشہ سچ بولتی ہو نا۔ ایک بات بتاؤ گی۔" بہارے ذرا ڈرتے ڈرتے کہہ رہی تھی۔

"پوچھو۔"

"عبداللہ کی بہن کسی کو کہہ رہی تھی کہ ہیوک اوا کی پولیس بہت بری ہے۔ وہ عبدالرحمن پاشا کو کچھ نہیں کہتی اور یہ کہ وہ جزیرے کا سب سے برا آدمی ہے۔ عائشے! کیا عبدالرحمن واقعی برا آدمی ہے؟" وہ رک رک کر متذبذب سے پوچھ رہی تھی۔

عائشے سانس روکے اسے دیکھ رہی تھی۔ بہارے خاموش ہوئی تو اس نے ذرا خفگی سے سر جھٹکا۔

"نہیں، وہ بہت اچھا آدمی ہے۔ عبداللہ کی بہن کو کیا پتا؟ اور تم نے کسی سے جا کر عبدالرحمن کے بارے میں کوئی بات نہیں کرنی۔ تمہیں اپنا وعدہ یاد ہے نا؟" بہارے نے گردن اثبات میں ہلا دی۔

"مجھے یاد ہے۔"

عائشے دھاگا دانت سے توڑ کر لڑی کے دونوں سروں کی آپس میں گرہ لگانے لگی۔ اس کے چہرے پہ ذرا سی اداسی بکھری تھی۔

وہ سہ پہر میں خدیجہ کے گھر سے واپس آئی تھی۔ کچھ دیر کمرے میں لیٹی رہی۔ سر درد سے پھٹا جا رہا تھا، بخار بھی ہو رہا تھا اور نیند تھی کہ آ ہی نہیں رہی تھی۔ بند کمرے میں گھٹن ہونے لگی تو وہ گھبرا کر اٹھی اور کھڑکیوں کے پردے دونوں ہاتھوں سے ہٹائے۔

سامنے لان میں کرسیوں پہ ابا اور اماں کے ساتھ تایا فرقان اور صائمہ تائی چائے پیتے نظر آ رہے تھے۔ میز پہ اسنیکس اور دیگر لوازمات رکھے تھے اور وہ لوگ باتوں میں مگن تھے۔ صائمہ تائی بہت سلیقے سے سر پہ دوپٹا جمائے فاطمہ کی طرف چہرہ کیے کچھ کہہ رہی تھیں۔ فاطمہ، تایا فرقان کے سامنے سر پہ دوپٹا لے لیتی تھیں جو پیچھے کہیں تک ڈھلک جاتا تھا۔ ان کی آنکھیں حیا جیسی تھیں اور لوگ کہتے تھے کہ بیس سال بعد حیا ایسی ہی ہوگی اور اب وہ سوچتی تھی کہ کیا پتا نہیں بیس سال بعد وہ ہوگی بھی یا نہیں۔

وہ شاور لے کر سادہ سفید ٹراؤزر پہ ٹخنوں کو چھوتی سفید لمبی قمیص پہنے، ہم رنگ دوپٹا سر پہ لپیٹے باہر آئی۔ پہلے عصر کی نماز پڑھی کہ نمازیں ان تین دنوں میں وہ قریباً ساری پڑھ رہی تھی۔ خدیجہ کے لیے بہت ڈھیر ساری دعائیں کر کے وہ اٹھی اور پھر دوپٹا شانوں پہ پھیلائے گیلے بالوں کو کھلا چھوڑے کچن کی طرف آگئی۔

فاطمہ فریج سے کچھ نکال رہی تھیں۔ اسے آتے دیکھا تو فریج کا دروازہ بند کر کے مسکراتی ہوئی اس کی طرف آئیں۔ شانوں تک آتے بالوں کو کیچر میں باندھے، وہ عام حلیے میں بھی بہت جاذب نظر لگتی تھیں۔

"میرا بیٹا اٹھ گیا؟" انہوں نے اسے گلے سے لگایا، پھر ماتھا چوما۔

"جی!" وہ مسکرانا چاہتی تھی مگر آنکھیں بھیگ گئیں۔

"بس صبر کرو۔ اللہ کی چیز تھی اللہ نے لے لی۔"

"صبر اتنا آسان ہوتا تو کوئی دوسرے کو کرنے کو نہ کہتا اماں! ہر شخص خود ہی کر لیتا۔ مگر میں کوشش کروں گی۔"

"گڈ! اچھا باہر آجاؤ، تایا تائی ملنے آئے ہیں۔"

"مجھ سے؟"

"ہاں اور جہان سے بھی۔"

"اوہ ہاں، کدھر ہے وہ؟" اسے یاد آیا کہ وہ بھی ساتھ آیا تھا۔

"بس کھانا کھا کر سو گیا تھا، ظاہر ہے تھکا ہوا تھا۔ ابھی میں نے دیکھا تو اٹھ چکا تھا، کہہ رہا تھا بس آ رہا ہوں۔"

ویسے سبین کا بیٹا ذرا ۔۔۔" وہ کہتے ہوئے جھجکیں۔ "ذرا ابراڈ وڈ سا ہے، نہیں؟"

"نہیں، وہ شروع میں یونہی ریزرو سا رہتا ہے۔"

"اور بعد میں؟"

حیا نے گہری سانس لی۔

"بعد میں بھی ایسا ہی رہتا ہے۔ اس شروع اور بعد کے درمیان بھی کبھی نارمل ہو جاتا ہے۔"

وہ باہر آئی تو اسے دیکھ کر تایا فرقان مسکرائے۔ وہ جھک کر ان دونوں سے ملی۔

"اتنے عرصے بعد ملا ہوں اپنی بیٹی سے اور وہ بھی ایسے موقع پر۔ تمہاری دوست کا سن کر بہت افسوس ہوا۔ اللہ اس کی مغفرت کرے۔"

"آمین!" وہ سر کے اثبات کے ساتھ تعزیت وصول کرتی کرسی کھینچ کر بیٹھی۔

"ہوا کیا تھا اسے؟" صائمہ تائی نے تاسف سے پوچھا۔

"برین ہیمبرج۔"

چند لمحے کے لیے ملال زدہ خاموشی چھا گئی، جسے برآمدے کا دروازہ کھلنے کی آواز نے چیرا۔ وہاں سے فاطمہ باہر آئی تھیں اور ان کے عقب میں جہان بھی تھا۔

اس نے سیاہ ٹراؤزر جس کے دونوں پہلوؤں پہ لمبی سفید دھاری تھی، کے اوپر آدھے بازوؤں والی سرمئی ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔ آنکھیں خمار آلود تھیں، جیسے ابھی سو کر اٹھا ہو۔ چہرہ اور سامنے کے بال گیلے تھے وہ شاید پانی کے چھینٹے مار کر تولیے سے منہ خشک کیے بغیر ہی باہر آ گیا تھا۔

اسے آتے دیکھ کر سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے وہ لان کے دہانے پہ پہنچا تو لمحے بھر کے لیے ذرا متذبذب سے گھاس کو دیکھا، پھر ایک نگاہ سامنے بیٹھے افراد کے قدموں پہ ڈالی جو جوتوں میں مقید تھے، پھر ذرا جھجک کر گھاس پہ چلتا ہوا ان تک آیا۔

حیا جانتی تھی کہ وہ کیوں جھجکا ہے۔ ترکی میں گھاس پہ چلنا سخت معیوب سمجھا جاتا تھا اور موقع ملنے پہ وہ اور ڈی جے اپنی دلی تسکین کے لیے گھاس پہ ضرور جوتوں سے چل کر دیکھتی تھیں۔

"شکر ہے تمہاری شکل تو دیکھی ہم نے۔" اس سے مل کر، نرمی انداز میں سب کا حال احوال پوچھ کر تایا فرقان نے گھنی مونچھوں تلے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"تھینکس!" وہ رسماً بھی نہیں مسکرایا اور اسی سرد انداز میں کرتا حیا کے مقابل کرسی کھینچ کر بیٹھا۔ وہ یہاں آنے پہ قطعاً راضی نہ تھا، وہ جانتی تھی۔

"سبین نے تو گویا قسم کھا رکھی تھی کہ ہمیں اپنے بیٹے کی شکل نہیں دیکھنے دے گی۔ اسے کیسے خیال آیا تمہیں بھیجنے کا؟" اس کے لیے دبے سے انداز کا اثر تھا کہ تایا فرقان کے مسکراتے لہجے کے پیچھے ذرا سی چبھن در آئی۔

"ممی کو اپنی بھتیجی کو اکیلے بھیجنا اکورڈ لگ رہا تھا، سو مجھے آنا پڑا۔" بغیر کسی لگی لپٹی کے اس نے کہہ ڈالا۔ منگیتر، منکوحہ کے الفاظ تو دور کی بات، اس نے تو میری کزن تک نہیں کہا تھا، گویا رشتوں کی حدود واضح کیں۔

سلیمان صاحب کے ماتھے پہ ذرا سی شکن ابھر آئی، اور صائمہ تائی کے لبوں کو ایک معنی خیز مسکراہٹ نے چھو لیا۔ حیا بالکل لاتعلق سی لان کی کیاریوں میں اگے پھولوں کو دیکھنے لگی۔ وہ اور ڈی جے ہمیشہ ٹاقسم پارک سے پھول چرانے کی کوشش کرتے تھے مگر وہ کیئر ٹیکر ان پہ بڑی سخت نگاہ رکھتا تھا۔

"اور تمہاری ممی کب آئیں گی؟" سلیمان صاحب نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے پوچھا۔

"ممی کی بھتیجی اور تمہاری ممی۔" اس کے گھر کے مرد آج بہت تول تول کر الفاظ ادا کر رہے تھے۔

"کچھ کہہ نہیں سکتا۔" اس نے شانے اچکا دیے۔

"جہان! جوس لو گے یا چائے، یا پھر کافی؟" فاطمہ نے چائے کے خالی کپ ٹرے میں رکھتے ہوئے اس کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مخاطب کیا۔ وہ مردوں کی بہ نسبت اس کو داور والا پروٹوکول دے رہی تھیں۔

"بس ابھی نئی بات ہے۔" اس نے روانی میں کہہ دیا مگر فاطمہ کی آنکھوں میں ابھرتی نا سمجھی دیکھ کر لمحے بھر کو متذبذب ہوا، پھر فوراً "تصحیح کی۔

"بس چائے!"

فاطمہ نے مسکرا کر سر ہلایا اور ٹرے اٹھائے اندر کی طرف بڑھ گئیں۔

"تو بیٹا! آپ کی اسٹڈیز کمپلیٹ ہو گئیں؟" صائمہ تائی اب بہت میٹھے لہجے میں پوچھ رہی تھیں۔ وہ ہر کسی کے لیے اتنی میٹھی نہیں ہوتی تھیں، کچھ تھا جو اسے چونکا گیا۔

"جی اب تو کافی عرصہ ہو گیا۔"

"پھر کیا کر رہے ہو آپ؟"

"میرا استقلال اسٹریٹ پہ ایک ریسٹورنٹ ہے وہی دیکھتا ہوں۔"

جواباً صائمہ تائی ذرا حیران ہوئیں، البتہ تایا فرقان نے متانت سے سر ہلاتے اپنے تاثرات چھپا لیے۔ وہ جانتی تھی کہ وہ لوگ استقلال اسٹریٹ کی قیمتی زمین کی اہمیت کو نہیں سمجھتے، اس لیے متاثر نہیں ہوئے اور گو کہ وہ اپنی لاتعلقی توڑنا نہیں چاہتی تھی، پھر بھی دھیرے سے بولی تھی۔

"استقلال اسٹریٹ پہ ایک ریسٹورنٹ کا مطلب ہے لاہور کی ایم ایم عالم روڈ پہ دو ریسٹورنٹس۔" وہ کہہ کر ـــ کیاریوں کو دیکھنے لگی۔

"اوہ اچھا ـــ گڈ!" ان کے تاثرات فوراً ہی بدلے تھے۔

"والد صاحب کی طبیعت کیسی ہے اب؟"

"جی ٹھیک ہیں۔" وہ مختصر جواب دے رہا تھا۔ تب ہی فاطمہ اس کی چائے کا مگ ٹرے میں لیے چلی آئیں۔

"کچھ لو نا بیٹا! تم نے کچھ نہیں لیا۔"

"جی میں لیتا ہوں۔" اس نے مگ اٹھایا مگر دوسری کسی شے کو چھوا تک نہیں۔

تایا فرقان اور صائمہ تائی ادھر ادھر کی چھوٹی موٹی باتیں کرکے جلد ہی اٹھ کر چلے گئے۔ البتہ جاتے وقت وہ جہان کے لیے دیے جانے والے آج رات کے ڈنر پہ سب کو مدعو کر کے گئے تھے۔

"تمہاری چھٹی کب تک ہے پھر؟" ان کے جانے کے بعد سلیمان صاحب جہان سے پوچھنے لگے۔

"بس یہی چار دن۔"

"پھر تم اپنی فلائٹ بک کروانا تو حیا کی مت کروانا۔ وہ واپس نہیں جائے گی۔" حیا نے چونک کر ابا کو دیکھا۔

"اوکے!" جہان نے ایک سرسری نظر اس پہ ڈالتے ہوئے شانے اچکا دیے۔

"مگر ابا ـــ ہمارا کانٹریکٹ۔" وہ ایک دم بہت پریشان ہو گئی تھی۔

"میں تمہارا میڈیکل سرٹیفکیٹ بنوا دوں گا۔ کانٹریکٹ کی فکر چھوڑ دو۔ اب میرا مزید حوصلہ نہیں ہے تمہیں باہر بھیجنے کا۔ اس بچی کا جنازہ بھگتایا ہے میں نے۔ اتنی دور اکیلی بچیاں بھیجنا کہاں کی عقل مندی ہے۔ کل کو کچھ ہوا تو۔"

"ابا! اس کے برین میں اندر بہت پہلے سے ـــ"

"حیا! جو میں نے کہا، وہ تم نے سن لیا؟" ان کا انداز اتنا دو ٹوک اور سخت تھا کہ اس نے سر جھکا دیا۔

"جی ابا!"

جہان لاتعلق سا بیٹھا چائے کے گھونٹ بھر رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

تایا فرقان کے پورچ کی بتیاں رات کی تاریکی میں جگمگا رہی تھیں۔ وہ اور جہان، فاطمہ کے ہمراہ چلتے ہوئے برآمدے کے دروازے تک آئے تھے۔ سلیمان صاحب کا کوئی آفیشل ڈنر تھا، سو انہوں نے معذرت کر لی تھی۔

دروازے کے قریب جہان رکا اور جھک کر بوٹ کا تسمہ کھولنے لگا۔ فاطمہ نے رک کر اچنبھے سے اسے

دیکھا۔

"پاکستان میں جوتے پہن کر گھر میں داخل ہوتے ہیں۔" وہ اتنی کبیدہ خاطر اور بے زار تھی کہ جہان سے مخاطب ہونے کا دل نہیں چاہ رہا تھا، پھر بھی کہہ اٹھی۔

"اوہ سوری!" وہ ذرا چونکا، پھر جلدی سے تسمے کی گرہ لگا کر سیدھا ہوا۔ یہ وہ پہلی باضابطہ گفتگو تھی، جو پاکستان آکر ان دونوں کے درمیان ہوئی تھی۔

"ترکی میں جوتے گھر کے باہر اتارتے ہیں، اس لیے وہ رکا تھا۔" اس نے ابھی بھی کھڑی فاطمہ کے قریب سرگوشی کر کے وجہ بتائی اور آگے بڑھ گئی۔

ڈائننگ ہال میں بہت پر تکلف کھانا سجا تھا۔ صائمہ تائی نے خوب اہتمام کر رکھا تھا۔ جہان بہت مختصر گفتگو کر رہا تھا۔ کوئی کچھ پوچھتا تو جواب دیتا اور پھر خاموشی سے کھانے لگ جاتا۔

ارم، سونیا بھابھی اور داور بھائی کے اس طرف بیٹھی تھی۔ وہ حیا سے ذرا رکھائی سے ملی۔ اس کا کھنچا کھنچا اور خاموش سا انداز حیا کو ساری وجہ سمجھا گیا مگر اس نے اثر نہیں لیا۔ وہ ڈی جے کا صدمہ اتنا گہرا لیے ہوئی تھی کہ اسے اب ان باتوں سے فرق نہیں پڑتا تھا۔

داور بھائی اور تایا فرقان، جہان سے ترکی کے متعلق چھوٹی چھوٹی باتیں یونہی برسبیل تذکرہ پوچھ رہے تھے اور وہ نپے تلے جواب دے رہا تھا۔

"آگے کا کیا ارادہ ہے تمہارا؟" کھانا درمیان میں تھا، جب تایا فرقان نے بہت سرسری سے انداز میں کہتے ہوئے گویا تاش کا پہلا پتا پھینکا۔

حیا نے ذرا چونک کر انہیں دیکھا اور پھر فاطمہ کو، جو حیا کی طرح ہی چونکی تھیں۔ جو بات ان دو ماہ میں وہ خود اور اتنے عرصے سے اس کے ماں باپ، سبین پھپھو یا جہان سے نہیں پوچھ سکے تھے، وہ تایا فرقان نے بڑے آرام سے پوچھ لی تھی۔

"کچھ سرمایہ جمع ہو تو جواہر ہال میں ایک ریسٹورنٹ کھول لوں گا۔" چمچے اور کانٹے سے چاول پلیٹ سے اٹھاتے ہوئے اس نے جواب دیا تھا۔

"تم داور سے سال بھر ہی چھوٹے ہو نا؟"

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"بھئی داور میاں تو اب مزید اسٹیبلش ہونے کے حق میں بالکل نہیں تھے اور صاحبزادے کا خیال یہ تھا کہ اس عمر میں فیملی شروع کر دینی چاہیے، سو ہم نے ان کی شادی کر دی۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

تایا فرقان چاولوں کی پلیٹ میں رائتہ ڈالتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔ حیا کے حلق میں نوالہ پھنسنے لگا، اس نے جھکا سر مزید جھکا دیا۔

"داور کے پاس اس کے والد کا اسٹیبلشڈ بزنس تھا، سو وہ اس پوائنٹ پہ شادی افورڈ کر سکتا تھا۔" جہان نے سلاد کی پلیٹ سے کھیرے کا ایک ٹکڑا اپنی پلیٹ میں رکھتے ہوئے کہا۔

"کام تو خیر تمہارا بھی اسٹیبلشڈ ہو گیا ہے۔"

جواباً اس نے ذرا سے شانے اچکائے۔

"میرے اوپر ابھی کافی قرض ہے، وہ ذرا ہلکا ہو جائے تو ہی کچھ سوچوں گا۔"

حیا نے گردن مزید جھکا لی۔ کیا تھا اگر وہ اپنی لینڈ لیڈی کے قرضے کا ذکر نہ کرتا، کچھ بھرم تو رہ جاتا۔

"یہ بھی ٹھیک ہے، انسان اس وقت ہی شادی کرے، جب وہ اس ذمہ داری کو نبھا سکے۔ ذمہ داری نبھانا بھی مشکل کام ہوتا ہے۔ ہاں اگر والدین ساتھ دیں تو یہ مشکل آسان ہو سکتی ہے، مگر سال پاکستان میں تو اب اکثر شادیوں پہ والدین ناخوش ہی ہوتے ہیں، کیونکہ آج کل کے بچے ان کی پسند کو اہمیت نہیں دیتے اور اپنی مرضی کرتے ہوئے ان کے طے کردہ رشتوں کو ریجیکٹ کر دیتے ہیں۔ یہ تو میرے بچے ہیں کہ جو ماں باپ نے کہا اس پہ راضی ہو گئے، ورنہ تو ـــ" انہوں نے معاشرے پہ ایک تبصرہ کرتے ہوئے تاسف سے سر جھٹکا۔

سونیا بھابھی نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ فاطمہ کی پیشانی پہ ناگواری شکنیں ابھر آئی تھیں، مگر وہ کچھ کہہ نہیں سکتی تھیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ویل ۔۔۔ یہ ڈیپینڈ کرتا ہے۔" جہان نے کولڈ ڈرنک کے گلاس سے چھوٹا سا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے' ماں باپ اگر اپنی مرضی مسلط نہ کریں تو چیزیں ٹھیک رہتی ہیں۔"

صائمہ تائی کی مسکراہٹ گہری ہوتی چلی گئی۔ فاطمہ کے چہرے پہ ایک تاریک سایہ لہرایا اور حیا کی گردن مزید جھک گئی۔ بھرے پنڈال میں گویا اس کی بے عزتی کر دی گئی تھی۔

"یہ بھی ٹھیک ہے۔" تایا فرقان نے سرہلا کر تائید کی۔ "تمہاری واپسی کب ہے؟" جواب مل گیا تھا' سو بات بدل دی۔

"سوموار کی فلائٹ ہے۔"

"حیا تو نہیں جا رہی نا۔ شکر ہے سلیمان نے کوئی عقل کے ناخن لیے۔ ویسے میرا بھائی میری طرح بزدل نہیں ہے بلکہ کافی بہادر ہے۔ میری بیٹی نے بھی آکر اسی اسکالرشپ کا کہا تھا' مگر میں نے اس کی ماں سے کہا کہ اسے سمجھاؤ' اکیلی لڑکی جب دوسرے ملک یوں تن تنہا جاتی ہے تو پورا خاندان انگلیاں اٹھاتا ہے۔ بھئی بچی جتنی احتیاط کرے' لوگ تو باتیں بناتے ہیں کہ کو ایجوکیشن میں پتا نہیں کیسے رہتی ہے' وہاں اکیلے باہر آتا جاتا ہو گا' کس سے ملتی ہے' کس سے نہیں' پھر کوئی اونچ نیچ ہو جائے تو ماں باپ تو ہو گئے بدنام۔ خیر! ویسے ترکی تو اچھا مسلمان ملک ہے اور تمہاری فیملی ساتھ تھی تو ہمیں اپنی بیٹی کی طرف سے بے فکری رہتی تھی۔"

انہوں نے کہتے ہوئے مسکرا کر حیا کو دیکھا جو خاموشی سے پلیٹ میں دھرے چاول کانٹے سے ادھر ادھر کر رہی تھی۔ وہ کھا نہیں رہی' کسی نے محسوس نہیں کیا۔

"حیا! تم نے شادی کے کپڑے بنوا لیے؟" صائمہ تائی نے گفتگو کا رخ اس کی طرف موڑا۔ اس نے ذرا سی نفی میں گردن ہلائی۔

"ابھی دیکھوں گی۔" اسے علم نہیں تھا کہ اماں نے کپڑے بنوائے ہیں یا نہیں۔

"چلو تم تو ریڈی میڈ بھی لے سکتی ہو' آسانی ہو جائے گی۔ سارا مسئلہ میری ارم کا ہوتا ہے۔ دوپٹا شیفون کا نہ ہو' پتلا دوپٹا سر پہ ہی نہیں ٹکتا' آستین باریک نہ ہو اور پھر جو اچھا جوڑا لگتا ہے اس کی آستینیں ہی غائب ہوتی ہیں۔ تمہاری تو خیر ہے' تم سب ہی کچھ پہن لیتی ہو' ساری مصیبت تو میری آئی رہتی ہے۔ بار بار درزی کے چکر لگانے پڑتے ہیں۔" بات ختم کر کے انہوں نے ایک نظر جہان پہ ڈالی۔ وہ ٹشو سے ہاتھ صاف کر رہا تھا۔

"بس کیوں کر دی بیٹا؟ اور لو نا' کھانا ٹھیک لگا تمہیں؟"

"جی! مامی! کھانا تو بہت اچھا تھا' بس ذرا مرچ زیادہ تھی۔" وہ پہلی دفعہ ذرا سا مسکرا کر بولا۔

جہاں تائی کی مسکان پھیکی ہوئی' وہاں سونیا بھابھی نے اپنی مسکراہٹ چھپانے کے لیے چہرہ جھکا دیا۔

☼ ☼ ☼

رات دیر تک جاگنے کے باعث وہ صبح دن چڑھے تک سوتی رہی اور آنکھ کھلی بھی تو موبائل کی آواز سے۔

اس نے مندی مندی سی آنکھیں کھولیں اور سائیڈ ٹیبل پہ رکھا اپنا پاکستانی موبائل اٹھا کر دیکھا۔ وہاں "پرائیوٹ نمبر کالنگ" جلتا بجھتا دکھائی دے رہا تھا۔

"اف ۔۔۔ یہ پھر پیچھے پڑ گیا۔" اور اسے پتا تھا کہ جب تک اٹھائے گی نہیں وہ کال کرتا رہے گا۔

"ہیلو؟" اس نے کہنیوں کے بل اٹھتے ہوئے فون کان سے لگایا۔

"ویلکم بیک۔ کیسی ہیں آپ؟" وہی دھیما' خوب صورت' گمبھیر لہجہ۔ اس کی پیشانی پہ بل پڑ گئے۔

"کیوں فون کیا ہے آپ نے؟"

"آپ کی دوست کا سنا تھا' بہت افسوس ہوا۔"

"آئندہ آپ کو کبھی افسوس ہو یا خوشی ہو' مجھے فون مت کیجیے گا۔"

"آپ اتنی بدگمان کیوں رہتی ہیں؟ آپ اگلے بندے کی پوری بات کیوں نہیں سنتیں؟" اسے جیسے غصہ آیا تھا۔

"دیکھیں! میں جانتی ہوں کیا آپ کون ہیں' میں یہ بھی جانتی ہوں کہ آپ کس کے بیٹے ہیں اور یہ بھی کہ آپ کا میرے خاندان سے کیا ایشو ہے' مگر بات جو بھی ہے' اس کا مجھ سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ آپ آئندہ فون کریں گے بھی تو میں نہیں اٹھاؤں گی۔ خدا حافظ۔"

اس نے زور سے بٹن دبا کر فون بند کیا اور تکیے پہ اچھال دیا۔ پتا نہیں کون سا گناہ تھا اس کا' جو وہ شخص اس کے پیچھے پڑ گیا اور اپنے ساتھ بہت سے مسئلے اس کے پیچھے لگا دیے۔

شام میں فاطمہ کے بے حد اصرار اور پھر ناراض ہونے کی دھمکی کے بعد حیا وہ کامدار انارکلی فراک پہننے پہ راضی ہوئی جو رنگ کے فرق کے ساتھ تمام لڑکیوں نے مہندی کے لیے بنوائے تھے۔ اس کا قطعاً "تیار ہونے کو دل نہیں چاہ رہا تھا' مگر فاطمہ نے اس کی ایک نہیں سنی۔

"جو ہو چکا ہے' ہم اسے بدل تو نہیں سکتے۔ پھر لوگوں کو خود پہ تمسخر کرنے کا موقع کیوں؟ فریش ہو کر جاؤ ورنہ تمہاری تائی کوئی نہ کوئی قصہ بنا دیں گی۔"

لمبا انارکلی فراک گہرے سبز رنگ کا تھا اور اس پہ دبکے کا سلور کام ہوا تھا۔ ساتھ میں سونیا بھابھی نے اس کو اپنا سبز اور سلور پراندہ باندھ دیا کہ سب لڑکیاں پراندے پہن رہی تھیں۔ سلور ٹیکا بھی سونیا نے ہی اس کی پیشانی پہ سجایا' مگر کسی بھی قسم کے سنگھار کے لیے وہ قطعاً "راضی نہ تھی۔

"کاجل تو ڈال لو۔" سونیا اس کے ساتھ سیڑھیوں کے اوپر کھڑی بحث کر رہی تھی۔ وہ اس وقت تایا فرقان کے گھر میں تھیں۔ سیڑھیوں سے نیچے لاؤنج میں ہر طرف رشتہ داروں کی چہل پہل تھی۔ مہوش اور سحرش کی چھوٹی بہن ثنا کیمرا لیے ادھر ادھر بھاگ رہی تھی۔ اس کا فراک سرخ کلر کا تھا۔ سونیا کا اپنی بری کا تھا' ہلکا گلابی۔

"نہیں رہنے دیں بھابھی!" اس نے بددلی سے چہرہ پیچھے ہٹایا۔ چاندی کے گول ٹیکے نے ڈھلے دھلائے چہرے کو سجا دیا تھا۔

سونیا تاسف سے سر جھٹک کر گویا اس پہ ماتم کرتی سیڑھیاں اتر گئی۔ اس نے ایک آخری نگاہ دیوار پہ آویزاں آئینے پہ ڈالی' کامدار سبز دوپٹا کندھے پہ ڈالا۔ اور دوسرا الجھا ہوا بازو سے آگے کو نکال لیا اور پلٹ کر سیڑھیاں اترنے لگی۔ تب ہی اس نے جہان کو دیکھا۔ وہ سب سے لاتعلق سا اپنے موبائل پہ کچھ پڑھتا سامنے سے چلا آ رہا تھا۔ فاطمہ اس کے لیے دو تین کرتے لے آئی تھیں اور اس وقت اس نے ان میں سے ایک سیاہ والا کرتا زیب تن کر رکھا تھا' جس کے گلے پہ سنہرے دھاگے کا کام تھا۔ آستین کہنیوں تک موڑے وہ کوئی میسج لکھ رہا تھا۔

وہ سج سج کر باریک ہیل سے زینے اترنے لگی۔ تاقسم والا واقعہ اسے نہیں بھولتا تھا۔ وہ آخری سیڑھی پہ تھی' جب جہان نے سر اٹھایا' ایک لمحے کے لیے ٹھٹک کر اسے دیکھا' پھر اس کی طرف آیا۔

"حیا ۔۔۔!" وہ آخری زینے پہ ایک ہاتھ ریلنگ پہ رکھے ٹھہری گئی۔

"میں نے اپنی سوموار کی فلائٹ بک کروائی ہے۔ تمہاری بکنگ تو نہیں کروائی نا؟ تم واپس نہیں جا رہیں' رائٹ؟" اس لاتعلق سے انداز میں وہ محض کام کی بات پوچھ رہا تھا۔ اس کے گلے میں آنسوؤں کا گولہ اٹکنے لگا۔

"نہیں' میں واپس نہیں جا رہی۔ ابا ایک دفعہ فیصلہ کر لیں تو پھر وہ اسے نہیں بدلتے۔" وہ آخری زینہ اتر کر اس سے چند قدم کے فاصلے پہ کھڑی ہوئی۔

"اوکے!" وہ شانے اچکاتے ہوئے پلٹنے ہی لگا تھا کہ ثنا اس پل کیمرا لیے ان کے سامنے آ گئی۔

"ایک منٹ جہان بھائی! ایسیں کھڑے رہیں' میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آپ دونوں کی پکچر لے لوں۔" خوش دلی سے کہتے ہوئے اس نے کیمرا اپنے چہرے کے سامنے کیا۔

جہان نے ذرا چونک کر ساتھ کھڑی حیا کو دیکھا اور پھر قدرے ناگواری سے وہ چند قدم آگے کو آیا۔ شاہ جو فوکس کر رہی تھی نے ذرا حیران ہو کر کیمرا چہرے سے نیچے کیا۔

"کسی کی پکچر بنانے سے پہلے اس سے پوچھ لینا چاہیے۔" لب بھینچے ذرا درشتی سے کہہ کر وہ آگے بڑھ گیا۔

ثنا کا رنگ ماند پڑ گیا۔ اس کا کیمرے والا ہاتھ ڈھیلا ہو کر پہلو میں آگرا۔ اس نے پلٹ کر راہداری کی سمت دیکھا جہاں وہ جاتا دکھائی دے رہا تھا پھر وہ بے وجہ غصے سے سر جھٹکا۔

"میری توبہ جو کبھی ان کی تصویر بناؤں یا ان سے بات بھی کروں۔" وہ خفگی سے بڑبڑاتے ہوئے آگے چلی گئی۔

حیا نے انگلی کی نوک سے آنکھ کا بھیگا گوشہ صاف کیا اور سر کو خفیف سی جنبش دے کر آگے بڑھ گئی۔ اس کے پاس رونے کے لیے بہت سے غم تھے۔

مہندی کا فنکشن زاہد چچا کے لان میں ہی منعقد کیا گیا تھا۔ لان کافی کھلا اور وسیع تھا سو قناتوں سے صرف اوپر کی چھت بنائی گئی باقی اطراف کھلی رکھی گئیں۔ جہاں ہر سو دیواروں پر لڑیوں کی صورت بتیاں جگمگا رہی تھیں۔

اسٹیج پر رکھے لکڑی کے جھولے کو گیندے کے پھولوں سے آراستہ کیا گیا تھا اور موش اس پہ کسی ملکہ کی شان سے بیٹھی تھی۔ اس کا انار کلی فراک باقی لڑکیوں کے برعکس دو رنگا تھا۔ سرخ اور زرد۔ ان ہی دو رنگوں کا پراندہ آگے کندھے پہ ڈالے دوپٹا سر پر ٹکائے وہ مسکرا کر بہت پر اعتماد طریقے سے سب سے باتیں کر رہی تھی۔ اس اعتماد میں غرور کی جھلک بھی تھی۔ وہ خوب صورت نہیں تھی مگر خوب صورت ساری ایسا ہی تراش خراش پہ لٹانے کے بعد اب بے حد پرکشش لگ رہی تھی۔

پہلو میں بیٹھا اس کا ماموں زاد عفان عام سی شکل کا کینیڈین نیشنل تھا مگر سننے میں آیا تھا کہ تازہ تازہ بے حد امیر ہوا ہے۔ ابھی یہ کہانی حیا نے پوری سنی نہیں تھی۔

وہ بالکل کونے میں رکھی ایک میز کے گرد کرسی پر بیٹھی تھی۔ وہاں جگہ جگہ ایسے ہی میزوں کے گرد کرسیوں کے پھول بنے تھے۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ بھی اپنے سبز فراک میں ادھر ادھر خوش باش پھر رہی ہوتی مگر آج وہ اندر سے اتنی بے زار اور اداس تھی کہ وہیں بیٹھی سب کو خالی خالی نگاہوں سے دیکھے گئی۔

ہر طرف لڑکیاں لڑکے آجا رہے تھے۔ ثنا اپنا کیمرا اٹھائے ناتھے۔ جھوٹا ٹیکا سنبھالتی ادھر ادھر اشتعالی تصویریں کھینچتی پھر رہی تھی۔ اسٹیج پہ صائمہ تائی جھک کر موش کو مہندی لگا کر اب مٹھائی کھلا رہی تھیں۔ ارم بھی وہیں تھی۔ اس کا انار کلی فراک ہلکا فیروزی تھا اور بھی وہ دوپٹا گردن میں ڈال لیتی تو کبھی سر پہ کر لیتی کہ خواتین اور مردوں کا ایک ہی جگہ انتظام تھا اور تایا فرقان بھی آس پاس ہی تھے۔

زاہد چچا روشن خیال تھے تو موش کے ماموں کا خاندان بھی آزاد خیال تھا سو مہندی کا فنکشن مشترکہ رکھا گیا تھا۔ البتہ ان کے خاندان کے لڑکے اور مرد ذرا الگ تھلگ چند میزوں پر براجمان تھے تاکہ برائے نام ہی سہی پارٹیشن ہو جائے۔ تایا فرقان اور سلیمان صاحب سب وہیں تھے۔

وہ اسی طرح بیٹھی پراندہ آگے کو ڈالے غیر دلچسپی سے سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ اس نے ایک سرسری سی نگاہ میں گرد و پیش کا جائزہ لے کر جہان کو ڈھونڈنا چاہا تھا اور وہ اسے نظر آبھی گیا تھا۔ دور مردوں کی طرف تایا فرقان اور سلیمان صاحب کے ساتھ کرسی پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے ہوئے آستین عادتاً کہنیوں تک موڑے وہ خاصا لاتعلق سا بیٹھا تھا۔ یقیناً وہ جی بھر کر بور ہو رہا تھا۔

وہ تخی سے سر جھٹک کر واپس اسٹیج کو دیکھنے لگی جہاں اب فاطمہ موش کو مٹھائی کھلا رہی تھیں۔ ساتھ ہی اس کی جڑواں بہن حرش بیٹھی مسکرا کر کیمرے کو دیکھتی تصویر بنوا رہی تھی۔ اس کا انار کلی فراک پستئی رنگ کا تھا۔ دونوں بہنوں کی شکل و صورت سمیت سب مختلف تھا۔ مگر بڑے بڑے مغرورانہ انداز یکساں تھے۔ شاہ جو تک چھوٹی تھی یا فطرتاً "مختلف تھی" سو اس نے یہ اثر قبول نہیں کیا تھا۔

"حیا... ادھر بیٹھی ہو؟" ارم اپنا فیروزی کلمدار دوپٹا ٹھیک سے جماتے ہوئے اس کے ساتھ کرسی پہ آبیٹھی۔ کل کی نسبت اس کا رویہ قدرے دوستانہ تھا۔

"ہاں تم سناؤ! تھک گئی ہو؟" وہ بھی جواباً نرمی سے بولی۔

"ہاں بس، تھوڑی بہت۔ اچھا وہ..." لہجہ ذرا سرسری بنا کر وہ بولی "فون فارغ ہو گا تمہارا؟ مجھے ذرا نفسہ کو کال کرنی تھی، کچھ نوٹس کا کہنا تھا۔ میرا فون خراب ہے آج کل۔"

حیا نے گہری سانس اندر کو کھینچ کر خارج کی۔ "تو ارم نے اس کا فون بھی لے لیا گیا تھا۔"

"ہاں! فون فارغ ہے، جب چاہے لے لو، مگر کریڈٹ ختم ہے، جب سے آئی ہوں ملوایا ہی نہیں ہے۔ دوسرے ظفر کو ڈھونڈ رہی تھی کہ وہ ملے تو اس کو بھیج کر کارڈ منگواؤں۔"

اس نے تایا فرقان کے کل والی تفتیش کا نام لیا۔ گو کہ یہ سچ نہیں تھا اور کریڈٹ اس نے صبح ہی ڈلوالیا تھا مگر وہ ارم کو فون نہیں دینا چاہتی تھی۔

"اچھا..." ارم کے چہرے پہ واضح مایوسی پھیلی تھی۔

"اماں کا فون فارغ ہو گا، لے آؤں؟" وہ اٹھنے لگی تو اس کی توقع کے عین مطابق ارم نے جلدی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر روک دیا۔

"رہنے دو، میں بعد میں ابا سے لے لوں گی۔ میرا فون ذرا ایمرجنسی کے لیے نہ کیا ہوتا تو... خیر تم سناؤ، ترکی میں سب ٹھیک تھا؟" وہ بات کا رخ پلٹ گئی۔

"بس... وہاں کی تو اب دنیا ہی بدل گئی ہے اور یہ موش، حرش کے انداز اتنے بدلے بدلے کیوں لگ رہے ہیں؟" اس نے پراندے کو ہاتھ سے پیچھے کرتے ڈالتے ہوئے حیرت کا اظہار کر ہی دیا۔ آخر دونوں کزنز تھیں اور کبھی بہت اچھی دوستیں بھی ہوا کرتی تھیں۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے ان دونوں کا۔" ارم سرگوشی میں کہتے ہوئے ذرا قریب کھسک آئی۔ "یہ جو عفان صاحب ہیں نا، جن کو میں اپنا ڈرائیور بھی نہ رکھوں۔ انہوں نے کینیڈا میں کسی رئیلٹی ٹی وی شو میں حصہ لے کر ڈیڑھ ملین ڈالرز جیتے ہیں اور ان سب کی جون ہی بدل گئی ہے۔ سنا ہے دونوں ہنی مون پہ یورپ کے ٹور پہ جا رہے ہیں۔" ارم کے لہجے میں نہ حسد تھا نہ رشک۔ بس وہ اکتائی ہوئی لگ رہی تھی۔

"تب ہی میں کہوں!" اس نے استہزائیہ سر جھٹکا۔ ارم کچھ دیر مزید بیٹھی پھر اٹھ کر چلی گئی۔ اسے اگر کسی نے اسٹیج کی طرف بلایا تو بھی وہ نہیں گئی اور اصرار بھی کسی نے نہیں کیا۔ اس کے صدمے سے سب واقف تھے، مگر اس کی دوست کے غم میں کسی نے اپنا کام نہیں چھوڑا تھا اور وہ کسی سے ایسی توقع کر بھی نہیں رہی تھی۔ پھر بھی دل پہ ایک بوجھ سا تھا۔ کتنی بے حس تھی یہ دنیا۔ کیسے گھروں میں لوگ ختم ہو جاتے ہیں اور یہاں کسی کا کچھ نہیں بگڑتا۔ سب کام جاری و ساری تھے اور...

ایک دم سے بجلی غائب ہو گئی۔ برقی بتیاں گل ہو گئیں۔ ہر طرف اندھیرا اور سناٹا چھا گیا۔ صرف کیمرا مین کے کیمروں کی فلیش لائٹس کی روشنی رہ گئی۔ پھر مایوسی، غصہ بھری، مشتعل سی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ موبائل کی ٹارچز آن ہوئیں۔ کسی نے بھاگ کر برآمدے کی یو پی ایس کی ٹیوب لائٹ جلائی تو مدھم سفید روشنی برآمدے میں پھیل گئی۔

رضا، فرخ، سمیع وغیرہ کو ان کی ماؤں نے آوازیں دیں۔ "جنریٹر آن کرنا تھا پھر کیوں نہیں چلا؟

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کوئی تو جنریٹر چلائے۔" ہر طرف جھنجلاہٹ بھری آوازیں سنائی دینے لگیں۔

لڑکے بھاگ کر برآمدے میں آئے اور سمیع نے جلدی سے آگے بڑھ کر جنریٹر چلانے کی کوشش کی مگر اس کا انجن مردہ پڑا رہا۔

اچھے بھلے فنکشن میں بدمزگی سی ہو گئی۔ ہر طرف بے چینی اور اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔ ہر میز پہ ایک ٹمٹماتی موبائل کی ٹارچ جگمگا رہی تھی۔

"یہ نہیں ابا! نہیں چل رہا۔" داور بھائی نے دو چار دفعہ کوشش کی مگر بے سود۔ وہ ہاتھ جوڑ کر مایوسی سے کہتے ہوئے کھڑے ہوئے۔

ابا اور تایا فرقان بھی برآمدے کے ستونوں کے پاس آن کھڑے ہوئے تھے۔ حیا کی میز چونکہ برآمدے سے بہت قریب تھی، سو وہ گردن موڑ کر بیٹھی سب کچھ دیکھ رہی تھی۔

"جاؤ، مکینک کو بلا کر لاؤ یا دوسرے جنریٹر کا بندوبست کرو۔ جلدی۔" تایا فرقان برہمی سے ڈانٹتے اپنے بیٹوں کو دوڑا رہے تھے۔ کوئی ادھر بھاگا، تو کوئی ادھر۔ ہر طرف ایک شرمندگی اور بے زاری پھیل گئی تھی۔

وہ ایک کہنی میز پہ ٹکائے، ٹھوڑی ہتھیلی پہ رکھے، گردن ترچھی کر کے برآمدے کو دیکھے گئی، جہاں مدھم سی روشنی میں رکھا جنریٹر دکھائی دے رہا تھا۔ قریب ہی تایا فرقان اور سلیمان صاحب کھڑے قدرے متاسف سے آپس میں کچھ کہہ رہے تھے۔

دفعتاً وہ ذرا چونکی۔ اس نے جہان کو برآمدے کے زینے چڑھتے ہوئے دیکھا۔ تایا فرقان اور ابا نے اسے نہیں دیکھا تھا، وہ آپس میں مصروف تھے۔

وہ خاموشی سے آستینیں مزید پیچھے موڑتے ہوئے آگے بڑھا اور جنریٹر کے سامنے ایک پنجے اور ایک گھٹنے کے بل بیٹھا۔ نچلا لب دانتوں سے دبائے، وہ اب گردن جھکائے جائزہ لینے لگا تھا۔

پھر سر اٹھایا اور متلاشی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا۔ پھر قریب سے افراتفری کے عالم میں گزرتی ثنا کو اس نے آواز دی۔ وہ ٹھٹک کر رکی۔ اس نے کچھ کہا تو وہ ذرا حیرت سے سر ہلاتی واپس اندر چلی گئی۔ لمحوں بعد اس کی واپسی ہوئی تو اس نے چھری، پینچ کس اور ایسی چند چیزیں لا کر اس کے ساتھ رکھیں اور پھر خود بھی وہیں کھڑی ہو گئی۔

وہ جنریٹر کا کور اتارنے لگا۔ تب ہی تایا فرقان کی نگاہ اس پہ پڑی تو وہ چونکے۔ وہ بغیر اپنے کپڑے کی پروا کیے، زمین پہ بیٹھا جنریٹر میں ہاتھ ڈال کر کچھ دیکھ رہا تھا۔ تایا فرقان کی نگاہوں کے تعاقب میں سلیمان صاحب نے بھی اس طرف دیکھا۔

"فیول والو میں کچھ پھنس گیا ہے، ابھی صاف ہو جائے گا۔" اس کی آواز مدھم مدھم سی حیا تک پہنچی تھی۔ ثنا بہت حیرت، بہت متاثر سی اس کے ساتھ کھڑی اس کو کام کرتے دیکھ رہی تھی، جو بالکل کسی ماہر مکینک کے انداز میں بہت مہارت سے تاریں ادھر ادھر کر رہا تھا۔

چونکہ ہر سو اندھیرا تھا اور روشنی صرف برآمدے میں تھی، سو برآمدے کا منظر سارے منظر پہ چھانے لگا۔ لڑکیاں اور رشتہ دار خواتین مڑ مڑ کر اسے دیکھ رہی تھیں۔ ماحول پہ چھائی بے چینی ذرا کم ہوئی۔

اس نے کور واپس ڈالا۔ اس کے ہاتھوں پہ کالک لگ گئی تھی۔ پھر اس نے جنریٹر کا لیور کھینچا اور پیچھے کو ہٹا تو ساتھ ہی ایک جھماکے سے ساری بتیاں روشن ہو گئیں۔ اتنی تیز روشنی سے حیا کی آنکھیں لمحے بھر کو چندھیا گئیں۔ اس نے بے اختیار انہیں میچ کر دھیرے دھیرے کھولا۔

ثنا خوشی اور تشکر سے کچھ کہتے ہوئے چیزیں اٹھا رہی تھی۔ وہ ہاتھ جھاڑتے ہوئے اٹھ رہا تھا۔ ثنا نے اس کے ہاتھوں کی طرف اشارہ کر کے کچھ کہا تو وہ اسی سنجیدگی سے سر ہلا کر اندر چلا گیا۔ ثنا بھاگ کر اس کے پیچھے گئی۔

سلیمان صاحب جو قدرے دم بخود سے دیکھ رہے تھے، ذرا سنبھل کر واپس مڑ گئے۔ وہ متاثر ہوئے تھے

اور وہ اس تاثر کو چھپانے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔ حیا مسکراہٹ دبائے واپس سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

جس شخص نے اندھیروں میں روشنیاں بکھیری تھیں، اس سے سب ہی متاثر تھے۔ البتہ وہ جانتی تھی کہ ابا نے بھی یہ توقع نہیں کی ہو گی کہ جہان یوں زمین پہ بیٹھ کر جنریٹر کھولنے لگ جائے گا۔ اس کے دل میں ایک بے پایاں سا فخر جاگا۔ اس کی اور یقیناً "ثنا کی بھی خود ساختہ سی خفگی اب کہیں نہیں تھی۔

مہمانوں کے لیے ریفریشمنٹ تھی اور ان کے جانے کے بعد گھر والوں کے لیے کھانے کا انتظام تھا۔ جب مہمان چلے گئے اور صرف وہی اپنے لوگ رہ گئے تو لان میں خواتین کا کھانا لگا دیا گیا جبکہ مردوں کا انتظام اندر تھا۔ مرد حضرات اور لڑکے وغیرہ اٹھ کر اندر چلے گئے تھے۔ لان خالی خالی سا ہو گیا تھا۔

وہ پانچوں کزنز اب اسٹیج پہ جھولے اور ساتھ رکھی کرسیوں پہ آ بیٹھی تھیں۔ مہوش تھوڑی دیر بیٹھی پھر "میں اب آرام کروں گی" کہہ کر نزاکت سے اپنا فراک سنبھالے اٹھ کر اندر چلی گئی۔

"جہان بھائی تو بڑے کمال کے ہیں۔" ثنا اپنی ہیلز اتار کر دکھتے پیروں کو ہاتھ سے سہلا رہی تھی۔ "میں نے تو ان سے کہہ بھی دیا کہ جہان بھائی! میں نے آپ کو پاس کر دیا۔ پہلے تو حیران ہوئے، پھر ہنس پڑے۔ سچ حیا آپی! آپ کے فیانسی ہیں بڑے اسمارٹ۔"

"اچھا۔" وہ پھیکا سا مسکرا دی۔

"ان فیانسی صاحب کو تو شاید خود بھی اپنی منگنی کا علم نہیں ہے۔ سلوک دیکھا ہے ان کا حیا کے ساتھ؟" ارم جو قدرے بے زار سی بیٹھی تھی، تنک کر بولی۔ "اور جب سمیع بھائی مکینک کو لا ہی رہے تھے تو کیا ضرورت تھی بھرے مجمع میں الیکٹریشن بننے کی؟ لوگ بھی کیا سوچتے ہوں گے، ترکی سے یہی سیکھ کر آئے ہیں۔"

ثنا کے تو تلووں پہ لگی، سر پہ بجھی۔

"ارم آپی! بات سنیں، سمیع بھائی کو الیکٹریشن لانے میں پون گھنٹہ تو لگ ہی جانا تھا، جبکہ جہان بھائی نے چھ سات منٹ میں سارا مسئلہ حل کر دیا اور اتیج کی کیا بات ہے، لوگ تو امپریس ہی ہوئے ہوں گے۔"

"ہاں، بہت امپریس ہوئے ہوں گے کہ ہمارا اترکش کزن باورچی ہونے کے ساتھ ساتھ مکینک بھی ہے۔" ارم بڑے تمسخر سے ہنس کر اٹھ گئی۔ ثنا نے غصے بھری نگاہوں سے گردن موڑ کر اسے جاتے دیکھا۔

"ارم آپی بھی نا، ہر وقت مرچیں ہی چبائی رہتی ہیں۔"

"اچھا جانے دو۔ اس کی تو عادت ہے۔ تم مجھے آج کی پکچرز دکھاؤ، اس کے بعد کھانا کھائیں گے۔" اس نے کہا تو ثنا سر ہلاتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتی اندر آ گئی تھیں۔

لاؤنج میں سارے مرد حضرات بیٹھے تھے۔ جہان بھی ادھر ہی تھا۔ ایک سنگل صوفے پہ بیٹھا وہ غور سے داور بھائی کی باتیں سن رہا تھا جو وہ اپنے مخصوص انداز میں با آواز بلند کر رہے تھے۔ وہ دونوں تیز تیز چلتی لاؤنج کے سرے پہ بنے دروازے تک آئیں۔ وہ باہر کھڑی رہ گئی جبکہ ثنا نے دھیرے سے دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔ وہ مہوش کا کمرا تھا جس کے اندر ثنا کا کیمرا رکھا تھا۔ نائٹ بلب کی مدھم روشنی میں بیڈ پہ لیٹی آنکھوں پہ بازو رکھے مہوش نظر آ رہی تھی۔ ثنا دبے قدموں اندر گئی اور ڈریسنگ ٹیبل سے کیمرا اٹھایا۔ آہٹ پہ مہوش نے بازو ہٹایا۔

"کیا ہے ثنا! سونے دو نا مجھے۔" وہ تنک کر بولی۔

"سوری آپی! بس جا رہی ہوں۔" ثنا کیمرا اٹھا کر جلدی سے باہر آئی اور دروازہ بند کیا۔

"ایک تو مہوش آپی بھی نا۔" وہ ذرا خفگی سے کہتی اس کے ساتھ کچن کی جانب بڑھ گئی۔ ایک دفعہ پھر لاؤنج سے گزر کر وہ دونوں کچن میں آ گئی تھیں اور حیا جانتی تھی کہ وہ نامیک اپ کے بھی اتنی خوب صورت لگ رہی تھی کہ اس کے بہت سے کزنز نے نگاہوں کا زاویہ موڑ کر اسے دیکھا ضرور تھا، البتہ وہ ویسے ہی داور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھائی کی جانب متوجہ تھا۔

وہ دونوں اب کچن میں کاؤنٹر سے ٹیک لگائے کھڑی ثنا کے ہاتھ میں پکڑے کیمرے کی چمکتی اسکرین پہ گزرتی تصاویر دیکھ رہی تھیں۔ جنہیں ثنا انگوٹھے سے بٹن دباتی آگے کرتی جارہی تھی۔ تب ہی دھاڑ سے دروازہ کھل کر بند ہونے کی آواز آئی۔ ان دونوں نے چونک کر سر اٹھایا۔

"داور بھائی! یہ کیا تماشا ہے؟" وہ ضبط کھو کر چلانے والی مہوش تھی۔

لمحے بھر کو تو وہ دونوں ساکت رہ گئیں' پھر ایک دم سے دوڑ کر چوکھٹ میں آکھڑی ہوئیں۔

لاؤنج میں جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ سب ششدر سے مہوش کو دیکھ رہے تھے جو اپنے کمرے کے دروازے کے آگے کھڑی کمر پہ ہاتھ رکھے' چلا رہی تھی۔

"یہ کون سی جگہ ہے تقریریں کرنے کی؟ کسی کو میرا احساس ہی نہیں ہے کہ میں نے آرام بھی کرنا ہے' کل سارا دن میرا پارلر میں گزرے گا' مگر آپ تو میرے سر پہ چیخ رہے ہیں۔ آپ کو آہستہ بولنا نہیں آتا؟ حد ہو گئی۔" وہ پیر پٹخ کر واپس مڑی اور اپنے پیچھے اسی دھاڑ سے دروازہ بند کیا۔

لاؤنج میں یک دم موت کا سناٹا چھایا تھا سب کو جھٹکا لگا تھا کہ بیان سے باہر تھا۔ پھر ایک دم سے جہان اٹھا۔

"داور! فرخ! مجھے گھر ڈراپ کردو گے یا میں تم میں سے کسی کی کار لے جاؤں؟"

وہ تنے ہوئے نقوش کے ساتھ بہت قطعیت سے پوچھ رہا تھا۔ اس کے سوال پہ سلیمان صاحب' تایا فرقان اور ان کے تینوں بیٹے ایک جھٹکے سے اٹھے۔ وہ جواب سننے کے لیے نہیں رکا۔ تیزی سے بیرونی دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ وہ سب اس کی معیت میں باہر نکل گئے۔ ذرا پریشان سے زاہد چچا اور رضا بھی ان کے پیچھے لپکے۔

"مہوش آپی۔۔۔ آئی کانٹ بلیو دس!" ثنا نے بے حد تحیر سے نفی میں سر ہلایا۔ اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئی تھیں۔ جانے افسوس سے اسے دیکھا اور پھر خالی پڑے لاؤنج کو۔

"ابا لوگ بہت غصے میں گئے ہیں' مجھے لگتا ہے وہ ہمیں چلنے کا کہیں گے۔" اسی پل اس کا فون بجنے لگا۔ اس نے موبائل سامنے کیا۔ "ابا کالنگ" باہر پہنچنے کا بلاوا آگیا تھا۔

"سوری ثنا!" اس نے بے بسی سے شانے اچکائے' پھر اس کا کندھا تھپتھپایا۔

"کل شادی کے فنکشن تک سب کا غصہ اتر چکا ہوگا۔ فکر نہ کرنا' اچھا!" کہہ کر وہ تیزی سے باہر لپکی۔

☆ ☆ ☆

سب سونے جا چکے تھے اور وہ اپنے کمرے میں آئینے کے سامنے کھڑی پراندے کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔ سونیا نے کافی سخت باندھا تھا' مگر کھل کے ہی نہیں دے رہی تھی۔ بالآخر پراندہ چھوڑ کر اس نے پیشانی پہ جھولتے ٹیکے کو۔۔۔ کھینچنے کے لیے چھوا ہی تھا کہ دروازے پہ دستک ہوئی۔

اس نے ٹیکا چھوڑا اور پھر حیرت سے دروازے کو دیکھتی اس تک آئی۔ اماں' ابا تو سونے چلے گئے تھے' پھر۔۔۔

اس نے دروازہ کھولا۔ سامنے جہان کھڑا تھا۔

"سوری! تم سو تو نہیں گئی تھیں؟" وہ قدرے جھجک کر بولا۔ سیاہ ٹراؤزر کے اوپر آدھی آستین والی سفید ٹی شرٹ پہنے وہ وہی ترکی والا جہان لگ رہا تھا۔

"نہیں' تم بتاؤ خیریت؟"

"ہاں' ابھی میں لاؤنج میں بیٹھا تھا تو وہ فرقان ماموں کی بیٹی آئی تھی۔"

"ارم؟" اس نے ذرا حیرت سے سوالیہ ابرو اٹھائی۔

"ہاں وہی۔ تمہارا فون اور پرس میز پہ رکھا تھا' اس نے فون اٹھا کر مجھ سے کہا کہ اسے ایک کال کرنی ہے' ابھی پانچ منٹ میں فون لادے گی' مگر اب۔۔۔" اس

نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ "اب بیس منٹ ہونے کو آئے ہیں' نہ وہ واپس نہیں آئی۔ میں نے سوچا تمہیں بتا دوں۔"

"اف! تم نے اسے میرا فون کیوں لے جانے دیا؟" جواباً جہان نے بے چارگی سے شانے اچکائے۔

"اس نے مجھ سے اجازت نہیں مانگی تھی اور میں اسے کیسے روک سکتا تھا؟ مجھے تو فرقان ماموں کی فیملی سے ویسے ہی بہت ڈر لگتا ہے۔"

"کیوں؟" وہ چونکی۔

"کیونکہ وہ سرخ مرچ کا استعمال بہت زیادہ کرتے ہیں۔" وہ گہری سانس لے کر بولا تو وہ بے اختیار ہنس دی اور یہ ترکی سے آنے کے بعد پہلی دفعہ تھا' جب وہ یوں پورے دل سے ہنسی تھی۔

"سرخ مرچ کا استعمال ہمیں بھی آتا ہے۔ تم ادھر ہی ٹھہرو' میں ذرا ارم سے فون لے آؤں۔" اور آج تو ویسے ہی ارم کی طرف اس کے بہت سے حساب اکٹھے ہو گئے تھے۔

"اچھا۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔" وہ مسکرا کر کہتا صوفے پہ بیٹھ گیا اور وہ باہر چلی آئی۔

تایا فرقان کے لاؤنج میں سب ہی موجود تھے سوائے ارم اور سونیا کے۔ تایا ابا بہت پرملال انداز سے نفی میں سر ہلاتے کچھ کہہ رہے تھے' شاید آج والے واقعے کا تذکرہ' جب حیا کو آتے دیکھا۔

"آؤ آؤ بیٹا۔" انہوں نے مسکرا کر اپنے ساتھ صوفے پہ بیٹھنے کا اشارہ کیا اور پھر سونیا کو آواز دی۔

"سونیا! حیا کی چائے بھی لے آنا۔"

"جی! اچھا ابا!" سونیا نے جواباً کچن سے آواز لگائی۔

"نہیں تایا ابا! میں چائے نہیں پیوں گی' بس اب سونے ہی جا رہی تھی۔" وہ بے تکلفی سے کہتی تایا ابا کے ساتھ صوفے پہ آبیٹھی۔

ان کی گھریلو سی باتیں اور وقتی تند و تیکھی باتیں ایک طرف' تایا فرقان اس سے پیار بھی بہت کرتے تھے اور آج مہوش کی بدتمیزی پہ جہاں وہ دکھی تھے' وہاں انہیں حیا کی قدر بھی آئی تھی۔

"ابا سو گئے تمہارے؟"

"جی' کب کے۔ میں بس ذرا ارم سے فون لینے آئی تھی۔"

"فون' کیوں؟" تایا ابا بری طرح چونکے۔ صائمہ تائی بھی ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگیں۔

"ارم کو کوئی کال کرنی تھی تو وہ میرا فون لے کر گئی تھی' مگر ابھی مجھے اپنی فرینڈ کو میسج کرنا ہے' سوسوچا فون لے لوں۔" وہ بہت سادگی سے کہہ رہی تھی۔

تایا کے چہرے کا رنگ فوراً ہی بدل گیا تھا۔ نرمی کی جگہ سختی نے لے لی۔

"ارم۔۔۔ ارم۔" انہوں نے بلند آواز میں پکارا۔

"جی ابا!" وہ دوپٹا سنبھالتی بھاگتی ہوئی آئی' مگر حیا کو بیٹھے دیکھ کر اس کا رنگ ایک دم فق ہوا۔

"حیا کا فون اسے واپس دو۔" تایا نے اسے کڑی نگاہوں سے گھورتے ہوئے' بڑے ضبط سے کہا۔

"جج۔۔۔ جی وہ فضہ کو میسج کرنا تھا تو۔۔۔" وہ ہکلا گئی۔ تایا اتنی شعلہ بار نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے کہ وہ رکی نہیں۔ الٹے قدموں واپس مڑی' اور چند ہی لمحوں بعد فون لا کر حیا کو تھمایا اور ساتھ ہی ایک کینہ توز نگاہ اس پہ ڈالی تھی' گویا کچا چبا جانا چاہتی ہو۔ وہ جواباً سادگی سے مسکرا دی۔

"تھینک یو' میں چلتی ہوں' آپ لوگ چائے انجوائے کریں۔" وہ فون لے کر وہاں سے اٹھ آئی اور وہ جانتی تھی کہ اب چائے انہوں نے خاک انجوائے کرنی تھی۔

واپس لاؤنج میں آتے ہوئے اس نے موبائل کا log چیک کیا۔ میسج اور کال لاگ بالکل کلیئر تھا۔ سارا کال ریکارڈ غائب۔

"ارم کی بچی!" اسے ارم پہ بے طرح سے غصہ آیا۔ کال ریکارڈز میں موجود تمام نمبرز اس کے پاس محفوظ ہی تھے' البتہ جب وہ ترک فون ریسٹورنٹ میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چھوڑ آئی تھی' بیوک اوا جانے سے قبل تو اس کے اسی پاکستانی موبائل پہ عبدالرحمن پاشا کا فون آیا تھا۔ اس کا نمبر اس نے محفوظ نہیں کیا۔ وہ بس کال لاگ میں پڑا رہ گیا تھا۔ اب وہ مٹ گیا تھا۔ چلو خیر' اس نے کون سا کبھی اے آر پی کو کال کرنی تھی۔

جہان صوفے پہ اسی طرح بیٹھا تھا۔ اسے آتے دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیسے ملا؟ مرجوں کے استعمال سے؟" اس کی نگاہیں حیا کے ہاتھ میں پکڑے موبائل پہ تھیں۔

"نہیں' جہاں شکر کے استعمال سے بات بن جائے ہم وہاں مرچیں ضائع نہیں کرتے۔"

"ویسے پاکستان کے لوگ دل کے بہت ہی اچھے ہیں۔ ایک کزن بغیر پوچھے فون اٹھا لیتی ہے' ایک بہت عزت سے بغیر کھانا کھلائے گھر سے نکالتی ہے' اور ایک کھانا بھی نہیں پوچھتی۔"

"اوہ خدایا!" اس نے بے اختیار ماتھے کو چھوا۔ "تم نے کھانا نہیں کھایا؟"

"کہاں کھاتا' وہاں تو ابھی لگا ہی نہیں تھا اور یہاں گھر کی دونوں خواتین نے پوچھا ہی نہیں۔" وہ اس کی بات مکمل ہونے سے قبل ہی بھاگ کر جلدی سے کچن کی طرف آئی اور فریج کھولا۔

"آج وہاں کھانا تھا تو کچھ بنایا ہی نہیں۔ ہمارے ہاں رات کا سالن اگلے دن کوئی نہیں کھاتا۔ ٹھہرو! میں انڈے بنا لیتی ہوں۔" اسے یاد آیا۔ کھانا تو اس نے بھی نہیں کھایا تھا مگر اسے اتنی بھوک نہیں تھی۔ انڈوں کا خانہ کھولا تو اندر دو ہی انڈے رکھے تھے۔ اسے بے پناہ شرمندگی ہوئی۔

"ان دو انڈوں سے تو کچھ بھی نہیں بنے گا۔" اس نے خفت سے کہتے ہوئے فریج کا دروازہ بند کیا۔

جہان نے جیسے اس پر افسوس کرتے ہوئے سر نفی میں ہلایا۔

"تمہیں شاید بھول گیا ہے کہ تم استنبول کے بہترین شیفس میں سے ایک سے بات کر رہی ہو۔ آرام سے بیٹھ جاؤ ادھر کرسی پہ ـــــ میں خود بنا لوں گا سب کچھ۔"

اس نے اپنا سلور اسمارٹ فون میز پہ رکھا اور پھر آگے بڑھ کر فریج' فریزر' کیبنٹس' ہر چیز کھول کھول کر الا بلا باہر نکالنے لگا۔ فروزن قیمہ' پاستا کا پیکٹ' جمے مٹروں کا لفافہ' ساسز' سبزیوں کے خانے سے چند سبزیاں چن لیں۔ وہ تمام چیزیں کاؤنٹر پہ جمع کرتا جا رہا تھا۔

"تم اس وقت پاستا بناؤ گے؟" وہ متعجب سی کرسی پہ بیٹھی اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ ابھی تک اپنے سبز فراک پر اندے اور ٹیکے سمیت بیٹھی تھی اور اسے کپڑے تبدیل کرنا بالکل بھول گیا تھا۔

"ہاں اور مجھے کوکنگ کے درمیان ٹوکنا مت۔ میں بہت برا مانتا ہوں۔" مسکراتے ہوئے وہ سبزیاں دھو رہا تھا۔ "اور تمہارا بخار کیسا ہے؟"

"اب ٹھیک ہے۔" اس نے خود ہی اپنا ماتھا چھوا۔ وہ کل کی نسبت قدرے ٹھنڈا تھا۔

"ویسے مجھے حیرت زاہد ماموں اور ان کے بیٹے پہ ہے۔ اس لڑکی نے اتنی بدتمیزی کی اور انہوں نے اسے کچھ بھی نہیں کہا۔" وہ واقعتاً حیرت سے کہتا سبزیاں کٹنگ بورڈ پہ رکھ کر کھٹا کھٹ کاٹ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ مشینی انداز میں چل رہے تھے۔

"اس کی ایک دن کے بعد رخصتی ہے' شاید وہ اس کا دل برا نہیں کرنا چاہتے ہوں گے۔" اس نے شانے اچکائے۔

"مگر اس نے بہت مس بی ہیو کیا۔" وہ افسوس سے کہتا پانی ابلنے کے لیے رکھ رہا تھا۔ دوسری جانب اس نے فرائنگ پین میں ذرا سا تیل گرم ہونے رکھ دیا تھا۔

"اصل میں اس کے فیانسی نے کسی کینیڈین ریئلٹی شو میں ایک ڈیڑھ ملین ڈالر جیتے ہیں' اسی پہ اس کا دماغ ساتویں آسمان پہ ہے اور وہ زمین پہ بغیر دماغ کے گھوم رہی ہے۔" وہ ٹیک لگائے ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھی بتا رہی تھی۔

"کینیڈین شو میں ڈیڑھ ملین ڈالر؟ بہت اچھی کور اسٹوری ہے۔" اس نے ذرا سا ہنس کر سر جھٹکا۔ ساتھ ہی وہ فرائنگ پین میں فرائی ہوتی سبزیوں کو بجائے کفگیر سے ہلانے کے' فرائنگ پین کا ہینڈل پکڑے دائیں بائیں تو کبھی اوپر نیچے ہلا رہا تھا۔ سبزیاں چند انچ اوپر کو اڑتیں اور پھر واپس پین میں آگرتیں۔

"کیا مطلب؟" اس نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

"اگر کسی پاکستانی نے کینیڈین شو میں اتنی خطیر رقم جیتی ہوتی تو میڈیا پہ ہر جگہ آچکا ہوتا۔ مجھے تو وہ لڑکا شکل سے ہی کرمنل لگ رہا تھا۔ تازہ تازہ آئی بلیک منی کو وائٹ کرنے کے لیے کور بنایا ہے اور کیا۔"

"اچھا!" اسے تعجب ہوا۔ اس نہج پہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا' البتہ کرمنل سے اسے کچھ یاد آیا تھا۔

"جہان! تمہارے ریسٹورنٹ پہ جو حملہ ہوا تھا' اس کا کچھ پتا چلا؟"

"نہیں۔" وہ گردن ترچھی کیے' ساس کی بوتل پین میں انڈیل رہا تھا۔ "حالانکہ میری استنبول میں کسی سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ قوی امکان ہے کہ کسی اور کے دھوکے میں ان لوگوں نے میرا ریسٹورنٹ الٹ دیا۔"

ایک دشمنی تو خیر اب اس کی بن چکی تھی' مگر وہ تو خود بھی اس سے واقف نہیں تھا۔

"تم تو کہتے تھے کہ استنبول میں ایسا کوئی کرائم سین نہیں ہے؟"

"خیر' اب اتنے بھی برے حالات نہیں ہیں اور ڈارک سائیڈ تو ہر بڑے شہر کی ہوتی ہے۔"

وہ چولہے کے سامنے کھڑا' اس کی طرف پشت کیے' پین میں قیمہ بھون رہا تھا۔ قیمے اور شملہ مرچ کی بھنی بھنی' اشتہا انگیز سی مہک سارے میں پھیلنے لگی تھی۔ اس کی گم گشتہ بھوک ایک دم سے جاگ اٹھی۔

"تمہیں پاکستان آکر کیسا لگا جہان!" وہ ٹھوڑی تلے مٹھی رکھے اسے دیکھتی سادگی سے پوچھنے لگی۔ یہ یہاں آنے کے بعد ان کی پہلی باضابطہ گفتگو تھی۔

"اچھا لگا بلکہ بہت اچھا لگا' مگر فرقان ماموں کی باتیں ـــــ میں نے تو خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ میرے رشتے دار اتنی تیکھی باتیں بھی کر لیتے ہوں گے۔" اس نے جیسے جھرجھری لے کر سر جھٹکا۔ آج وہ سارا دن تایا فرقان کی کمپنی میں رہا تھا تو یہ ردعمل فطری تھا۔

"وہ اتنے تیکھے نہیں ہیں' اور بہت پیار کرتے ہیں ہم لوگوں سے بس ان کے اپنے نظریات ہیں جو اتنے سخت ہیں کہ اگر کوئی ان پر پورا نہ اترے تو وہ اس کی گریڈنگ بہت نیچے کر دیتے ہیں۔"

"واٹ ایور!" وہ اب ابلی پاستا کے پتیلے میں قیمہ اور ساس انڈیل رہا تھا۔ پھر ان کو اچھی طرح مکس کر کے اس نے اسے دم پہ رکھ دیا اور سنک کی ٹونٹی کھول کر ہاتھ دھونے لگا۔ وہ سمجھی اب وہ اس کے پاس آکر بیٹھے گا' مگر وہ ہاتھ دھو کر اب سارا پھیلاوا سمیٹنے لگا تھا۔ جھوٹے برتن' سبزیوں کے چھلکے' خالی شاپر۔ وہ جلدی سے اٹھی۔

"میں کر دیتی ہوں۔"

"پلیز تم بیٹھی رہو' جتنی پھوہڑ تم ہو میں جانتا ہوں۔ اگر تم نے میری مدد کروائی تو دو گھنٹے لگ جائیں گے' جبکہ میں اکیلا کروں تو دو منٹ میں ہو جائے گا۔"

"ٹھیک ہے' خود ہی کرو۔" وہ قدرے خفگی سے کہتی دوبارہ بیٹھ گئی۔

اور واقعی' اس نے دو' تین منٹ میں ہر چیز اپنی جگہ پہ رکھ دی۔ چند ایک برتن جو پکانے کے دوران میلے ہوئے تھے' وہ دھل کر اسٹینڈ میں لگ گئے اور سلیب چمکا دیے گئے۔ وہ بندہ کمال کا تھا۔

"تم کب سے ریسٹورنٹ چلا رہے ہو؟"

"اب تو بہت عرصہ ہو گیا۔ اچھا۔ میں برتن لگاتا ہوں' تم سلیمان ماموں کو بلا لاؤ' انہوں نے بھی کھانا نہیں کھایا تھا۔"

"ارے ہاں!" وہ ماتھے پہ ہاتھ مارتی اٹھی' پھر نگاہ اس کے سلور اسمارٹ فون پہ پڑی جو میز پہ رکھا تھا۔

"تمہیں پتا ہے' ڈی جے کو تمہارا فون بہت پسند تھا۔ وہ ہمیشہ کہتی تھی کہ جہان سے کہنا' جب اپنا یہ دو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈھائی لاکھ کا فون پھینکنا ہو تو سامنے کی بجائے باہر ہی پھینکیے۔"
وہ اداسی سے مسکرا کر بولی تو وہ ہنس دیا۔

"ویسے یہ اس کے لگائے گئے تخمینے سے کہیں زیادہ مہنگا ہے۔"

"اچھا۔" اسے ذرا حیرت ہوئی۔ "اتنا قیمتی فون کیوں خریدا تم نے؟"

"خریدا نہیں تھا، گفٹ ملا تھا۔ اسپیشل گفٹ!" وہ مسکرا کر جیسے کچھ یاد کر کے بولا۔

"کس نے دیا تھا؟"

"سم ون اسپیشل! اچھا جاؤ۔ ابھی ماموں کو بلا لاؤ!"

وہ ٹل گیا تو وہ شانے اچکاتی وہاں سے چلی آئی۔ ابا کا دروازہ بجا کر، وہیں سے بلا کر وہ واپس لاؤنج میں آئی تو وہ وہاں میز پہ پلیٹیں اور گلاس رکھ رہا تھا۔ وہ بڑے صوفے پہ بیٹھی اور ریموٹ اٹھا کر ٹی وی چلا دیا۔

جس وقت ابا ذرا حیران سے باہر آئے، جہان پاستا کی ڈش اٹھائے کچن سے نکل رہا تھا اور وہ مزے سے اپنے کام دار جوڑے میں ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھی چینل بدل رہی تھی۔

"ابا!" ان کو دیکھ کر جلدی سے اٹھی اور جہان کے ہاتھ سے ٹرے لی۔

"سوری ماموں! ہم نے آپ کو اٹھا دیا۔ آپ نے کھانا نہیں کھایا تھا سو۔۔۔" ادھورا چھوڑ کر اس نے ان کی طرف پلیٹ بڑھائی۔

"تھینک یو۔" ابا نے قدرے ناسمجھی سے کھانے کو دیکھا اور پھر حیا کو۔ "یہ تم نے بنایا ہے؟"

"نہیں، جہان نے!" وہ مسکراہٹ دبا گئی۔

"ویسے ماموں! یہ اٹالین ریسپی نہیں ہے، ذرا دیسی اسٹائل میں بنایا ہے جیسے ممی بناتی ہیں، آپ کو پاستا میں قیمہ پسند ہے نا، ممی نے بتایا تھا مجھے۔"

سلیمان صاحب چونک کر اسے دیکھنے لگے۔ اس کو دل توڑنے کا فن آتا تھا تو ٹوٹے ہوئے دلوں کو دوبارہ سے جوڑ کر انہیں جیتنے کا فن بھی آتا تھا۔

وہ اپنی جگہ بیٹھی رہ گئی۔ اسے اب احساس ہوا تھا کہ وہ رف اور ٹف سا بندہ تو بھوکا بھی سو جاتا مگر رات کے ایک بجے اگر اس نے اتنا اہتمام کیا تھا تو صرف اور صرف ابا کے لیے کیونکہ اسے یاد تھا کہ ابا نے کھانا نہیں کھایا اور اسے شاید احساس ہو گیا تھا کہ وہ اس سے ذرا کھنچے کھنچے سے رہتے ہیں۔ اور حیا کو خود اب یاد آیا تھا کہ قیمہ والا پاستا ابا کا پسندیدہ تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اس عمل سے جہان نے اپنے اور ابا کے درمیان حائل برف کو پگھلانے کی کوشش کی تھی۔

پاستا بہت مزے کا تھا۔ منہ میں جاتے ہی گھل جانے والا۔ سلیمان صاحب نے تعریف نہیں کی مگر ان کے چہرے سے ظاہر تھا کہ انہیں اپنا یوں خیال کیا جانا اچھا لگا تھا۔ وہ خود بھی بہت شوق سے کھا رہی تھی۔ ڈی جے کے بعد یہ پہلا کھانا تھا، جو اس نے دل سے کھایا تھا۔

"کونیا میں دو لڑکیوں کا اغوا۔"

ٹی وی اسکرین پہ بی بی سی چل رہا تھا اور جو خبر نیوز کاسٹر نے پڑھی، اس پہ ان تینوں نے چونک کر سر اٹھایا۔ کونیا ترکی کا شہر تھا۔

• جہان نے بجلی کی تیزی سے ریموٹ اٹھایا اور چینل بدل دیا۔

"کیا کہا اس نے۔۔۔ کونیا؟" ابا جو ہاتھ روک کر اسکرین کو دیکھنے لگے تھے، چینل تبدیل ہونے پہ الجھ کر جہان کو دیکھا۔ وہ سادگی سے مسکرا دیا۔

"نہیں، کونیا نہیں، اس نے کہا تھا کینیا۔۔۔ اور لیں نا!"

وہ ریموٹ ایک طرف رکھ کر انہیں پھر سے سرو کرنے لگا۔ ابا نے ذرا تذبذب سے سر ہلایا، گویا وہ اپنی سماعت کے دھوکا دینے پہ الجھے ہوئے تھے۔ حیا نے جہان کو دیکھا اور جہان نے اسے، پھر دونوں زیر لب مسکرا دیے۔

ابھی وہ ابا کے سامنے ترکی کا میچ سبوتاژ ہوتا دیکھنے کے متحمل نہیں تھے۔

☼ ☼ ☼

بارات کے لیے وہ میرج ہال کی جانب رواں دواں تھے۔ ابا ڈرائیو کر رہے تھے اور آج وہ خاموش نہیں تھے بلکہ فرنٹ سیٹ پہ بیٹھے جہان کو سڑک کے اطراف میں گزرتی جگہوں کے بارے میں مختصر فقروں میں آگاہی دے رہے تھے۔ وہ بھی جواباً کوئی مختصر سا جواب دے دیتا تھا۔ وہ آج بھی اتنا ہی کم گو تھا جتنا دو روز قبل تھا مگر وہ برف کی دیوار پگھل گئی تھی۔

وہ پچھلی نشست پہ بیٹھی لاتعلق سی باہر دیکھ رہی تھی۔ اسے ڈی جے کے بغیر یوں ان خوشی کی تقاریب میں شرکت کرنا سخت برا لگ رہا تھا۔ وہ اندر ہی اندر احساس جرم کا شکار تھی۔ ابھی اسے بچھڑے دن ہی کتنے ہوئے تھے مگر مجبوری تھی۔ جانا تو تھا۔ وہ آج بھی خاص تیار نہیں ہوئی تھی۔

کاجل اور ہلکی لپ اسٹک کے علاوہ کوئی میک اپ نہیں کیا، بال یونہی کھلے چھوڑ دیے۔ جیولری بھی نہیں پہنی۔ ضرورت بھی نہیں تھی کہ اس کی لمبی ٹخنوں سے بالشت بھر اونچی قمیص کے گلے پہ کافی کام تھا۔ وہ شیفون کی قمیص تھی، اور اس کا رنگ آلو بخارے کے چھلکے کا سا تھا۔ قمیص کا گلا گردن تک بند تھا اور گردن سے لے کر وہ بالشت نیچے تک سیاہ اور آلو بخارے کے رنگ کے چھوٹے بڑے ہر سائز کے Diamonties (نگ) لگے تھے۔ ان کی جھلملاہٹ بہت خوب صورت تھی۔ نیچے ہم رنگ سلک کا پاجامہ تھا اور آستینیں کلائیوں تک آتی چوڑی دار تھیں۔ لیکن آج بھی اسے کل کی طرح اپنے لباس کی خوب صورتی سے قطعاً دلچسپی نہ تھی۔

میرج ہال کے باہر بارات ابھی ابھی اتری تھی۔ داخلی دروازے پہ خاصا رش تھا۔ سجی سنوری، زیورات، قیمتی ملبوسات اور خوشبوؤں میں رچی بسی لڑکیاں اور خواتین گاڑیوں سے نکل کر، اپنے بال اور میک اپ ٹھیک کرتی دروازے کی جانب بڑھ رہی تھیں۔ رضا اور زاہد چچا وہاں کھڑے خوش اخلاقی سے مسکراتے مہمانوں کو ویلکم کر رہے تھے۔ اسے پتا تھا کہ سوش کی کل والی بات کو آج بھلا کر سب شادی میں شرکت کریں گے اور واقعی یہ ہو رہا تھا۔

کار رکنے پر اس نے دروازہ کھولا اور باریک ہیل باہر

مشہور مزاح نگار اور شاعر

انشاء جی کی خوبصورت تحریریں،

کارٹونوں سے مزین

آفسٹ طباعت، مضبوط جلد، خوبصورت گرد پوش

کتاب کا نام		قیمت
آوارہ گرد کی ڈائری	سفرنامہ	450/-
دنیا گول ہے	سفرنامہ	450/-
ابن بطوطہ کے تعاقب میں	سفرنامہ	450/-
چلتے ہو تو چین کو چلیے	سفرنامہ	275/-
نگری نگری پھرا مسافر	سفرنامہ	225/-
خمار گندم	طنز و مزاح	225/-
اردو کی آخری کتاب	طنز و مزاح	225/-
اس بستی کے اک کوچے میں	مجموعہ کلام	300/-
چاند نگر	مجموعہ کلام	225/-
دل وحشی	مجموعہ کلام	225/-
اندھا کنواں	ایڈگر ایلن پو/ابن انشاء	200/-
لاکھوں کا شہر	او ہنری/ابن انشاء	120/-
باتیں انشاء جی کی	طنز و مزاح	400/-
آپ سے کیا پردہ	طنز و مزاح	400/-

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37، اردو بازار، کراچی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پتھریلی زمین پہ رکھی۔ بے اختیار اسے اپنی ٹوٹی ہوئی سرخ ہیل یاد آئی۔ سر جھٹک کر وہ باہر نکلی اور پرس سنبھالتے ہوئے دروازہ بند کیا۔ ابا، جہان اور اماں ایک ساتھ میرج ہال کے داخلی دروازے کی جانب بڑھ رہے تھے اور وہ بھی وہیں چلی جاتی اگر جو اس کے پاؤں پہ وہ پتھر آ کر نہ لگتا۔

"آؤچ!" اس نے کراہ کر پیر ہٹایا۔ وہ بجری کا چھوٹا سا ٹکڑا تھا۔ اس نے گردن اٹھا کر ادھر ادھر دیکھا۔ وہ مخالف سمت سے آیا تھا، جہاں پارکنگ میں گاڑیاں کھڑی تھیں اور کسی نے سمت تاک کر اسے مارا تھا۔ ان گزرے تین چار ماہ میں اسے اتنا اندازہ تو ہو گیا تھا کہ اس کے ساتھ اتفاقات نہیں ہوتے تھے۔ اس نے متلاشی نگاہوں سے اس سمت دیکھا اور پھر ٹھہری گئی۔

پارکنگ کے پیچھے سے ایک ہیولا سا نکلا اور اس کی جانب بڑھنے لگا۔ چند لمحے تو وہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکی۔ رات کی تاریکی میں پارکنگ ایریا کو اونچے پولز کی زرد بتیوں نے مدھم سی روشنی بخش رکھی تھی۔ اس روشنی میں وہ صاف دکھائی دے رہا تھا یا دے رہی تھی۔

بھڑکتا ہوا نیلا زرتار دوپٹا ہم رنگ جوڑے کے اوپر پہنے، وہ دوپٹے کا پلو چہرے پہ ذرا سا ڈالے، اسے دانتوں سے یوں پکڑے ہوئے تھا کہ دور سے اس پہ کسی عورت کا گمان ہوتا تھا۔ چہرے کو سفید پینٹ کیے، گہرے آئی میک اپ، سرخ چیچ سی لپ اسٹک اور سنہرے بالوں کی وگ لگائے، وہ اس کی طرف چلتا آ رہا تھا۔ وہ اسے ایک نظر میں ہی پہچان گئی تھی۔

"پنکی!"

اس نے ہراساں نگاہوں سے گردن موڑ کر ہال کی طرف کو دیکھا۔ ابا کی اس کی جانب پشت تھی۔ وہ واپس مڑی تب تک وہ قریب آ چکا تھا۔

"کیسی ہو باجی جی؟" وہ مسکرایا تھا۔

"تم ۔۔۔ تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" اس نے سراسیمگی سے اسے دیکھتے اپنے پرس پہ گرفت مضبوط کر لی، گویا ذرا بھی وہ آگے بڑھا تو وہ بھاگ اٹھے گی۔

"آپ سے ملنے آئی تھی جی! پنکی کہتے ہیں مجھے۔ یاد ہے جی؟" وہ مسکرا کر بولا۔

"اچھی طرح یاد ہے اور بھولی تو تمہاری ماں اور بہن بھی نہیں ہوں گی اب۔ ہٹو میرے راستے سے؟"

"غصہ کیوں کر رہی ہو جی! میں تو آپ کو کچھ بتانے آئی تھی۔"

"مائی فٹ! مسئلہ کیا ہے آپ کو میجر احمد؟" وہ پیر پٹخ کر بولی۔ "اتنے باوقار عہدے پہ فائز ہو کر کیسی حرکتیں کر رہے ہیں آپ؟"

"کو جی ۔۔۔ میں تو ڈولی کا پیغام دینے آئی تھی مگر۔۔۔"

"کیسا پیغام؟" وہ اسی رکھائی سے بولی۔

"ڈولی کی حالت امید بخش نہیں ہے، پتا نہیں کتنے دن جی پائے۔"

"کیا ہوا اسے؟" وہ ذرا چونکی۔

"ادھر ہسپتال میں ہے، خود چل کر دیکھ لیجیے۔ آئیے! میں آپ کو لے جاتی ہوں۔"

"نہیں نہیں، مجھے کہیں نہیں جانا۔" وہ بدک کر دو قدم پیچھے ہٹی۔

"ایک دفعہ تو اس سے مل لیں، اس نے کچھ بتانا ہے آپ کو۔"

"مجھے کچھ نہیں جاننا۔ تم لوگوں کی ساری معلومات مجھے اے آر پی کی ماں سے مل گئی تھیں۔" تلخی سے کہتے ہوئے اس نے پھر سے پلٹ کر دیکھا۔ بارات کے مہمان اندر کی جانب بڑھ رہے تھے۔ کوئی اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔

"ہو سکتا ہے کچھ ایسا ہو، جو اس کی ماں کو بھی نہ پتا ہو۔"

"کیا؟" وہ چونکی، پھر بغور پنکی کو دیکھا۔ اس کے اونچے قد کے سوا کوئی چیز اس روز جناح سپر کی شاپ میں ملنے والے اس اسمارٹ گلاسز والے نوجوان کا پتا نہیں دیتی تھی۔ پنکی کا تو چہرہ بھی جلا ہوا نہیں لگتا تھا مگر نہیں ۔۔۔ اس کا چہرہ تو سلیٹ کی طرح چپٹا تھا۔ ایسی جھلی جس نے سب نقش چھپائے ہوں۔ خدایا! کیسے یہ لوگ اپنے چہرے بدل لیتے تھے۔ مگر آنکھیں۔۔۔ وہ چونکی یہ

آنکھیں وہی تھیں۔ وہی گلاسز کے پیچھے سے جھلکتی آنکھیں۔ اب آئی شیڈو کی چمکیلی تہہ کے باوجود وہ انہیں پہچان گئی تھی۔

"اس بات کا جواب تو بس ڈولی کے پاس ہے جی اور اس نے مجھے یہی آپ کو بتانے کا کہا تھا۔ پنکی کی دوستی نبھا رہی ہوں میں تو جی! ورنہ میری جوتی کو بھی شوق نہیں ہے آپ جیسی بدزبان خاتون کے منہ لگنے کا۔"

چڑ کر کہتے ہوئے اس نے دوپٹے کے اندر چھپے ہاتھ باہر نکالے۔ اس میں ایک چھوٹا سا لکڑی کا ڈبا تھا۔

"یہ ڈولی نے بھیجا ہے۔ اسے اسی طریقے سے کھولیے گا جو اس پہ لکھا ہے، مگر جب تک آپ اسے کھول پائیں گی، وہ شاید اس دنیا میں نہ رہے۔"

حیا نے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھوں میں پکڑے اس ڈبے کو دیکھا۔ اس کی کلائی پہ وہی کانٹے کا سرخ بھورا سا نشان تھا۔

"یہ کیا ہے؟" اس نے اچنبھے سے سر اٹھا کر پنکی کو دیکھا۔ وہ کہاں کھڑی ہے، اسے لمحے بھر کو بالکل بھول گیا تھا۔

"یہ ایک پہیلی سے کھلے گا، مگر یہ پہیلی صرف آپ ہی بوجھ سکتی ہیں اور آپ بوجھ ہی لیں گی۔ یہ بہت آسان ہے، لیکن اس کے اندر موجود چیز نکالنے کے لیے اسے توڑنے کی کوشش مت کیجیے گا۔ اسے توڑ دیا تو وہ چیز آپ کے کام کی نہیں رہے گی۔" پنکی نے مسکرا کر کہتے ہوئے ڈبا اس کے مزید سامنے کیا۔ اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی اسے تھام لیا۔

"اچھا باجی جی! رب راکھا۔" وہ وہی خواجہ سراؤں والا لہجہ بنا کر بولا، سلام جھاڑ کر دوپٹا منہ پہ ڈالے پلٹ گیا۔

اس نے جلدی سے ڈبا پرس میں رکھا اور پیشانی پہ نمودار ہوئے پسینے کے قطرے ٹشو سے تھپتھپاتی، خود کو کمپوز کرتی ہال کی جانب بڑھ گئی۔

بارات کا فنکشن ویسا ہی تھا جیسا کسی بھی شاندار شادی کا ہونا چاہیے۔ جگمگ نور بنا ہال، بہترین سجاوٹ، دلہن کا قیمتی ڈیزائنر سوٹ اور جیولری، مسوش کی ننھیالی کزنز کے گروپ ڈانسز، اور پرتکلف طعام کی اشتہا انگیز خوشبو جو ابھی کھلا نہیں تھا۔ آج بھی مرد و خواتین اکٹھے تھے مگر یوں کہ آدھے ہال میں مرد اور باقی آدھے کی میزوں پہ خواتین براجمان تھیں تاکہ ایک حد تک علیحدگی رہے۔ ان کی فیملی کی کسی بھی لڑکی نے رقص میں حصہ نہیں لیا مگر مسوش کی کزنز ہر طرف چھائی رہیں۔

وہ آج بھی ایک الگ تھلگ کونے والی میز پہ بیٹھی رہی۔ اس کا دل اسٹیج پہ جا کر مووی بنوانے کو قطعاً نہیں چاہ رہا تھا۔ ان شریفوں کے مجرے نے اسے ایسا احساس عدم تحفظ بخشا تھا کہ وہ کسی بھی دوسرے کے کیمرے یا موبائل میں تصویر کھنچوانے سے احتیاط برت رہی تھی۔ یہ موویز اور تصاویر کہاں کہاں نہیں گھومتی ہوں گی۔ اس نے جھرجھری لے کر سر جھٹکا۔

اتنے بڑے ہال میں کوئی بھی اس کی جانب متوجہ نہ تھا۔ وہ ویسے بھی اس میز پہ اکیلی بیٹھی تھی۔ اس نے چند لمحے کے لیے سوچا، پھر میز پہ رکھے پرس سے وہ ڈبا نکالا اور فانوس کی چکا چوند روشنی میں الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی۔

وہ ایک ہاتھ جتنا لمبا اور پانچ انچ موٹا مستطیل ڈبا تھا۔ ڈبا نہ بہت بھاری تھا، نہ بہت ہلکا۔ وہ گہری بھوری لکڑی کا بنا تھا اور اس کے ڈھکن کے علیحدہ ہونے کی جگہ پر چھ خانے بنے تھے، جن کے اندر A لکھا نظر آ رہا تھا۔ اس نے ایک A پہ انگلی رکھ کر نیچے کو رگڑا تو A نیچے چلا گیا اور B سامنے آگیا۔ وہ اسے پیچھے کرتی گئی۔ ان چھ خانوں میں پوری انگریزی کے حروف تہجی لکھے تھے۔ جیسے عموماً "بریف کیسز" میں ایسی اسپیس لگی ہوتی ہیں جو تین زیروز پہ کھل جاتی ہیں، ویسے ہی اس باکس کو کھولنے کے لیے کوئی چھ حرفی لفظ سامنے لانا تھا۔

پنکی نے کہا تھا کہ اسے کھولنے کا طریقہ اس ڈبے پہ لکھا ہوا ہے۔ اس نے ڈبے کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لمحہ بھر کو ٹھٹھکی۔ اسے ڈھکن کی اوپری سطح پہ کچھ کھدا ہوا نظر آیا تھا۔ وہ چہرہ ڈبے پہ جھکائے آنکھیں سکیڑ کر پڑھنے لگی۔ وہ بہت باریک انگریزی میں لکھا ایک فقرہ تھا۔

" Into the same river
no man can enter twice-"
(ایک ہی دریا میں کوئی شخص دو دفعہ نہیں اتر سکتا۔)

اس نے الجھن بھرے انداز میں وہ فقرہ دہرایا۔ کیا یہی وہ پہیلی تھی جس کا ذکر بہکی نے کیا تھا؟ مگر یہ پہیلی تو نہیں لگتی تھی۔ اس میں تو کوئی سوال نہ تھا۔

"السلام علیکم حیا!"

آواز پہ اس نے کرنٹ کھا کر گردن اٹھائی اور ساتھ ہی گود میں رکھے ڈبے پہ دوپٹا ڈالا۔

سامنے شہلا کھڑی تھی۔ سیاہ عبایا کے اوپر گہرے سبز اسکارف کا نقاب انگلیوں سے تھامے 'اپنے ازلی نرم انداز میں مسکراتے ہوئے۔

"وعلیکم السلام شہلا بھابھی! کیسی ہیں آپ؟ آئیں بیٹھیں۔" وہ ذرا سنبھل کر اٹھی اور جلدی سے ڈبا پرس میں ڈال کر ان سے گلے ملی۔

"میں ٹھیک ہوں۔ تم سناؤ' مجھے علم نہیں تھا کہ تم آئی ہوئی ہو۔" وہ ریسان سے کہتی ساتھ والی کرسی پہ بیٹھی۔ "پھر ابھی فاطمہ پھپھو نے تمہاری فرینڈ کا بتایا۔ رئیلی سوری فار ہر۔"

ڈی جے کے ذکر پہ اس کے سینے میں ایک ہوک سی اٹھی۔ وہ پھر سے افسردہ ہو گئی۔

"پتا نہیں شہلا بھابھی! اللہ تعالیٰ کی کیا مرضی تھی۔ میری ایک ہی دوست تھی ترکی میں اور وہ میری تمام دوستوں سے بڑھ کر ہو گئی تھی۔ بہت دعا کی میں نے اس کے لیے' مگر کوئی دعا قبول نہیں ہوئی۔" نہ چاہتے ہوئے بھی شکوہ لبوں پہ آ گیا۔

"اللہ تمہیں صبر دے گا۔ ہم سب ہیں نا تمہارے ساتھ۔" شہلا نے اس کا ہاتھ نرمی سے دبایا۔ "سبین آنٹی کا بیٹا بھی آیا ہے؟"

"جی' وہ ادھر ہے۔" اس نے نگاہوں کا زاویہ موڑا تو شہلا نے تعاقب میں دیکھا۔

اسٹیج کے قریب وہ سلیمان صاحب کے ساتھ کھڑا تھا۔ سیاہ ڈنر سوٹ میں ملبوس اس کی مقناطیسی شخصیت بہت شاندار لگ رہی تھی۔ سلیمان صاحب اس کے شانے پہ ہاتھ رکھے کسی سے اس کا تعارف کروا رہے تھے اور وہ دھیمے انداز میں مسکرا رہا تھا۔ آج وہ اس کے ساتھ اتنے مطمئن اور مسرور لگ رہے تھے گویا روحیل واپس آ گیا ہو۔

"بہت اچھا ہے ماشاءاللہ۔"

"تھینکس۔ شہلا بھابھی! ایک بات کہوں۔ آپ کی ساس نے آپ کی اتنی خوب صورت بری بنائی تھی اور آج بھی آپ نے ان ہی میں سے کوئی سوٹ پہنا ہو گا' اس طرف تو عورتیں ہی ہیں۔ آپ کا عبایا۔ میرا مطلب ہے' آپ کے کپڑے تو نظر ہی نہیں آ رہے۔" وہ رک رک کر ہچکچاتے ہوئے بولی تھی۔ داور بھائی کی مہندی پہ اس نے بہت کھنک دار لہجے میں شہلا کو نقاب اتارنے کے لیے کہا تھا مگر آج اس کی آواز سے وہ کھنک مفقود تھی۔

جواباً شہلا بہت تحمل سے مسکرائی تھی۔

"کیا فرق پڑتا ہے حیا! اتنے مردوں کو اپنے کپڑے دکھا کر مجھے کیا مل جائے گا؟"

"تو نقاب ہی اتار دیں۔" اس کا لہجہ بہت کمزور تھا۔ اس نے نقاب ڈھیلا بھی نہیں کیا۔ حیا نے پھر نہیں کہا۔ اس سے کہا ہی نہیں گیا۔

وہ تو خود دل سے نہیں چاہتی تھی کہ شہلا نقاب اتار دے۔ وہ تو بس اس کا جواب سننا چاہ رہی تھی۔ اسے شریفوں کے مجرے کا وہ منظر اچھی طرح سے یاد تھا' جب سنہری اور چاندی کی محو رقص پریوں کے پیچھے کرسی پہ ترچھی ہو کر بیٹھی کسی آنٹی سے بات کرتی شہلا نظر آ رہی تھی' مگر نقاب میں ہونے کے باعث اسے کوئی پہچان نہیں سکتا تھا۔ سو اس کے حصے میں وہ بدنامی نہیں آئی' جو ان دونوں کے نصیب میں آئی تھی مگر آج وہ اتنی پژمردگی اور تھکان سے کیوں مسکرائی

تھی۔ یوں جیسے اس کا دل اندر تک زخمی ہو۔ وہ دکھ' وہ تھکن' وہ زخمی نگاہیں۔ اسے کسی نے پکار لیا اور وہ اٹھ کر چلی گئی مگر حیا کی نگاہیں کافی دور تک اس کا تعاقب کرتی رہیں۔

پچھلی دفعہ اسے شہلا کو عبایا میں دیکھ کر عجیب کوفت بھرا احساس ہوا تھا مگر آج ایسا نہیں ہوا تھا۔ وہ اس کی ان دکھ بھری آنکھوں میں اٹک کر رہ گئی تھی۔ شہلا کو کیا غم تھا۔ اتنی اچھی فیملی میں شادی ہوئی۔ اتنا ہینڈسم شوہر' امیر کبیر' ماں باپ کا اکلوتا بیٹا' پھر۔ پھر اسے کیا دکھ تھا؟ وہ پھر سارا فنکشن یہی سوچے گئی۔

☼ ☼ ☼

آدھی رات گئے اپنے کمرے میں بیٹھے وہ پھر سے اس ڈبے کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی۔ جہان' ڈولی' پنکی' احمد' پاشا' مگر انگریزی میں یہ سارے نام پانچ حرفی تھے۔ چھٹا حرف نہیں ملتا تھا۔ وہ بار بار اس سطر کو پڑھے گئی مگر کوئی حل نظر نہیں آتا تھا۔ مگر وہ کون سا شخص تھا جس کے پاس ایسے ہر محنت طلب مسئلے کا حل ہوتا تھا؟

وہ ڈبا لیے بھاگ کر باہر آئی۔ جہان کچن میں کھڑا کاؤنٹر پہ گلاس رکھے پانی کی بوتل اس میں انڈیل رہا تھا۔ وہ اس کے سامنے آئی اور ڈبا اس کے ساتھ رکھا۔

"یہ مجھے کسی نے دیا ہے اور مجھے اس کا پاس ورڈ نہیں معلوم' اسے کھول دو۔"

وہ آواز پہ چونکا' پھر بوتل رکھ کر ڈبا اٹھایا۔

"یہ ہے کیا؟" وہ ذرا اچنبھے سے اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔

"جو بھی ہے' تم اسے کسی طرح کھول دو۔"

"ہوں' کھل جائے گا نو پرابلم۔" وہ ڈھکن اور ڈبے کی بند درز پہ انگلی پھیر کر کچھ محسوس کر رہا تھا۔ "تم مجھے ایک بڑا چھرا اور ایک ہتھوڑا لا دو۔"

"اُفوہ! توڑنا نہیں ہے اسے بلکہ تم تو رہنے ہی دو۔" اس نے خفگی سے ڈبا اس کے ہاتھ سے واپس لے لیا۔

"کیا ہوا؟ میں کھول تو رہا تھا' ایک منٹ مجھے دیکھنے تو دو۔"

"میں خود کر لوں گی تم رہنے دو۔ تم میرے لیے کچھ نہیں کرتے۔" پتا نہیں وہ کس بات پہ اس سے خفا تھی جو جھنجلا کر بولی۔

"پھر سوچ لو۔ میں تو ابھی ماموں کے پاس جا رہا تھا انہیں تمہیں دوبارہ استنبول بھیجنے کے لیے راضی کرنے' مگر ٹھیک ہے' میں تمہارے لیے کچھ نہیں کرتا۔" وہ شانے اچکا کر پانی پینے لگا۔

"سچ؟" اس نے بے یقینی سے پلکیں جھپکائیں۔ "تم انہیں منا سکتے ہو؟"

"میں ایک اچھا شیف اور اچھا مکینک ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھا وکیل بھی ہوں۔ ٹرائی می!" وہ گلاس رکھ کر ذرا سا مسکرایا۔

"ابا ایک دفعہ اڑ جائیں تو کبھی فیصلہ نہیں بدلتے۔ تم انہیں کیسے مناؤ گے؟"

"ویسے تو تمہارا دوبارہ استنبول جانا میرے مفاد میں قطعاً نہیں ہے کیونکہ اب تم ہر ٹورسٹ اٹریکشن دیکھنے جانے کے لیے مجھے ہی خوار کرواؤ گی' مگر مجھے لگا تم جانا چاہتی ہو۔ سو میں ماموں سے بات کرنے ہی جا رہا تھا اور وہ مان جائیں گے۔ بروقت کونیا کو کینسل نہ کرتا تو شاید وہ بھی نہ مانتے۔"

"ہاں استنبول تو بہت محفوظ شہر ہے اور پاکستان میں تو روز بم دھماکے ہوتے ہیں اور پاکستان میں تو پتا نہیں لوگوں کے پاس انٹرنیٹ کی سہولت موجود ہے بھی یا نہیں!" وہ ذرا جل کر بولی۔ وہ بنا کچھ کہے مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

اگلا ایک گھنٹہ وہ کچن میں کرسی پہ بیٹھی جہان کا انتظار کرتی رہی۔ بالآخر جب وہ ابا کے کمرے سے نکلا تو وہ تیزی سے اٹھی۔

"کیا ہوا؟"

"پیکنگ کر لو۔ ہم کل صبح کی فلائٹ سے واپس جا رہے ہیں۔" وہ دھیما سا مسکرا کر بولا۔ "مگر اس شرط پہ کہ فی الحال تو تم ہمارے ساتھ رہو گی' بعد میں جب تمہاری اسپرنگ بریک ختم ہو جائے تو بے شک چلی جانا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"سچ؟" وہ بے یقینی و خوشگوار حیرت میں گھری اسے دیکھ رہی تھی۔ ایک طمانیت بھرا احساس اس کے پورے وجود کو اپنی لپیٹ میں لینے لگا تھا۔

البتہ ایک بات وہ جانتی تھی۔ استنبول ڈی جے کے بغیر کبھی بھی ویسا نہیں ہوگا جیسا پہلے تھا۔

☼ ☼ ☼

"تمہارا دماغ درست ہے؟"

ہاشم نے بے یقینی سے اپنی بیوی کو دیکھا' جو بستر کے دوسرے کنارے پہ بیٹھی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ ان دونوں کے درمیان حارث آنکھیں موندے سو رہا تھا۔ اس کا دایاں ہاتھ ہاشم کے ہاتھ میں تھا۔

"ایسا کیا غلط کہہ دیا ہے میں نے؟" وہ جی بھر کر کوفت کا شکار ہوئی۔

"تم پاگل ہو گئی ہو' تمہارے حواس جواب دے گئے ہیں۔" حیرت کی جگہ اب جھنجلاہٹ نے لے لی تھی۔

"حواس تو تمہارے جواب دے گئے ہیں۔ میں تمہیں ایک سیدھا سادا سا حل بتا رہی ہوں اس سارے مسئلے کا۔ تم روز کے چوبیس گھنٹے بھی کام کرو تو اس رقم کے آدھے لیراز بھی اکٹھے نہیں ہوں گے' جو ہمیں حارث کی سرجری کے لیے چاہیے۔ اور ایسے مت دیکھو مجھے۔" آخر میں وہ خفا ہو کر بولی۔

"پاشا مجھے جان سے مار دے گا۔ وہ اس کی لڑکی ہے۔"

"لور پاشا کو بتائے گا کون؟ وہ تو مہینہ بھر پہلے ہی انڈیا چلا گیا تھا۔ تم نے خود ہی مجھے بتایا تھا۔" وہ چمک کر بولی۔ نیم روشن کمرے میں بیز لب کی مدھم روشنی اس کے چہرے کو عجیب سا تاثر دے رہی تھی۔

"وہ انڈیا گیا ہے' مر نہیں گیا' جو اسے کبھی پتا نہیں چلے گا۔ وہ مجھے جان سے مار دے گا سلمیٰ۔"

"تو پھر تم اپنی جان سنبھال کر بیٹھے رہو اور حارث کو مرنے کے لیے چھوڑ دو۔" غصے سے کہتی اٹھ کر چادریں تہہ کرنے لگی۔

"سلمیٰ۔ میں ایسا نہیں کر سکتا۔" اب کے وہ قدرے تذبذب سے بولا تھا۔

"تو تم کر کیا سکتے ہو؟ اور کیا کیا ہے تم نے حارث کے لیے؟"

"میرا بیٹا مجھے بہت پیارا ہے۔" اس نے سوتے ہوئے حارث پہ ایک نظر ڈالی۔ "مگر وہ بھی تو کسی کی بیٹی ہے۔"

"میں بھی تو کسی کی بیٹی تھی' مجھے اس ڈربے میں لا کر پل پل مارنے سے پہلے تم نے یہ سوچا؟" وہ چادر کا گولا بنا کر ایک طرف پھینکتی جارحانہ انداز میں اس کی طرف آئی۔ "تم مرد ہو کر ڈرتے کیوں ہو؟"

"تم پاشا کو نہیں جانتیں۔"

"میں بس اتنا جانتی ہوں کہ اگر میرا بیٹا مر رہا ہے تو اس کا ذمہ دار عبدالرحمن پاشا ہے۔ اگر وہ تمہیں تمہاری مطلوبہ رقم دے دیتا تو ہم کبھی یہ کرنے کا نہ سوچتے۔ کوئی کمی تو نہیں ہے اس کو پیسے کی' پھر بھی اس نے ہاتھ روک کر رکھا ہوا ہے۔ اب یا تو تم اس کا خیال کر لو' یا اپنے بیٹے کا۔ فیصلہ تمہارا ہے۔" سلمیٰ کے نقوش مدھم روشنی میں بگڑے بگڑے دکھائی دے رہے تھے۔ اس وقت یوں تیز تیز بولتی وہ میک بتھ کی چوتھی جادوگرنی لگ رہی تھی۔

ہاشم متذبذب سا اسے دیکھے گیا۔ وہ جو کہہ رہی تھی وہ اتنا مشکل تو نہ تھا مگر....

☼ ☼ ☼

وہ جہان کے ساتھ سیدھی اس کے گھر آئی تھی' پھر کھانا کھا کر اس نے اجازت چاہی۔ اس کا سارا سامان سبانجی کے ڈورم میں رکھا تھا اور جس افراتفری میں وہ گئی تھی' سوائے چند چیزوں کے کچھ بھی نہیں اٹھایا تھا۔ پھپھو نے اصرار بھی کیا کہ وہ چھٹیاں ختم ہونے تک ان کے پاس رک جائے مگر وہ کل آنے کا وعدہ کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں تو پھر کہوں گی کہ رک جاؤ۔" پھپھو ذرا خفا تھیں۔

"پھپھو! میں کل آؤں گی ناں پرامس۔ اب چلتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے مگر کل ضرور آنا۔" جہان ٹشو سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے ڈائننگ ٹیبل سے اٹھا۔ اس کی آنکھیں اور ناک گلابی پڑ چکے تھے۔ سرد و گرم علاقوں کے مابین سفر کا موسمی اثر تھا کہ استنبول پہنچتے پہنچتے اس کا فلو بخار میں بدل گیا تھا۔

"آؤ میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں۔"

"صرف تاقسم تک چھوڑ دینا۔ آگے سے میں گورسل پکڑ لوں گی۔"

"میں سبانجی تک چھوڑ دوں گا' نو پرابلم۔" وہ چابی پکڑے' جیکٹ پہنتے ہوئے بولا۔

"نہیں اس بخار میں تم سے پینتالیس منٹ کی ڈرائیونگ کروائی تو پینتالیس دن تک تم جتاتے رہو گے۔ ویسے بھی مجھ پر تمہارے احسان بہت جمع ہو گئے ہیں' اتنے سارے کیسے اتاروں گی؟" وہ اس کے سامنے سینے پہ بازو لپیٹے کھڑی مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"اتارنے کے لیے کس نے کہا ہے۔"

وہ ذرا سا مسکرا کر دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ وہ اس کی پشت کو دیکھے گئی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جہان کا رویہ اس کے ساتھ نرم پڑتا جا رہا تھا۔ پاکستان میں پہلے دو دن تو وہ لاتعلق رہا' شاید اس لیے کہ دونوں کو ٹھیک سے بات کرنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا مگر پھر اس نے خود ہی کچھ محسوس کیا تھا' تب ہی وہ خود آگے بڑھا اور ان کے درمیان کھڑی سرد دیوار ڈھا دی لیکن کیا وہ اس کے لیے وہ محسوس کرتا تھا' جو وہ اس کے لیے کرتی تھی؟ کیا اسے ان کا وہ بھولا بسرا رشتہ یاد تھا جس کے متعلق اس گھر میں کوئی بات نہیں کرتا تھا۔ ابھی کچھ دن وہ اس کے گھر رہے گی تو ان سارے سوالوں کے جواب جاننے کی کوشش ضرور کرے گی۔ اس نے تہیہ کر لیا تھا۔

تاقسم اسکوائر کا مجسمہ آزادی اسی طرح تھا' جیسے وہ چھوڑ کر گئی تھی۔ مجسمے کے گرد گول چکر میں اگی گھاس پہ سرخ اور زرد ٹیولپ فیسٹیول کے پوسٹرز لگے تھے' جو ہر سال کی طرح اس موسم بہار میں بھی استنبول میں منعقد ہوتا تھا۔ ٹیولپ کا پھول استنبول کا "سمبل" تھا مگر ان کی دلفریب مہک میں ڈوبا تاقسم اسکوائر حیا کو خزاں آلود لگا تھا۔ وہ بہار اب وہاں نہیں تھی جیسے ڈی جے نہیں تھی۔

"تم جا رہی ہو' حالانکہ میں چاہتا تھا کہ تم کچھ دن ہمارے گھر رہو۔" گاڑی روکتے ہوئے جہان نے چہرہ اس کی طرف موڑے سنجیدگی سے کہا تھا۔

"میں کل آجاؤں گی مگر کل تک میں سبانجی' اپنا ڈورم بلاک' جھیل اور ہر وہ جگہ جہاں میں اور ڈی جے اکٹھے گئے تھے' ایک دفعہ پھر دیکھنا چاہتی ہوں۔ اکیلے' بالکل اکیلے۔ میں ان بیتے لمحوں کو پھر سے جینا چاہتی ہوں۔"

"مت کرو۔ تمہیں تکلیف ہوگی۔"

"بہت تکلیف سہہ لی۔ اب اس سے زیادہ تکلیف مجھے نہیں مل سکتی۔" اس نے بھیگی آنکھ کا کونا انگلی کی نوک سے صاف کرتے ہوئے کہا تھا۔

"اوکے!" اس نے سمجھ کر سر ہلا دیا۔ اس کے چہرے پہ ابھی تک نقاہت تھی۔

جہان چلا گیا اور وہ مجسمہ آزادی کے گرد اگی گھاس کے قریب جا کھڑی ہوئی۔ وہ گھاس کا گول قطعہ اراضی دراصل یوں تھا جیسے کوئی چپٹا رکھا گول سا سبز پھول ہو جس کی سبز پتیاں بنی ہوں' اور بیچ کے درمیان ایک سیدھی روش تھی جو مجسمے تک لے جاتی تھی۔

تاقسم کے ہر پھول' ہر پتھر اور ہر بادل پہ جیسے یادیں رقم تھیں۔ وہ اس کا اور ڈی جے کا زیرو پوائنٹ تھا۔ مین اسٹاپ۔ "تقریباً" ہر دوسرے روز وہ ادھر آتی تھیں۔ گورسل انہیں یہیں جو اتارا کرتی تھی۔ یہاں سے آگے وہ عموماً "میٹرو ٹرین" پکڑ لیا کرتی تھیں۔ اس اسکوائر کا چپہ چپہ انہیں یاد تھا اور ڈی جے کے بغیر سب کچھ ادھورا تھا۔

اور اس طرف استقلال اسٹریٹ تھی۔ وہاں سے کی گئی ان کی ڈھیروں شاپنگ جو رائیگاں چلی گئی۔ استقلال

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسٹریٹ آج بھی ویسی ہی تھی، بہت طویل، نہ ختم ہونے والی۔ مگر زندگی ختم ہو گئی تھی۔

گورسل کی کھڑکی کے شیشے کے پار وہ باسفورس کا عظیم الشان سمندر دیکھ رہی تھی۔ وہاں سے ایک فیری گزر رہا تھا۔ اسے یاد تھا جب پہلی دفعہ ان دونوں نے اسی جگہ پل پار کرتے ہوئے نیچے فیری تیرتا دیکھا تھا تو وہ تو خوشی اور جوش سے پاگل ہی ہو گئی تھیں۔ وہ کبھی بحری جہاز میں نہیں بیٹھی تھیں اور صرف اسے دیکھ کر ہی وہ پرجوش ہو گئی تھیں پھر فیری وہیں رہ گیا اور زندگی ختم ہو گئی۔

دوپہر کی ٹھنڈی ٹھنڈی دھوپ سبانجی کے در و دیوار پہ پھیلی تھی۔ ڈورم بلاکس تقریباً ویران پڑے تھے۔ اسپرنگ بریک ابھی ختم نہیں ہوئی تھی اور اسٹوڈنٹس اپنے اپنے ٹورز پہ تھے۔ اسے کسی کو اطلاع دینے کا ہوش ہی نہیں تھا، مگر پاکستان روانگی والے دن جانے ہالے کو کسی نے بتایا اور پھر سب کے فون آنے لگے تھے۔ معتصم، حسین، ٹالی، سارہ، لطیف، انجم، باجی سب اسے برابر فون کرتے رہے تھے، مگر وہ سب یقیناً ابھی واپس نہیں آئے تھے۔

وہ اپنے ڈورم بلاک کی گول چکر کھاتی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ جب وہ سبانجی آئی تھیں تو ان زینوں پہ برف جمی ہوتی تھی۔ اب وہ برف بہار لے گئی تھی۔ اس نے گردن اوپر اٹھا کر یالکونی کے بلب کو دیکھا اور پھر اداسی سے مسکرا دی۔ کتنا ڈر گئے تھے وہ اپنے پہلے دن کہ پتا نہیں یہاں کون سے جن بھوت ہیں۔

"نکلے ہم وہی، پاکستان کے پینڈو۔" ہالے کے یہ بتانے پر کہ یہ ٹیکنالوجی کا کرشمہ تھا، ڈی جے اس کے جانے کے بعد کتنی ہی دیر افسوس کرتی رہی تھی۔

اس نے ڈورم کا لاک کھولا۔

کمرا سنسان پڑا تھا۔ صاف ستھرے بنے ہوئے بستر، میز پہ ترتیب سے رکھی چیزیں، ڈی جے کے بنک کی میز البتہ خالی تھی۔ اس کی ساری چیزیں حیا نے اس کے بھائی کو پیک کر کے دے دی تھیں۔

وہ کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی اور سلائیڈ کھولی۔

"گڈ۔ گڈ لک۔" اس نے کہنا چاہا مگر آواز گلے میں اٹک گئی۔ آنسوؤں نے اس کا گلا بند کر دیا تھا۔ دور کہیں کسی دوسرے بلاک سے ڈی جے کو جواب دینے والے لڑکے نے اتنے دن کی غیر حاضری پہ کچھ تو سوچا ہو گا، مگر شاید وہ خود بھی اسپرنگ بریک پہ ہو۔ اب وہ آئے گا تو اسے کوئی آواز نہیں آئے گی۔ اسے کیا معلوم کہ اب ساری آوازیں ختم ہو گئیں۔

"گڈ مارننگ ڈی جے!" اس نے کھڑکی میں کھڑے بھیگی، بے حد مدھم آواز سے ڈی جے کو پکارا۔ آنسو اس کی پلکوں سے ٹوٹ کر چہرے پہ لڑھک رہے تھے۔

جواب نہیں آیا۔ اب جواب کبھی نہیں آنا تھا۔

وہ پلٹ کر اپنے بینک کی طرف آئی اور شانے سے پرس اتار کر اپنی میز پر رکھا، پھر زپ کھول کر اندر سے لکڑی کا وہ چھوٹا سا ڈبا نکالا۔ اس کا جواب بھی اسے ڈھونڈنا تھا۔

"وہ حیا۔ تم کب آئیں؟" آواز پہ وہ چونک کر پلٹی۔ کھلے دروازے میں معتصم کھڑا تھا اور بلا اجازت گزرتے ہوئے اسے دیکھ کر حیرت سے رکا تھا۔

"آج ہی آئی ہوں۔ تم سب واپس آ گئے؟" اسے یک گونا گو طمانیت کا احساس ہوا۔ وہ ڈبا ہاتھ میں لیے اس کی طرف آ گئی۔

"نہیں، وہ سب تو ابھی کونیا میں ہیں۔ مجھے ذرا کام تھا اس کے لیے آیا تھا۔" وہ دانستہ لمحہ بھر کو رکا۔ "مجھے ابھی تک یقین نہیں آ رہا کہ خدیجہ۔ اتنا اچانک کیسے ہوا؟"

"اللہ کی مرضی تھی معتصم! ڈاکٹر کہہ رہا تھا کہ بیری اینیورزم پھٹے تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ اچانک سے انسان کولیپس کرتا ہے اور اچانک مر جاتا ہے۔ بہت کم لوگوں کو چند روز قبل سر درد شروع ہوتا ہے، ڈی جے کو بھی ہوا تھا مگر اس نے میگرین سمجھ کر نظر انداز کیے رکھا اور پھر۔ پھر سب ختم ہو گیا۔"

"دوستوں کو کھونا بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔ میں سمجھ سکتا ہوں۔" وہ دونوں اسی طرح چوکھٹ پہ کھڑے تھے۔

"میں تو تب سے یہی سوچ رہی ہوں معتصم! کہ کیا زندگی اتنی غیر یقینی چیز ہے؟ ایک لمحے پہلے وہ میرے ساتھ تھی اور اگلے لمحے وہ نہیں تھی۔ موم بتی کے شعلے کی طرح بے ثبات زندگی جو ذرا سی پھونک سے بجھ جائے۔ لمحے بھر کا کھیل؟"

"یہی اللہ تعالیٰ کا ڈیزائن ہے حیا اور ہمیں اسے قبول کرنا پڑے گا۔ یہ کیا کوئی پرل باکس ہے؟" وہ اس کے ہاتھ میں پکڑے ڈبے کو دیکھ کر ذرا سا چونکا۔

اس نے نا سمجھی سے ڈبا اس کی طرف بڑھایا۔

"چائنیز پرل باکس؟ تم نے یہ کہاں سے لیا؟" وہ ڈبا الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔

"کسی نے دیا ہے مگر میں اسے کھول نہیں پا رہی۔ کیا تم اسے کھول سکتے ہو؟" اس نے پرامید نگاہوں سے معتصم کو دیکھا۔

"میں دیکھتا ہوں، ٹھہرو۔" وہ اس کا اوپر نیچے سے جائزہ لے رہا تھا۔ "یہ قدیم چائنیز باکس کی طرز پہ بنایا گیا ہے۔ اس کے اوپر عموماً کوئی پرل بنا ہوتا ہے، جس کو سائڈ کرنے سے یہ کھلتا ہے یا پھر کوئی پانچ حرفی لفظ لگانے سے۔ ایک منٹ۔" اسے جیسے اچنبھا ہوا۔ "پانچ نہیں، اس پہ تو چھ حروف ہیں۔ اس طرح کی چیزوں پہ ہمیشہ پانچ حروف ہوتے ہیں، مگر شاید اس کا جواب کوئی خاص لفظ ہو جس پہ چھ حروف ہی پورے آتے ہوں۔"

"مگر اب یہ کھلے گا کیسے؟" وہ بے چینی سے بولی۔

"یہ تو جس نے دیا ہے اس کو ہی۔" وہ رکا اور اوپر لکھی سطر پڑھنے لگا۔

"ایک ہی دریا میں کوئی شخص دو دفعہ نہیں اتر سکتا۔ ہوں... حیا! تمہارا واسطہ کسی چیستاں سے پڑ گیا ہے۔ یہ ایک پہیلی ہے اور اسے حل کرنا ہے۔"

"اور اس نے کہا تھا کہ اسے صرف میں ہی حل کر سکتی ہوں اور اگر اسے توڑا تو یہ میرے کسی کام کا نہیں رہے گا۔"

"یعنی وہ چاہتا ہے کہ تم دماغ استعمال کرو۔ ویسے یہ فقرہ۔" وہ اس سطر پہ انگلی پھیرتے ہوئے کچھ سوچ رہا تھا۔ "یہ فقرہ مجھے کچھ سنا سنا لگ رہا ہے۔ شاید۔ شاید۔" وہ جیسے یاد کرنے لگا۔ "اس دن، جب ہم جیو انفارمیشن کی کلاس میں لکھ لکھ کر باتیں کر رہے تھے تب شاید پروفیسر نے یہ بولا تھا۔"

"نہیں، مجھے تو ایسا کچھ یاد نہیں۔"

"پتا نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "انسان کی یادداشت چیزوں کو بہت کوریلیٹ کرتی ہے۔ ہمیں ایک چیز کو دیکھ کر اس سے متعلقہ چیز یاد آ جاتی ہے۔ مجھے بھی اس کو دیکھ کر وہی کلاس یاد آئی۔ خیر! جو بھی ہے، تم فکر نہ کرو، ہم اس کا کوئی حل نکال ہی لیں گے۔ ابھی تو میں کام سے جا رہا ہوں، دیر سے آؤں گا۔ تم دروازہ اچھی طرح لاک کر دینا، آج کل ڈورم بلاک تقریباً خالی ہے۔ ٹھیک ہے؟"

اس کے یوں خیال کرنے پہ وہ زیر لب مسکرا دی۔

وہ چلا گیا تو اس نے واقعی کمرا اچھی طرح لاک کر لیا۔ سبانجی اتنی ویران تھی کہ اسے انجانا سا خوف محسوس ہو رہا تھا۔ ٹاسم سے یہاں آنے تک اسے مسلسل محسوس ہوتا رہا کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔ کوئی اس کے پیچھے ہے۔ حالانکہ پیچھے مڑ کر دیکھنے پہ اسے سب کچھ معمول کے مطابق ہی نظر آتا تھا، مگر کچھ تھا جو اسے بے چین کیے ہوئے تھا۔

رات بہت دیر تک لیٹے لیٹے وہ پرل باکس کو دونوں ہاتھوں میں پکڑے، انگوٹھے سے حروف کنجی کی سلائیڈز اوپر نیچے کرتی رہی۔ اس نے حروف کے کئی جوڑ بنائے مگر وہ مقفل رہا۔ اسے نیند نے کب گھیرا، اسے علم بھی نہیں ہوا۔ پرل باکس اس کے گرد۔ ایک طرف لڑھک گیا۔ وہ اب بھی ویسا ہی تھا۔ سرد، جامد اور مقفل۔

☆ ☆ ☆

صبح وہ دیر سے اٹھی۔ ناشتا کر کے رات والے شکن آلود لباس پہ ڈھیلا سا سوئیٹر پہنے، بالوں کو جوڑے میں باندھتی وہ نیچے آئی۔ اس کا رخ یونیورسٹی میں فوٹو کاپیئر کی طرف تھا۔ وہاں سے اس نے کچھ نوٹس کئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

روز پہلے فوٹو اسٹیٹ کروائے تھے اور انہیں اٹھانے کا موقع ہی نہیں مل سکا تھا۔

صبح کی چمکیلی مگر ٹھنڈی ہوا سبانجی کے سبزہ زار پہ بہہ رہی تھی۔ وہ فوٹو کاپیز کے پاس آئی اپنے نوٹس اٹھائے، سبانجی کے کارڈ سے ادائیگی کی اور پھر واپس جانے کے لیے پلٹی ہی تھی کہ اسے ایک میز پہ رکھا لاوارث سا رجسٹر ملا۔ رجسٹر جانا پہچانا تھا۔ اس نے پہلا صفحہ پلٹا اس پہ بڑا بڑا DJ لکھا تھا۔

"او ڈی جے۔" ایک اداس مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو گئی۔ ڈی جے کا نسیان۔ وہ ہمیشہ اپنا رجسٹر فوٹو کاپیئر پہ چھوڑ جایا کرتی تھی۔ اس نے رجسٹر اٹھالیا۔ وہ اب اس کا تھا۔ باقی چیزیں تو وہ ڈی جے کی فیملی کو دے چکی تھی مگر اس کی ایک یادگار سنبھالنے کا حق تو اسے بھی تھا۔

وہ باہر آگئی اور گھاس پہ بیٹھ کر ڈی جے کے رجسٹر کے صفحے پلٹنے لگی۔ وہ اس کا رف رجسٹر تھا، جسے وہ زیادہ تر لکھ لکھ کے باتیں کرنے کے لیے استعمال کرتی تھی اور ایسی باتیں عموماً وہ آخری صفحے پہ ہی کیا کرتی تھیں۔ اس نے آخری صفحہ پلٹا تو دھیرے سے مسکرا دی۔

اس روز جیو انفارمیشن سسٹم کی کلاس میں ان کی اور فلسطینیوں کی اسپرنگ بریک کی پلاننگ اس پہ لکھی تھی۔ وہ بہت محبت سے ڈی جے کے لکھے الفاظ پہ انگلی پھیرتی انہیں پڑھ رہی تھی، جب ایک دم وہ رک گئی۔ رجسٹر کے اس آخری صفحے کے اوپر بڑا بڑا کر کے ڈی جے کی لکھائی میں لکھا تھا۔

Into the same river no man can enter twice-
Heraclitus 535-475.b.c

(ایک ہی دریا میں کوئی شخص دو دفعہ نہیں اتر سکتا)
ہراقلیطس ۵۳۵ ۴۷۵ قبل مسیح)

وہ بالکل شل سی، سانس روکے متحیر سے اس سطر کو دیکھ رہی تھی۔ کیا یہ پزل باکس اسے ڈی جے نے بھیجا تھا؟

"جب تک آپ اسے کھول پائیں گی، وہ شاید اس دنیا میں نہ رہے۔"

وہ رجسٹر لیے ایک دم سے اٹھ کر ڈورم کی طرف بھاگی۔ اسے معتصم کو ڈھونڈنا تھا۔

☼ ☼ ☼

"ہراقلیطس۔ یونانی فلسفی۔ یاد آیا۔" معتصم نے وہ سطر پڑھتے ہوئے بے اختیار ماتھے کو چھوا۔ "یہ ہراقلیطس کا ایک قول ہے، جیسے تم اس کے دوسرے اقوال سنے ہوں گے، مثلاً۔۔۔" وہ یاد کر کے بتانے لگا۔ "کتے اسی پہ بھونکتے ہیں جسے وہ نہیں جانتے ہوئے یا انسان کا کردار اس کی تقدیر ہوتا ہے۔" وہ انگریزی کے چند مشہور اقوال بتا رہا تھا۔

"ہاں، بالکل۔" حیا نے اثبات میں سر ہلایا۔ اس نے اس میں سے کوئی بھی قول نہیں سن رکھا تھا۔

"تو ثابت ہوا کہ ہم اس پزل کے ٹھیک راستے پہ چل نکلے ہیں۔ اور اس راستے پہ اس شخص نے یقیناً کچھ بریڈ کرمبز گرائے ہوں گے۔ اب ہمیں ایک ایک کر کے ہنسل اور گریٹل کے ان بریڈ کرمبز کو چننا ہے۔"

"شش!" دور بیٹھی لائبریرین نے کتاب سے سر اٹھا کر عینک کے پیچھے سے ان کو ناگواری سے ٹوکا، وہ دونوں اس وقت لائبریری میں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔

"سوری میم!" حیا نے گردن موڑ کر ایک معذرت خواہانہ مسکراہٹ ان کی طرف اچھالی اور واپس پلٹی۔

"اچھا اب کیا کرنا ہے؟" وہ دھیمی سرگوشی میں پوچھ رہی تھی۔ "اگر اس نے ہراقلیطس کا ایک قول ڈبے کے اوپر لکھا ہے تو یقیناً اس کے کوڈورڈ کا تعلق اسی قول ہوگا۔"

"یا پھر شاید ہراقلیدس کی ذات سے۔ ٹھہرو! میں ایک منٹ آیا۔" وہ اٹھا اور چند لمحے بعد جب وہ واپس آیا تو اس نے دونوں ہاتھوں میں موٹی موٹی چند کتابیں اوپر نیچے پکڑ رکھی تھیں۔

"یہ رہا ہراقلیدس کا اعمال نامہ۔" اس نے دھپ کی آواز کے ساتھ کتابیں میز پہ رکھیں۔

لائبریرین نے چہرہ اٹھا کر اسے تلملا کر دیکھا۔

"سو۔۔۔ری!" وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر کہتا واپس کرسی پہ بیٹھا۔

"میں لاء کی اسٹوڈنٹ ہو کر فلاسفی کی یہ اتنی وزنی کتابیں پڑھوں؟ یہ مجھ سے یہ نہیں ہوگا۔ میں ہراقلیطس کو گوگل کر لیتی ہوں۔ لیپ ٹاپ ادھر رکھاؤ۔" اس نے ساتھ رکھے معتصم کے لیپ ٹاپ کا رخ اپنی طرف گھمایا اور کی بورڈ پہ انگلیاں رکھیں۔

"اف!" جب اتنے ڈھیر سارے نتیجے کھلے تو وہ بے زاری ہو گئی۔ اسے جلدی سے کوئی جواب چاہیے تھا اور بس جلدی سے وہ باکس کھولنا تھا۔ اتنے لمبے ڈاکومنٹس پڑھنے کا حوصلہ اس میں نہیں تھا۔

"ادھر لاؤ، میں پڑھ کر تمہیں مین پوائنٹس بتاتا ہوں۔" اس کی کوفت دیکھ کر معتصم نے لیپ ٹاپ اپنی طرف گھمایا اور پھر اسکرین پہ نگاہیں دوڑاتے ہوئے پڑھنے لگا۔

"ہوں۔۔۔ اچھا۔۔۔ ہراقلیطس کا تعلق ایشیا مائیز سے تھا۔ خاصا بدمزاج فلاسفر تھا۔ اپنے علاقے میں چیف پریسٹ بھی رہا ہے اور بہت خاندانی بھی تھا۔ بڑے بڑے فلسفیوں کو خاصی حقارت سے دیکھا کرتا تھا۔ اس کے خیال میں فضا غوریث ہو مر کو بھرے چوک میں لے جا کر درے مارنے چاہئیں اور Hesoid اتنا جاہل ہے کہ اسے دن اور رات کا فرق نہیں پتا۔ ہراقلیطس کے مشہور اقوال یہ ہیں ...

گدھے سونے پہ گھاس کو ترجیح دیتے ہیں، کتے ہر اس شخص پہ بھونکتے ہیں جسے وہ نہیں جانتے، اور۔۔۔

"بس کرو معتصم! ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گی!" اس نے جھنجلا کر لیپ ٹاپ کی اسکرین ہاتھ سے دبا کر فولڈ کر دی۔ معتصم ہنس دیا پھر اپنا موبائل نکالا۔

"لطیف رات کو آگیا تھا۔ اس کا ایک سائیڈ کورس فلاسفی ہے، اس کو بلاتا ہوں۔"

لطیف کو ادھر آنے اور اس کو ساری بات سمجھانے میں پندرہ منٹ لگ گئے۔ اب وہ معتصم کے ساتھ والی نشست پہ بیٹھا سوچتے ہوئے اس پزل باکس کو دیکھ رہا تھا۔ وہ کیتھولک اور خالصتاً "ڈچ" تھا مگر افغانستان میں پیدائش کے وقت اس کے ماں باپ نے اپنے کسی افغانی دوست لطیف کے نام پہ اس کا نام رکھا تھا اور چونکہ اس کو پہلی خوراک ایک مسلمان نرس نے دی تھی سو لطیف ذہنی اور اخلاقی طور پہ ان فلسطینی لڑکوں جیسا ہی لگتا تھا۔

"میں تو ہراقلیطس نامہ سن کر تنگ آگئی ہوں، اور اس کے یہ کتوں، گدھوں اور۔۔۔" حیا نے باکس کی طرف اشارہ کیا۔ "دریاؤں والے اقوال میری سمجھ سے تو باہر ہیں۔"

"ایک منٹ!" لطیف ذرا چونکا۔ "وہ کتوں اور گدھوں والے اس کے اقوال ہوں گے مگر یہ دریا والا صرف اس کا قول نہیں بلکہ اس کی مشہور زمانہ فلاسفی ہے۔ Flux فلاسفی۔ تم نے سن تو رکھی ہوگی؟"

"میں ہراقلیطس کا نام آج پہلی دفعہ سن رہی ہوں، کجا کہ اس کی فلاسفی۔"

"اونہہ۔ تم نے، بلکہ ہر کسی نے یہ فلاسفی سن رکھی ہے۔ یہ محاورہ تو تم جانتی ہو نا کہ پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی گزر چکا ہے؟"

"ہاں!" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ لطیف آگے ہو کر بتانے لگا۔

"یہ محاورہ دراصل ہراقلیطس کی اسی فلاسفی کا نچوڑ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ کوئی بھی شخص ایک ہی دریا میں دو دفعہ نہیں اتر سکتا۔ یعنی کہ جب انسان ایک دفعہ پانی میں قدم رکھ کر نکالتا ہے تو وہ پانی آگے بہہ جاتا ہے، پانی اور انسان دونوں ہر لمحہ تبدیل ہوتے ہیں، وہ دوبارہ جغرافیائی لحاظ سے تو اسی دریا میں قدم رکھتا ہے مگر نہ وہ خود وہی پہلے والا انسان ہوتا ہے، اور نہ وہ دریا پہلے والا ہوتا ہے۔ سمجھ آئی؟"

"ہاں!" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ اسے قطعاً سمجھ نہیں آئی تھی۔

"نہیں، تمہیں سمجھ نہیں آئی۔ دیکھو! جب استنبول میں پہلے دن تم نے باسفورس کا سمندر دیکھا تھا،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تب وہ وہ سمندر نہیں تھا جو تم نے دیکھا۔ اب نہ تم وہ ہو اور نہ سمندر وہی ہے۔ ہر چیز لمحہ بہ لمحہ بدل جاتی ہے۔ یہ ہے ہراقلیطس کی فلاسفی آف چینج!"

"فلاسفی آف چینج!" حیا نے اثبات میں سر ہلاتے باکس اٹھایا۔ "اور تمہیں پتا ہے، چینج میں پورے چھ حروف ہوتے ہیں۔"

"اوہ ہاں!" معتصم نے ذرا جوش سے ڈیسک پہ ہاتھ مارا۔

ادھر ادھر ٹیبلز پہ پڑھتے چند طلبا نے سر اٹھا کر دیکھا۔

"لاسٹ ٹائم، ایکسچینج اسٹوڈنٹس!" لائبریرین نے کڑی نگاہوں سے اسے دیکھتے انگلی اٹھا کر وارننگ کی۔ معتصم نے فوراً سر جھکا دیا۔

وہ دبے دبے جوش سے حروف کی سلائیڈز اوپر نیچے کر رہی تھی، یہاں تک کہ اس نے پورا لفظ چینج لکھ لیا۔

"اب یہ کھل جائے گا۔"

مگر پزل باکس جامد رہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ کوڈ کچھ اور ہے۔ اور وہ کچھ ایسا ہے جسے صرف تم کھول سکتی ہو۔ کچھ ایسا جو صرف تمہیں ہی معلوم ہوگا۔"

"حیا! تم ہراقلیطس کی میٹافزکس میں تو انٹرسٹڈ نہیں ہو؟" لطیف کچھ سوچ کر کہنے لگا۔

"فی الحال تو میں صرف تاقسم جانے میں انٹرسٹڈ ہوں۔ میرا خیال ہے میں تیار ہو جاؤں۔" وہ ہار مانتے ہوئے باکس لیے اٹھ گئی۔

"ہم نے بھی تاقسم جانا ہے اور ابھی گورسل نکلنے میں ڈیڑھ گھنٹہ تو ہے۔ تم تیار ہو جاؤ تو اکٹھے چلتے ہیں۔"

لکڑی کا وہ پزل باکس اس نے اپنے ڈورم کے لاکر میں رکھا، پھر اپنے کپڑے کھنگالنے لگی۔ جس افراتفری میں گئی تھی، یہ یاد کہاں تھا کہ لانڈری کو کپڑے نہیں دیے۔ اس وقت جو ایک واحد استری شدہ جوڑا ہینگر پہ لٹکا تھا وہ اس کا سیاہ فراک تھا جس کی اوپری پٹی سنہری سکوں سے بھری تھی۔ وہی جو وہ جہان کے استقلال اسٹریٹ میں دیے جلانے والے ڈنر پہ پہن کر گئی تھی۔ فی الحال وہ پھپھو سے پہلے اپنی ان میزبان آنٹی کے گھر جا رہی تھی جنہوں نے پہلے روز ان کا کھانا کیا تھا۔ چونکہ وہ ایک طرح سے ڈی جے کے لیے ہی جا رہی تھی، سو یہ کام والا فراک مناسب نہ تھا، لیکن وہ اوپر سیاہ کوٹ پہن لے گی تو کام چھپ جائے گا اور نیچے سے تو فراک سادہ ہی تھا۔ اس نے لباس بدل کر بال کیچر میں باندھے، پھر اپنے سنہری کلچ میں پاکستانی سلم سا موبائل ڈالا۔ کلچ چھوٹا سا تھا، اس میں ترک بھدا فون پورا نہیں آتا تھا، سو اس نے ترک فون کوٹ کی جیب میں رکھ دیا اور کلچ کی زنجیر کو ایک کندھے سے گزار کر دوسرے پہلو میں ڈال کر بڑی پن کے ساتھ فراک کی بیلٹ سے منسلک کر دیا۔ سنہری سکوں کے کام میں سنہری ستاروں والا پرس بالکل چھپ سا گیا تھا۔ کم از کم اب کوئی اس کا پرس چھین تو نہیں سکتا تھا۔

مسز عبداللہ کا پتا اس کے پاس تھا۔ ہالے سے ان کا نمبر لے کر ان کو فون بھی کر دیا تھا۔ جب سے وہ ترکی آئی تھی، ان کے گھر پلٹ کر نہیں گئی۔ اب اسے لازمی جانا چاہیے تھا۔

گورسل میں وہ درمیانی راستے والی نشست پہ بیٹھی تھی۔ راستے کے اس طرف معتصم اور اس کے ساتھ لطیف بیٹھا تھا۔ حیا کے بائیں طرف کھڑکی کے ساتھ والی نشست پہ ایک ترک لڑکی موجود تھی۔

"تمہارا فلوٹیلا فلسطین کب پہنچے گا معتصم؟" وہ سیاہ کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے بیٹھی گردن موڑ کر اس سے مخاطب تھی۔

"جون میں پہنچ جائے گا۔"

"اسرائیلی اسے داخل تو ہونے دیں گے نا؟"

"امید تو ہے کیونکہ یہ فلوٹیلا ترکی کا ہے، اور اس میں بہت سے ممالک کے وفد ہیں۔" جواب لطیف نے دیا تھا۔

"اور اگر اسرائیلیوں نے ایسا نہ ہونے دیا تو؟ آخر اسرائیل سے کسی بھی چیز کی توقع کی جا سکتی ہے۔"

"تو پھر یہ یاد رکھنا کہ جتنے بنی اسرائیل وہ ہیں، اتنے ہم بھی ہیں۔ وہ سامنے دیکھو! وہ اسرائیلی ایمبیسی ہے!" معتصم کے اشارے پہ ان دونوں نے گردنیں اونچی کر کے ونڈ اسکرین کے پار دیکھا، جہاں ایک جھنڈے والی عمارت دکھائی دے رہی تھی۔

"اگر فلوٹیلا غزہ نہ پہنچا تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ یہ ایمبیسی استنبول میں دوبارہ نظر نہیں آئے گی۔"

"میں تمہارے ساتھ ہوں۔" لطیف نے اس کے شانے پہ ہاتھ رکھا۔

"می ٹو!" حیا نے فوراً کہا۔

"می تھری!" ساتھ بیٹھی ترک لڑکی نے فوراً انگلی اوپر کی۔ وہ بے اختیار ہنس دی۔

"ویسے معتصم! تالی کو اغوا کرنا زیادہ مناسب رہے گا نہیں؟" لطیف کی بات پہ وہ سب ہنس پڑے تھے۔ اسے یاد تھا، ڈی جے کو ان کی تالی سے دوستی کتنی بری لگتی تھی۔

تاقسم اسکوائر پہ مغرب اتر رہی تھی اور ہر طرف اندھیرا سا چھا رہا تھا۔ اسکوائر کی بتیاں ایک ایک کر کے جلنے لگی تھیں۔

"تم نے جدھر جانا ہے، ہم تمہیں چھوڑ دیتے ہیں۔ اکیلی مت جاؤ۔" وہ دونوں بس سے اتر کر اس کے لیے رکے کھڑے تھے۔

"ترکوں کے ساتھ رہ کر تم بھی ترک بن گئے ہو۔ ان پرخلوص ترکوں سے راستہ پوچھو تو منزل تک پہنچا کر آتے ہیں۔"

"مادام! آپ کو پتا ہونا چاہیے کہ ان پرخلوص ترکوں کے اس ملک میں ہر سال تقریباً پانچ سو لڑکیاں اغوا کر کے آگے بیچ دی جاتی ہیں اور یہ ترکی کا سب سے منافع بخش کاروبار ہے۔"

"اچھا اب ڈراؤ تو مت۔ مجھے تھوڑی دور ہی جانا ہے۔" وہ تینوں سڑک کے کنارے ساتھ ساتھ ہی چلنے لگے تھے۔

"تم اپنی آنٹی کے گھر جا رہی ہو؟"

"ہاں مگر مجھے ابھی اپنی ہوسٹ آنٹی کے گھر بھی جانا ہے۔ کچھ دن بعد جب میں واپس آؤں گی تو اس پزل باکس کا حل ڈھونڈیں گے۔"

وہ تینوں باتیں کرتے ہوئے ٹھنڈی ہوا میں ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ مجسمہ آزادی ان کے پیچھے رہ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

لاؤنج میں سوگواریت سی چھائی تھی۔ مسز عبداللہ اور ان کی سرخ بالوں والی بیٹی مہر مغموم سی سامنے صوفوں پہ بیٹھی تھیں۔ حیا کے صوفے سے ذرا دور کارپٹ پہ مہر کی بیٹی عروہ کشن کا سہارا لیے نیم دراز ریموٹ تھامے ٹی وی پہ کارٹون دیکھ رہی تھی۔

"آپ کو پتا ہے، ہم دونوں ہر ہفتے آپ کی طرف چکر لگانے کا پلان بناتے تھے مگر ہر دفعہ کچھ نہ کچھ روک لیتا اور اب..." اس نے تاسف سے سر جھکا۔

"تم مجھے اسی روز بتا دیتیں تو۔ کم از کم میں اسے دیکھ ہی لیتی، پھر کلیئرنس میں تمہاری مدد ہی کروا دیتی۔ تم کتنی پریشان رہی ہوگی!"

"مجھے تو اپنی آنٹی کو بتانے کا بھی ہوش نہیں تھا۔ ایسا اچانک دھچکا لگا تھا کہ..." اس نے فقرہ ادھورا چھوڑا اور سر جھکا کر انگلی کی نوک سے آنکھ کا کنارا پونچھا۔ مہر نے بہت فکرمندی سے اسے دیکھا۔

"تم بہت کمزور ہو گئی ہو پہلے سے حیا! اور تمہاری رنگت بھی کمہلا گئی ہے۔"

"بس... بخار ہو گیا تھا اور پھر سفر کی تکان!" وہ اداسی سے مسکرائی۔ وہ واقعی بہت پژمردہ اور تھکی تھکی سی لگ رہی تھی۔

"میں ذرا کھانے کا کچھ کر لوں۔" مسز عبداللہ اٹھیں تو وہ بے اختیار کہہ اٹھی۔

"کھانا پھپھو کی طرف ہے۔ میں بس چائے پیوں گی۔"

"پھر مجھے صرف دس منٹ دو۔" وہ عجلت سے کہتی کچن کی جانب بڑھ گئیں۔ مہر بھی ان کے پیچھے جانے کے لیے اٹھی، پھر عروہ کو دیکھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"عروہ! تم حیا کو کمپنی دو اور فادر گاڈ سیک! جب کوئی مہمان آتا ہے تو ٹی وی نہیں دیکھتے۔" اس نے جاتے جاتے خفگی سے بچی کو گھورا۔ عروہ گڑبڑا کر سیدھی ہوئی اور مڑ کر حیا کو دیکھا، پھر سادگی سے مسکرائی۔
"سوری!"
"کوئی بات نہیں۔ تم بے شک کارٹون دیکھ لو۔ میں بور نہیں ہوں گی۔ ویسے کون سا کارٹون ہے یہ؟" کارٹون ذرا شناسا سا لگے تو آنکھیں سکیڑ کر اسکرین کو دیکھنے لگی۔
"کیپٹن پلینٹ۔ آپ نے دیکھے ہیں کبھی؟" عروہ دبے دبے جوش سے بتاتی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔
"ارے! یہ کیپٹن پلینٹ ہیں؟ میرے فیورٹ!" وہ ایک دم خوشی سے کہتی صوفے کی نشست پہ آگے کو ہوئی۔
"مجھے یہ بہت پسند ہیں اور لنڈا تو بہت ہی زیادہ... عروہ! میری تو جان تھی کیپٹن پلینٹ میں۔ میں بچپن سے ہی ان کی بہت جنونی فین رہی ہوں۔ جب یہ سارے پلینٹرز اپنی انگوٹھیاں فضا میں بلند کر کے فائر، ارتھ، ونڈ، واٹر چلاتے تھے تو میرے اندر اتنی انرجی بھر جاتی کہ مجھے لگتا میں ابھی اڑنے لگوں گی۔"
وہ چھوٹے بچوں سے کبھی بھی اتنی بے تکلف نہیں ہو پاتی تھی مگر یہاں معاملہ کیپٹن پلینٹ کا تھا۔
"پھر میرے ابا نے مجھے سمجھایا کہ آگ، مٹی، ہوا اور پانی ہمارے اس سارے کو بنانے والے چار ایلیمنٹس ہیں۔ تب پہلی دفعہ مجھے ان چار یونانی عناصر کا پتا چلا تھا۔"
"ہاں مجھے پتا ہے۔ ماما نے مجھے بتایا تھا کہ یہ یونانی عناصر ہیں۔"
"مجھے بھی تب ہی ابا نے بتایا تھا کہ کس طرح یونانی فلسفیوں نے یہ چار عناصر باری باری پیش..." وہ کہتے کہتے ایک دم رکی۔ لمحے بھر کو اس کے اندر باہر بالکل سناٹا چھا گیا۔
"یونانی عناصر!" اس نے بے یقینی سے زیر لب دہرایا۔ اسے یاد تھا، یہ عناصر یونانی فلسفیوں نے پیش کیے تھے۔ کسی نے کہا دنیا پانی سے بنی ہے، کسی نے کہا ہوا سے۔ اور وہ ہر عنصر اس فلسفی کی پہچان بن گیا۔
"ہراقلیطس کا عنصر کون سا تھا؟" وہ خود سے پوچھتے جیسے چونک اٹھی۔ عروہ منتظر نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔
"عروہ! مجھے نیٹ چاہیے، ابھی، اسی وقت!" وہ بے چینی سے بولی تو عروہ سر ہلا کر اٹھی اور صوفے پر سے ایک آئی پوڈ اٹھا کر اسے دیا۔
"یہ ممی کا آئی پوڈ لے لیں۔"
"تھینکس!" اس نے آئی پوڈ پکڑ کر اس کا گال تھپتھپایا اور جلدی جلدی گوگل کھولنے لگی۔
تقریباً آدھ گھنٹے بعد جب وہ ان کو خدا حافظ کر کے باہر آئی تو سڑک کے کنارے چلتے ہوئے اس نے کوٹ کی جیب سے اپنا ترک فون نکالا اور تیزی سے معتصم کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔
"حیا! خیریت؟" وہ فون اٹھاتے ہی ذرا فکر مندی سے بولا تھا۔
"معتصم! تمہیں پتا ہے یونانی فلسفیوں نے زمین کی تخلیق کی وضاحت کرنے کے لیے کچھ عناصر پیش کیے تھے کہ زمین ان سے مل کر بنی ہے؟" چند لمحے کی خاموشی کے بعد وہ آہستہ سے بولا۔
"حیا! میرے خیال ہے تم ذرا تھک گئی ہو، تھوڑا سا ریسٹ کر لو، اس کے بعد تم نارمل ہو جاؤ گی۔"
"معتصم!" اس نے جھنجلا کر زور سے کہا۔ "میں سنجیدہ ہوں۔ میری بات سنو! ہم خوامخواہ اس نیم پاگل آدمی کی سوانح عمری پڑھ رہے تھے۔ ہمیں اس کی فلاسفی چاہیے تھی۔ اس دور کے ہر فلسفی نے اپنا ایک عنصر پیش کیا تھا اور اس کے خیال میں زمین کی ہر چیز اس عنصر سے بنی تھی۔ کسی نے کہا وہ پانی ہے، کسی نے کہا ہوا، اور یوں ان چاروں، بلکہ پانچوں عناصر کی فہرست مرتب ہوئی تھی۔ ہراقلیطس کا عنصر "آگ" تھا اور یہی اس کی پہچان تھا۔"
"فائر؟"
"ہاں فائر، ہراقلیطس کی دائمی آگ۔ اس نے آگ

کی بنیاد پہ اپنی فلاسفی آف چینج پیش کی تھی۔ معتصم! انسان ایک دریا میں دو دفعہ کیوں نہیں اتر سکتا؟ کیونکہ انسان اور دریا، دونوں ہراقلیطس کے خیال میں آگ سے بنے تھے اور دنیا میں سب سے زیادہ تبدیل ہونے والی چیز آگ ہے، جو ہر لمحہ بدلتی ہے اور جو ہر ہر چیز کو بدل دیتی ہے۔ اس پزل باکس پہ لکھی بات ایک ہی لفظ کی طرف اشارہ کر رہی ہے جو ہے "فائر۔" وہ کالونی کے سرے پہ کھڑے ہو کر فون کہہ رہی تھی۔ رات گہری ہو رہی تھی اور اسٹریٹ پولز جل اٹھے تھے۔
"مگر حیا! فائر میں تو چار حروف ہوتے ہیں۔ یہ کوڈ کیسے ہو سکتا ہے؟"
"یہ کوڈ ہے بھی نہیں۔ اس کا مطلب ہے آگ، اصلی والی آگ، کالی کا لائٹر، اسرائیلی آگ، یاد ہے تمہیں؟"
"او مائی!" اسے ایک لمحہ لگا تھا سمجھنے میں۔ "تمہارا مطلب ہے کہ اس نے آگ کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ... کیونکہ اس خط کی طرح اس باکس پر بھی کچھ لکھا ہو گا جو..."
"جو صرف آنچ دکھانے سے ظاہر ہو گا۔" اس نے مسکرا کر کہتے ہوئے اس کی بات مکمل کی۔
"حیرت ہے یہ خیال مجھے کیوں نہیں آیا؟"
"کیونکہ تم کافی تھک گئے ہو، ذرا آرام کر لو، پھر تم ٹھیک ہو جاؤ گے۔"
وہ جواباً ہنس دیا تھا۔
"چلو پھر تم رات کو واپس آؤ گی تو اس باکس کو کھولیں گے۔"
"نہیں، میں آج رات واپس نہیں آؤں گی۔ میں آنٹی کی طرف رکوں گی۔"
"تمہاری اپنی آنٹی یا پھر ہوسٹ آنٹی؟"
"میں..." فقرہ اس کے لبوں میں رہ گیا۔ کسی نے اس کے کان سے لگا فون زور سے کھینچا تھا۔ اسے مڑنے یا چیخنے کا موقع بھی نہیں مل سکا۔ کسی نے اس کے منہ پہ ہاتھ رکھا اور کوئی سوئی کی نوک تھی جو اس کی گردن کے آس پاس کہیں چبھی تھی۔ لمحے بھر کا عمل تھا۔ اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرے بادل چھانے لگے۔ وہ چیخنا چاہتی تھی۔ دل و دماغ کے سن ہونے سے قبل جو آخری بات اس نے سوچی تھی، وہ یہ تھی کہ کوئی اسے پیچھے کی طرف گھسیٹ رہا تھا۔ اور پھر... ہر طرف اندھیرا تھا۔

☆ ☆ ☆

اس نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں۔ بدقت پلکیں اوپر کو اٹھی تھیں، ان پہ جیسے بہت بوجھ سا تھا۔ ہر سو اندھیرا تھا۔ گھپ اندھیرا۔ وہ ایسے پڑی تھی کہ کمر دیوار سے لگی تھی اور گھٹنے پیٹ سے۔ وہ جیسے ایک بہت تنگ و تاریک جگہ پر بہت سے سامان کے اندر کہیں پھنسی بیٹھی تھی۔
اس نے آنکھیں چند ایک بار جھپکائیں۔ منظر ویسا ہی رہا۔ اندھیرا، تاریکی، بس اتنا احساس ہوا کہ وہ کسی تنگ سے کمرے میں ہے جہاں اس کے دونوں اطراف وزنی چیزیں رکھی ہیں۔
اس نے کہنیوں کے بل ذرا سا اٹھنا چاہا تو دائیں ہاتھ میں کھنچاؤ تھا۔ اس نے ہاتھ کھینچا، ذرا سا لوہا کھنکا۔ اس کی دائیں کلائی میں ہتھکڑی تھی اور وہ دیوار سے بندھی تھی۔ اس نے زور سے کلائی کو جھٹکا، مگر بے سود۔
اس کے سر اور کمر میں بے تحاشا درد ہو رہا تھا جیسے کوئی چوٹ لگی ہو۔ بمشکل وہ اپنے آپ پہ قابو پاتے ہوئے، دوسرے ہاتھ کے سہارے ذرا سی سیدھی ہو کر بیٹھی۔ بائیں جانب کوئی بوجھ سا اس کے اوپر گرنے لگا۔ اس نے آزاد ہاتھ سے اسے پرے دھکیلا تو وہ نرم سا بوجھ دوسری جانب ذرا سا لڑھک گیا۔
حیا نے گردن موڑی۔ درد کی ایک ٹیس بے اختیار اٹھی۔ اس کے لبوں سے کراہ نکلی۔ پیچھے دیوار لکڑی کے پھٹوں سے بنی تھی اور پھٹوں میں باریک سی درزیں تھیں۔ اب ذرا آنکھیں اندھیرے کی عادی ہوئیں تو اسے نظر آیا۔ ان درزوں سے رات کی تاریکی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں زردی سی روشنی جھانک رہی تھی۔ وہ بدقت چہرہ اس درز کے قریب لائی اور آنکھیں سکیڑ کر جھانکا۔

باہر ہر سو سمندر تھا۔ سیاہ پانی جو رات کے اس پہر زرد روشنیوں میں چمک رہا تھا۔ پل کی روشنیاں' یہاں' وہ پل ہی تھا۔ وہ باسفورس کے سمندر پہ بنے اس پل کے آس پاس ہی کہیں تھی۔ مگر وہ باسفورس برج نہیں تھا' وہ ذرا مختلف لگ رہا تھا' یا شاید وہ ٹھیک سے دیکھ نہیں پا رہی تھی۔

بائیں طرف موجود بوجھ پھر سے اس پہ لڑھکنے لگا۔ اس نے کوفت سے اسے پرے دھکیلا تو اس کا ہاتھ نم ہو گیا۔ وہ نم ہاتھ چہرے کے قریب لائی اور درز سے آتی روشنی میں دیکھنا چاہا۔ اسے نمی کا رنگ تو نظر نہیں آیا مگر بو... وہ خون تھا۔

وہ متوحش سی ہو کر ہاتھ اپنے کپڑوں سے رگڑنے لگی۔ اس کا کوٹ اس کے جسم پہ نہیں تھا۔ جو واحد خیال اسے اس وقت آ رہا تھا۔ وہ بہت تکلیف دہ تھا۔

اسے عبدالرحمان پاشا نے اغوا کروا لیا تھا۔

زور زور سے وہ اپنا ہاتھ سنہری سکوں سے رگڑ رہی تھی' جب اس کی انگلیاں ذرا بھاری سی چیز سے ٹکرائیں۔ وہ ٹھہر گئی اور اسے ٹٹولا۔

اس کا چھوٹا سنہری کلچ جو فراک کی بیلٹ کے ساتھ نتھی تھا۔ اس کے سر میں درد سے ٹیس اٹھ رہی تھیں۔ ذہن میں اپنی اور پھپھو کی آخری گفتگو گونج رہی تھی۔ اس نے شام میں انہیں یقین دلایا تھا کہ رات کھانے پہ وہ ان کے ساتھ ہو گی۔ اب جانے کون سا وقت تھا' پھپھو نے اس کا انتظار کیا ہو گا اور اسے نہ پا کر... کیا ان کے ذہن میں آیا ہو گا کہ وہ اغوا ہو گئی ہے؟

اس نے اپنے آزاد ہاتھ سے کلچ کھولا۔ اندر اس کا پتلا سا پاکستانی موبائل رکھا تھا۔ انہوں نے اس کا فون کیوں نہیں لیا' وہ سمجھ گئی تھی۔ اس کا ترک فون کھینچ کر انہوں نے سمجھا ہو گا کہ وہ اسے رابطے کے ہر ذریعے سے محروم کر چکے ہیں اور فراک کے ساتھ نتھی کلچ پہ ہم رنگ ہونے کے باعث کسی نے غور نہیں کیا ہو گا۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ اس کے پاس دو فون تھے۔ مگر عبدالرحمن پاشا کو تو معلوم تھا لیکن...

اس نے اسکرین کو چھوا تو وہ روشن ہو گئی۔ بند کمرے میں مدھم سی سفید روشنی جل اٹھی۔ اس موبائل میں موسوش کی مہندی کے روز ہی اس نے بیلنس ڈلوایا تھا اور یہ پاکستانی نمبر تھا جس کی رومنگ آن تھی۔ معلوم نہیں کتنے پیسے بچے تھے' ایک کال کے تو ہوں گے۔ اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ بیلنس چیک کیا۔ اس میں اتنے ہی روپے تھے کہ وہ ترکی کے کسی نمبر پہ تیس سیکنڈ کی کال کر سکتی۔ بس۔ اتنی سی دیر میں بھی وہ جہان کو اپنی صورتحال سمجھا سکتی تھی۔

وہ جلدی جلدی فون بک نیچے کرنے لگی۔ "جے" میں جہان کا نمبر نہیں تھا اس نے "ھی" میں دیکھا۔ وہاں بھی نہیں تھا۔ وہ ذرا حیرت سے سبین پھپھو کا تلاشنے لگی۔ ان کا نمبر بھی غائب۔ بس پاکستانی نمبر تھے۔

"کیوں؟" اس نے دکھتے سر کے ساتھ سوچنا چاہا اور تب ایک جھماکے سے اسے یاد آیا۔ یہ پاکستانی موبائل تھا اور ترکی کے سارے نمبرز اس نے اپنے ترک فون میں محفوظ کر رکھے تھے۔ اب وہ گھر فون کر کے اپنے اغوا کا نہیں بتا سکتی تھی اور نہ اتنا بیلنس تھا کہ وہ انہیں فون کر کے جہان کا نمبر لیتی۔ تیس سیکنڈ کی کال اسے ضائع نہیں کرنی تھی۔

اس نے آنکھیں بند کر کے سر دیوار سے لگا دیا۔ وہ سوچنا چاہتی تھی' فرار کا کوئی رستہ' مدد کی کوئی صورت' اور تب ہی اس نے لکڑی کی اس دیوار کے پار وہ آوازیں سنیں۔ عربی میں تیز تیز بولتا ایک آدمی جیسے دور سے چلتا ہوا اسی طرف آ رہا تھا۔

"پاشا تمہیں جان سے مار دے گا اگر اسے علم ہوا کہ تم اس کی لڑکی اٹھا لائے ہو۔"

"یہ بحری جہاز روانہ ہو جائے' پھر میں یہاں سے بہت دور چلا جاؤں گا جہاں پاشا کے فرشتے بھی نہیں پہنچ سکتے۔" دوسری آواز ذرا جھنجلائی ہوئی تھی۔ وہ دونوں اسی دیوار کے پیچھے باتیں کر رہے تھے۔

"تم امید کرو گو اور تم اچھی امید کرو کیونکہ اگر پاشا کو..." آوازیں دور جا رہی تھیں۔ اب وہ مبہم ہو گئی تھیں۔

اس نے ان کی باتوں پہ غور کرنا چاہا۔ وہ پاشا کا ذکر کر رہے تھے' کچھ ایسا جو اس کے علم میں نہیں تھا۔ بحری جہاز کی روانگی اور پاشا کی لاعلمی... تو کیا پاشا کے کہنے پہ اغوا نہیں کی گئی تھی؟

وہ کتنی ہی دیر اپنے درد کرتے سر کے ساتھ سوچنے کی کوشش کرتی رہی مگر کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑے فون کو دیکھا۔

اس فون میں ترکی کا ایک ہی نمبر تھا۔ جب وہ ریسٹورنٹ میں اپنا ترک موبائل چھوڑ گئی تھی تو اسے اسی پاکستانی فون پہ پاشا نے کال کیا تھا۔ اس نے وہ نمبر محفوظ نہیں کیا تھا مگر وہ کال لاگ میں پڑا تھا۔ اس نے کپکپاتی انگلیوں سے لاگ کھولا۔ وہ خالی تھا۔ صرف ایک کال تھی جو ترکی آتے ہی ابا نے اس نمبر پہ کی تھی۔ باقی لاگ ارم نے مٹا دیا تھا۔

اس کا سر گھومنے لگا۔ ہر طرف اندھیرا تھا' ہر راستہ مسدود' ہر دروازہ بند' وہ یہ تیس سیکنڈ کی کال کس کو کرے؟ سارے ایمرجنسی نمبرز ترک فون میں تھے اور ترکی کے دوسرے نمبر اسے زبانی یاد نہیں تھے۔ فون نمبرز حیا سلیمان کو کبھی زبانی یاد نہیں رہتے تھے۔

بوجھ پھر سے اس پہ لڑھکنے لگا۔ اس نے موبائل کی روشنی اس پہ ڈالی اور ایک دم بالکل شل رہ گئی۔ وہ لمبے سنہری بالوں والی ایک لڑکی تھی۔ جو اس پر گری تھی۔ اس کے منہ اور کندھے سے خون نکل رہا تھا۔ بغیر آستین کی قمیص سے جھلکتے اس کے سنہری بازو پہ کچھ لکھا تھا۔ اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے اس کے بازو پہ موبائل کی روشنی کی۔ وہاں سیاہ رنگ سے انگریزی میں لکھا تھا۔ " Natasha "

"نتاشا۔" شاید اس کا نام تھا' اور وہ اس کے نام کا ایک بد صورت سا ٹیٹو تھا۔ یا جلا ہوا کوئی داغ۔

اس نے موبائل کی روشنی ادھر ادھر دوڑائی۔ اس چھوٹے سے ڈربے میں ہر طرف لڑکیاں تھیں۔ ایک دوسرے کے اوپر گری ہوئیں۔ بے ہوش' بے سدھ پڑی کسی کے چہرے پہ نیل تھے' تو کسی کے بازوؤں پہ خراشیں یا جما ہوا خون تھا۔

خون کی بو اور سر میں اٹھتا شدید درد۔ اس کا جی ایک دم سے متلانے لگا تھا۔ اسے محسوس ہوا' وہ پھر سے ہوش کھو دے گی۔ اپنے ناکارہ فون کو کھلے کلچ میں ڈالتے ہوئے اس کی نگاہ اندر پڑے کارڈ پہ پڑی۔ اس نے جلدی سے وہ کارڈ نکالا۔ اتصلات کا کالنگ کارڈ جو انہوں نے ابوظہبی میں خریدا تھا مگر اب وہ بے کار تھا۔ اس نے اندر انگلیاں ڈال کر ٹٹولا اور پھر وہ تہہ شدہ کارڈ نکالا۔

کارڈ کو سیدھا کر کے اس نے گھٹنے پہ رکھا اور موبائل کی روشنی اس پہ ڈالی۔ آف وائٹ کارڈ پہ لکھے سیاہ الفاظ روشن ہوئے۔

"شیخ عثمان شبیر"

نیچے ترکی کے تین نمبرز لکھے تھے۔ آفس' گھر اور موبائل کا۔ اس کا دل نئی امید سے دھڑکنے لگا۔

اسے ایکسٹینشن یاد نہیں آ رہی تھی۔ کوئی تاریخ تھی۔ کوئی نشان' کوئی مشہور واقعہ۔ اس نے آنکھیں بند کر کے یاد کرنے کی کوشش کی۔ اسے یہ تیس سیکنڈ کی کال ضائع نہیں کرنی تھی۔ مگر اسے یاد نہیں آ رہا تھا۔ سر میں اٹھتا درد اب ناقابل برداشت ہوتا جا رہا تھا۔

اس نے آنکھیں کھول کر دوبارہ کارڈ کو دیکھا اور کچھ سوچ کر موبائل نمبر ملایا۔ گھر اور فون کان سے لگایا۔ ترک میں ریکارڈنگ چلنے لگی تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ فون بند ہے۔ اس نے ڈوبتے دل کے ساتھ گھر کا نمبر ملایا۔

گھنٹی جا رہی تھی۔ وہ بے چینی سے لب کاٹنے لگی۔ اس کی امید کا دیا بار بار جلتا بجھتا جا رہا تھا۔

بند کمرے میں خون کی عجیب سی بو پھیلی تھی۔ اس سے سانس لینا دشوار ہو رہا تھا۔ دوسری جانب گھنٹی ابھی تک جا رہی تھی۔

"پلیز اللہ تعالیٰ' پلیز۔" اس کی آنکھوں سے آنسو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرنے لگے۔

"السلام علیکم!" اسی لمحے فون اٹھایا گیا۔

"کون عثمان انکل؟" وہ تیزی سے بولی۔

"نہیں میں ان کا بیٹا سفیر!" وہ جو بھی تھا۔ ذرا چونکا تھا۔

"میں حیا بول رہی ہوں۔ حیا سلیمان۔ میں عثمان انکل کے ساتھ آئی تھی۔ اتحاد ایئر لائنز۔ سبانجی یونیورسٹی۔ ایکسچینج اسٹوڈنٹ۔" وقت کم تھا اور وہ اسے تعارف میں ضائع نہیں کر سکتی تھی۔

"کیا ہوا؟ آپ ٹھیک تو ہیں؟"

"نہیں، مجھے ان لوگوں نے اغوا کر لیا ہے، یہاں پر کوئی کمرا ہے میں اس میں بند ہوں یہاں چھ، سات اور لڑکیاں بھی ہیں۔ پلیز کسی سے کہیں میری مدد کرے۔" وہ تیز تیز بولتی گئی۔

"ایک منٹ مجھے بتائیں آپ کس جگہ پر ہیں۔ کوئی آئیڈیا ہے آپ کو؟ کسی کھڑکی وغیرہ سے باہر دیکھ سکتی ہیں؟"

"ہاں، یہاں باہر سمندر ہے، مجھے ایک فیری نظر آ رہا ہے اور ادھر پل ہے، باسفورس برج۔ نہیں یہ۔" رابطہ کٹ گیا۔

اس نے بوکھلا کر اسکرین کو دیکھا اور پھر اس باریک درز سے جھلکتے منظر کو۔ اس نے باسفورس برج کہہ دیا تھا جبکہ وہ باسفورس برج نہیں تھا۔ اب وہ پہچانی تھی۔ یہ سلطان احمت برج تھا۔ شہر کے دونوں حصوں کو ملانے والا دوسرا پل۔ اس نے اپنی لوکیشن ہی غلط بتائی تھی۔ اب؟

وہ بے بسی سے موبائل کو دیکھے گئی بیلنس ختم ہو گیا تھا اور اب وہ کال ریسیو کرنے سے بھی قاصر تھی۔

دروازے پہ آہٹ ہوئی تالا کھلنے کی آواز۔ اس نے جلدی سے فون کلچ میں ڈال کر اسے بند کیا اور گردن ایک طرف ڈھلکا کر آنکھیں موند لیں۔

دروازہ بھاری چرچراہٹ کے ساتھ کھلا۔ کوئی اندر آیا، اس پہ جھک کر اس کی ہتھکڑی چابی سے کھولی اور پھر اسے بازو سے کسی جانور کی طرح گھسیٹتے باہر لے جانے لگا۔

اس کے لبوں سے بے اختیار کراہ نکلی۔

وہ آدمی اسے بڑے کمرے میں لایا اور اب کرسی پہ بٹھا کر اس کے ہاتھ پاؤں کرسی سے باندھ رہا تھا۔

"مجھے چھوڑ دو، مجھے جانے دو۔" وہ منمنائی تھی۔

اس نے جواباً ٹیپ کا ایک ٹکڑا دانت سے کاٹ کر اس کے لبوں سے کس کر چپکا دیا۔

"اُم۔" وہ گردن دائیں سے بائیں مارنے لگی۔ ٹیپ سے اس کی آواز گھٹ کر رہ گئی تھی۔ وہ توجہ دیے بنا تب ہی ڈگ بھرتا باہر چلا گیا۔

اس نے نگاہیں پورے کمرے پہ دوڑائیں۔ وہ بڑا سا کمرا تھا۔ ایک طرف بڑا صوفہ رکھا تھا اور دوسری طرف آتش دان جس کے پاس وہ کرسی سے جکڑی بیٹھی تھی۔ آتش دان میں آگ بھڑک رہی تھی۔ ہراقلیطس کی دائمی آگ۔ ساتھ ہی لوہے کی چند سلاخیں پڑی الاؤ میں دہک رہی تھیں۔ ان کے سرے انگریزی کے مختلف حروف لکھے تھے اور وہ حروف دہک دہک کر سرخ انگارے بن چکے تھے۔

آتش دان کے ایک طرف ایک چھوٹی انگیٹھی رکھی تھی۔ اس میں جلتے انگاروں پہ ایک برتن میں شہد کی طرح کا گاڑھا سا مائع ابل رہا تھا۔ اس کی بُو سارے میں پھیلی تھی۔ شہد سے زیادہ بھورا مائع۔ وہ شاید ویکس تھی۔

اس نے گردن گرا دی۔ اس کی ہمت ختم ہوتی جا رہی تھی۔ وہ اب بہت دیر سے اس کمرے میں تنہا پڑی تھی اور یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ اسے لگ رہا تھا اس نے وہ کال ضائع کر دی۔ پتا نہیں وہ کون تھا اور اسے اس کی بات سمجھ میں آئی بھی تھی یا نہیں اور وہ کچھ کرے گا بھی یا نہیں۔ اگر وہ گھر فون کر لیتی تو شاید۔ مگر نہیں گھر فون کرنے کی صورت میں بات پھیل جاتی اور اس سے تو بہتر تھا کہ وہ یہیں پڑی رہتی۔ لیکن بات تو اب بھی پھیل جائے گی اور وہ ذلت، جو بدنامی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اس کے سامنے وہ بھولی بسری سی ویڈیو آ گئی۔

شریفوں کا مجرا۔

"نہیں، پلیز اللہ تعالیٰ، پلیز میری مدد کریں۔" وہ بھیگی آنکھوں کے ساتھ دعا مانگے گئی۔ اس کی دعا پہلے قبول نہیں ہوئی تھی، شاید اب ہو جائے۔ شاید اب اس کی مدد کر دی جائے۔

آتش دان کے قریب ہونے کے باعث تپش اس تک پہنچ رہی تھی اور اس مسلسل حدت سے اس کے پاؤں پگھلنے لگے تھے۔ وہ زرد الاؤ کو دیکھ رہی تھی جس کی سرخ لپٹیں اٹھ اٹھ کر ہوا میں گم ہو رہی تھیں۔ گرمی بڑھتی جا رہی تھی اس کا سارا وجود گویا آگ میں دہک رہا تھا۔ لمبے بال گر کر اور کندھوں پہ بکھرے تھے، وہ ان کو سمیٹنے پہ بھی قادر نہیں تھی۔ اس نے پورا زور لگا کر کرسی کو پیچھے دھکیلنا چاہا، مگر وہ نہیں ہلی۔ پسینے کی چند بوندیں اس کی گردن اور پیشانی پہ چمک رہی تھیں۔

دفعتاً دروازہ کھلا۔ اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔ وہ ایک پست قد، چینی نقوش کا حامل شخص تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا بیگ تھا۔ جسے اس نے کمرے میں داخل ہوتے ہی میز پہ رکھا پھر اس کی طرف آیا اور ایک ہاتھ سے کرسی کا رخ اپنی جانب موڑا اور ہاتھ سے ڈکٹ ٹیپ کا کنارا پکڑ کر کھینچ کر اتارا۔

"آہ۔ نتاشا!" وہ قریب سے دیکھنے پہ کوئی روسی لگتا تھا۔

"میں نتاشا نہیں ہوں، پلیز مجھے جانے دو۔" ایک امید سی بندھی کہ وہ اسے کسی اور کے دھوکے میں پکڑ لائے تھے۔

"ناؤ یو آر نتاشا۔ انگلش؟ انگلش؟ آل رائٹ، آل رائٹ!" وہ اثبات میں سر ہلا کر مسکراتا ہوا انگیٹھی کی طرف بڑھ گیا۔

"پلیز مجھے جانے دو۔" وہ اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے منت بھرے لہجے میں بولی۔ وہ آگ کے سامنے کھڑا تھا۔ تپش کا رستہ رک گیا۔ ذرا سا سکون ملا۔

"پور کنٹری، تو رسٹ گرل، پور پیپل!" وہ نفی میں سر ہلا کر ایک سلاخ اٹھائے اسے الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔

"میرا باپ امیر آدمی ہے، وہ تمہیں تاوان کی رقم دے دے گا۔"

"سو نتاشا، یو وانٹ انگلش نیم؟" وہ ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں کہتا اس کی طرف پلٹا۔ وہ جواب دیے بنا یک ٹک اس سلاخ کو دیکھے گئی جس پہ لکھا "ایم" دہک رہا تھا۔ یا شاید وہ "ڈبلیو" تھا۔

وہ سلاخ کیوں دہکا رہا تھا؟ کس لیے؟

ایک خوف سا اس کے اندر سر اٹھانے لگا۔ اسے بے اختیار اس کمرے میں بے سدھ پڑی لڑکی کا بازو یاد آیا۔ وہ ٹیٹو نہیں تھا۔ وہ لمحے بھر میں جان گئی تھی۔

"یو وانٹ انگلش نیم؟" وہ اس کے بالکل سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

"نو۔ نو۔" وہ بے یقینی سے نفی میں سر ہلاتی بڑبڑائی۔

"ناؤ دس از یور نیم!" وہ سلاخ کا دہکتا لوہا اس کے قریب لایا۔

"نہیں۔ نہیں۔" وہ گردن دائیں بائیں ہلاتی زور سے چلانے لگی۔ وہ اسے اس گرم لوہے سے داغنے لگا تھا۔ اس کا چہرہ خوف و دہشت سے سفید پڑ گیا تھا۔

"یور نیم!" اس نے جتا کر کہتے سلاخ حیا کے بازو کے قریب کی جہاں فراک کی چھوٹی آستین ختم ہوتی تھی۔ کندھے سے ذرا نیچے وہاں وہ سلاخ قریب لے گیا۔ اسے دہکتے انگارے کی حدت محسوس ہوئی۔ وہ تڑپ کر ادھر ادھر سر مارنے لگی۔

"نہیں پلیز۔ نہیں۔"

اس لمحے اس نے بہت دل سے دعا کی تھی کہ کوئی آ جائے اور اس پستہ قد روسی سے اسے نجات دلا دے۔ کوئی آ جائے، چاہے وہ عبدالرحمٰن پاشا ہی کیوں نہ ہو۔ کوئی تو۔

روسی نے دہکتا ہوا لوہا اس کے بازو کے اوپری حصے پہ رکھ کر دبایا۔ وہ بری طرح سے بلبلا اٹھی۔ اس کے حلق سے ایک دل خراش چیخ نکلی تھی مگر وہ اسی طرح زور دے کر سلاخ دبائے کھڑا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اندر سے ماس جلنے لگا تھا۔ وہ روح میں اتر جانے والی' زخمی کردینے والی بدترین جلن تھی۔ وہ چیخ رہی تھی' وہ رو رہی تھی۔

چند لمحے بعد اس نے سلاخ اٹھالی۔ وہ مکمل طور پہ جل گئی تھی۔

روسی دوبارہ پلٹا اور سلاخ رکھ دی۔ اس کے دائیں بازو کے اوپری حصے پہ سیاہ' جلا ہوا حرف لکھا تھا۔

روسی واپس اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔ حیا نے متورم' سرخ نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا اور دہل کر رہ گئی۔ اس کے ہاتھ میں دوسری سلاخ تھی۔ جس پہ HO لکھا تھا اور اوپر تلے لکھے دونوں حروف انگارہ بن چکے تھے۔

"نہیں۔۔۔ تمہیں اللہ کا واسطہ۔۔۔ نہیں۔۔۔" وہ وحشت سے تڑپتی خود کو پیچھے دھکیلنے لگی مگر رسیوں نے اسے اتنی مضبوطی سے جکڑ رکھا تھا کہ وہ ہل بھی نہ پائی۔

"نہیں۔۔۔" وہ خوف سے چلا رہی تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے آگے بڑھا سیاہ داغے گئے حرف تلے سلاخ گاڑ دی۔

کھولتا ہوا گرم درد' دہکتے انگارے' آگ اس کی تکلیف آخری حد کو چھونے لگی۔ وہ درد سے گھٹی گھٹی سی چیخ رہی تھی۔ اسے لگا وہ اس تکلیف سے مرنے والی ہے۔ وہ جسم کے اندر تک گھس کر جلا دینے والا درد تھا۔

چند لمحوں بعد اس نے سلاخ ہٹائی تو حیا کی گردن بے دم سی ہو کر ایک جانب ڈھلک گئی۔ اس کا تنفس آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ تکلیف سے وہ ہوش کھونے والی تھی۔ اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا تھا مگر مزید رونے کی سکت وہ خود میں نہیں پاتی تھی۔

روسی اب تیسری سلاخ اٹھا لایا تھا۔ اس پہ RE لکھا تھا۔ حیا نے تکلیف سے بند ہوتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ اس میں مزید کچھ کہنے کی سکت نہیں رہی تھی' اپنی ساری زندگی فلم کی طرح اس کی نگاہوں کے سامنے گھومنے لگی۔ بچپن کے دن' یادیں' اس کے نانا کا گھر' اس کی نانی اس کے لمبے بالوں میں کنگھی پھیر رہی تھیں۔ منظر بدل گیا۔ وہ اور روحیل کار کی پچھلی سیٹ پہ بیٹھے تھے' اسکول بیگ لیے' وہ اسکول جا رہے تھے' روحیل کچھ بتا رہا تھا اور وہ ہنس رہی تھی۔ پھر اس نے خود کو ابا کی لائبریری میں دیکھا۔ وہ ان کی ایک موٹی سی کتاب کھول رہی تھی۔ جس میں سوکھا پھول رکھا تھا' وہ اس نے خود ہی وہاں رکھا تھا۔ اب وہ بابا فرقان کو اپنے عید کے کپڑے دکھا رہی تھی' اور وہ اس کا جوش و خروش اور خوشی دیکھ کر مسکرا رہے تھے روحیل اس کے ساتھ لان میں بھاگ رہا تھا' ان کے آگے وہ خرگوش دوڑ رہے تھے۔ وہ دوڑ دوڑ کر تھک گئی تھی۔ اس کے لمبے بال کمر پہ بکھرے تھے۔ خرگوش گھاس پہ دور بھاگتے جا رہے تھے۔ سفید۔۔۔ نرم نرم سے خرگوش۔

روسی نے گرم سلاخ اس کے بازو سے مس کی' ایک کھولن سی اس کے اندر اترتی گئی۔ اگلے ہی پل' اس نے کرنٹ کھا کر سلاخ ہٹائی کہیں فون کی گھنٹی بجی تھی۔

خرگوش غائب ہو گئے۔ درد ہر شے پہ غالب ہو گیا۔ وہ پہلی دو دفعہ سے کئی گنا زیادہ شدید درد تھا کیونکہ سلاخ جلدی ہٹانے کے باعث جلد پوری نہیں جلی تھی اور حسیات باقی تھیں۔ اسے لگتا تھا اس کی ہمت ختم ہو گئی ہے' مگر وہ پھر سے رو رہی تھی۔

"فون؟ یور فون؟" آواز کے تعاقب میں وہ آگے بڑھا اور اس کے فراک کی بیلٹ سے لگا پرس نوچا۔ سیفٹی پن ٹوٹ گئی' کپڑا پھٹ گیا۔ اس نے تیزی سے پرس کھولا اور فون نکالا۔ وہ زور زور سے بج رہا تھا۔

شدید تکلیف میں بھی جو پہلی بات اس کے ذہن میں آئی تھی' وہ یہی تھی کہ اس کا فون رومنگ پہ تھا اور بیلنس ختم' پھر فون کیسے بجا؟

روسی کبھی بے یقینی سے اسے دیکھتا' کبھی فون کو۔ پھر اس نے فون کان سے لگایا۔ دوسری طرف سے کچھ کہا گیا۔ اس پہ اس نے جلدی سے فون بند کیا اور پوری قوت سے اسے دیوار پہ دے مارا۔ فون کی اسکرین چکنا چور ہوتی زمین پہ جا گری۔

"یو کالڈ سم ون؟" وہ وحشیوں کی طرح اس پہ جھپٹا اور گردن کے پیچھے سے بال دبوچ کر اس کا چہرہ سامنے کیا۔ حیا نے نیم جاں' نڈھال آنکھوں سے اس کو دیکھا اور پھر اس کے منہ پہ تھوک دیا۔

وہ بلبلا کر پیچھے ہٹا۔ اس کے بال چھوڑے اور انگیٹھی پہ دہکتا برتن ہینڈل سے اٹھایا۔ کھولتی ہوئی ویکس۔

"یو۔۔۔ یو بچ!" وہ غصے میں مغلظات بکتا اس کے قریب آیا اور برتن اس کے سر پہ اونچا کیا۔

"نن۔۔۔ نو۔۔۔" اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ "میرے بال۔۔۔" اس کے لبوں سے بس اتنا ہی نکل پایا تھا کہ روسی نے برتن اس کے سر پہ الٹ دیا۔

گرم' کھولتی ہوئی ویکس تیزی سے اس کے بالوں کی مانگ پہ گری اور ہر طرف سے نیچے لڑھکنے لگی۔ اس کی دلخراش چیخ نکلی۔ ایکتے بادے نے اس کے سر کی جلد کو گلا دیا تھا۔ بازو کا درد غائب ہو گیا' وہ وحشیانہ انداز میں زور زور سے چیخ رہی تھی' اپنے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی اور وہ بھی چیخ رہا تھا۔ اور تب اس نے زور سے اس کی کرسی کو دھکا دے کر الٹ دیا۔ وہ کرسی سمیت اوندھے منہ زمین پہ جا گری۔ آتش دان کے بالکل قریب۔

کمرے میں دھواں سا بھرنے لگا تھا۔ ویکس اس کے سر پر جمنے لگا تھا۔ اس کا سر بے حد وزنی ہو گیا تھا۔ آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ اس کے منہ سے خون نکل رہا تھا۔ کمرے میں دھواں بڑھتا جا رہا تھا۔ آتش دان سے آگ کی لپٹیں لپک لپک کر اس کی طرف آ رہی تھیں۔

اس نے زمین پہ گرے گال فرش پہ رکھے' بند ہوتی آنکھوں سے اس دھندلے منظر کو دیکھا۔ دھوئیں کے اس پار کوئی اس روسی کا سر پکڑ کر دیوار سے مار رہا تھا۔ چیخیں' دھواں' آگ' خون۔ اس کا پورا جسم آگ میں دہک رہا تھا۔

جو آخری شے اس نے دیکھی' وہ اس کالا سیاہ فراک کا دامن تھا' آگ کی ایک لپٹ نے اسے چھو لیا تھا۔ اس نے سیاہ کپڑے کو زرد شعلے میں بدلتے دیکھا۔ ہر طرف دھواں تھا اور وہ جانتی تھی کہ وہ مر رہی تھی۔ اس کے سفید خرگوش اس دھوئیں میں غائب ہو رہے تھے۔ وہ جل کر مر رہی تھی' ہرا قلیطس کی دائمی آگ ہر سو پھیل رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں۔ وہ سفید چھت اس کی نگاہوں کے سامنے تھی جس پہ خوبصورت نقش و نگار بنے تھے۔ درمیان میں ایک قیمتی و نفیس فانوس لٹک رہا تھا۔

اس کا سر ایک نرم گداز تکیے پہ تھا اور مخملیں کمبل گردن تک ڈالا تھا۔ اس نے ایک خالی خالی سی نگاہ کمرے پہ دوڑائی۔ وسیع و عریض' پرتعیش بیڈ روم' ایک طرف دیوار گیر کھڑکی کے آگے برابر کیے گئے سفید جالی دار پردے جن سے صبح کی روشنی چھن چھن کر اندر آ رہی تھی۔

اس نے آنکھیں پھر سے موند لیں اور ان پہ بازو رکھ لیا۔ ان گزرے دنوں میں سوتی جاگتی کیفیت میں وہ بہت روئی تھی بہت چلائی تھی۔ یہ کمرا اس نے دیکھا تھا۔

وہ ادھر ہی لائی گئی تھی۔ ہاتھ سے لگی ڈرپ اپنے بالوں میں نرمی سے چلتے اس بھوری آنکھوں والی لڑکی کے ہاتھ' وہ انجکشن' نیم بے ہوشی۔ اسے ٹوٹا ٹوٹا سا سب یاد تھا اور اس ڈوبتی' ابھرتی نیند میں بھی وہ جانتی تھی کہ وہ بیوک اوامیں ہے' عبدالرحمن پاشا کے سفید محل میں۔

دروازے پہ دھیرے سے دستک ہوئی اور پھر وہ ہلکی سی چرچراہٹ کے ساتھ کھلا۔ قدموں کی نرم سی آواز بیڈ کے قریب آئی۔ اس نے آنکھوں سے بازو نہیں ہٹایا۔ وہ جانتی تھی کہ یہ کون تھی۔

"صبح بخیر! نیند پوری ہو گئی ہے تو اٹھ جاؤ' ناشتا کر لو۔"

باقی آئندہ شمارے میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سرو و صنوبر شہر کے مرتے جاتے ہیں
سارے پرندے ہجرت کرتے جاتے ہیں

جھوٹی سچّی تعبیروں کی خواہش میں
کیسے کیسے خواب بکھرتے جاتے ہیں

کیسے کیسے یاروں کا بہروپ کھُلا
کیسے کیسے خول اُترتے جاتے ہیں

رہگیروں کی خاموشی کو غور سے سُن
یوں ہے جیسے ماتم کرتے جاتے ہیں

کبھی کبھی کوئی ایسا مسافر آتا ہے
رستے اپنے آپ سنورتے جاتے ہیں

احمد فراز

آئنے میں یہ میرے سوا کون ہے؟
ایک تو میں ہوں، یہ دوسرا کون ہے

وہ بھی چُپ ہے اگر، میں بھی چُپ ہوں اگر
تم بھی چُپ ہو اگر، بولتا کون ہے؟

میں کہاں سے اُلجھتی چلی آئی ہوں
دُور ہوں میں اگر تو سرا کون ہے؟

نقش بنتے رہے، نقش مٹتے رہے
لوحِ دل پہ جو لکھا رہا، کون ہے؟

جب سے اِذنِ تکلّم ہوا ہے انہیں
بولتے ہیں سب ہی، سوچتا کون ہے؟

صغریٰ یوسف

محبت میں تقرب کے طریقے اور ہوتے ہیں
مقدر اور ہوتا ہے، ستارے اور ہوتے ہیں

محبت مجلسی باتوں سے کب پروان چڑھتی ہے
جو تہذیبیں بدلتے ہیں، وہ قصّے اور ہوتے ہیں

دلوں میں جھانکنے والی نظر کچھ اور ہوتی ہے
نظر آتے نہیں جو، وہ تماشے اور ہوتے ہیں

ہم اُس کو دیکھ کر آنکھیں جُھکا لیتے ہیں اس ڈر سے
کہ جو تصویر ہوتے ہیں، وہ لمحے اور ہوتے ہیں

بھٹکنے کے سوا کیا کیجیے ان رہگزاروں میں
جو منزل پر پہنچتے ہیں، وہ رستے اور ہوتے ہیں

ہمیں لگتا ہے محسنؔ، زندگی ہم سے نہیں ہوگی
اکیلے پن میں زندہ رہنے والے اور ہوتے ہیں

محسن اسرار

اعتبار

پھول کِھلنے لگے
زخم سِلنے لگے
ابتدائے محبت کے ہیں روز و شب
شبنمی شبنمی ایک احساس ہے
دھیمی دھیمی سی جاگی ہوئی پیاس ہے
اب کہیں بھی رہے
تُو مرے پاس ہے

خالد معین

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سائرہ غلام نبی

نالائق

باپ نے طیش میں آکر بیٹے سے کہا۔

"میں نے اپنا عیش و آرام غارت کیا، دن رات مشقت کر کے روزی کمایا۔ ایک ایک پیسہ بچا کر رکھا، محض اس لیے کہ تمہیں میڈیکل کی تعلیم دلواؤں گا۔"

انہوں نے مسکین صورت بنا کر کھڑے ہوئے بیٹے پر ایک نظر ڈالی اور پھر غصے میں کہنے لگے۔

"اور اب جبکہ تم ڈاکٹر بن چکے ہو تو تم کہہ رہے ہو کہ ابا جی! اسموکنگ چھوڑ دیجیے؟"

یاسمین ناز نوید۔ کلفٹن کراچی

علیحدگی

عدالت میں علیحدگی کا کیس تین سال تک چلا۔ آخر کار میاں بیوی سے کاغذات پر دستخط کروائے گئے۔

دستخط کرنے کے بعد بیوی نے شوہر سے کہا۔

"میں تمہیں بتائے دیتی ہوں کہ اگر تم نے الاؤنس کی ادائیگی میں ایک دن کی بھی تاخیر کی تو میں علیحدگی منسوخ کر کے تمہارے گھر آبیٹھوں گی۔"

تبدیلی

بڑی عمر کے ایک صاحب نے اپنے دوست سے کہا۔ "زمانہ واقعی بہت بدل گیا ہے۔"

"تمہیں یہ احساس کیوں کر ہوا؟" ان کے دوست نے پوچھا۔

"میں کل ایک پارٹی میں گیا، جہاں زیادہ تر نئے شادی شدہ جوڑے تھے۔ میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ عورتیں ادھر ادھر ٹولیوں کی صورت میں کھڑی سیاست پر باتیں کر رہی تھیں اور مرد کونے کھدروں میں بیٹھے کھانے پکانے کی ترکیبوں کے بارے میں تبادلہ خیال کر رہے تھے۔"

مسرت الطاف احمد۔ کراچی

حاصل کلام

وکیل استغاثہ نے گواہ پر جرح کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں تو۔۔۔ رضوان صاحب دو فروری کو آپ مسز سعید کے گھر گئے تو انہوں نے کیا کہا؟"

"آبجیکشن یور آنر۔۔۔" وکیل صفائی نے فوراً مداخلت کی۔ "فاضل وکیل کو میرے موکل سے یہ سوال کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔"

"کیوں نہیں پہنچتا؟" وکیل استغاثہ نے جارحانہ لہجے میں کہا۔

اس کے بعد دونوں وکیلوں کے درمیان ایک گھنٹے تک بحث ہوتی رہی۔ وکیل استغاثہ نے بیسیوں قانونی حوالے دیے اور پچاسوں مثالیں پیش کیں، جن کی بنا پر اسے وہ سوال کرنے کا حق حاصل تھا۔ ان کے جواب میں وکیل صفائی بھی بیسیوں دلائل پیش کرتے رہے، جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ وکیل استغاثہ اپنی حیثیت کا ناجائز استعمال کر رہے ہیں۔ آخر کار جج صاحب نے وکیل استغاثہ کو سوال کرنے کی اجازت دے دی۔

وکیل استغاثہ نے گہری سانس لے کر گویا تازہ دم ہوتے ہوئے نئے سرے سے سوال کیا۔

"ہاں تو۔۔۔ رضوان صاحب۔۔۔ دو فروری کو آپ مسز سعید کے گھر گئے تو انہوں نے کیا کہا؟"

"کچھ بھی نہیں۔۔۔ وہ گھر پر ہی نہیں تھیں۔" گواہ نے سادگی سے جواب دیا۔

روا بیگ۔ اسلام آباد

معصومیت

باہر کچھ گرنے کی زوردار آواز سن کر ایک کسان گھر سے باہر نکلا۔ اس نے دیکھا کہ سڑک کے کنارے گھاس کا ایک بڑا سا گٹھر پڑا ہے اور بارہ تیرہ سال کا ایک لڑکا قریب کھڑا منہ بسور رہا ہے۔

"پریشانی کی کوئی بات نہیں برخوردار!" کسان نے اسے تسلی دی۔ "آؤ! میرے ساتھ اندر چلو کھانے کا وقت ہو گیا ہے۔ اطمینان سے کھانا کھاؤ۔ ٹھنڈا پانی پیو پھر گٹھر اٹھا لیں گے۔"

لڑکے نے بہت انکار کیا لیکن کسان اس کا ہاتھ پکڑ کر گھر میں لے آیا۔ کھانا کھانے کے دوران لڑکا بار بار کہتا رہا۔

"آج تو ابا غصے سے پاگل ہو جائیں گے۔ مجھے بہت ماریں گے۔"

کسان نے شفقت سے کہا۔ "مانا کہ تمہیں دیر ہو گئی لیکن اس میں تمہارا کیا قصور۔ ابا کیوں ماریں گے تمہیں؟"

"اس لیے کہ وہ باہر گھاس کے گٹھر کے نیچے دبے ہوئے ہیں۔" لڑکے نے معصومیت سے جواب دیا۔

طلعت اقبال۔ اسٹیل ٹاؤن کراچی

پریشانی

سحر کو دفتر میں ملازمت شروع کیے صرف ایک ہفتہ ہوا تھا۔ اپنے برابر کی میز پر ساتھی کلرک کی اتری ہوئی صورت دیکھ کر اس نے ازراہ ہمدردی پوچھ لیا۔ "کیا بات ہے؟ آپ کچھ پریشان نظر آ رہے ہیں؟"

"میں یہ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا کہ جب ہم دونوں ہنی مون پر جائیں گے تو دفتر میں میرے اور آپ کے حصے کا کام کون سنبھالے گا؟"

ساتھی کلرک نے تشویش زدہ لہجے میں کہا۔

"ہنی مون؟" سحر کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ "ہمارے درمیان تو ابھی صحیح طرح سے بات چیت بھی شروع نہیں ہوئی ہے۔ یہ آپ نے شادی اور "ہنی مون" کے بارے میں کیسے سوچنا شروع کر دیا؟"

"فرض کرنے میں کیا حرج ہے؟" ساتھی کلرک نے ذرا سا شرما کر سر جھکاتے ہوئے کہا۔

ثریا شاہ۔ کھوڑ پکا

ثبوت

تیز رفتاری کے جرم میں نثار صاحب کا چالان ہوا اور انہیں مجسٹریٹ صاحب کے سامنے پیش کیا گیا۔ انہوں نے صحت جرم سے انکار کرتے ہوئے کہا۔

"جناب عالی! میں تو صرف بیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے جا رہا تھا۔"

"کیا ثبوت ہے اس بات کا؟" مجسٹریٹ نے دریافت کیا۔

"جناب والا! ثبوت کے طور پر صرف اتنا جان لینا کافی ہے کہ میں اس وقت اپنے سسرال جا رہا تھا۔"

افشاں فرقان۔ نئی حسن کراچی

خصوصی پرواز

بیس گھنٹے کے سفر پر روانہ ہونے والی مسافر پرواز کی ایئر ہوسٹس نے بھرپور انداز میں سب مسافروں کو خوش آمدید کہا اور شیریں لہجے میں گویا ہوئی۔

"میں اپنے ادارے کی طرف سے تمام مسافروں کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ آپ نے پرسکون اور محفوظ سفر کے لیے ہماری کمپنی کا انتخاب کیا۔ آپ کو بتاتے چلیں کہ ایک چھوٹی اور غیر معمولی خبر یہ ہے کہ ٹی بیگز اور ملک پاؤڈر ختم ہونے کی وجہ سے چائے یا کافی دستیاب نہیں ہوگی۔" یہ سنتے ہی مسافر سرد آہیں بھرنے لگے۔

ایئر ہوسٹس دوبارہ قابل مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"ایک اور خبر یہ ہے کہ لنچ اور ڈنر کا انتظام نہ کرنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے سلسلے میں ہماری معذرت قبول فرمائیں۔ اگر ہم مطلوبہ سامان خریدنے جاتے تو ممکن تھا کہ ہماری پرواز لیٹ ہو جاتی۔ للذا ہم نے آپ کے قیمتی وقت کو اہمیت دی' انسان گھر میں جا کر بھی کھا پی سکتا ہے۔" یہ سنتے ہی وہ مسافر جن کا بھوک سے برا حال تھا' انتہائی غصے میں بولے۔

"ارے! اس جہاز میں کیا پینے کا پانی بھی نہیں ہے؟" ایرہوسٹس ایک قافراوا کے ساتھ مسکرا کر بولی۔

"اس بارے میں آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے پاس ایک ڈیڑھ لیٹر منرل واٹر موجود ہے۔"

یہ سنتے ہی مسافروں نے غصے کے عالم میں کہا۔

"اسے گلاس میں ڈالو اور شرم سے ڈوب مرو۔" یہ سن کر ایرہوسٹس کا چہرہ چمک اٹھا۔ اس نے گردن جھکائی اور پیار بھرے لہجے میں کہا۔

"آپ لوگ کتنے اچھے ہیں۔ آپ کے تعاون کا بہت بہت شکریہ۔ اگر آپ پینے کے لیے پانی مانگ لیتے تو ہمیں کتنی پرابلم ہوتی۔"

صفیہ اعوان عموش اعوان۔ اٹک

بہادری

کالج کی ٹیم بین الصوبائی تقریری مقابلے میں حصہ لینے جا رہی تھی۔ ٹیم میں شامل ایک مقرر نے جانے سے پہلے جوش کے عالم میں باتیں کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"یہ تقریری مقابلہ محض تقریری مقابلہ نہیں ہے' یوں سمجھو یہ صوبے بھر کے نوجوانوں کے درمیان ذہانت کی جنگ ہے۔"

"بے شک۔" ایک کلاس فیلو نے تائید میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "اور تمہاری بہادری دیکھو کہ ہتھیار کے بغیر ہی یہ جنگ لڑنے جا رہے ہو۔"

بینا عابد۔ کورنگی' کراچی

مشورہ

تعلیم سے فارغ ہونے والے ایک نوجوان نے ایک کامیاب بزنس مین سے کہا۔

"میں بھی کاروبار کرنا چاہتا ہوں اور کاروباری دنیا میں اپنا کوئی مقام بنانا چاہتا ہوں۔ آپ مجھے کوئی مشورہ دیجیے کہ مجھے سب سے پہلے کیا کرنا چاہیے؟"

"بیٹا! سب سے پہلے تو اپنی کلائی پر بندھی ہوئی یہ گھڑی بیچ دو۔ اور ان پیسوں سے الارم والا کوئی اچھا سا کلاک خرید لو۔" کامیاب بزنس مین نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

شہلا اقبال' کراچی

اصلاح

"میں اور میرے بہترین دوست ارشد نے جب یہ پڑھا کہ تمہارا سچا اور حقیقی دوست وہ ہے جو تمہیں تمہارے عیبوں سے آگاہ کرے ــــ تو ہم نے اس پر عملدر آمد کا فیصلہ کیا۔"

"اس سے تم دونوں کو اپنی اصلاح کرنے میں کافی مدد ملی ہوگی۔"

"میں کچھ کہہ نہیں سکتا کیونکہ پچھلے پانچ سال سے ہماری بول چال بند ہے۔"

ترنم اعجاز۔ کراچی

ناگزیر

ممتاز صاحب کو ایک سنسان گلی میں ایک ڈاکو نے روک لیا اور پیشانی پر پستول رکھ کر بولا۔

"تمہارے پاس جو کچھ ہے نکال دو' ورنہ بھیجا باہر نکال دوں گا۔"

"نکال دو ــــ" ممتاز صاحب نے بے پروائی سے کہا۔ "آج کے دور میں انسان بھیجے کے بغیر زندہ رہ سکتا ہے ــــ پیسے کے بغیر نہیں۔"

(بشریٰ غنی۔ نارتھ کراچی)

شگفتہ جاہ

باتوں سے خوشبو آئے

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے (اس کے گناہوں کی) سزا جلد ہی دنیا میں دے دیتا ہے (یعنی تکلیفوں اور ناگواریوں کے ذریعے اس کے گناہوں کی معافی کا سامان پیدا کر دیتا ہے۔)

اور جب اپنے بندے کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے اس کے گناہ کی سزا (دنیا میں) روک لیتا ہے۔ یہاں تک کہ قیامت والے دن اس کو پوری سزا دے گا۔"

بردباری

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے غلام کو آواز دی مگر اس نے جواب نہیں دیا۔ پھر پکارا مگر اس نے سنی ان سنی کردی۔ تیسری مرتبہ پکارا۔ جواب نہیں آیا تو آپؓ خود اس کے پاس گئے تو دیکھا۔ وہ لیٹا ہوا ہے۔ آپؓ نے دریافت فرمایا۔

"کیا تو نے میری آواز نہیں سنی؟"

وہ بولا۔ "سنی میرے آقا۔"

آپ نے پوچھا۔ "پھر تو نے جواب کیوں نہیں دیا؟"

وہ کہنے لگا۔ "یہ اطمینان ہے کہ آپ سزا نہیں دیں گے لہٰذا کاہلی پیدا ہو گئی ہے مجھ میں۔"

آپؓ نے فرمایا۔ "جا تجھے خدا کے لیے آزاد کیا۔"

حضرت علیؓ کی فراست

حضرت عمرؓ کسی بھی اہم معاملہ میں اپنی رائے اس وقت تک قائم نہ فرماتے جب تک حضرت علیؓ سے مشورہ نہ فرمالیتے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں انتہائی خیر خواہی اور اخلاص کے ساتھ مشورہ دیتے۔

جب حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کی طرف سفر کیا تو تمام امور خلافت پر مدینہ میں ان ہی کو اپنا نائب بنایا۔

(علامہ شبلی نعمانی۔ الفاروق)

گواہی

حضرت عمرؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں حضرت عمرؓ کی زبان سے جب بھی یہ جملہ نکلتا "میرا گمان اس طرح ہے" تو وہ گمان سچ ثابت ہو جاتا۔

آپ کے دور خلافت کا واقعہ ہے کہ ایک غیر معمولی شکل و شباہت کا آدمی آپ کے قریب سے گزرا۔ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے دیکھ کر فرمایا۔

"میرا گمان ہے کہ یہ شخص دور جاہلیت میں کاہن تھا۔ اسے میرے پاس لاؤ۔"

جب اسے حضرت عمرؓ کے پاس لایا گیا تو آپؓ نے اس سے اپنے خیال کی تصدیق چاہی اور اس سے سوال کیا۔

"ماضی میں وہ کیا کرتا تھا؟"

وہ کہنے لگا۔

"ماضی میں کاہن تھا۔"

حضرت عمرؓ نے اس سے سوال کیا۔

"ہمیں کوئی ایسی عجیب اور انوکھی بات بتاؤ جس کی خبر تمہیں تمہارے جن نے دی ہو۔"

وہ کہنے لگا۔ "میں ایک دن بازار میں جا رہا تھا کہ میرا موکل جن گھبرایا ہوا میرے پاس آیا۔ اس نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیا آپ کو خبر ہے کہ جنات ایک انقلاب کے آنے کے بعد نہایت خوف زدہ اور ناامید سے ہو گئے ہیں۔ وہ اپنا رختِ سفر باندھ چکے ہیں۔"

سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی تائید کی اور فرمایا۔

"یہ سچ کہتا ہے۔ ایک مرتبہ میں ان کے بتوں کے پاس سویا ہوا تھا۔ اچانک ایک شخص آیا۔ اس نے بتوں کے نام پر وہاں ایک بچھڑا ذبح کیا۔ پھر وہاں کسی نے زور سے چیخ ماری۔ یہ چیخ اس قدر بلند تھی کہ اس سے بلند چیخ میں نے اپنی زندگی میں پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا "ہائے ہم مارے گئے۔ ایک صاف الرائے اور فصیح شخص آگیا ہے۔ جو لا الہ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) کا اعلان کرتا ہے۔"

حضرت عمرؓ کہتے ہیں "میں وہاں سے چل دیا۔ پھر تھوڑے عرصے بعد ہم نے سنا کہ ایک نبی کا ظہور ہوا ہے جو لا الہ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) کہتا ہے۔

(صحیح بخاری حدیث 3866)

خلیفہ کا حال

ایک دن حضرت عمر فاروقؓ ارشاد فرما رہے تھے۔ وہ اس وقت خلیفہ تھے اور ان کا حال یہ تھا کہ ان کے تہبند میں بارہ پیوند لگے ہوئے تھے۔

(امام احمد قیس 124)

فیصلہ

ایک تاجر کی تھیلی کھو گئی جس میں چار سو دینار تھے۔ اس نے اعلان کروا دیا جو اسے تلاش کر کے لائے گا اس کو اس تھیلی کی رقم کا نصف حصہ دے دیا جائے گا۔

یہ تھیلی ایک غریب ملاح کو ملی۔ وہ اسے لے کر انعام کی توقع میں تاجر کے پاس پہنچا لیکن تھیلی دیکھ کر تاجر کی نیت بدل گئی۔ اس نے ملاح سے کہا۔

اس تھیلی میں نہایت قیمتی زمرد بھی تھے۔ کیا وہ بھی اس کے اندر ہیں؟"

ملاح یہ سن کر گھبرا گیا لیکن یہ بھی سمجھ گیا کہ یہ دھوکا کر رہا ہے اور چاہتا ہے کہ اسے کچھ دینا نہ پڑے۔

وہ تاجر سے جھگڑنے لگا۔ آخر یہ دونوں لڑتے ہوئے فیصلے کے لیے قاضی کے پاس پہنچے۔ ملاح نے قسم کھا کر قاضی سے کہا کہ اسے تھیلی میں دیناروں کے سوا کوئی اور چیز نہیں ملی۔

اب قاضی نے مالک سے پوچھا۔

"بتاؤ وہ زمرد کیسے تھے؟"

مالک نے جواب تو دیا لیکن اس کی اوٹ پٹانگ باتیں سن کر قاضی نے سمجھ لیا کہ جھوٹ بول رہا ہے اور انعام سے بچنا چاہتا ہے۔

اس نے فیصلہ دیتے ہوئے کہا۔

یہ ملاح جو تھیلی لایا ہے۔ اس میں زمرد نہیں لہٰذا یہ تیری نہیں ہو سکتی تو اپنی تھیلی کے لیے پھر سے اعلان کروا۔"

پھر قاضی نے ملاح سے مخاطب ہو کر کہا۔

"یہ تھیلی چالیس روز تک احتیاط سے رکھ۔ اگر اس کا کوئی دوسرا سچا دعوے دار نہ پیدا ہو تو یہ تیری ہے۔"

علم کی اہمیت

ایک دولت مند شخص یونان کے ایک عالم کے پاس پہنچا اور اس سے درخواست کی۔

آپ میرے بچے کی تعلیم و تربیت اور نگہداشت اپنے ذمے لے لیجیے۔

عالم نے کہا "معاوضہ کیا دو گے؟"

امیر نے کہا "فرمائیے کیا لیں گے آپ؟"

وہ بولا "پانچ سو لقرئی سکے۔"

یہ سن کر امیر کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ اس نے اس رقم کو بہت بڑا معاوضہ سمجھ کر خفگی غصے کے ساتھ کہا۔

"اس سے کم رقم میں تو میں ایک غلام خرید سکتا ہوں۔"

عالم نے کہا "ضرور خرید لیجیے، تاکہ آپ دو غلاموں کے مالک بن جائیں۔"

سخاوت

حسن بن سہل خلیفہ مامون کا وزیر بہت سخی تھا۔ بے دھڑک لوگوں کو عطیات دیتا۔ ایک مرتبہ ایک

اعرابی نے اسے لکھا۔

"اے حسن! یہ راستہ احسان کا نہیں جو تو نے اختیار کر رکھا ہے۔ کیا تجھے نہیں معلوم کہ اسراف میں کوئی بھلائی نہیں۔"

حسن نے اعرابی کو جواب دیتے ہوئے لکھا۔

"کیا تجھے نہیں معلوم کہ بھلائی اور نیکی میں اسراف ہوتا ہی نہیں۔"

کمزور عشق

مولانا رومیؒ ایک دن خرید و فروخت کے سلسلے میں بازار تشریف لے گئے۔ ایک دکان پر جا کر وہ رک گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک عورت سودا سلف لے رہی ہے۔ سودا خریدنے کے بعد اس عورت نے رقم ادا کرنا چاہی تو دکان دار نے کہا۔

"عشق میں حساب کتاب کیسا؟ پیسے کی بات چھوڑو اور گھر جاؤ۔"

اصل میں یہ دونوں عاشق اور معشوق تھے۔ مولانا رومی اس کی بات سن کر غش کھا کر گر پڑے۔ دکان دار سخت گھبرا گیا۔ اس دوران وہ عورت وہاں سے چلی گئی۔ خاصی دیر بعد جب مولانا رومی کو ہوش آیا تو دکان دار نے پوچھا۔

"مولانا صاحب! آپ کیوں بے ہوش ہو گئے تھے؟"

مولانا رومی نے جواب دیا "میں اس بات پر بے ہوش ہوا کہ تم دونوں میں عشق اتنا قوی اور مضبوط ہے کہ آپس میں کوئی حساب کتاب نہیں جبکہ اللہ کے ساتھ میرا عشق اتنا کمزور ہے کہ میں تسبیح کے دانے بھی گن گن کر گراتا ہوں۔"

نمرہ، اقرا۔ کراچی

مطالعہ

- مطالعہ غم اور اداسی کا بہترین علاج ہے۔ (شیخ سعدیؒ)
- اچھی کتابوں کا مطالعہ زندہ اور بیدار رکھنے کے لیے ضروری ہے۔ (امام غزالیؒ)
- مطالعہ سے آدمی کی وحشت اور دیوانگی ختم ہو جاتی ہے۔ (حکیم لقمان)
- طالب علم جو ایک کتاب پڑھتا ہے وہ اعلا جو دو کتابیں ایک ساتھ پڑھتا ہے وہ اوسط اور جو تین کتابیں ایک ساتھ پڑھتا ہے وہ مہمل ہے۔

نیلم شہزادی۔ کوٹ مومن سرگودھا

غور کیجیے

- دعا دستک کی طرح ہے۔ مسلسل دستک سے دروازہ کھل ہی جاتا ہے۔
- جب آپ کو محسوس ہو کہ آپ کی طبیعت کو ذکرِ خدا سے محبت ہو گئی ہے تو سمجھ لو کہ اللہ آپ کو پسند کرنے لگا ہے۔
- یادیں محبت کرنے والوں سے زیادہ وفادار ہوتی ہیں کیونکہ محبت کرنے والے تو چھوڑ جاتے ہیں مگر یادیں ہمیشہ ساتھ رہتی ہیں۔

رحم

- اگر خیال کی اصلاح ہو جائے تو خوف دور ہو سکتا ہے۔ ماضی کی غلطیوں پر توبہ کر لی جائے تو خوف دور ہو جاتا ہے۔ اللہ کی رحمت پر بھروسا کر لیا جائے۔ اس کے فضل سے مایوسی نہ ہونے دی جائے تو خوف نہیں رہتا۔ کوئی رات ایسی نہیں جو ختم نہ ہوئی ہو۔ کوئی غلطی ایسی نہیں جو معاف نہ کی جا سکے کوئی انسان ایسا نہیں جس پر رحمت کے دروازے بند ہوں۔ رحم کرنے والے کا کام ہی یہی ہے کہ رحم کرے۔ رحم اس کے فضل کو کہتے ہیں۔ جو انسانوں پر ان کی خامیوں کے باوجود کیا جائے اور یہ رحم ہوتا ہی رہتا ہے۔ کسی کو خوف زدہ نہ کیا جائے۔

(واصف علی واصف)

نوال افضل گھمن۔ گجرات

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شاعری سچ بولتی ہے

نوال افضل گھمن

شاعری اُداس شاموں میں، اداس لمحوں میں یا
پھر کسی ناخوشگوار موسم کی بے حد خوبصورت سی صبحوں،
سویروں میں کوئی یاد دل میں پھول بن کر کھلے یا درد
کا ناسور بن کر روح میں سرایت کرے تو پھر حساس
دل شاعری کا سہارا لیتے ہیں۔

سب سے پہلے امجد اسلام امجد کی محبت سے
شروعات کرتے ہیں۔

محبت اوس کی صورت
پیاسی پنکھڑی کے ہونٹ کو سیراب کرتی ہے
گلوں کی آستینوں میں انوکھے رنگ بھرتی ہے
سحر کے جھٹپٹے میں گنگناتی، مسکراتی، جگمگاتی ہے
محبت کے دنوں میں دشت بھی محسوس ہوتا ہے
کسی فردوس کی صورت
محبت اوس کی صورت
محبت ابر کی صورت
دلوں کی سرزمیں پہ گھر کے آتی ہے اور برستی ہے
چمن کا ذرہ ذرہ جھومتا ہے مسکراتا ہے
ازل کی بے نمو مٹی میں سبزہ سر اٹھاتا ہے
محبت ان کو بھی آباد اور شاداب کرتی ہے
جو دل ہیں قبر کی صورت
محبت ابر کی صورت
محبت آگ کی صورت
بجھے سینوں میں جلتی ہے تو دل بیدار ہوتے ہیں
محبت کی تپش میں کچھ عجب اسرار ہوتے ہیں
کہ جتنا یہ بھڑکتی ہے عروسِ جاں مہکتی ہے
دلوں کے ساحلوں پر جمع ہوتی ہے اور بکھرتی ہے
محبت جھاگ کی صورت
محبت آگ کی صورت
محبت خواب کی صورت

محبت دعا کی صورت
غموں کے بوجھ سے جب ٹوٹنے لگتے ہیں شانے تو
یہ اُن پر ہاتھ رکھتی ہے
کسی ہمدرد کی صورت
گزر جاتے ہیں سارے قافلے جب دل کی بستی سے
فضا میں تیرتی ہے دیر تک
یہ گرد کی صورت
محبت درد کی صورت

* * *

محترم و مکرم اعتبار ساجد کی غزل آپ کی خدمت
میں حاضر ہے۔

مجھے ایسا لطف عطا کیا جو ہجر تھا نہ وصال تھا
مرے موسموں کے مزاج داں، تجھے میرا کتنا خیال تھا

کہیں خونِ دل سے لکھا تو تھا ترے سال ہجر کا سانحہ
وہ ادھوری ڈائری کھو گئی وہ نجانے کون سا سال تھا

کسی اور چہرے کو دیکھ کر تیری شکل ذہن میں آ گئی
تیرا نام لے کر ملا اسے مرے حافظے کا یہ حال تھا

کبھی موسموں کے سراب میں کبھی بام و در کے عذاب میں
وہاں عمر ہم نے گزار دی جہاں سانس لینا محال تھا

کبھی تو نے غور نہیں کیا کہ یہ لوگ کیسے اجڑ گئے
کوئی میر جیسا گرفتہ دل تیرے سامنے کی مثال تھا

تیرے بعد کوئی نہیں ملا جو یہ حال دیکھ کے پوچھتا
مجھے کس کی آگ جھلسا گئی مرے دل کو کس کا ملال تھا

آج کل ہماری نوجوان نسل کی ——— موبائل میسجز
میں سب سے ٹاپ پر بات ہوتی ہے محسن نقوی صاحب
کی۔ اُن کی ایک شاندار سی غزل حاضرِ خدمت ہے۔

اس کو فرصت ہی نہیں وقت نکالے محسن
ایسے ہوتے ہیں بھلا چاہنے والے محسن؟

کھو گئی صبح کی امید اور اب لگتا ہے
کہ ہم نہیں ہوں گے جب ہوں گے اُجالے محسن

حاکمِ وقت کہاں ہیں کہاں، عدل کہاں
کیوں نہ خلقت کی زباں پر لگا ہیں تالے محسن

جون ایلیا کی شاعری میں سادگی بھی ہے، پُرکاری بھی۔
وہ بڑی بڑی باتیں بڑے سادہ الفاظ میں کہہ جاتے ہیں۔

نیا اک رشتہ پیدا کیوں کریں ہم
بچھڑنا ہے تو جھگڑا کیوں کریں ہم

خموشی سے ادا ہو رسمِ دُوری
کوئی ہنگامہ برپا کیوں کریں ہم

نہیں ہے دُنیا کو جب پروا ہماری
تو پھر دُنیا کی پروا کیوں کریں ہم

برہنہ ہیں سرِ بازار تو کیا
بھلا اندھوں سے پردہ کیوں کریں ہم

احمد فراز کو جیتے جی ایسی شہرت ملی ہے جو افسانہ
لگتی ہے۔ زیادہ اہم بات یہ ہے کہ فراز کی شاعری کے
اوصاف اور محاسن کی بنیادوں تک سمجھنے کی کوئی
باضابطہ کوشش ابھی تک نہیں ہوئی۔ غیر معمولی شہرت
اور بے تحاشا مقبولیت اس شاعری کا حجاب بن کر رہ
گئی ہے۔ احمد فراز کی ایک منفرد انداز کی غزل۔

وہ جو آ جاتے تھے آنکھوں میں ستارے لے کر
جانے کس دیس گئے خواب ہمارے لے کر

چھاؤں میں بیٹھنے والے ہی تو سب سے پہلے
پیڑ گرتا ہے تو آ جاتے ہیں آرے لے کر

وہ جو آسودۂ ساحل ہیں انہیں کیا معلوم
اب کے موج آئی تو پلٹے گی کنارے لے کر

ایسا لگتا ہے کہ ہر موسمِ ہجراں میں بہار
ہونٹ رکھ دیتی ہے شاخوں پہ تمہارے لے کر

شہر والوں کو کہاں یاد ہے وہ خواب فروش
پھرتا رہتا ہے جو گلیوں میں غبارے لے کر

نقدِ جاں صرف ہوا کلفتِ ہستی میں فراز
اب جو زندہ ہیں تو کچھ سانس اُدھارے لے کر

آخر میں اپنا تعارف:
میں نوال افضل گھمن ضلع گجرات سے تھوڑا سا آگے
قصبہ کڑیانوالہ کے جٹ زمیندار گھرانے سے تعلق ہے۔
انگریزی ادب میں ماسٹرز جاری ہے۔ میرا انتخاب پسند
آیا یا نہیں، رائے ضرور دیجیے گا۔
افتخار عارف کے اشعار کے ساتھ اجازت چاہوں گی۔

عشق کیسا کہ بھروسا بھی نہیں تھا شاید
اس سے میرا کوئی رشتہ بھی نہیں تھا شاید

خاک اُڑتے ہوئے بازاروں میں دیکھا ہے تجھے
میں کبھی گھر سے نکلتا بھی نہیں تھا شاید

زیست کرنے کے سب انداز اسے از بر تھے
مجھ کو مرنے کا سلیقہ بھی نہیں تھا شاید

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دستک دستک دستک

شاہین رشید

صبا قمر

"کیسی ہو؟"

"ٹھیک ٹھاک! اللہ کا شکر ہے۔"

"اب تو خیر سے "ہم سب امید سے ہیں" تمہاری پہچان بن گیا ہے۔ لیکن یہ بتاؤ کہ اس پروگرام کے لیے تمہارا انتخاب کیسے ہوا؟"

"بہت ہی اتفاقیہ اس پروگرام میں آگئی۔ ہوا یوں کہ کسی کام کے سلسلے میں ڈاکٹر یونس بٹ کے پاس جانے کا اتفاق ہوا۔ ادھر ادھر کی باتوں کے بعد اچانک ہی ڈاکٹر صاحب نے کہا تم "ہم سب امید سے ہیں" کی ہوسٹ بنو گی؟ میں نے کہا کہ شاید آپ مذاق کر رہے ہیں۔ کہنے لگے نہیں میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں اور جب انہوں نے فورس کیا تو میں نے کہا کہ ٹھیک ہے جیسے آپ کہیں اور یوں میں "ہم سب امید سے ہیں" کی ہوسٹ بن گئی۔"

"اس پروگرام کو نیم سیاسی پروگرام کہیں تو غلط نہ ہوگا۔ تو اس کے لیے سیاست کی شدبد بھی ضروری ہے۔ تمہیں ہے سیاست سے دلچسپی؟"

"سچ بتاؤں۔۔۔ مجھے سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ لیکن جب مجھے یہ پروگرام ملا تو اس کو اچھے طریقے سے کرنے کے لیے میں نے تھوڑی بہت سیاست میں دلچسپی لینا شروع کی تاکہ اس پروگرام کو اچھے طریقے سے کر سکوں۔ اور اب آپ کو کبھی ایسا نہیں لگتا ہوگا کہ مجھے سیاست سے دلچسپی نہیں ہے۔"

"سیاست سے دلچسپی کے لیے کیا کرتی ہو، مطالعہ یا ملاقاتیں؟"

"نہیں۔۔۔ نہیں، نہ مطالعہ نہ ملاقاتیں۔۔۔ باقاعدگی کے ساتھ نیوز چینلز پہ خبریں دیکھتی ہوں اور خبروں سے مجھے کافی اندازہ ہو جاتا ہے کہ سیاست کیسی چل رہی ہے۔"

"اپنا یہ پروگرام خود دیکھا کبھی؟ اور کتنے پروگراموں کا معاہدہ ہوا تھا؟"

"بالکل جی۔۔۔ اپنا پروگرام ضرور دیکھتی ہوں اور مجھے بہت مزا آتا ہے اپنا پروگرام دیکھ کر۔ ابتدا میں تین پروگرام یعنی تین ماہ کا معاہدہ ہوا تھا۔ لیکن سب کو میرا انداز اتنا پسند آیا اور اتنی تعریفیں ای میلز آئیں اور ہر جگہ سے اتنے اچھے ریمارکس ملے تو پھر اس پروگرام کو کیسے چھوڑ سکتی تھی۔ ہاں جب لوگ کہیں گے کہ چھوڑ دو تو چھوڑ دوں گی۔"

"اتنی عزت۔۔۔ اتنی شہرت۔۔۔ کبھی سوچا کہ میں بہت بڑی چیز ہو گئی ہوں؟"

"نہیں کبھی نہیں۔۔۔ اور کیوں ایسا سوچوں۔۔۔ اس میں میرا کیا کمال ہے۔ یہ سب کچھ خدا نے مجھے دیا ہے۔ میں اس کی شکر گزار ہوں۔ میں ایسا سوچ کر ان نعمتوں کو کھونا نہیں چاہتی کیونکہ ناشکری خدا کو سخت ناپسند ہے۔"

"ہوسٹنگ، ماڈلنگ، اداکاری، کس خانے میں اپنے آپ کو فٹ سمجھتی ہو؟"

"اپنے فنی سفر کا آغاز میں نے ماڈلنگ سے کیا تھا۔ لیکن در حقیقت مجھے اداکاری کا ہی شوق تھا اور میں اپنے آپ کو اداکاری کے خانے میں ہی فٹ سمجھتی ہوں اور جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا کہ ہوسٹنگ میں تو

میں اتفاقیہ آگئی ہوں اور اللہ کا کام کرم ہے کہ اس نے مجھے اس میں بھی کامیاب کر دیا ہے۔"

"تم نے مجھے اپنے پہلے انٹرویو میں کہا تھا کہ تمہارے گھر والے راضی نہیں تھے کہ تم اس فیلڈ میں آؤ۔ اب گھر والوں کی رائے بدلی کہ نہیں؟"

"ہاں۔۔۔! اب سب راضی خوشی ہیں۔ ابتدا میں کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ کیونکہ میں اپنے خاندان کی واحد لڑکی ہوں جو اس فیلڈ میں آئی۔ میرے والد کا میرے بچپن میں ہی انتقال ہو چکا تھا۔ ساری ذمہ داری والدہ نے اٹھائی۔"

"شوبز میں آکر لڑکیاں بہت بدل جاتی ہیں۔ میں نے بہت سی لڑکیوں کو سب کے سامنے سگریٹ پیتے دیکھا ہے۔ تم۔۔۔؟"

"ارے نہیں! مجھے اپنی حدود پتا ہیں۔۔۔ سگریٹ نوشی اور اس طرح کی دوسری باتوں سے دور رہتی ہوں اور ویسے بھی اپنے کام سے کام رکھتی ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھے بری عادتوں سے محفوظ ہی رکھے۔ میں اندر سے ایک مشرقی لڑکی ہوں۔"

"گڈ۔۔۔ اس مشرقی لڑکی کو اگر شادی کے بعد شوبز میں کام کرنے کی اجازت نہ ملی تو۔۔۔؟"

"اجازت نہ ملی تو۔۔۔ کوئی مسئلہ نہیں۔۔۔ میں شوبز چھوڑ دوں گی۔ کیونکہ لڑکی کے لیے اس کا گھر، اس کا شوہر اور اس کے بچے سب سے زیادہ اہم ہوتے ہیں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ میرے ساتھ ایسا نہیں ہوگا اور ہو بھی گیا تو کوئی مسئلہ نہیں۔"

"تو پھر پسند کو ہی ترجیح دو گی؟"

"جو مقدر میں ہوگا وہی ہوگا۔۔۔ شادی بیاہ کا معاملہ تو خالصتاً اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جو وہ کرے گا ہمارے حق میں وہی بہتر ہوگا۔ بس میری دعا ہے کہ جو بھی میرا شریک سفر ہو، وہ میرے حق میں بہتر ہو۔ ایمان دار، پڑھا لکھا اور مخلص ہو۔ انڈر اسٹینڈنگ ہو۔"

"ہماری دعا ہے کہ تمہیں ایسا ہی شریک سفر ملے۔"

عدیل اظہر

"کیسے ہیں۔۔۔ اور یہ بتائیں کہ ہر آرجے کہتا ہے کہ اس کا پروگرام سب سے زیادہ سنا جاتا ہے۔ حقیقت کیا ہے۔ کس طرح پتا چلتا ہے؟"

"جی! میں ٹھیک ہوں اور یہ بہت اچھا سوال کیا کہ پتا کیسے چلتا ہے اور سچ بات بتاؤں کہ میں ایسا نہیں سمجھتا، لیکن میں جس مارکیٹ کو ٹارگٹ کر رہا ہوں اس میں سب سے زیادہ پروگرام میرا ہی سنا جاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ مجھے یہ بات کیسے پتا چلتی ہے تو اس کے تین، چار طریقے ہوتے ہیں۔ ایک تو ہے "فیس بک۔" میری فیس بک پہ میرے پرستاروں کی تعداد ساڑھے تین ہزار ہے۔ جب باقی لوگوں سے اس کا موازنہ کرتا ہوں تو پتا چلتا ہے کہ کسی کے آٹھ سو ہیں تو کسی کے چودہ سو ہیں۔ کسی کے سولہ سو تو اس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ میرا پروگرام زیادہ سنا جاتا ہے۔ پھر دوسرا ذریعہ لوگ ہیں جن سے مجھے فیڈ بیک ملتا ہے۔ میں کہیں میٹنگ میں جاؤں یا کہیں بھی جاؤں لوگ بے ساختہ کہتے ہیں۔ آپ عدیل اظہر ہیں۔۔۔ لوگ مجھے آواز سے پہچان لیتے ہیں اور مجھے روزانہ ہی فیڈ بیک مل جاتا ہے۔ اور پھر جیسے میرے احباب ملتے ہیں تو وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی بتاتے ہیں کہ ہماری کمپنی میں روزانہ تمہارا پروگرام سب لوگ سنتے ہیں اور لنچ میں تمہارے پروگرام کے ٹاپک پہ ہی ڈسکس کر رہے ہوتے ہیں۔ اس طرح یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے۔"

"کمرشلز سے بھی اندازہ ہوتا ہوگا؟"

"جی بالکل! ایڈز بھی سب سے زیادہ میرے ہی پروگرام کو ملتے ہیں اور جب میڈیا بائنگ ہاؤسز کہتے ہیں کہ جی ہمیں عدیل اظہر کے پروگرام کے لیے ایڈ دینا ہے۔ تو اس کا مطلب ہے واقعی مجھے بہت لوگ سنتے ہیں۔"

"آپ شاید ٹی وی پہ بھی آتے ہیں؟"

"جی بالکل! میں آتا ہوں ٹی وی پہ مگر بہت کم۔ ٹی وی پہ بہت مخصوص پروگرام کرتا ہوں۔ پی ٹی وی سے اسپورٹس کے لائیو پروگرام کرتا ہوں اور چونکہ پی ٹی وی بہت کم دیکھا جاتا ہے اس لیے زیادہ تر لوگوں نے میری شکل نہیں دیکھی ہوئی۔ اور آج کل نہیں بلکہ ایک زمانے سے پی ٹی وی اسپورٹس کے لائیو پروگرام کر رہا ہوں۔"

"شہر میں نہیں، لیکن اندرون شہر تو پی ٹی وی بہت دیکھا جاتا ہے۔"

"جی بالکل۔ مانسہرہ، ٹوبہ ٹیک سنگھ، فیصل آباد، یہ اور ایسے ہی بے شمار چھوٹے چھوٹے شہر اور دیہات میں گاؤں میں پی ٹی وی دیکھا جاتا ہے اور اس کا اندازہ مجھے آنے والی ای میلز سے ہوتا ہے اور بڑے شہروں میں ان لوگوں کی ای میلز آتی ہیں جہاں گھروں میں کیبل دیکھنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ اور پی ٹی وی پہ ایک مخصوص ٹیم ہے جس کے ساتھ میں کام کرتا ہوں۔ پی ٹی وی میں شاہد شعیب رضوی اسپورٹس پروگرام کی ہیڈ ہیں۔ وہ مجھے بلاتی ہیں تو مجھے جانا پڑتا ہے کیونکہ میں ان کو منع نہیں کر سکتا۔ اور اس طرح ٹی وی کا تھوڑا بہت شوق پورا ہو جاتا ہے۔"

"دیگر چینل پہ کیوں نہیں آتے؟"

"اس لیے کہ ٹائم نہیں ہے۔ یا تو پھر یہ ہو کہ انسان مکمل طور پر ٹی وی کی طرف آجائے مگر ایسا میں کر نہیں سکتا۔ کیونکہ میں جاب بھی کرتا ہوں جو کہ فل ٹائم ہے۔ بس میں ایک ہی ایکٹویٹی کے لیے ٹائم نکال سکتا ہوں اور وہ صرف اور صرف ریڈیو ہے۔ اگر اس سے زیادہ میں نے کام شروع کر دیا تو پھر میری فیملی لائف ڈسٹرب ہو جائے گی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ چھٹی کا دن فیملی کے ساتھ ہی گزرتا ہوگا؟"

"جی بالکل! چھٹی کا سارا دن فیملی کے ساتھ گزرتا ہے۔ ہمارے صاحب زادے بہت خوش ہوتے ہیں کہ آج ان کے "بابا" گھر پہ ہیں۔ چھٹی کے دن کہیں نہ کہیں ضرور جاتے ہیں اور ہفتہ کی شب تو گھر سے باہر کھانا کھانے بھی ضرور جاتے ہیں۔ اور اتوار کے دن زیادہ تر تو ڈریم ورلڈ چلے جاتے ہیں یا پھر کسی رشتے دار کے یہاں چلے جاتے ہیں۔"

"سارا ہفتہ کام اور پھر اتوار کو گھومنا پھرنا۔ آرام کرنے کو دل نہیں چاہتا کیا؟"

"میری ذاتی طور پر خواہش ہوتی ہے کہ میں گھر پہ رہوں۔ خاص طور پر اتوار کے دن۔ کیونکہ سارا ہفتہ کام کر کے کافی تھکن ہو جاتی ہے۔"

"کمبائن پروگرام کے ساتھ مزا آتا ہے یا سنگل پروگرام میں؟"

"مجھے کمبائن پروگرام میں بھی مزا آتا ہے اور سنگل میں بھی۔ کمبائن پروگرام کرنے کے لیے جس کے ساتھ ہم پروگرام کر رہے ہیں اس کے ساتھ کیمسٹری کا ہونا بہت ضروری ہے۔ میری، سکینہ اور دانش کی کیمسٹری بہت زبردست ہے۔"

"عدیل اظہر آپ سے بات کر کے بہت اچھا لگا۔"

کھلتا کسی پہ کیوں میرے دل کا معاملہ

خالدہ جیلانی

مسرت الطاف احمد ــــــــ کراچی

کھڑے ہیں مگر سب سے پیچھے کھڑے ہیں
زمانے کو ہم راستہ دینے والے

نیلم شہزادی ــــــــ کوٹ مومن

ہم اس کو پاتے ہوئے خود کو کھونے لگے ہیں
بہت سے واقعے اک ساتھ ہونے لگے ہیں
ہم اپنے عشق میں شاید ابھی ادھورے ہیں
بلا جواز پریشان ہونے لگے ہیں

ایمن فاطمہ ــــــــ گوجرانوالہ

مجھ سے کچھ بھی نہیں کہا اس نے
ہم سفر اور چن لیا اس نے

عائشہ ندیم شیخ ــــــــ بیر محل

دیا جلا کر گئے تھے ہم تو
تمام گھر میں دھواں دھواں ہے

عالیہ توصیف ــــــــ حویلی بہادر شاہ

کہیں الفاظ خالی ہو گئے ہیں
کہیں لہجوں میں ویرانی بہت ہے
تسلسل وقت کا جاری ہے اب تک
یہ دنیا اب بھی امکانی بہت ہے

آمنہ مقدر ــــــــ فیصل آباد

وصال یار کے لمحے شمار کیا کرتے
وہ ایک پل تھے جنہیں بے حساب لکھتے رہے

روبینہ کوثر ــــــــ ملتان

ہر ایک خواب ہو گیا، خیال جاگتے رہے
جواب پی لیے مگر سوال جاگتے رہے
کوئی جواز ڈھونڈتے خیال ہی نہیں رہا
تمام عمر لونہی بے خیال جاگتے رہے

عائشہ رانجھا ــــــــ کندن سیال (ڈسکہ)

ذرا سی دیر میں دل میں اترنے والے لوگ
ذرا سی دیر میں دل سے اتر بھی جاتے ہیں

عدیلہ شہزاد ــــــــ چک 95 ۔ ایم ۔ ایل

راہ ہستی کے اس جلتے سفر میں
تمہاری یاد کا سایہ بہت ہے

اقرا نوید ــــــــ اوکاڑہ

تسلیم عشق تھا سب اس کے ساتھ ہونے تک
خیال درد نہ آیا نجات ہونے تک
ملا تھا ہجر کے رستے میں صبح کی مانند
بچھڑ گیا تھا مسافر سے رات ہونے تک

شازیہ رانا ــــــــ پاک پتن شریف

علم و حکمت کا جنہیں شوق ہو وہ آئیں ادھر
فلسفۂ عشق میں کچھ بھی نہیں حیرت کے سوا

عائشہ رانجھا ــــــــ کندن سیال

یہ شہر نقیدگراں، یہاں نہ شیشہ نہ سنگ
کوئی بھی نقش یہاں معتبر نہیں ہوتا
خدا دراز کرے عمر موج طوفاں کی
سمندروں میں کوئی در بدر نہیں ہوتا

ثمرہ اقرا ــــــــ کراچی

اہل دل اور بھی ہیں اہل وفا اور بھی ہیں
ایک ہم ہی نہیں دنیا سے خفا اور بھی ہیں

ثمامہ عنایت چغتائی ــــــــ بلڈ ٹاؤن

تھا بہت عذاب اور اکیلے ہم شب غم بھی بڑی طویل تر
سری زندگی بھی سراب اور وہ ہی آنکھ تر بڑی دیر تک
یہاں ہر طرف ہے عجب سماں کبھی خود پسند کبھی خود نما
دل بے قرار کو نہ مل سکا کوئی چارہ گر بڑی دیر تک

نوال افضل گھمن ــــــــ گجرات

ایک لمحہ ملا تھا کھونے کو
زندگی کی بات کیا کرتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تحریر: نشاط

ابھی موڈ نہیں ہے

ہماری فلمی صنعت کام نہ ہونے کے باعث ویران و سنسان پڑی رہتی ہے۔ بھلا ہو ہماری فلمی ہیروئنوں کا کہ وہ اسکینڈل کی پھلجڑیاں چھوڑ کر کچھ نہ کچھ ہلچل مچائے رکھتی ہیں۔ اب چاہے ان چنگاریوں کی زد میں کوئی آئے یا کسی کا نشیمن جل اٹھے، ان کا مقصد تو محض سستی شہرت حاصل کرنا ہوتا ہے۔ خاص طور پر وینا ملک اور میرا ان کے پاس شہرت حاصل کرنے کے لیے اسکینڈل ہی تو ہیں۔ (دونوں میں ایک اور مشترک چیز "فضیحت پاٹنل" بھی ہیں۔) میرا نے آج کل میدان مارا ہوا ہے اور وہ خبروں میں پوری طرح سے "اِن" ہیں۔ میرا بے حد موڈی اداکارہ ہیں، سو وہ اپنے سینئرز کو خاصا مان دیتی ہیں، خاص طور پر ریما کو۔ لہٰذا وہ ان کے نقش قدم پر چلنا ضروری سمجھتی ہیں۔ (آپ اسے نقل کرنا بھی کہہ سکتے ہیں۔) ریما نے ہرن کے بچے گود لیے تو میرا نے بھی لے ڈالے۔ ریما نے امریکی ڈاکٹر کا انتخاب کیا تو میرا نے فوراً امریکی پائلٹ نوید پرویز سے منگنی کر ڈالی۔ مگر جناب! جلد ہی نوید پرویز کے والد منظر نامے میں کودے اور بڑھک ماری۔ "یہ شادی نہیں ہوسکدی اے سوہنیا!" پھر تو بیان بازی کا ایک بازار گرم ہو گیا، جس میں نوید پرویز، ان کے والد اور میرا کے ساتھ ان کی والدہ بھی کود پڑیں۔

نوید پرویز ان دنوں بنگلہ دیش میں تھے، مگر ان پر پاکستانی ساحرہ میرا کا جادو ایسا سر چڑھ کے بولا کہ وہ فوراً پاکستان آ پہنچے اور میرا کی حمایت میں ایک پریس کانفرنس کر ڈالی۔ بیٹے کو ہاتھ سے جاتا دیکھ کر راجہ پرویز نے فوراً "پینترا بدلا۔ (پانی بجلی والے نہیں، بلکہ میرا کے متوقع سسر) اور انہوں نے جولائی کے آخر میں اداکارہ میرا اور نوید پرویز کے نکاح کا اعلان کر دیا۔ اس پر میرا بدک گئیں کہ وہ فی الحال شادی کرنے کے موڈ میں نہیں ہیں اور موڈ ہو بھی کیونکر کہ سنا گیا ہے، میرا کچھ عرصے سے لاہور میں نوید پرویز کے ساتھ ان کے ٹاؤن شپ والے گھر میں مقیم ہیں۔ (اب ان دونوں کی شادی ہو چکی ہے یا وہ ایسے ہی رہ رہے ہیں، یہ خود میرا جانیں یا نوید پرویز۔ ہم تو بس اتنا جانتے ہیں کہ ہمارے مذہب و روایات میں ایسی گنجائش نہیں۔)

ششماہی

رسائل اور جرائد کی دنیا میں آپ نے ہفت روزہ اور ماہنامہ وغیرہ کی اصطلاح تو سنی ہوگی۔ کچھ پرچے سہ ماہی اور ششماہی بھی نکلتے ہیں تو کچھ پرچے اپنا سالنامہ نمبر بھی بڑے اہتمام سے نکالتے ہیں، تاہم ایوارڈ کی دنیا میں ایسی اصطلاحات نہیں پائی جاتیں کہ ایوارڈز تو عرف عام میں سال بھر کی شاندار کارکردگی کا صلہ ہی سمجھے جاتے ہیں۔ اسی لیے ایک بار ایوارڈ حاصل کرنے کے بعد فنکار اگلا سارا سال بے چین رہتے ہیں کہ دیکھیں! آئندہ سال ایوارڈ کا تاج کس کے سر پر سجتا ہے۔ لیکن جناب! ایک ایوارڈ ایسا بھی ہے کہ جسے حاصل کرنے والے سے زیادہ دینے والے بے چین رہتے ہیں۔ اسی لیے تو وہ ایوارڈ کی تقریب سال میں دو مرتبہ کرتے ہیں۔ گویا یہ ایوارڈ سال بھر کی نہیں، بلکہ چھ ماہ کی کارکردگی پر دیے جاتے ہیں۔ یہ ایوارڈ ہیں "بولان ایوارڈ" (کیوں نہ انہیں "ششماہی ایوارڈ" کا نام دے دیا جائے۔) بولان ایوارڈ کے منتظمین کو اکثر حکومتوں سے سرپرستی نہ کرنے کا گلہ رہا ہے۔ کئی مرتبہ یہ ایوارڈ بند کرنے کا ارادہ بھی ظاہر کیا گیا، تاہم آج حالات تو وہی ہیں۔ (بلکہ شاید پہلے سے بھی بدتر) لیکن یہ ایوارڈ سال میں دو مرتبہ دیے جا رہے ہیں تو یہ یقیناً "خوش کن امر ہے۔ (کاش! کسی سرکاری سرپرستی کے بغیر وطن عزیز کے سارے مسائل بھی اسی طرح حل ہو جائیں)

ٹیلنٹ کی سرپرست بدلی

خوش قسمتی سے ہمارے ملک کی سرزمین بے حد زرخیز ہے۔ زراعت کے اعتبار سے بھی اور صلاحیتوں کے لحاظ سے بھی۔ لیکن یہ ستم ظریفی ہے یا ہماری کوتاہ نظری کہ ہمارا ٹیلنٹ ہمیں بھارتی ریپر میں لپٹا ہوا ملتا ہے تو ہم تب ہی اس کی قدر کرتے ہیں۔ ابھرتے ہوئے گلوکار نعمان جاوید بھی ایسی ہی مثال ہیں۔ ہمارے وطن میں ان کے نام سے عام شائقین موسیقی ابھی آشنا تک نہیں، تاہم موصوف دو عدد بھارتی فلموں میں اپنی آواز کا جادو جگا چکے ہیں۔ (بس ہم ہی سوئے رہے) نعمان نے حال ہی میں یہاں ایک ویڈیو البم بنائی ہے، جو ریلیز ہو چکی ہے۔ اس البم میں ان کے ساتھ فریحہ پرویز بھی شامل ہیں۔ تاہم خبر یہ ہے کہ نعمان جاوید اور فریحہ پرویز کا دوگانا ایک بھارتی فلم میں جا رہا ہے۔ دیکھیں ہمارے ٹیلنٹ کی یہ بدلی سرپرستی کب تک جاری رہتی ہے۔

پہلی مرتبہ

ہیرک شاہ ہماری فلموں کے معروف اداکار ہیں۔ کچھ عرصہ قبل وہ ایک معروف نجی چینل کے پروگرام

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں شریک ہوئے تو وینا ملک کے لیے خوب بولے۔ انہوں نے وینا سے محبت کا اعتراف کرتے ہوئے اس بات کا اعلان کیا کہ وہ اب بھی ان سے شادی کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اس سے جہاں اور کئی دل ٹوٹے ہوں گے، وہیں غالباً "ان کی بیگم نے بھی نوٹس لیا ہوگا" جب ہی تو شادی کے بعد وہ پہلی مرتبہ کسی تقریب میں ببرک کے ساتھ نظر آئیں۔ گزشتہ دنوں لاہور میں "پاکستان کلچرل ایکسیلنس ایوارڈ" کی تقریب منعقد ہوئی۔ اس میں ببرک شاہ کو بھی ایوارڈ ملنا تھا۔ اس موقع پر ببرک کی بیگم بھی ان کی خوشی میں شریک ہونے (یا شاید ان پر نظر رکھنے) موجود تھیں۔ دلچسپ امر یہ ہے بیگم ببرک شاہ نہایت مہذب انداز میں مکمل ڈھکی چھپی نظر آئیں۔ (ہائیں! لیکن ببرک کی پسند تو...)

کچھ ادھر ادھر سے

☆ کراچی میں سندھیوں کی ایک ریلی پر اندھا دھند فائرنگ سے 11 افراد مارے گئے۔ یہی وہ تشدد ہے جو شہر کو یرغمال بنائے رہتا ہے۔

☆ پاکستان کے ایک فیشن شو میں بھارتی اداکارہ کترینہ شرکت کرنا چاہتی تھی لیکن اسے ویزا اس شرط پر مل رہا تھا کہ اسے ایک حاضر منسٹر کے ساتھ ڈنر کرنا ہوگا۔ کترینہ نے انکار کردیا تو اسے ویزا نہیں دیا گیا۔

☆ پاکستان کے الیکٹرانک میڈیا کا سب سے مظلوم شکار "اسلام" ہے۔ وہ اسے جب جس وقت اور جہاں چاہے گھسیٹ کے درمیان میں لے آتا ہے۔ ایک گھنٹے کا تماشا لگتا ہے۔ میرے ملک کے سادہ لوح علما کو پکڑ پکڑ کر لایا جاتا ہے جن سے ان تمام ظالمانہ اور جاہلانہ رسوم کو، جن سے اسلام کا دور کا بھی واسطہ نہیں، اسلام اور مولوی کے کھاتے میں ڈال کر بدنامی کی مہر لگادی جاتی ہے۔

(حرف راز۔ اوریا مقبول جان)

☆ چیف جسٹس نے بیٹے کو انصاف کے کٹہرے میں لاکر وہ فیصلہ کیا ہے جو عرش والے کو محبوب ہے۔ وہ یہی تو چاہتا ہے کہ کسی کی محبت تمہیں انصاف سے نہ روکے۔

(حرف راز۔ اوریا مقبول جان)

☆ اداکارہ میرا سے میرے بیٹے کیپٹن نوید کو خطرہ ہے مجھے خدشہ ہے کہ اداکارہ میرا اپنے بھائی احسن اور والدہ شفقت زہرہ کی مدد سے میرے بیٹے کیپٹن نوید کو اغوا کرلیں گی یا اس کو جانی نقصان پہنچا سکتی ہیں۔

(کیپٹن نوید کے والد کی وزیر اعلا پنجاب کو درخواست)

☆ ملک ریاض حسین سے ہمارے دیرینہ خاندانی تعلقات ہیں۔ ملک ریاض سیلف میڈ آدمی ہیں۔

(مسلم لیگ ق کے صدر چودھری شجاعت حسین)

☆ اس میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان کرپشن میں ڈوبا ہوا ہے۔ وہاں جوتے پالش کرنے والے سے اقتدار کے ایوان میں اعلا ترین مسند پر بیٹھی ہوئی شخصیت تک سب ہی کرپٹ ہیں۔

(انڈی پینڈنٹ۔ رابرٹ فسک)

"کراچی میں بھتہ وصول کرنے والوں میں تمام ہی قسم کے لوگ شامل ہیں جن کی سرپرستی سیاسی جماعتیں اور اسٹیبلشمنٹ کرتی ہے مسئلہ یہ ہے کہ اب بھتہ لینے والے اسٹیک ہولڈرز بڑھ گئے، جھگڑا اسی بات پر ہے۔"

(توصیف احمد خان)

○ لال مسجد اور اکبر بگٹی کا خون جس کے سر ہو ہم اس شخص سے کیسے اتحاد کرسکتے ہیں۔

(عمران خان کا برکھادت کو انٹرویو)

امت الصبور

حضرت عزیر علیہ السلام

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے سو سال کے بعد دوبارہ زندہ کیا تھا، وہ حضرت عزیر علیہ السلام ہی تھے۔

حضرت وہب بن منبہ رحمتہ اللہ سے روایت ہے کہ عزیر علیہ السلام ایک دانا اور متقی آدمی تھے۔ ایک دن اپنے کھیتوں میں ان کی دیکھ بھال کے لیے تشریف لے گئے۔ واپسی پر ایک کھنڈر کے پاس سے گزر رہے تھے کہ دوپہر کی شدید گرمی سے بچنے کے لیے کھنڈر میں چلے گئے۔ آپ اپنے گدھے سے نیچے اتر آئے۔

آپ کے پاس ایک ٹوکری میں انجیر اور ایک ٹوکری میں انگور تھے۔ آپ نے ایک ویران عمارت کے سائے میں بیٹھ کر اپنا پیالہ لیا۔ پیالے میں انگوروں کو نچوڑ کر رس نکال لیا۔ پھر آپ کے پاس جو خشک روٹی تھی، وہ لے کر رس میں ڈال دی تاکہ وہ نرم ہوجائے تو کھالیں۔

پھر آپ دیوار سے پاؤں لگا کر چت لیٹ گئے۔ آپ کی نظر چھت پر پڑی۔ دیکھا کہ چھت تو قائم ہے لیکن اس کے نیچے زندگی گزارنے والوں کی صرف بوسیدہ ہڈیاں موجود ہیں۔ تب فرمایا۔

ترجمہ: "اس کی موت کے بعد اللہ تعالیٰ اسے کس طرح زندہ کرے گا؟"

(البقرہ 2، 259)

یہ شک کے طور پر نہیں بلکہ تعجب کے طور پر فرمایا تھا اللہ تعالیٰ نے موت کا فرشتہ بھیجا۔ اس نے آپ کی روح قبض کرلی اور آپ سو سال تک فوت شدہ حالت میں رہے۔ اس ایک صدی کی مدت میں بنی اسرائیل کو طرح طرح کے واقعات پیش آئے۔

جب سو سال گزر گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر علیہ السلام کی طرف ایک فرشتہ بھیجا۔ اس نے آپ کا دل پیدا کیا تاکہ آپ سمجھ سکیں اور آنکھیں پیدا کیں تاکہ سب کچھ دیکھ کر سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا۔ پھر آپ کے دیکھتے دیکھتے آپ کا جسم مبارک مکمل کیا گیا۔ ہڈیوں پر گوشت پوست اور بال بن گئے، پھر جسم میں روح ڈالی گئی اور آپ یہ سب کچھ دیکھ اور سمجھ رہے تھے۔ جب آپ اٹھ کر بیٹھ گئے تو فرشتے نے آپ سے کہا۔

"آپ کتنا عرصہ یہاں رہے؟"

آپ نے فرمایا۔ "ایک دن ٹھہرا ہوں یا اس سے بھی کم۔"

کیونکہ وہ دوپہر سے پہلے یہاں رکے تھے اور جب اٹھے تو شام کا وقت تھا۔ ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا۔

فرشتے نے کہا۔

"آپ یہاں ایک سو سال رہے ہیں۔ اپنے کھانے پینے کو دیکھیے!"

یعنی وہ خشک روٹی اور انگور کا رس دیکھا تو وہ دونوں چیزیں اسی طرح تھیں۔ رس خراب نہیں ہوا تھا اور روٹی ابھی تک خشک تھی، نرم نہیں ہوئی۔

اسی لیے فرمایا۔ "بالکل خراب نہیں ہوا۔"

یعنی اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ انجیر اور انگور بھی تازہ حالت میں تھے۔ آپ کے دل میں خیال آیا۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ "تو فرشتے نے کہا۔

"اپنے گدھے کی طرف دیکھیے!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیکھا تو اس کی صرف بوسیدہ ہڈیاں پڑی تھیں۔ فرشتے نے ہڈیوں کو آواز دی تو وہ ہر طرف سے اٹھ کر آ گئیں۔ فرشتے نے انہیں عزیر علیہ السلام کے سامنے اپنے اپنے مقام پر جوڑا۔ پھر ان پر رگیں اور پٹھے لگائے۔ پھر ان پر گوشت آگیا۔ پھر جلد اور بال پیدا ہو گئے۔ پھر فرشتے نے پھونک ماری تو گدھا آسمان کی طرف سر اور کان اٹھا کر بولنے لگا۔ وہ سمجھا کہ قیامت آ گئی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

ترجمہ: "اور اپنے گدھے کو بھی دیکھ! ہم تجھے لوگوں کے لیے ایک نشانی بناتے ہیں اور تو دیکھ! ہم ہڈیوں کو کس طرح جوڑتے ہیں؟ پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں؟"

یعنی گدھے کی ہڈیوں کو دیکھ، کس طرح ایک دوسری کے ساتھ جڑتی چلی جا رہی ہیں۔ جب پورا ڈھانچا بن گیا تو فرمایا۔

اب دیکھ! ہم اس پر کس طرح گوشت چڑھاتے ہیں۔" جب یہ سب ظاہر ہو چکا تو آپ کہنے لگے۔

"میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔"

آپ گدھے پر سوار ہو کر اپنے محلے میں آئے تو لوگوں نے آپ کو نہ پہچانا اور آپ کو بھی کوئی شناسا چہرہ نظر نہ آیا۔ آپ کو اپنے گھر کا بھی پتا نہیں چل رہا تھا۔ چلتے ہوئے کسی اور طرف نکل گئے۔ آخر اپنے گھر پہنچے تو دیکھا، وہاں ایک اندھی لاچار بڑھیا بیٹھی ہوئی ہے، جس کی عمر ایک سو بیس سال ہو چکی تھی۔ وہ آپ کی لونڈی تھی۔ جب آپ گھر سے نکلے تھے تو وہ بیس سال کی تھی۔ آپ نے اس کو پہچان لیا۔ آپ نے اس سے کہا۔

"اللہ کی بندی! کیا عزیر کا گھر یہی ہے؟"

اس نے کہا۔ "ہاں! یہی عزیر علیہ السلام کا گھر ہے۔" یہ کہہ کر وہ رو پڑی، پھر بولی۔

"مدتوں سے کسی نے عزیر علیہ السلام کا نام بھی نہیں لیا۔ لوگ انہیں بھول گئے۔"

آپ نے فرمایا۔ "میں ہی عزیر ہوں۔ اللہ نے مجھے سو سال مردہ حالت میں رکھنے کے بعد دوبارہ زندگی دے دی ہے۔"

اس نے کہا۔ "سبحان اللہ! عزیر علیہ السلام تو سو سال سے لاپتا ہیں۔ ہمیں ان کا کوئی سراغ نہیں ملا۔"

آپ نے فرمایا "میں ہی عزیر ہوں۔"

وہ بولی "عزیر تو مستجاب الدعوات تھے۔ ان کی دعا سے بیماروں کو شفا ہو جاتی تھی لہٰذا آپ دعا فرمائیں کہ اللہ مجھے آنکھیں دے دے تاکہ آپ کی زیارت کر سکوں۔ اگر آپ واقعی عزیر علیہ السلام ہیں تو میں آپ کو پہچان لوں گی۔"

آپ نے دعا کر کے اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا تو اس کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔ آپ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا۔

"اللہ کے حکم سے اٹھ کر کھڑی ہو!"

اللہ نے اس کی ٹانگیں درست کر دیں۔ وہ تندرست ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے آپ کے چہرہ مبارک پر نظر ڈالی اور بولی۔

"میں گواہی دیتی ہوں کہ آپ عزیر علیہ السلام ہی ہیں۔"

وہ بنی اسرائیل کے چوپال اور ان کی مجلس میں گئی۔ مجلس میں عزیر علیہ السلام کا ایک بیٹا موجود تھا، جو ایک سو اٹھارہ سال کا بوڑھا تھا۔ آپ کے پوتے جو مجلس میں موجود تھے، وہ بھی سب بوڑھے تھے۔ اس نے انہیں پکار کر کہا۔

"یہ دیکھو! عزیر علیہ السلام تشریف لے آئے ہیں۔" انہیں یقین نہ آیا۔ اس نے کہا۔

"میں تمہاری فلاں لونڈی ہوں۔ عزیر علیہ السلام کی دعا سے مجھے بصارت مل گئی اور میں چلنے پھرنے کے قابل ہو گئی ہوں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے ان کو سو سال کے بعد زندہ کر دیا ہے۔"

لوگ اٹھ کر آپ کے پاس آئے اور دیکھنے لگے۔ آپ کے بیٹے نے کہا۔

"ابا جان کے کندھوں کے درمیان ایک تل تھا۔"

آپ نے کندھوں سے کپڑا ہٹایا تو وہ علامت موجود تھی۔

لوگوں نے کہا۔

"ہماری قوم میں عزیر علیہ السلام کے سوا کسی کو

تورات زبانی یاد نہیں تھی۔ تحریری نسخہ بخت نصر نے نذر آتش کر دیا۔ اب کسی کسی آدمی کو تورات کے تھوڑے تھوڑے اجزا یاد ہیں۔ آپ ہمیں دوبارہ تورات لکھ دیں۔"

حضرت عزیر علیہ السلام کے والد نے بخت نصر کے زمانے میں تورات ایک محفوظ مقام پر چھپا دی تھی جس کا علم عزیر علیہ السلام کے سوا کسی کو نہ تھا۔ آپ لوگوں کو وہاں لے گئے اور وہ نسخہ نکلوایا۔ اس کے ورق بوسیدہ ہو گئے تھے اور الفاظ مٹ گئے تھے۔

آپ ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ بنی اسرائیل آپ کے اردگرد جمع تھے۔ آسمان سے دو شہاب آئے اور آپ کے پیٹ میں داخل ہو گئے۔ فوراً آپ کو پوری تورات یاد ہو گئی اور آپ نے نئے سرے سے لکھ کر بنی اسرائیل کو دی۔ اسی لیے بنی اسرائیل نے آپ کو اللہ کا بیٹا قرار دیا۔ یہ واقعہ سواد (عراق) کے علاقے میں دیر حزقیل کے مقام پر پیش آیا۔ آپ کی وفات سائر آباد میں ہوئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مطابق قرآن پاک میں۔ اور تاکہ ہم تجھے "لوگوں" کے لیے نشانی بنائیں۔"

میں "لوگوں" سے مراد ہے "بنی اسرائیل" کیونکہ جب آپ اپنے بیٹوں کے ساتھ بیٹھے ہوتے تھے آپ تو جوان ہوتے تھے اور آپ کے بیٹے بوڑھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ جب فوت ہو گئے تھے تو آپ کی عمر چالیس سال تھی۔ پھر جب آپ کو اللہ تعالیٰ نے دوبارہ زندہ کیا تو آپ کی حالت وہی جوانی والی تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ بخت نصر کے زمانے کے بعد زندہ ہوئے۔

حضرت عزیر علیہ السلام کا زمانہ نبوت

مشہور قول کے مطابق عزیر علیہ السلام بنی اسرائیل کے نبی تھے اور آپ کا زمانہ حضرت داؤد و سلیمان علیہ السلام اور زکریا و یحییٰ علیہ السلام کے درمیان کا ہے۔ بنی اسرائیل میں کسی کو تورات یاد نہیں تھی۔ تب اللہ تعالیٰ نے آپ کو الہام یا کسی ذریعے سے تورات سکھا دی اور آپ نے حرف بہ حرف لکھوا دی۔

ابن عساکر رحمتہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ آپ نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ یہودیوں نے عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کیوں قرار دیا؟

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کا تورات زبانی لکھنے کا واقعہ بیان کیا اور فرمایا۔ "بنی اسرائیل کہتے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام تو ہمارے پاس بغیر لکھے کتاب (تورات) نہ لا سکے، عزیر علیہ السلام بغیر تحریر کے تورات لے آئے۔ اس لیے بعض لوگوں نے انہیں "اللہ کا بیٹا" کہہ دیا۔ اسی لیے بعض علماء نے فرمایا کہ تورات کا تواتر عزیر علیہ السلام کے زمانے میں منقطع ہو گیا۔

حضرت حسن رحمتہ اللہ کا قول ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام اور بخت نصر ایک ہی دور میں تھے۔ صحیح بخاری میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "ابن مریم علیہ السلام کے ساتھ سب سے قریبی تعلق میرا ہے۔ انبیائے کرام ایک باپ کی اولاد ہیں۔ میرے اور ان (عیسیٰ) کے درمیان کوئی نبی نہیں۔"

حضرت وہب بن منبہ رحمتہ اللہ فرماتے ہیں۔ "حضرت عزیر علیہ السلام کا زمانہ حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان ہے۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "ایک نبی کسی درخت کے نیچے ٹھہرے۔ انہیں ایک چیونٹی نے کاٹ لیا۔ آپ نے ان چیونٹیوں کو نکلوا کر آگ سے جلوا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ "کیوں نہ ایک ہی چیونٹی کو سزا دی؟"

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حسن بصری رحمتہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ حضرت عزیر علیہ السلام کا ہے۔ (واللہ اعلم)

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

موسم کے پکوان

خالدہ جیلانی

بھیل پوری

اجزا :

آلو	آدھا کلو
سیو	ایک پاؤ
بھنی چنے کی دال	ایک پاؤ
ہرا دھنیا	آدھی گٹھی
ہری مرچ	چار عدد
ابلے کابلی چنے	دو کپ
لیموں کا رس	چار کھانے کے چمچے
پاپڑی	چھ عدد

ترکیب :

ڈش میں سیو، چنے کی بھنی ہوئی دال، ابلے ہوئے کابلی چنے اور آلو (ابال کر چوکور کاٹ لیں) ڈالیں۔ پاپڑی کو چورا کر کے ڈال دیں، پھر ہرا دھنیا اور ہری مرچیں کتر کر ڈالیں اور لیموں کا رس ملا کر چمچے سے خوب اچھی طرح مکس کر لیں۔

ایک کپ دہی میں ایک چائے کا چمچہ چینی، آدھا چائے کا چمچہ کٹا ہوا زیرہ اور حسب ذائقہ نمک ملا کر چٹنی بنائیں۔

ایک کپ املی کے گودے میں ایک چائے کا چمچہ چینی، آدھا چائے کا چمچہ کٹی ہوئی مرچ اور حسب ذائقہ نمک ملا کر املی کی چٹنی بنائیں۔

ان دونوں چٹنیوں کو بھیل پوری کے اوپر ڈال کر ہلکے ہاتھ سے مکس کریں اور مزے دار بھیل پوری سے لطف اٹھائیں۔

مکھنی ملائی ہانڈی

اجزا :

چکن	ایک کلو
لہسن ادرک پیسٹ	دو کھانے کے چمچے
پیاز بڑی	تین عدد
کریم	ایک کپ
مکھن	چار کھانے کے چمچے
سفید مرچ پاؤڈر	دو چائے کے چمچے
کٹا زیرہ	ایک کھانے کا چمچہ
لیموں کا رس	دو کھانے کے چمچے
ہرا دھنیا	آدھی گٹھی
نمک	حسب ذائقہ
تیل	ایک کپ

ترکیب :

بغیر ہڈی کے چکن میں زیرہ، آدھی کریم، آدھا دہی، سفید مرچ، لہسن ادرک پیسٹ، لیموں کا رس، ہری مرچ (کاٹ کر) اور ایک چوتھائی کپ تیل ڈال کر مکس کریں اور دو گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ اب یا تو اسے سیخ پر چڑھا کر کوئلے پر سینک لیں یا اسی تیل میں فرائی کر کے کوئلے کا دم دے دیں۔

الگ پتیلی میں باقی تیل گرم کریں۔ پیاز کو پیس کر بھونیں، پھر بقیہ دہی، نمک، ایک چمچہ سفید مرچ ڈال کر فرائی چکن بھی ڈال دیں۔ تیل الگ ہو جائے تو کریم مکس کر کے پانچ منٹ کے لیے ہلکی آنچ پر دم پر رکھ دیں۔

ڈش میں نکالتے وقت مکھن ڈال دیں اور کتری ہوئی ہری مرچ اور ہرے دھنیے سے سجاوٹ کر کے پیش کریں۔

خوبانی کا میٹھا

اجزا :

خوبانی	آدھا کلو
انجیر	آدھا پاؤ
الائچی پاؤڈر	ایک چوتھائی چائے کا چمچہ
فریش کریم	حسب مرضی

ترکیب :

خوبانی اور انجیر میں دو کپ پانی اور الائچی پاؤڈر ڈال کر آدھے گھنٹے تک ہلکی آنچ پر پکائیں۔ ٹھنڈا ہونے پر میش کر لیں۔ ڈش میں نکال کر فریش کریم سے سجاوٹ کریں اور ٹھنڈا کر کے پیش کریں۔
(گرم کھانے کی صورت میں کریم نہ ڈالیں)

فالسے کا شربت

اجزا :

فالسے	آدھا کلو
چینی	ایک پاؤ
کالا نمک	ایک چائے کا چمچہ
لیموں کا رس	دو کھانے کے چمچے
پودینے کے پتے	چند عدد

ترکیب :

فالسے دھو کر آدھے گھنٹے کے لیے پانی میں بھگو دیں۔ پھر پانی سے نکال کر میش کر لیں اور بیج الگ کر لیں۔ گودے میں کالا نمک اور چینی ڈال کر گرائنڈ کر لیں۔ پانی ملا کر ایک بار اور گرائنڈ کریں، پھر گلاسوں میں نکالنے سے قبل لیموں کا رس بھی شامل کر دیں۔ پیش کرتے وقت پودینے کے پتوں سے سجاوٹ کریں۔

گرمیوں کا فرحت بخش شروب تیار ہے۔

ڈبل روٹی کا حلوہ

اجزا :

بڑی ڈبل روٹی	2 عدد
چینی	3 پاؤ
بادام پستے	حسب ضرورت
سبز الائچی	8 عدد
کشمش	آدھی پیالی
گھی	1 پیالی

چینی میں ایک لیٹر پانی ڈال کر خوب جوش دیں تاکہ ایک تار کا قوام بن جائے، پھر ٹھنڈا کر لیں۔ ڈبل روٹی کو توے پر ہلکا سا سینک کر باریک ٹکڑے کر لیں۔ ایک کڑاہی میں گھی گرم کریں۔ الائچی، کٹے ہوئے بادام پستے اور کشمش ڈال دیں۔ جب کشمش پھول جائے تو ڈبل روٹی کے ٹکڑے ڈال دیں۔ سرخ ہو جائیں تو شیرہ ڈال دیں۔ شیرہ اتنا ہونا چاہیے کہ ڈبل روٹی ڈوب جائے۔ چمچے سے خوب مکس کریں اور چاندی کے ورق لگا کر پیش کریں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ادارہ

حسن ٹوٹکے

موسموں کی تبدیلی اور شدت ہماری صحت اور مزاج پر خاصی اثر انداز ہوتی ہے۔ خاص طور پر ہماری جلد نازک ہونے کے باعث موسم کے اثرات بہت جلدی قبول کرتی ہے۔ لہٰذا موسم کو مدنظر رکھتے ہوئے جلد کی مناسب دیکھ بھال بے حد ضروری ہے۔

موسم گرما میں دھوپ اور گرم ہوائیں جلد کو سنولا دیتی ہیں۔ اس موسم میں سن بلاک کا استعمال لازمی ہے۔ عام خیال یہ ہے کہ سن بلاک صرف گھر سے باہر نکلتے وقت ہی لگایا جائے۔ تاہم یہ درست نہیں۔ آپ گھر میں ہوں یا باہر، موسم کی حدت جلد پر اثر انداز ہوتی ہے۔ لہٰذا دن کے وقت روزانہ سن بلاک ضرور لگائیں۔ گھریلو خواتین خاص طور پر چولہے کے پاس جانے سے پہلے سن بلاک لازمی لگائیں۔

ذیل میں سن بلاک اور گھر میں آسانی سے تیار ہونے والے چند ماسک بتائے جا رہے ہیں، جن کا استعمال آپ کی جلد کو موسم گرما میں بھی شگفتہ اور تروتازہ رکھے گا۔

☆ ایک چھوٹے ٹماٹر کا گودا نکال کے چہرے پر لگالیں۔ بیس منٹ بعد سادہ پانی سے دھولیں۔ یہ عمل روزانہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ اس سے دھوپ اور گرمی سے جھلسی ہوئی جلد نکھر جاتی ہے۔

☆ جو کا آٹا، دہی اور ٹماٹر کا گودا برابر مقدار میں لے کر پیسٹ بنالیں۔ چہرے پر لگائیں اور پھر بیس منٹ بعد ٹھنڈے پانی سے دھولیں۔ یہ ماسک دھوپ سے سنولائی ہوئی جلد کی رنگت بحال کرتا ہے۔

☆ صندل پاؤڈر اور تھوڑے سے عرق گلاب کا ہلکا پیسٹ بنا کر چہرے، گردن اور جلد کے تمام کھلے حصوں پر لگالیں۔ یہ پیسٹ بہترین سن بلاک کا کام دے گا۔

☆ پودینے کی تازہ پتیاں پیس کر چہرے پر لگالیں۔ پندرہ منٹ بعد سادہ پانی سے دھولیں۔ جلد کی رنگت کھل اٹھے گی۔

☆ پودینے کی تازہ پتیاں چار گلاس پانی میں ابال لیں۔ ٹھنڈا کر کے ایک بڑی اسپرے بوتل میں بھر لیں۔ سارا دن تھوڑی تھوڑی دیر بعد چہرے پر اسپرے کرتی رہیں۔ جلد نکھری نکھری نظر آئے گی۔ چاہیں تو بوتل کو فریج میں رکھ لیں، ورنہ کسی بھی ٹھنڈی جگہ رکھ سکتی ہیں۔

☆ کھیرے کا رس، لیموں کا رس، ایلوویرا کا گودا، کھانے کا ایک ایک چمچہ لے کر اس میں چائے کا ایک چمچہ شہد بھی شامل کر دیں۔ اچھی طرح ملا کر چہرے پر لگائیں۔ بیس منٹ بعد سادہ پانی سے دھولیں۔ جلد صاف شفاف اور ہموار نظر آئے گی۔

☆ تھوڑی سی ہلدی، لیموں کے رس میں ملا کر چہرے پر لگائیں۔ بیس منٹ بعد ہلکے ہاتھوں سے رگڑ کر اتار لیں اور پھر چہرہ سادہ پانی سے دھولیں۔ رنگت نکھر جائے گی۔

☆ پودینے کی پتیاں یا صندل پاؤڈر یا صنوبر یا تھائم کے پتوں میں سے کوئی ایک چیز اپنے غسل کے پانی میں ڈال لیں۔ اس پانی سے غسل آپ کو ایک فرحت بخش احساس عطا کرے گا۔

☆ تھوڑی سی دہی میں ہلدی ملا کر چہرے پر لگالیں۔ خشک ہوجائے تو ہاتھ گیلے کر کے نرمی سے رگڑتے ہوئے اتار لیں۔ پھر سادہ پانی سے چہرہ دھولیں۔ یہ عمل جلد کو صاف شفاف کرتا ہے۔

☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk